نور المشرقین

من الحیات الصادقین

امام محمد الباقرؑ

و

امام جعفر صادق علیہم السلام

حصہ اول و دوم

تالیف

آغا محمد سلطان مرزا دہلوی مرحوم

ایم اے۔ ایل ایل بی۔

ڈسٹرکٹ و سیشن جج پنجاب (ریٹائرڈ) جسٹس آف پیس کراچی

عباس بک ایجنسی لکھنؤ انڈیا

نورالمشرقین

من حیات الصادقین

امام محمد الباقرؑ
و
امام جعفر صادقؑ

حصہ اوّل و دوم

تالیف

آغا محمد سلطان مرزا دہلوی

ایم اے۔ ایل ایل بی۔

ڈسٹرکٹ وسیشن جج پنجاب (ریٹائرڈ)، جسٹس آف پیس کراچی۔

عباس بک ایجنسی

رستم نگر، درگاہ حضرت عباسؑ لکھنؤ، انڈیا۔

بسمہ سبحانہ

نام کتاب	:	نورالمشرقین من الحیات الصادقین
مولف	:	جسٹس سلطان مرزا مرحوم
کمپوزنگ	:	ہما کاظمی، رضا اعظمی
ناشر	:	عباس بک ایجنسی، لکھنؤ
مطبوعہ	:	ناہد آفسٹ پرنٹرس، دہلی
تعداد	:	ایک ہزار
سن طباعت	:	جولائی ۲۰۱۴ مطابق رمضان المبارک ۱۴۳۵
ہدیہ	:	۶۰۰/-

ملنے کا پتہ

عباس بک ایجنسی

رستم نگر، درگاہ حضرت عباسؑ، لکھنؤ، انڈیا

فون نمبر 0522.2647590، موبائل نمبر 9415102990

E-mail:abbasbookajency@yahoo.com

Website:www.abbasbookajency.com

فہرست

مضامین کتاب نور المشرقین ﴿حصہ اول﴾

☆

فہرست مضامین

کتاب نور المشرقین (حصہ دوم)

پیش لفظ

امام محمد باقر علیہ السلام سلسلۂ عصمت کی ساتویں کڑی، پیغمبر السلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں جانشین اور امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت یکم رجب المرجب ۵۷ھ کو شب جمعہ ام عبداللہ فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام کے بطن مبارک سے مدینہ منورہ میں ہوئی نام محمد لقب باقر العلوم چھپے ہوئے علوم کو ظاہر کرنے والے۔ جنہیں رسول اسلامؐ نے جابر ابن عبداللہ انصاری کے ذریعہ سلام کہلوایا تھا۔

علمی حیثیت:۔ علامہ طبرسی کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کو علم و زہد اور شرف میں تمام دنیا پر فوقیت حاصل تھی۔ علم القرآن علم الآثار، علم سنن اور ہر قسم کے علوم و حکم میں آپ سے افضل و بہتر کوئی نہ تھا۔ بڑے بڑے صحابہ اور عظیم المرتب فقہاء و ممتاز و نمایاں تابعین آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔

علامہ شیخ مفید اور علامہ شبلنجی کا کہنا ہے کہ علم دین، علم حدیث، علم سنن، علم السیرت، تفسیر قرآن، اور فنون و ادب وغیرہ کے جتنے ذخیرے امام محمد باقر علیہ السلام کی ذات اقدس سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسنؑ، اور امام حسینؑ کی اولادوں میں کسی کے ذریعہ ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ (ارشاد ص ۲۸۶، نور الابصار ص ۱۳۱)

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ آپ کے علمی فیوض و برکات اور کمالات و احسانات سے اس شخص کے علاوہ جس کی بصیرت زائل ہوگئی ہو، جس کا دماغ خراب ہو گیا ہو اور جس کی طینت و طبیعت فاسد ہوگئی ہو، کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کے زہد و تقویٰ، علوم و معارف، عبادات و ریاضات اور آپ کے ہدایات و کلمات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصاء ناممکن ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰) امام محمد باقر علیہ السلام کا خود ارشاد ہے کہ ہمیں ہر چیز کا علم دیا گیا ہے اور پرندوں و طائروں تک کی زبانیں سکھائی گئی ہیں۔ (مناقب شہر آشوب ج ۵ ص ۱۱)

روضۃ الصفاء میں ہے کہ امامؑ نے فرمایا، خدا کی قسم! ہم زمین و آسمان پر خازن علم اور خدا کی حجت ہیں۔ ہم ہی شجرۂ نبوت و معدن حکمت ہیں۔ وحی ہمارے گھر میں نازل ہوئی اور فرشتے ہماری چوکھٹ پر آتے رہے۔ یہی وجہ ہے دنیا کے ارباب اقتدار ہم سے حسد رکھتے ہیں۔

لسان الواعظین میں ابو مریم عبدالغفار سے روایت ہے کہ میں ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرواز ہوا کہ مولا! کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا، جس سے کسی مومن کو تکلیف نہ پہنچے۔ پھر پوچھا، کون سا خلق بہتر ہے؟ فرمایا صبر کرنا اور معاف کر دینا۔ پھر پوچھا، کون سا مومن کامل ہے؟ فرمایا جس کے اخلاق بہتر ہوں۔ پوچھا، کون سا جہاد بہتر ہے؟ فرمایا، جس میں جسم کا سارا خون بہہ جائے۔ پوچھا، کون سی نماز بہتر ہے؟ فرمایا، جس کا قنوت طویل ہو۔ پوچھا، کون سا صدقہ بہتر ہے؟ فرمایا جس کے دینے سے نافرمانی و سرکشی سے

نجات حاصل ہو۔ پھر پوچھا، دنیاوی تاجداروں کے پاس آنے جانے اوران کی صحبت میں بیٹھنے کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا، میں اسے اچھا نہیں سمجھتا کیونکہ بادشاہوں کے پاس آمدورفت سے انسان میں دنیاوی محبت، موت سے فراموشی کا جذبہ اور رضائے الٰہی کی قلت پیدا ہوتی ہے۔ کہا، پھر میں نہ جاؤں؟ فرمایا، میں طلب دنیا سے منع نہیں کرتا، البتہ گناہ طلبی سے ضرور روکتا ہوں۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت:

والی مدینہ نے ہشام کے خط کو صیغۂ راز میں رکھا اور موقع ومحل دیکھ کر امام علیہ السلام کو اس نے ایک دن دارالامارہ میں طلب کیا۔ جب آپ تشریف لائے تو شربت کے ذریعہ اس نے زہر آپ کے جسم میں داخل کردیا جس کے نتیجے میں بتاریخ ۷رذی الحجہ ۱۱۴ھ کو دوشنبہ کے دن مدینہ منورہ میں آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔

اپنی شہادت سے قبل آپ نے تمام علوم واسرار امامت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ودیعت کیے اور فرمایا کہ میری قبر چار انگل سے زیادہ اونچی نہ رکھنا۔ اس کے بعد آپ کی روح جسم اطہر سے پرواز کرگئی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کو غسل وکفن دیا، نماز جنازہ پڑھی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کردیا۔ وقت شہادت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ (جلاء العیون ص ۲۶۴)

ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام

امام جعفر صادق علیہ السلام عبدالملک بن مروان کے عہد استبداد میں بتاریخ ۱۷ربیع الاول ۸۳ھ (۷۰۲ء) کو دوشنبہ کے دن جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر کے بطن سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت بڑی فضیلتوں کی حامل ہے۔ احادیث میں ہے کہ اس تاریخ کو روزہ رکھنا ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔

آپ کا اسم گرامی "جعفر" کنیت ابوعبداللہ، ابواسمٰعیل اور القاب صادق، صابر، فاضل اور طاہر وغیرہ ہیں۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو صادق کے لقب سے ملقب فرمایا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل آسمان کے نزدیک آپ کا لقب پہلے ہی سے "صادق" تھا۔ (جلاء العیون ص ۲۶۴)

امام فخرالدین رازی، عارف صمدانی، علی ہمدانی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحریروں سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے آباء واجداد کی طرح معصوم اور محفوظ تھے اور آپ نے ابتدائے عمر سے آخر عمر تک کوئی گناہ نہیں کیا (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۲۹ وج ۶ ص ۷۸۳، مودۃ القربیٰ ص ۳۴، اثنا عشریہ طعن ۱۲ ص ۴۳۹)

علامہ ابن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ اہل بیت اور سادات کی عظیم ترین فرد تھے۔ آپکی ذات طاہرہ سے قرآن مجید کی تفاسیر ومعانی ومطالب کے چشمے پھوٹتے تھے اور آپ ہی سے علمی کمالات وعجائبات کا ظہور وانکشاف

ہوتا تھا۔ (مطالب السئول ص ۲۷۳) ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ علماء نے آپ سے اس قدر نقل علوم کیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰) ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے علوم کا احاطہ فہم وادراک سے بلند تر ہے۔ (شواہد النبوۃ ص ۱۸۰) علامہ شبلنجی کا کہنا ہے کہ اعیان ائمہ میں سے ایک جماعت مثلاً یحیٰی بن سعید، ابن جریح، امام مالک، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ایوب سجستانی اور امام ابوحنیفہ وغیرہ نے آپ سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ (نورالابصار ص ۱۳۱)

علمی وفکری سرگرمیاں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی سرگرمیوں کو اعلانیہ سیاسی عمل سے علحدہ رکھا۔ امت کی صفوں میں آپ نے اپنی تحریک کی داغ بیل عظیم علمی جدوجہد اور بلند پایہ فکری درس گاہ کے ذریعہ ڈالی۔ آپ کے مدرسہ سے بڑے بڑے فقہاء ومفکرین فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ اس طرح امام علیہ السلام اپنے بعد امت کے لیے اپنے نظریاتی شاگردوں مثلاً ہشام بن حکم، مومن طاق، محمد بن مسلم اور زرارہ بن اعین وغیرہ کی صورت میں ایک عظیم علمی سرمایہ چھوڑ گئے۔ چنانچہ آپ کی علمی وتہذیبی تحریک کو زبردست وسعت ملی اور تمام مسلم علاقوں پر چھا گئی۔ (تاریخ عرب امیر علی ص ۱۷۹)۔ لوگوں نے آپ سے کثیر مقدار میں علوم نقل کیے اور انھیں ہر جگہ پہنچایا، اس طرح آپ کی شہرت تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل گئی (صواعق محرقہ ۱۲۰) جاحظ کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ساری دنیا میں علم وحکمت کے دریا بہا دیے اور ان علوم کے دروازے کھولے جن سے لوگ بے خبر تھے (رسائل جاحظ ص ۱۰۶)۔

اپنی اعلانیہ پالیسیوں اور کھلم کھلا علمی وفکری سرگرمیوں کے پس پردہ امام علیہ السلام کا ہدف اسلام نظریات اور نظام کے بارے میں لوگوں کی جہالت کو دور کرنا، الحادی رجحانات کا مقابلہ کرنا، گمراہ لوگوں کے بے تکے سوالات واعتراضات کے جوابات دینا، نیز اسلام کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنا تھا۔ ان مقاصد کی تکمیل کے ذیل میں آپ نے دو طرح کے اسلوب اپنائے۔ ایک اعلانیہ ٹکراؤ کا اسلوب اور دوسرے تعمیری اسلوب۔

اعلانیہ ٹکراؤ کا عملی اظہار اس وقت ہوا جب آپ مفاد پرستوں، سیاسی اغراض کے تحت اسلام اور امت محمدی کی حقیقی روح کو پامال کرنے والے عناصر کے مقابلہ میں سختی سے ڈٹ گئے۔ آپ نے اموی اور عباسی دور میں جنم لینے والے باطل نظریات، خطرناک رجحانات، قومی، مذہبی اور قبائلی جھگڑوں کا جم کر مقابلہ کیا۔ یہ نظریات و رجحانات، یونانی، فارسی اور ہندی کتابوں کے ترجموں کی شکل میں ظہور پذیر ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے مقابلے میں کچھ مخالف جماعتوں کے لیے فضا سازگار ہو گئی۔ ان میں غالیوں اور زندیقوں کی جماعتیں، جعلی وفرضی حدیثیں گھڑنے والے اہل الرائے اور اہل تصوف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام علیہ السلام نے علمی وفکری میدان میں ان سب کا جم کر مقابلہ کیا، انھیں شکست دی اور انھیں پچھاڑ کر کنارے لگایا۔

تعمیری اسلوب، اسلامی عقائد ونظریات کو مشتہر کرنے اور اس کے احکام واصول کی ترویج کے لیے کی جانے والی مسلسل علمی وفکری جدوجہد کی صورت میں سامنے آیا۔ جس کے ذیل میں امام علیہ السلام نے اسلامی عقائد کی مفاہیم اور شریعت کے احکام کی ترویج کی۔ مسلمانوں میں علمی شعور بیدار کیا اور علماء کی ایک کثیر جماعت کو تربیت دے کر تیار کیا کہ وہ اہل اسلام کے درمیان تبلیغی امور انجام دیں۔ مدینہ منورہ کو آپ نے علمی مرکز قرار دیا اور مسجد نبوی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر کے تمام علوم وفنون پر سیر حاصل بحثیں کیں۔ اور اپنے عقائد ونظریات سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ آپ کے شاگردوں میں اسلامی مذاہب کے ائمہ مثلاً مالک بن انس، سفیان بن ثوری، ابن عیینہ، محمد بن شیبانی، یحیٰی بن سعید وغیرہ کا نام بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ ان کے علاوہ فقہاء علماء اور محدثین میں ایوب بجستانی، شعبہ بن حجاج اور عبدالملک بن جریج وغیرہ شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد چار ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ (الامام الصادق والمذاہب اربعہ ج ۳ ص ۳۷۔۳۸)

تصنیفات

امام جعفر صادق علیہ السلام نے بے پناہ علمی، قلمی اور تقریری سرمایہ سے دنیا والوں کو فیضیاب کیا ہے اور علم دین، علم منطق، علم فلسفہ، علم اجسام، علم الاعضا، علم طبعیات، علم فال، علم کیمیا، علم طب اور علم الٰہیات وغیرہ پر متعدد کتابیں، بے شمار رسائل اور لاتعداد مقالے چھوڑے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں کتاب ''جفر وجامعہ'' اور ''اہلیلجہ'' کافی مشہور ہیں۔

''جفر وجامعہ'' کے بارے میں علامہ دمیری کا کہنا ہے کہ اس کتاب میں ازل سے ابد تک رونما ہونے والے تمام حالات وحوادث کا تذکرہ موجود ہے (حیوٰۃ الحیوان ج ۲ ص ۹۴)۔ علامہ اربلی اور علامہ جامی کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ خدا کی طرف سے ہمیں تمام علوم کے ساتھ ساتھ الہامی صلاحیت اور ملائکہ کی گفتگو کو سننے اور سمجھنے کی قوت بھی عطا کی گئی ہے۔ (کشف الغمہ ص ۹۷، شواہد النبوۃ ص ۱۸۷)۔ امام علیہ السلام کی کتاب اہلیلجیہ کے اقتباسات علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار کی جلد دوم میں نقل فرمائے ہیں جو ایک ہندوستانی فلسفی سے گفتگو کی شکل میں علم الکلام اور علم الٰہیات کے بے مثال نمونوں پر مشتمل ہے۔

دیگر ائمہ طاہرینؑ کی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام بھی چرندوں اور پرندوں وغیرہ کی زبان سے واقف تھے۔ چنانچہ جب کوئی چرندہ، پرندہ اور درندہ آپس میں کوئی بات کرتا تو اسے آپ بخوبی سمجھ لیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر انھیں کی زبان میں تکلم بھی فرمایا کرتے تھے (تفسیر الباب التاویل ج ۵ ص ۱۱۳ و معالم التنزیل ص ۱۱۳، عجائب القصص ص ۱۰۵)

مناقب شہر آشوب اور بحار الانوار میں ہے کہ ایک عیسائی نے امام علیہ السلام سے طب کے بارے میں سوال کرتے ہوئے جسم انسانی کی بناوٹ اور تشکیل کے بارے میں دریافت کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ

خلاق عالم نے انسان کے جسم میں بارہ وصل، دوسواڑتالیس ہڈیاں اور تین سوساٹھ رگیں پیدا کی ہیں۔ رگیں تمام جسم کوخون سے سیراب کرتی ہیں، ہڈیاں جسم کو، گوشت ہڈیوں کواور اعصاب گوشت کوروکے رہتے ہیں۔

کتاب الخصائل میں مرقوم ہے کہ ایک مشہورومعروف ہندوستانی طبیب منصور عباسی کے دربار میں آیا تو خلیفہ نے اپنی جان چھڑانے کی غرض سے اس طبیب کوامام جعفرصادق علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے اس سے تشریح الاجسام کے بارے میں انیس سوالات کیے مگراپنے فن میں ماہرانہ دسترس کے باوجودوہ کسی سوال کا بھی جواب نہ دے سکا۔ بالآخرآپ نے تشریح فرمائی اوروہ کلمہ پڑھ کرمسلمان ہوگیا۔ (کتاب الخصائل ج ۲ باب ۱۹ ص ۹۷)۔

پیش نظر کتاب نورالمشرقین من حیات الصادقین سوانح حیات وتعلیم امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام حصّہ اول دوم تالیف آغا محمد سلطان مرزا صاحب سابق ڈسٹرکٹ وسشن جج پنجاب جسٹس آف پیس کراچی مصنف البلاغ المبین، سیرت فاطمہ زہراؑ والتفریق والتحریف فی الاسلام وغیرہ کی مشہور ومعروف کتاب نورالمشرقین من حیات الصادقین جواب نایاب تھی۔ ادارہ نے فیصلہ کیا کہ اسکی دوبارہ کتابت کرواکر کے منظرعام پر لائی جائے جسکے ذریعہ ہمارے دونوں ائمہؑ کے حالات سامنے آئیں، بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ بطفیل ائمہ معصومین علیہم السلام ہماری سعی کوقبول فرمائیں۔ (امین)

والسلام

سید علی عباس طباطبائی

نذر

بحضور حضرت حجت القائم مہدی ابن حسن العسکری صلوٰۃ اللہ علیہ

ہر کس کہ ندارد بجہاں مہر تو در دل
حقا کہ بود طاعت او ضائع و باطل

یہ دنیا ضلالت وغوایت کی آماجگاہ گناہوں سے پر ظلم سے مملو، خدا کی نافرمانی پر ہمیشہ تیار اپنی بربادی کے عمیق غار کے قریب کھڑی ہے۔ عقل سلیم کا سلب ہو جانا جو عذاب الٰہی کی نشانی ہے نمایاں طور پر ظاہر ہے (یہ لوگ جانتے ہیں کہ آپس کی جنگ بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ پھر بھی بغیر جنگ کے نہیں رہ سکتے مدبران سیاست ودانش مندان حکمت عرصہ سے انجمنیں بنا کر ترکیبیں سوچ رہے ہیں کہ کس طرح امن وعافیت سے رہ سکتے ہیں، لیکن ہر ایک اجلاس کے بعد جو قدم اٹھتا ہے وہ جنگ ہی کی طرف جاتا ہے۔ آخر کار وہ سب اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ ہماری عقل اس گتھی کے سلجھانے سے قاصر ہے۔ عذاب الٰہی کا دوسرا نشان محبت کا فقدان ہے۔ کسی کو کسی سے محبت ہی نظر نہیں آتی۔ ایک ہی مذاہب ایک ہی تہذیب، پھر بھی ایک قوم دوسرے کی دشمن، ہمسایوں میں ہمدردی نہیں رہی۔ رشتہ داروں میں الفت نہیں۔ جس عقل انسانی پر ارسطو کے زمانے سے اب تک بھروسہ رہا ہے وہی عقل دنیا کو اس کی آخری تباہی کی طرف کھینچ کرلے آئی۔ جہل مرکب کی یہ حالت ہے کہ باوجود اس پریشاں حالی وبے بسی کے باوجود ان انجمنوں کی ناکامی کے یہ لوگ ابھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت مہذب ہیں، بہت عقلمند ہیں، کیونکہ ہم ہوا میں اڑتے ہیں اور ہم نے ایٹم کے بھی دو ٹکڑے کرکے رکھ دیئے۔ یہ نہیں جانتے کہ ہوا میں عالمگیر اور جنگ دوامی ہو اس تہذیب پر فخر کرنا حماقت کا آخری درجہ ہے۔ اور پھر اس حماقت کو عقلمندی سمجھنا حماقت کا وہ درجہ ہے جس کے لئے لغت میں تو کوئی لفظ نہیں۔ ہاں منفی حماقت سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو کہ آپ کے جد امجد کو دل سے نبی مرسل من اللہ تعالیٰ مانتے ہیں ان کو آنحضرت کے اس قول پر یقین ہے کہ میرے اہلبیتؑ دنیا کے لئے امان ہیں۔ اگر آپ کی موجودگی نہ ہوتی تو کبھی کی یہ دنیا برباد ہو چکی ہوتی جس طرح پہلے کئی بستیاں معصیت الٰہی کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گھر کر نیست ونابود ہو گئیں۔ غرض کہ دنیا کو پھر راہ راست پر لے جانا اور امن وعدل کے راستہ پر لگانا ہم میں سے کسی انسان کا کام نہیں رہا اب پھر ہم آل رسولؐ ہی کی طرف نظر امید رکھتے ہیں کہ جس طرح اس سے پہلے کئی دفعہ ڈوبتی ہوئی کشتی اسلام کو کنارۂ نجات پر وہ ہی لائے ہیں۔ اس طرح اب ہمیں آپ سے امید ہے

کہ برباد ہوتی ہوئی دنیا کو آپ ہی بچائیں گے۔ اس وقت کے ہم منتظر ہیں۔

عزم دیدار تو دارد جاں برلب آمدہ
باز گرد دیا برآید چیست فرمان شما

دنیا کی یہ حالت اس وجہ سے ہوگئی ہے کہ انہوں نے حضورؑ کے آباؤ اجداد کی تعلیم کو بھلا دیا ہے یہاں تک کہ جو لوگ اپنے تئیں آپ کے خاندان کا والہ وشیدا سمجھتے ہیں وہ بھی ان کی تعلیم سے کوسوں دور ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ آپ کے خاندان کے دشمن نہیں، عقیدہ محبت رکھتے ہیں۔ عمداً مخالفت کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اتنا ہی غنیمت ہے لیکن انکا یہ زعم کہ وہ اس خاندان کے پیرو ہیں واقعیت سے بہت دور ہیں۔ ان کی نمازوں میں خشوع وخضوع نہیں، دل میں جوش محبت الٰہی نہیں، مسجد میں جانا عار، روزے رکھنا خلاف طبع، جنازوں میں شامل ہونا کسر شان، مریض کی عیادت کرنا غیر ضروری، گلے میں صلیب باندھنا فیشن، ان کی بہت سی صفات میں سے یہ چند صفات ہیں۔ ان کا یہ جواب کہ اور مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں، یہی نہیں کہ تسلی بخش نہیں بلکہ صاحبان عقل کو شرمندہ کر نے والا ہے۔ اور لوگوں کے سامنے زندگی کا اتنا بلند معیار نہیں، ایثار نفس کی ایسی مثالیں نہیں ایسی خضوع وخشوع والی نمازیں جو تکوار وقید زہر سے بالا ہوں نہیں، جیسی ان کے سامنے ہیں۔ آل محمدؐ کی پیروی کرنے والے اور یہ اعمال، شرم تو اس بات سے آتی ہے۔ بہت سے ان میں ایسے ہیں بھی جو اپنے تئیں اولاد رسولؐ کہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اگر عمل صالح نہیں تو بیٹا بھی آل سے نکل جاتا ہے۔

جب حضور کے اس غلام نے جوان سے بدتر ہے اپنے گناہوں کی طرف دیکھا تو نتیجہ نکالا کہ اس مرض کا ایک ہی علاج ہے اور وہ آپ کے خاندان کی تعلیم کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس نے اس تعلیم پر نظر ڈالی اور یہ نہ گوارا کیا کہ دوسرے لوگ اس سے محروم رہ جائیں۔ اس تعلیم کو قلم وکاغذ کی حدود میں بند کرنا مشکل ہے اور میرے جیسے جاہل کے لئے ناممکن۔ لہٰذا جتنا بھی ہو سکا پیش کیا۔

حضورؑ امام زماں ہیں اور بادشاہ عالمین کے نائب۔ اس بارگاہ رفیع ومحل منیع میں مجھ جیسے گدائے بے نوا کا خواہش حاضری کرنا جرأت بیجا ہے۔ لیکن حضور کی گدا نوازی پر بھروسہ کر کے حاضر ہوا ہوں اور تحفہ ناچیز دل کی کشتی میں لگا کر پیش کرتا ہوں، آپ کی ایک نظر میرے دونوں جہاں کا بیڑا پار کر دے گی۔ ایسے دروازے پر آیا ہوں کہ جہاں سے کبھی کوئی سائل محروم نہیں پھرا۔ اور ایسے آقا کا گھر دیکھا ہے کہ جہاں غلام ہفت اقلیم کے تخت پر قدم رکھنے کو عار سمجھتے ہیں۔

دریا و کوہ دررہ من خستہ و ضعیف
اے خضر پے خجستہ مدد کن بہمتم

☆

حصۂ اوّل

دیباچہ

سرگشتہ اند خلق نظیری بیاکہ ما
روشن کنیم زمزمۂ خانقاہ را

نوروظلمت کی کشمکش حضرت آدم اور ابلیس کے زمانہ سے چلی آتی ہے۔ اس کشمکش نے مختلف شکلیں بدلیں، ہماری اس کتاب کا تعلق کفر کے اس حملہ سے ہے جو اس نے اسلام پر ایران و یونان کی دہریت کی شکل میں کیا۔ خدا کی قدرت دیکھو۔ خود مسلمانوں نے اس نیم مردہ اژدھا کو جگایا اور جب اس نے منہ کھولا تو خود اس میں گرنے لگے۔ یونان کے فلسفہ کو دنیا بھول چکی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے انکی کتابوں کا ترجمہ کر کے ان کو رواج دیا۔ اور پھر خود اس سے متاثر ہو گئے۔

یونان کے فلسفہ نے مسلمانوں پر

یونان کے فلسفہ نے مسلمانوں پر کتنا مضر اثر ڈالا اور ان کو کس طرح گمراہی کی طرف لے گیا۔ ہم مولوی شبلی کی زبانی سناتے ہیں۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

علم کلام حقیقت میں جس چیز کا نام ہے وہ عقائد کا اثبات ہے اور علم کلام کی تاریخ میں یہی چیز جان سخن ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کے متعلق قدما کی تصنیفات ناپید ہیں۔ اور متاخرین کا اگرچہ دفتر بے پایاں موجود ہے۔ لیکن وہ بالکل اس مصرع کا مصداق ہے۔ ع

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

سب سے بڑی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ سینکڑوں وہ باتیں جن کو نفیاً یا اثباتاً مذہب اسلام سے چنداں تعلق نہ تھا عقائد اسلام میں شامل کر لی گئیں۔ اور علم کلام کا بڑا حصہ ان کے اثبات و استدلال میں صرف ہو گیا۔ شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہ سے مسائل عقائد کا انتخاب کرو تو سینکڑوں تک تعداد پہنچے گی۔ حالانکہ ان میں جن کو عقائد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ دہائی سے بھی کم ہونگے۔ نمونہ کے لیئے ہم چند مسائل ذیل میں درج کرتے ہیں:

صفات باری عین باری نہیں
خدا کے ساتھ قیام حادث ممکن نہیں

بقاء ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے۔

سمع و بصر جو خدا کے اوصاف ہیں تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہیں۔

کلام باری میں کثرت نہیں بلکہ وہ واحد محض ہے۔

خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے۔

استطاعت قبل فعل ہے۔

معدوم کوئی شے نہیں۔

جسم شرط حیات نہیں۔

علت احتجاج حدوث ہے نہ امکان ہے۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ بہت سے عقائد میں شارح نے جس قدر تصریح کی تھی اضافہ کیا گیا اور ان اضافوں کو جزء عقیدہ قرار دیا گیا۔ اور چونکہ یہ ایجادات اکثر دور از کار تھیں اس لیئے ان کے ثابت کرنے میں ہر قسم کی سینہ زوری صرف کی گئی۔ جو بالکل رائیگاں گئی۔ مثلاً روایات و نصوص میں صرف اس قدر روارد تھا کہ قیامت میں مردے اٹھیں گے۔ یہ کچھ تصریح نہ تھی کہ وہی پہلا جسم ہوگا یا کوئی دوسرا جسم۔ اشاعرہ متاخرین نے اس قدر اپنی طرف سے اضافہ کیا کہ وہی پہلا جسم ہوگا۔ اس صورت میں چونکہ اعادہ معدوم لازم آتا تھا۔ اس لیئے اس کو بھی علم کلام کا ایک مسئلہ قرار دیا۔ اور اس کے جواز پر دلیلیں قائم کیں۔ اس سے اور بہت سے غیر ضروری مسائل عقائد میں شامل ہو گئے اور طرہ یہ کہ یہی عقائد اہل سنت و جماعت ہونے کا معیار قرار پائے۔" الکلام حصہ اول صفحہ نمبر ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸،م

شاہ ولی اللہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں ان ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان تحریرات سے مندرجہ ذیل امور واقعہ ثابت ہوئے۔

(۱) یونان کے فلسفہ سے متاثر ہو کر اسکی تقلید میں مسلمانوں نے عقائد کے اثبات و تشریح میں غیر ضروری اور دور از کار بحثیں اٹھائیں۔

(۲) یہ بحثیں شارع علیہ السلام اور قرآن کریم کے ارشادات پر غیر ضروری بلکہ مضر اضافہ تھا۔

(۳) ان بحثوں کو جزء عقیدہ بنا لیا گیا۔

(۴) جو کچھ اس میں کوشش کی گئی وہ سب رائگاں گئی۔

مسلمانوں نے یہ اثر کیوں لیا؟

اس ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں نے کیوں اپنے تئیں یونان کے فلسفہ سے متاثر ہونے دیا۔ اور اس کے زیر اثر ان دور از کار بحثوں میں کیوں چلے گئے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے۔ ابھی عقائد اسلام ان کے دل

میں راسخ نہیں ہوئے تھے کہ انھیں اپنے ملک سے باہر یونانی فلسفہ سے سابقہ پڑا۔ اور چونکہ ان کو قیاس کا اجازہ مل گیا تھا لہذا انھوں نے اپنے قیاس کو خوب استعمال کیا۔

مولوی شبلی کی غلطی

متاخرین پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ مولوی شبلی بھی غلطی کر گئے۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ روایات ونصوص میں یہ کچھ تصریح نہیں کہ قیامت میں مردے اپنے پہلے جسم کے ساتھ اٹھیں گے یا کوئی دوسرا جسم ہوگا۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ اشاعرہ متاخرین نے اپنی طرف سے اضافہ کیا کہ وہی پہلا جسم ہوگا۔ مولوی شبلی خود عیسائی پادریوں کے اعتراف سے متاثر ہو کر دوسری قسم کا جسم دینا چاہتے ہیں۔ قرآن شریف میں صاف ہے کہ مجرموں کے ہاتھ پیر، منھ آنکھیں گواہی دیں گے۔ ظاہر ہے کہ پرانے اعضا جن سے وہ افعال کئے گئے وہ وہی گواہی دیں گے۔ اور دے سکتے ہیں۔ نئے اعضاء کیا گواہی دیں گے۔ اور مجرمین کے لئے ان کی گواہی کیونکر حجت ہو سکتی ہے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ان اعضاء کے ذریعہ کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور یہ ہوگا بھی سچ۔ علاوہ اس کے بصورت اثبات جرم کون سے اعضاء دوزخ میں ڈالے جائیں گے ان نئے اعضاء کا کوئی قصور نہیں اور بے قصور کو سزا دینا عدل کے منافی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب اطمینان قلب کے لئے یہ دیکھنا چاہا کہ خدا مردوں کو کس طرح از سر نو زندہ کرے گا تو وہ پرندے جو ذبح کئے گئے تھے اور چاروں کونوں میں رکھے گئے تھے اپنے پرانے جسم ہی کے ساتھ زندہ ہو کر حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر آئے۔ اگر انسانوں کو نیا جسم دیا جائے گا اور وہ پرندے اپنے پرانے جسم میں زندہ ہوئے تو پھر وجہ تشبیہ نہ باقی رہی۔ سورۂ بقر کی آیت ۲۵۹ ملاحظہ ہو۔ حضرت عزیز کو مارا۔ یک صد برس تک مردہ پڑے رہے۔ پھر اس ہی جسم کے ساتھ زندہ کئے گئے۔ انکا گدھا اسی طرح پڑا رہا ہڈیاں گل گئیں۔ جب حضرت عزیز زندہ ہو گئے تو ارشاد ہوا وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحماً۔ حضرت عزیز کے دل میں یہی تو خیال گزرا تھا کہ ان عرصہ کے مرے ہوئے آدمیوں کو خدا کیونکر زندہ کرے گا۔ جبکہ ان کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوگئی ہونگی۔ خدا نے دکھا دیا اور پرانی ہڈیوں کو ہی قائم رکھا۔ مولوی شبلی کی اس تحریر سے اعادۂ معدوم کے اعتراض کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اس میں اعادہ معدوم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ شکل بدل لیتا ہے معدوم نہیں ہوتا۔ جسم معدوم ہی نہیں ہوا تھا پھر اعادۂ معدوم کا کیا سوال ہے۔ ان نے تو فقط شکل بدلی تھی۔ قبر میں خاک ہوا یا کیڑوں نے کھایا۔ یا پانی میں ڈوبا تو مچھلیوں نے کھایا۔ جنگلوں میں مارا گیا تو شیروں نے کھایا۔ بہر صورت باقی رہا۔ یہاں اعادۂ معدوم نہیں ہے۔ بلکہ اعادۂ ہیئت اولی ہے جو کہ ممکن ہے تو یہ ایک جواب تھا۔ اب دوسرا جواب سنیے۔ اسلام مادہ اور روح کو خدا کے ساتھ قدیم نہیں سمجھتا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب سوائے خدا کے کچھ اور نہ تھا۔ جب عدم سے تخلیق جدید ہو سکتی ہے تو اعادۂ تخلیق کیا ناممکن ہے۔

عقیدہ خدا کی تردید

اس ہی ضمن میں یہ بحث بھی اٹھائی گئی کہ چونکہ خدا ہر شئے پر قادر ہے لہٰذا وہ ظلم کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔ کرسکتا اور بات ہے اور کرتا اور بات ہے۔ جب خداوند تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ انسانوں پر مطلقاً ظلم نہ ہوگا۔ **ولا یظلمون فتیلا**۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ **ان اللہ لا یخلف المیعاد** خداوند تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ عدل کرو **اعدلوا ھو اقرب للتقوی** اپنے دشمنوں سے بھی عدل کرو تو پھر یونان کے فلسفے کی پیروی میں مسلمانوں کیلئے یہ کہنا کہ چونکہ خدا قادر و مطلق ہے وہ ظلم کرنے پر بھی قادر ہے اور ظلم کرتا ہے موزوں نہیں۔ ہر بات سے یہاں یہ مطلب لینا چاہئے کہ وہ ہر بات جس کے لئے اس زمانے کے لوگ ایک علیحدہ خدا قائم کرلیتے تھے۔ ہر بات پر قادر ہے یعنی وہ ہر بات جو دنیا میں واقع ہو رہی ہے اور واقع ہوسکتی ہے۔ اپنے ہی مقرر کردہ قوانین کو متغیر کردینے سے مطلب نہیں۔ جو بات بظاہر ظلم معلوم ہوتی ہے وہ بہت ممکن ہے کہ ظلم نہ ہو۔ ایک بڑھیا عورت کا نوجوان بچہ جو اس کی زندگی کا سہارا تھا۔ مرجاتا ہے، تو یہ کہنا کہ ظلم ہوا غلط ہے۔ معلوم نہیں اس بڑھیا نے اپنے گذشتہ زمانے میں کسی پر زیادتی کی ہوگی۔ وہ نوجوان بچہ ہی بہت لوگوں پر ظلم کرتا ہوگا۔ یا اور واقعات و وجوہات ہوں محض یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ ظلم ہوا اور خدا ظلم کرتا ہے صحیح نہ ہوگا۔ یا یہ کہنا کہ خداوند تعالیٰ اپنے تئیں رحیم کہتا ہے اور یہ رحم کے منافی ہے یا یہ کہنا کہ خدا رازق ہے اور بعض بچے پیدا ہوتے ہیں ان کی ماں مرجاتی ہے اور پھر بچے بھی بھوک سے مرجاتے ہیں۔ خدا کیونکر رازق ہوا۔ بعض لا علاج امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، تکلیف اٹھاتے ہیں دراں حالانکہ خدا حکیم مطلق، قادر مطلق، رحیم مطلق ہے۔ ہم اس بحث کا جواب دیتے ہیں۔

اس بحث کے نو اصول

اس بحث میں کئی امور کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔ ہم ان کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

۱۔ دنیا دار عمل ہے۔ اسی وجہ سے سزا و جزا مقرر کی گئی ہے۔

۲۔ قوانین خدا اٹل ہیں **ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا**۔

۳۔ انسان کے ہر فعل کا نتیجہ پیدا ہونا لازمی ہے۔

۴۔ کسی فعل پر رائے دینی کہ یہ فعل اچھا ہے یا برا اس وقت ہی ممکن ہے کہ جب فعل ختم ہوجائے اور اس کا آخری نتیجہ معلوم ہوجائے۔

۵۔ انسان کی زندگی محض اس دنیا میں ختم نہیں ہوتی۔ بنی نوع انسان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی۔ اختلاف محض اس دوسری زندگی کی نوعیت میں ہے۔

۶۔ بسا اوقات کسی بات کو ہم اپنے لئے اچھا سمجھتے ہیں لیکن دراصل وہ ہمارے لئے بری ہوتی ہے۔

۷۔ جب ایک امر کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں تو جب تک باقی اسباب کی موجودگی کو ناممکن نہ ثابت کیا جا سکے اس وقت تک کسی ایک سبب پر بحث قائم نہیں کی جا سکتی۔

۸۔ خدا کے کسی امر مشیت پر نکتہ چینی نہ کرنی چاہئے۔ لیکن جب کوئی امر انسان کو تعجب انگیز معلوم ہو یا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہو کہ یہ امر واقعہ خدا کو عادل و رحیم جانتے ہوئے اس کی عدالت و رحمت سے بعید معلوم ہوتا ہے تو انسان فوراً ہی رائے قائم نہ کرے۔ دو قسم کے واقعات ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو ہماری ذات پر گذرتے ہیں دوسرے وہ جو اور لوگوں پر گذرتے ہیں۔ انسان جب بھی خدا کی عدالت و رحمت پر رائے قائم کرے تو اپنی رائے کیلئے محض اپنی ذات پر گذرے ہوئے واقعات کو دیکھنا چاہئے۔ دوسرے کے واقعات کی وجہ سے رائے قائم نہ کرے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص بہت بد معاش نظر آتا ہے، فریبی ہے، مکار ہے لیکن مرفع الحال ہے۔ خوشی کے اسباب اس کے پاس ہیں، جلدی سے اس رائے پر نہ پہنچ جائے کہ دنیا میں اب انصاف نہیں کیونکہ دوسروں کے واقعات، خصوصاً ان کے دل کے حالات سے ہم واقف نہیں۔ ایک شخص بظاہر خوش نظر آتا اس کا دل ہر دم روتا رہتا ہے۔ معلوم نہیں اندر کیا رنج ہے۔ ایک شخص بظاہر نیک و سخی و نمازی نظر آتا ہے۔ کیا معلوم کی اس کی یہ ساری باتیں صرف لوگوں کے دیکھاوے کی ہیں۔ اور قاعدہ یہ مقرر ہوا کہ الاعمال بالنیات لہذا جب ہمارے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ دنیا میں ظلم ہو رہا ہے تو ہمیں چاہئے کہ اس کا فیصلہ ہم اپنے اور اپنے حالات پر نظر ڈال کر کریں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو رحیم و عادل ہی پائیں گے۔

۹۔ بندوبست کی پیمائش کا پہلا گر یہ ہے کہ پختہ موقعے سے پیمائش شروع کریں۔ اور کسی دوسرے پختہ موقعے سے اس کی پڑتال کرے۔ پختہ موقع اس کو کہتے ہیں کہ جو پرانی مساوی میں پہلے بندوبست کے زمانے کا وجود ہو اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔ فلسفے میں بھی ایسے پختہ موقع ہوتے ہیں اور اسلامی علم کلام میں بھی ہیں۔ اسلام میں سب سے بڑا پختہ موقع قرآن ہے اور پھر کلام ائمہ جن میں جناب رسول خدا کو بھی شامل کرتا ہوں۔ جب قرآن نے کہہ دیا کہ خدا عادل ہے۔ رحیم۔ حکیم۔ انسان پر ظلم نہیں کرتا۔ تو پھر تم نہیں کہہ سکتے کہ خدا چونکہ قادر مطلق ہے لہذا وہ ظلم بھی کرتا ہے۔ آج کل ایک نئی اردو ایجاد ہوئی ہے۔ اور اس کے اہل زبان بھی نئے ہیں۔ وہ ایسی اردو ہے کہ اگر غالبؔ قبر سے اٹھ کر آئیں تو اسے سن کر کانوں پر ہاتھ رکھیں۔ ان استادان فن نے ایک فقرہ ایجاد کیا ہے "دماغی عیاشی" یوں دماغ تمام اعضاء پر حکومت کرتا ہے لیکن حکمائے سابق نے دماغ سے عیاشی کا کام نہیں لیا۔ عیاشی کا کام تو انسان کے دیگر اعضاء ہی سے لیتے رہے۔ دماغ کو کسی اہل زبان نے عیاش نہیں کہا۔ اگر چہ فقرہ تو بے معنی ہے۔ لیکن جو مفہوم انہوں نے اس سے لیا ہے۔ وہ درست ہے۔ ایسی بے معنی بحث کر کے یہ لوگ اپنی دماغی خواہش منطق کو پورا کرتے ہیں۔ مذہب میں بلکہ کسی بحث میں اگر اس بحث کو معقولیت کے اندر رکھنے کا ارادہ ہے تو منطق کو اس کی آخر حد تک لے جانا چاہئے۔ ورنہ انگریزی کا مقولہ جائز ہو جائے گا۔ Extremeseet

یعنی دو متضاد امور کی حدیں ملتی ہیں جس کو غالب نے اس طرح ادا کیا ہے۔

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

منطق کی ضد حماقت ہے منطق کو اس کی آخری حد تک لے جاؤ گے تو وہ حماقت ہو جائے گی۔ یہ تو اصول مندرجہ بالا قرآن مجید پر مبنی ہیں۔ علم کلام یا فلسفے کی بحث میں ان کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ یہی وہ اصول ہیں جو یونانی و ہندوستانی فلسفہ اور اسلامی علم کلام کے درمیان حد فاصل ہیں۔

انسان کو وہ فعل کرنا چاہئے جس سے خوشی حاصل ہو۔

یونانی فلسفہ کہتا ہے کہ فطرتاً انسان وہی کام کرتا ہے اور کرنا چاہتا ہے جس سے اس کو راحت حاصل ہو۔ اور جس میں اس کا فائدہ ہو اور اچھے اور برے کے بھی یہی تمیز ہے۔ یہ اصول فطرت پر مبنی ہے اور ہم بھی اس کو مانتے ہیں۔

خوشی کس وقت کی؟ ابتدائے فعل کی یا نتیجہ کی؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ راحت یا فائدہ کس حرکت کا مدنظر ہونا چاہئے۔ اس وقت کا کہ جب وہ فعل کیا گیا ہے۔ یا اس وقت کا کہ جب اس کا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ ایک شخص کی جیب سے زید نے ایک ہزار روپے کے نوٹ نکال لئے۔ دو تین ہفتے خوب فائدہ ہوا پھر پولیس آئی گرفتاری ہوئی۔ مقدمہ چلا۔ دو سال قید سخت کی سزا ہوئی یا محفل رقص و سرور گرم ہے۔ دور شراب چل رہا ہے۔ دوست بیٹھے ہیں۔ چاندنی رات ہے۔ کنارے دریا ہے۔ خوب مزے آرہے ہیں۔ زید نے بھی شراب پی۔ تین بجے رات تک محفل رہی۔ پھر گھر جا کر سو رہے۔ نو بجے صبح اٹھے۔ خمار اتر رہا ہے۔ سر میں درد ہے۔ ایک لاکھ روپے کے سودے کے لئے فریق ثانی نے زید کا انتظار کر کے دوسرے سے سودا کر لیا۔ جگر خراب ہو گیا۔ موت نزدیک تر آگئی۔ اب فرمایئے فعل شراب نوشی نے شروع خوشی پہنچائی بعد میں نقصان۔ کام تو انسان کو وہی کرنا چاہئے جس سے اسے خوشی و فائدہ حاصل ہو۔ لیکن اس وقت کے رنج و خوشی، نقصان و نفع کو دیکھنا چاہئے جب اس فعل کا آخری نتیجہ برآمد ہوا۔ یہاں تک یونانی فلسفے نے بحث کی ہے۔ اور ہمارا اس سے اتفاق ہے۔ اس کے بعد اب جدائی ہوتی ہے یونانی فلسفہ کہتا ہے کہ منتہائے عمل اس ہی دنیا میں ہے صرف موجودہ زندگی کو مدنظر رکھ فیصلہ کرنا چاہئے کہ فعل اچھا ہے یا برا یعنی میرے لئے مفید ہے یا مضر۔ لیکن یہ بحث غلط ہے۔

جن افعال کا آخری نتیجہ

یہ بحث اس بات کو نظر انداز کرتی ہے کہ انسان کے بہت سے افعال ہیں جن کا آخری نتیجہ اس دنیا میں بر مد نہیں ہوتا۔ بہت سی چوریاں بہت سے قتل بہت سے زنا۔ لوگوں کی نظروں میں کبھی نہیں آتے۔ اور نہ ان کی سزا

ملے۔اس فلسفہ کے مطابق کہ یہ سب فعل اچھے تھے کیونکہ ان کے کرنے والوں نے ان کا خط اٹھالیا۔اور سزا نہ ملی۔ ایسا فلسفہ بدی کی ہمت افزائی کرتا ہے۔لہٰذا ناقص ہے۔ظلموں کو بڑھاتا ہے۔عدل کا منافی ہے۔اسلام بھی اس اصول کو مانے لیتا ہے کہ انسان کا مقصد فعل اس کی خوشی ہے۔لیکن وہ خوشی عاقبت کی ہے نہ کہ عاجل کی۔

جب مسئلہ زیر بحث ظلم خدا (معاذ اللہ) کو ان بدیہی اصول کو زیر نظر رکھ کر دیکھو گے تو خود بخود نتیجہ نکال لو گے کہ خدا ظلم نہیں کرتا اور اگر اب بھی قائل نہیں ہوئے اور خدا کی قدرت کے منطق ہی پر اڑے ہوئے ہو تو ظلم پر آن کر کیوں مکر جاتے ہو آگے یہ بھی بحث کرو کہ خدا معاذ اللہ آدمی بن سکتا ہے۔بلکہ ہر ایک جانور کی شکل اختیار کر سکتا چاہے تو معاذ اللہ ہمالیہ پہاڑ سے اونچا بن جائے۔بڑے سے بڑا دریا بن جائے۔تو پھر ہندوؤں۔مصریوں اور یونانیوں سے تمھارا تنازعہ کیا رہا۔کس بات کے لیئے تم نے تلوار اٹھائی تھی۔وہ بھی تو یہی کہتے تھے کہ جب خدا نے آدمی بننا چاہا تو لارڈ کرشن بن گیا۔جانوروں میں آنا چاہا تو ہنومان جی بن گیا۔دریاؤں میں آنا چاہا تو برہمپتر بن گیا۔درختوں میں آنا چاہا تو پیپل بن گیا۔ایک ہی منزل پر دونوں آگئے۔آپ نے اپنے خاص طریقہ کی توحید کے تخیل کا ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔ان لوگوں نے بت پرستی کا سیدھا راستہ اختیار کیا ان کا راستہ چونکہ سیدھا تھا وہ بہت جلدی سے بت پرستی کی منزل پر آگئے۔آپکا راستہ ٹیڑھا تھا لہٰذا لمبا تھا۔آپ ذرا دیر سے اس ہی منزل پر پہنچے۔

یونانی فلسفہ کا آخری مخزن

یونان کے فلسفہ کا مخزن محض عقل انسانی تھی اور اس پر ہی وہ مبنی تھا۔الوہیت کو اس میں کچھ دخل نہ تھا۔اگرچہ روح کا تخیل بھی اس میں موجود تھا۔لیکن روح کو بھی ایک عقلی ڈھانچہ میں ڈھالا گیا۔اور نتیجہ نکالا گیا تھا کہ روح کی ماہیت یہ ہونی چاہیئے۔اور غالباً وہ ایسی ہی ہے۔افلاطون کے فلسفہ کے ذکر میں اس پر تفصیل سے بحث ہوگی۔ایسے فلسفہ میں خدا، وحی نبوت پیغمبرؐ کے لیئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی اور نہ تھی ایسا فلسفہ انسان کو الحاد اور دہریت ہی کی طرف لے جا سکتا تھا اور لے گیا۔جب عیسائیت نے اس فلسفہ کو اپنے اندر لیا تو اس میں قضا و قدر اور جبر و اختیار کے مسئلے بھی اٹھاوے گئے مشیت اور ارادہ الٰہی پر بحث کی گئی اور یہی وہ خش پوش کنوئیں تھے جن میں مسلمانوں کو لا کر گرایا گیا۔

جناب امام جعفر صادقؑ نے مسائل کو حل کیا اور موجودہ سائنس

جناب امام جعفر صادقؑ نے ان مسائل پر نہایت عمدہ بحث کی ہے اور ہر ایک اعتراض کا مسکت جواب دیا ہے۔ہم نے اس کو اختصار کے ساتھ اس کتاب میں درج کیا ہے۔یہاں ہم اس حمایت اور تائید کا ذکر کرتے ہیں جو موجودہ سائنس جناب امام علیہ السلام کی بحث کو پہنچاتا ہے۔

الحاد و دہریت

الحاد و دہریت کی بنیادی بحث یہ ہے کہ مادّہ قدیم ہے۔چند قوانین کے زیر اثر اس میں زندگی پیدا ہو جاتی

ہے۔ اور پھر وہ مختلف شکلیں خود بخود پیدا کر لیتا ہے۔ زمانہ ہی انسان کو پیدا کرتا ہے اور زمانہ ہی مار ڈالتا ہے۔ اس بحث کے بنیادی ارکان یہ ہیں۔

(۱) قدامت مادّہ

(۲) ہستی خود اختیاری

ہم ان پر بحث کرتے ہیں۔ پہلے اتنا کہنا ضروری ہے کہ دہریت کی اس بحث نے انسان کی زندگی کو مکھی کی زندگی کے مساوی کر دیا۔ ایک دہریہ تو یہ کہے گا کہ اگر مساوی تو کر دیا تو ہم کیا کریں۔ جب امر واقعہ ہی یہ ہے۔ لیکن ہم اس کی اس بحث کو مان لیں گے اگر مرتے وقت بڑے سے بڑا ملحد اور دہریہ اپنے بستر مرگ پر ایمانداری کے ساتھ یہ کہہ دے کہ اسکی زندگی ایسی ہی رہی جیسی کی ایک مکھی کی۔ کیا کبھی اسے کسی عزیز کی موت پر رنج نہیں پہنچا۔ کیا کبھی اس پر کسی نے ظلم کیا۔ کیا اسے رنج نہیں کہ وہ اپنی اولاد اور اقارب کو اس طرح چھوڑ کر جا رہا ہے۔ کیا ان رنجوں کا کوئی معاوضہ نہیں۔ کیا یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا ہے کہ جیسا ایک مکھی کا بھنبھنانا؟ کیا وہ نظام جو اس خوش اسلوبی سے چل رہا ہے کہ ہزاروں برس سے جس طرح سورج و چاند نکلتے آئے ہیں اب بھی نکل رہے ہیں۔ فضا میں اتنے ستارے و سیارے ہیں کبھی نہ تصادم ہوا۔ نہ ایک دوسرے کی چال میں فرق پڑا ایسا نظام جس کی ابتدا اولی خوبصورت ہے اسکا انجام یہ ہوگا کہ ایک انسان رنج اٹھاتے ہوئے لوگوں کے ظلم سہتے ہوئے مر رہا ہے اس کی کہیں داد ہے نہ فریاد۔

قدامت مادّہ

یہ بہت پرانی بحث ہے لیکن اب سائنس نے اس کو حل کر دیا۔ مادہ پہلا ایک Substance (یعنی مستقل شے) سمجھا جاتا تھا اور اب تک سائنس کا یہ کہنا تھا کہ Atom (ذرہ) جو مادہ کا سب سے چھوٹا ذرہ ہے تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ذرہ ایک substance تھا تو ان لوگوں نے نتیجہ نکالا تھا کہ مادہ اپنی آخری تقسیم میں بھی ایک چیز بالذات قائم ہے۔ لہذا وہ قدیم ہے خود بخود موجود ہونے والی شئے ہے۔ اور ہمیشہ رہیگی کیونکہ مادہ غیر فانی ہے لیکن (Radio activity) کی دریافت سے یہ نظریہ بدل گیا۔ اب اس برقیہ فعالی طاقت سے ذرہ کی بھی تقسیم ہو سکتی ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی ڈکشنری میں (Radio ativity) کا ترجمہ گرم تابی، تاب کاری اور شعاع زنی کیا ہے۔ لیکن میں اس کا ترجمہ برقیہ فعالی طاقت کرتا ہوں۔ ہر صورت میں اس طاقت کے ذریعہ سے ایک ایٹم (ذرہ) کے بھی ٹکڑے ہو سکتے ہیں جن کا نام Eleetrons اور Protons ہے۔ یہ کیا ہیں۔ صرف روشنی کی لہریں۔ لہذا اگر دنیا و مافیہا اور آسمان پر کے سیاروں اور ستاروں کا اس طاقت کے ذریعہ سے تجزیہ کیا جائے تو وہ کیا ہوگا۔ صرف روشنی کی لہریں۔ وہ مادہ جو پہلے ناقابل تقسیم ایٹم تھا، اب تقسیم ہو کر صرف روشنی کی لہریں رہ گیا۔ اور ہوا میں مل گیا۔ یہ روشنی کی لہریں کیا ہیں؟ صرف برقی طاقت یہ سارے عالم کیا ہیں، ایک برقی طاقت۔ اب ذرا قرآن کی یہ آیت تو پڑھیے: اللّٰہُ

نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ زمین وآسمان کا نور ہے۔ غرضکہ اس بحث سے ثابت ہوا کہ مادہ نہ تو کوئی شئے (Sabstance) ہے اور نہ قدیم ہے۔ کیونکہ برق قائم بالذات نہیں ہے۔ دو چیزوں کے ملنے سے پیدا ہوت ہے۔ گویا کہ ایک پیدا کی ہوئی لہر یا طاقت ہے۔ وہ برقی لہر کس طرح پیدا ہوئی قرآن کہتا ہے کہ وہ محض ایک امر رب تھا جس نے یہ لہر دوڑادی۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ ۶:۷۳۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۳۶۔۸۲۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ سائنس اور اسلام ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں بلکہ جتنی سائنس زیادہ ترقی کرے گا اتنا ہی اس سے اسلام کی صداقت کی تائید ہوگی۔

دنیا پر زندگی کیونکر پیدا ہوئی۔ یہ بھی ایک دلچسپ سوال ہے پہلے تو ان سائنس دانوں کا خیال تھا کہ مادہ میں سے خود بخود جاندار چیزیں نکل آتی ہیں۔ لیکن اب جو سائنس نے آگے ترقی کی تو اسے معلوم ہوا کہ یہ اس کے علم سے باہر ہے کہ دنیا پر زندگی کیونکر نمودار ہوئی۔ اپنی جہالت کا علم ہونا بھی ایک درجہ ترقی علم کا ہے۔ زندہ جسم کے مرکبات یہ ہیں۔ نائٹروجن۔ اکسیجن۔ ہائیڈروجن اور کاربن وغیرہ۔ ہر ایک ایٹم جو زندگی کے لیئے ضروری تھا۔ نئی زمین پر موجود ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد ان ایٹموں نے آپس میں مل کر ایسے مالیکول (سالمہ) بنائے ہوں گے جو زندگی کے لیئے ضروری ہیں۔ سائنس والوں کا خیال ہے کہ اس طرح کے سالمے عرصے کی مختلف ملاوٹوں میں سے بن سکتے ہیں اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ اگر چھو بندر مل کر انگل پنجو ایک ٹائپ رائٹر پر ہاتھ مارنے لگیں تو کچھ عرصہ میں محض اتفاقاً وہ شکسپیئر کا ایک راگ ٹائپ کرلیں گے مجھے تو اس میں بہت شک ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اتفاق سے راگ کا ایک لفظ آج ایک صفحہ پر ٹائپ ہوگیا تو عرصہ میں کئی سو صفحات کے بعد ایک دوسرا لفظ ٹائپ ہوجائے گا۔ اور اسی طرح سارے راگ کے الفاظ ٹائپ ہو۔

جائیں گے۔ لیکن وہ راگ جس میں الفاظ اپنی ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں ہرگز ٹائپ نہ ہوگا۔ یہ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اسی طرح اتفاقاً دو ایٹموں کا مجموعہ تیار ہوجائے گا۔ جو ایک (Living cell) کے لئے ضروری ہے، خود اہل سائنس کہتے ہیں کہ دو ایٹموں کا مجموعہ تیار ہوجائے گا۔ لیکن اس میں زندگی نہ آئے گی۔ اگر زندگی آسکتی تو ہر ایک کیمسٹ اپنی دارالتجربہ (معمل) میں زندگی کو پیدا کرسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کی زندگی کس طرح آتی ہے معاملہ ختم ہوا۔ Sir James jeans the my sler was universe۔

مسئلہ جبر واختیار

اسلام کے مشکل مسائل میں سے ایک مسئلہ جبر واختیار کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آیا انسان اپنے افعال میں مجبور ہے یا خود مختار ہے۔ یونان کے فلسفے میں اس مسئلے نے عقلی صورت اختیار کی ہوئی تھی اور حکماء یونان کا فیصلہ تھا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے جب عیسائیت میدان میں آئی تو اس کے علماء نے اس فلسفے کی ترمیم کی اور کہا کہ

انسان اپنے افعال میں آزاد ہے۔ اور اب یورپ میں دونوں جماعتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ جو کہتے ہیں انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ اور دوسرے وہ جو کہتے ہیں انسان اپنی مرضی اور اپنے افعال میں آزاد ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان اپنی مرضی اور اپنے افعال میں اس طرح آزاد نہیں جس طرح جانور یا دیوانے آزاد ہو تے ہیں۔ اس کی اس آزادی کو محدود کرنے والے مندرجہ ذیل امور ہیں۔

(۱) قانون (۲) مذہب یا اخلاقیات (۳) رسومات (۴) ماحول۔ لیکن یہ چیزیں انسان کے فعل کی آزادی کو براہ راست سلب نہیں کرتیں۔ یہ نہیں کہ اگر اس نے کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کیا تو مجبوراً قانون ایک مہیب و دیوئی شکل میں آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیگا۔ یا اس نے زنا کا ارادہ کیا تو مذہب دوزخ کی آگ کو لا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیگا۔ یہ سب چیزیں اس کے فعل کی آزادی کو اس کے ارادے کے ذریعہ سے سلب کرتی ہیں۔ پہلے وہ اس کے ارادے پر اثر ڈالے گی اور پھر اس کا ارادہ اس کو روکے یا نہ روکے۔ معلوم ہوا کہ ارادہ ہمیشہ آزاد ہے اور آزاد رہے گا۔ وہ آزاد ہے کہ ان چیزوں سے اثر لے یا نہ لے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک خاندان کا بڑا مالک یا ماسٹر اس پر اثر ڈالنے والے اس کے بیٹے یا بیٹیاں، بیوی، بھائی، دیگر اقرباء اور ملازمین ہیں۔ اور وہ سب علیحدہ علیحدہ اپنا نقطہ نگاہ اس کے سامنے پیش کر کے اس پر اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ آزاد ہے کہ وہ جسکا چاہے اس کا نقطہ نگاہ اختیار کرے یا کسی کے کہنے کو بھی نہ مانے بلکہ اپنا علیحدہ ہی ایک نظریہ رکھے۔ یہی حالت انسان کے ارادہ (Will) کی ہے۔ نتیجہ نکلا کی قانون ورسومات۔ ماحول ومذہب اگر چہ نہایت طاقتور عوامل ہیں۔ لیکن بذات خود کچھ نہیں کر سکتے۔ صرف ارادہ کے ذریعہ سے انسان کے فعل پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ لہذا ہم یہ نظریہ قائم کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جہاں تک دنیا کے ان عوامل کا تعلق ہے انسان اپنے فعل میں آزاد ہے کیونکہ اس کا ارادہ آزاد رہتا ہے۔

لیکن یہاں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا تعلق محض اسلام سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے انسان پر کہاں تک جبر ہے۔ یہ جبر دو طرح سے ہوسکتا ہے۔

ایک تو اس طرح کی خدا واقعات کو اس طرح ترتیب دے کہ انسان ایک خاص فعل کرنے پر مجبور ہو جائے۔

قرآن شریف پر متضاد بیانات کا الزام

دوسرے یہ کہ خدا انسان کے ارادے پر اس طرح اثر ڈالے کہ وہ سوائے اس خاص فعل کچھ اور کر ہی نہ سکے۔ یہ جبر ہوا۔

قرآن شریف کی آیات کو بنظر امعان نہ دیکھنے کا یہ نتیجہ ہے کہ بعض لوگوں کہ قرآن شریف پر متضاد بیانات کا الزام لگایا ہے۔ مولوی شبلی ان کے الزام دینے والوں میں ایک ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

دوسرے اختلاف (قدر و جبر) کا منشا یہ تھا کہ انسان کے افعال کر اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز بھی ہمارے بس کی نہیں۔ یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہمارا اختیاری نہیں۔ لیکن مشکل

ہے۔ کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو ثواب وعقاب جو مذہب کی جان ہے اس کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں۔ بعض میں صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کراتا ہے۔

قل کل من عندالله

بعض کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے فعل کا آپ ذمہ دار ہے۔

ما اصابك من سيئة فمن نفسك

اس بنا پر اسلام میں ۲ آرائیں قائم ہوگئیں۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے۔ انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے۔ جو اس لفظ سے بھی جھجکتے تھے۔ انہوں نے کسب وارادہ کا پردہ رکھا اور یہ پردہ بھی ابوالحسن اشعری نے ایجاد کیا، ورنہ قدما اس کا بھی نام نہیں لیتے۔ (الکلام حصہ اول منھا صفحہ نمبر ۱۱)

مولوی شبلی کا الزام

مولوی شبلی نے قرآن شریف پر یہ صریح الزام لگایا ہے اور اپنی رائے بھی ظاہر کردی کہ نظر غور سے دیکھا جائے تو انسان اپنے ہر ایک فعل میں مجبور ہے۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ انسان کا ارادہ مجبور نہیں ہے۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ مولوی شبلی نے قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ یہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُواْ هَـٰذِهِ مِنْ عِندِ اللّٰهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُواْ هَـٰذِهِ مِنْ عِندِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ فَمَا لِهَـٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ○ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (۴۔۷۸،۷۹)

عقیدۂ جبر سیاسی ضرورت کی وجہ سے ایجاد:

چونکہ بوجوہات چند در چند مولوی شبلی جبریوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے ان آیات کو جبر ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا اور وہ بھی ان میں سے ایک فقرہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ لے لیا۔ ورنہ یہ آیات جبر نہیں کرتیں۔ ان لوگوں کو اگر اچھائی پہنچتی تھی تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف ہے اور اگر برائی پہنچتی تھی کہ کہہ دیتے تھے کہ یہ رسول کی طرف سے (نحوست) ہے خدا نے فرمایا کہ وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اور پھر اس کی تشریح کی یہ کہہ کر کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ کوئی بات ہی نہیں سمجھتے حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر اچھی بات ہو تو سمجھو کہ خدا کی طرف سے ہے اور بری بات یعنی مصیبت یا تکلیف پہنچے تو تمہارے نفس کی طرف سے ہے۔ یعنی تمہارے افعال یا گناہوں کا نتیجہ ہے۔ مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ فتح بدر وشکست احد کی طرف اشارہ ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ کا بھی یہی مطلب ہے۔

مولوی شبلی جیسا مورخ بھی اس بات کے سمجھنے سے قاصر رہا کہ فعل ونتیجہ فعل میں فرق ہے فعل میرے اختیار

میں ہے اور نتیجہ فعل میرے اختیار میں نہیں ہے۔ آیت متذکرہ بالا میں نتیجہ سے بحث ہے فعل سے بحث نہیں اچھائی یا برائی جو انسان کو پہنچتی ہے اس کی نسبت کہا گیا ہے کی وہ خدا کی طرف سے ہے فعل کو نہیں کہا گیا کہ تم سے جو فعل سرزد ہوا وہ خدا نے کرایا۔ خداوند تعالی قادر مطلق ہے اگر وہ چاہے تو ہم کتنا ہی عاقلانہ فعل کریں اس کا نتیجہ ہمارے لیے مفید نہ نکلے۔ کل ہی میں ایک بڑے ڈاکٹر سے گفتگو کر رہا تھا۔ انھوں نے کہا جتنی ہم کو خدا کی قدرت نظر آتی ہے شاید ہی اور کسی کو نظر آتی ہو۔ اچھے سے اچھا نسخہ بعض دفعہ کام نہیں کرتا۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مریض ہماری رائے کے خلاف پرہیزی کر لیتا ہے اور اچھا ہو جاتا ہے۔ اس ہی صورت حال کو جناب امیر المومنین نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ عرفت ربي بفسخ العزائم ہمارے نہایت عاقلانہ۔ اور خوب تیار کئے ہوئے منصوبوں کی ناکامیابی خداوند تعالی کی ہستی کو ثابت کرتی ہے۔ قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں جن میں ہے کہ خدا نے فرمایا ہی ہم کھیتی اگاتے ہیں۔ ہم کشتی چلاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا نے ان کر کھیت میں بیج ڈالا۔ اور کشتی کو ملاح کی جگہ کھڑے رہ کر چلایا۔ یا اس نے کسان سے بیج ڈلوائے اور ملاح سے کشتی چلوائی۔ فعل تو انھوں نے کر لیے نتیجہ فعل تو خدا نے دیا چاہتا تو اسے روک دیتا اسی طرح قرآن شریف میں کئی جگہ فرماتا ہے کہ جس کو ہم چاہتے ہیں۔ وہ ایمان لاتا ہے اور جس کو ہم نہیں چاہتے وہ ایمان نہیں لاتا لیکن پھر اصول بھی بیان فرما دیا کہ کس کو ہم ہدایت دیتے ہیں اور کون راہ ضلالت پر رہ جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ○
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ○
يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ○ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○
(۲:۶، ۱۶، ۱۸، ۲۶، ۲۷)

یہ وہ آیات ہیں جن سے جبری فرقہ اپنے اعتقاد جبر کو ثابت کرتا ہے۔ ہم ان ہی سے آزاد عمل ثابت کرتے ہیں۔ خداوند تعالی نے یہاں بتایا ہے کہ کون سے لوگ ہدایت پانے کے قابل نہیں ہیں۔ جن پر ہدایت عمل نہیں کر سکتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنا ارادہ قائم کر لیا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں گے۔

ایسے لوگوں نے ہدایت فروخت کر کے اس کے بدلہ ضلالت خرید لی ہے۔ ان کی یہ تجارت ان کو نفع نہیں دیگی تجارت کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ اپنے فعل میں آزاد ہیں۔ تجارت میں فریقین آزاد ہوتے ہیں یہ بھی ہدایت نہ پائیں گے۔ انھوں نے تو ان دروازوں کو جن کے ذریعہ سے ہدایت پہنچ سکتی ہے بالکل بند کر دیا ہے۔ اب یہ کر گونگے بہرے اندھے ہیں۔ ہدایت کہاں سے ان کے اندر جائے خداوند تعالی ان مثالی آیتوں سے بہتوں کو

گمراہی میں جانے دیتا ہے اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ لیکن گمراہی میں فاسقین ہی کو چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو خدا سے عہد کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں اور جن کے ملانے کا حکم خدا نے دیا ہے ان کو منقطع کرتے ہیں اور زمین پر فساد کرتے ہیں۔ اب قرآن شریف میں جہاں جہاں ایسی آیات ہیں کہ جس کو ہم ہدایت کرنا چاہتے ہیں اس کو ہدایت کرتے ہیں اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتے ہیں اس کو گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ ان آیات کو ان اصول پر سمجھنا چاہئے۔ ایک اور آیت بھی ہے۔ **لیس للانسان الا ما سعی** انسانی سعی کو اجازت ہی نہیں۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنے کاموں کو یاد کرے گا اور سمجھ لے گا کہ ان کا ہی بدلہ مل رہا ہے۔ **یوم یتذکرو الانسان الا ما سعیٰ**...... پھر ارشاد ہوتا ہے۔ **انما تجزون ما کنتم تعملون** ...... **کل امری بما کسب رھین** (۱۶، ۷، ۲۱) جیسے تم نے کام کئے تھے ان کے مطابق تم کو سزا و جزا ملے گی ...... ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔ کیا اچھا اصول بیان فرمایا ہے۔ **و من عمل صالحاً فلنفسه و من اساء فعلیھا و ما ربك بظلام للعبید** ۔ اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں جن سے آزادی عمل ثابت ہے سزا و جزا، ثواب و عذاب جو اسلام کا رکن محکم ہے بغیر آزادی عمل کے ناممکن ہے۔ اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ عمل نیک اور ایمان والوں کو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ بغیر عمل نیک کے جنت ناممکن ہے۔ ثابت ہوا کہ انسان کے افعال پر خدا کی طرف سے کوئی جبر نہیں۔

جبر کے اعتقاد کے اختیار کرنے کی اصلی وجہ تو سیاسی تھی جیسا خود مولوی شبلی کہتے ہیں:

"اختلاف عقائد کے اگر چہ یہ سب اسباب فراہم تھے، لیکن ابتداء پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی۔ بنو امیہ کے زمانہ میں چونکہ سفا کی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی۔ لیکن جب کبھی شکایت لفظ کسی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت یہ کہہ کر اس کو چپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ ہم کو دم نہیں مارنا چاہئے۔ آمنا بالقدر خیرہ وشرہ۔" (علم الکلام حصہ اول)

یونان کے حکماء کا تخیل......ارسطو کی بحث کی تقید

بنو امیہ پر کیا منحصر ہے۔ ان سے پہلے اور ان کے بعد ہر ایک حکومت کے طرفداروں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ خصوصاً جب حکام ناحق پر تھے اور دوسرے حقداران حکومت موجود تھے۔ جبر و قدر کی ابتداء تو سیاسی ہے۔ لیکن جب ابتداء ہوگئی تو بحث قائم کرنے کے لئے قرآن شریف سے تو کچھ مدد نہ مل سکی، ان لوگوں نے یونان کے فلسفہ سے مدد لی۔ مولوی شبلی کے بحث کا وہ ہی منبع ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ قوت متخیلہ و خواہش کا نتیجہ فعل ہے۔ بسا اوقات خواہشات قوت متخیلہ پر غالب آجاتی ہیں۔ ارسطو کے نزدیک فعل نتیجہ ہے۔ خیال و خواہش کا اور خیال و خواہش نتیجہ ہیں اس کے پہلے تجربہ کے اور پہلا تجربہ نتیجہ ہے اتفاق پیدائش تعلیم و ماحول کا خیال و خواہش کچھ تو ورثہ میں ملتے ہیں۔ کچھ تعلیم و ماحول سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ فعل انسانی کا باعث ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسان اپنے افعال میں مجبور

ہے۔ لیکن وہ ان چیزوں کا مجبور ہے۔ خدا کی طرف سے کوئی مجبوری نہیں۔ یونان کے حکماء کے لئے یہ تخیل جائز ہوسکتا تھا۔ کیونکہ وہ حیات بعد الموت کی جزاوسزا کے قائل نہ تھے۔ اور نہ خدا کو ان صفات کیساتھ مانتے تھے کہ جن صفات کے ساتھ مسلمان مانتے ہیں۔ مسلمان اکثر ذہنی پیروی کرنے کے لئے بہت مستعد نظر آتے ہیں۔ یہ مثال ہے ذہنی غلامی کی۔ ہم بتاتے ہیں کہ ارسطو کی بحث کیونکر ناقص ہے وہ کہتا ہے کہ چند امور جن پر انسان قابو نہیں ہے۔ مثلاً اتفاق پیدائش، ماحول، تعلیم وغیرہ انسان کی قوت متخیلہ پر غالب آ کر اس سے فعل کرتے ہین لہذا وہ مجبور ہے۔ لیکن اس نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے کہ انسان کے اندر ایک چیز ہے جو قوت متخیلہ سے کام کراتی ہے۔ اس کو ارادہ کہو، نفس کہو، روح کہو، ہم ارادہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قوت متخیلہ اگر اپنے ماحول سے مغلوب بھی ہوگئی ہو تب بھی وہ ارادہ کی طاقت کے اندر رہتی ہے اس کے حکم کی مطیع ہے۔ گویا متخیلہ کے دو حاکم ہوتے ہیں۔ ایک ماحول دوسرا ارادہ۔ ان دونوں حاکموں میں ارادہ زیادہ طاقتور حاکم ہے۔ جبر اس کو کہتے ہیں کہ جب سوائے ایک راستے کے باقی سب راستے مسدود ہو جائیں۔

خدا کا تعلق انسان کے ساتھ کیا اور کیسا ہے؟ یہ معلوم کرنے کے لئے مسلمانوں کو چارہ ہی نہیں سوائے قرآن شریف کی طرف رجوع کرنے کے۔

ہر ایک بحث کو شروع کرنے سے پہلے اس کیلئے اصول موضوعہ مقرر کر لئے جاتے ہیں۔ جو بدیہی ہوتے ہیں۔ ان کے ثابت کرنے کی بار بار ضرورت نہیں ہوتی اور بحث کی بناء ان کو پر قائم ہوسکتی ہے۔ جیسے اقلیدس میں چند اصول موضوعہ ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دو نقطوں کے درمیان سب سے چھوٹا خط۔ خط مستقیم ہوتا ہے۔ دو خطوط مستقیم ایک ہی سطح کو نہیں گھیر سکتے۔ کل اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مضمون زیر بحث کے مندرجہ ذیل اصول موضوعہ قائم کر سکتے ہیں۔ جو فقہ اسلامی میں مسلمہ اور بدیہی ہیں۔

(۱) اذن

خداوند تعالیٰ کے اذن واجازت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔

لیس بضارھم شیئاً الا باذن اللہ ۔ وما ھم بضارین احد الا با ذن اللہ

(۲) قدرت

خداوند تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ وھو علیٰ کل شئی قدیر ۔

(۳) بادشاہت

آسمان وزمین کی سلطنت کا مالک صرف خداوند تعالیٰ ہے: لہ ملک السمٰوٰت والارض ۔

(۴) عدالت

خداوند تعالیٰ عادل ہے۔ بار بار اس نے فرمایا ہے۔ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ ۔ ولا یظلمون فتیلا۔ اپنے بندوں کی ہدایت کرتا ہے عدل کرو۔

اعدلوا: ھو اقرب للتقویٰ پھر خود کیوں نہ عدل کرے گا۔ یہ ہدایت یہاں تک ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل کرو۔

ولا یجرمنکم شنان قوم ان لا تعدلوا: اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ ۔

قرآن شریف کی تفسیر کے لئے بلکہ ہر ایک بڑی کتاب کے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی آیات و تحریر کی تفصیل وتشریح تمام کتاب کی دیگر آیات وتحریرات کے مطابق کی جائے۔ یا کم سے کم ان کی زیر نظر رکھ کر کی جائے۔ اگر کہیں تناقض وتضاد ظاہری نظر آئے تو اگر کتاب دقیق مضامین پر حاوی ہے اور اس کا مصنف بڑے پایہ کا آدمی ہے تو بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ وہ معانی لینے چاہئیں جن سے دونوں تحریرات ایک دوسرے سے مطابق ہوسکیں اور اگر کسی صورت میں مطابقت نہ ہوسکے اور پڑھنے والا بھی اسی پایہ کا یا تقریباً اسی ہی پایہ کا آدمی ہے کہ جس پایہ کا مصنف ہے تو پھر اس کو حق حاصل ہے کہ صرف اتنا کہہ سکے کہ جہاں تک میں نے غور کیا یہ دونوں تحریرات ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ لہذا قرآن شریف کی آیات متعلقہ مضمون زیر بحث کی تشریح ان اصول اربعہ متذکرہ بالا کی روشنی میں ہوگی۔ یہ مسلمہ اصول تفسیر ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر قرآن شریف کی آیات سے ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ خدا کے اذن، قدرت وسلطنت کا مفہوم جو قرآن میں ہے وہ بھی ایک قسم کا جبر ہے۔ اور جب تم نے ان تینوں اجزائے جبر کو مان لیا تو اب مزید بحث کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک متمدن انسان کے لئے حدود وقوانین کے اندر زندگی بسر کرنا ضروری ہے۔ اور قانون بذات خود ایک جبر ہے آزاد ملک اور آزاد انسان کے لئے یہ قانون کو جبر موجود ہے اور موجود رہے گا۔ وہ آزادی جو اس پر اعتراض کرنے والے کے دماغ میں ہے وہ تو انسان کو کیا حشرات الارض کو بھی حاصل نہیں۔ دن کی روشنی اور انسان کی شکل کو دیکھ کر ان کی آزادی ختم ہوجاتی ہے۔ اور یہ ڈر کہ کہیں ان سے بڑا حشرات الارض میں سے کوئی فرد ان کو کھا نہ جائے ہمیشہ اس آزادی کی حدود کو کم کرتا ہے۔ کسی ایک قانون کے ماتحت تو رہنا پڑے گا۔ جمہوری سلطنت مجسمہ آزادی سمجھی جاتی ہے۔ اس کی حدود وقیود اور آزادی کے منافی عناصر اگر میں شمار کرانے لگوں تو علیحدہ ایک رسالہ تیار کرنا پڑے۔

یہ ماننا پڑے گا کہ حکومت الٰہیہ کے حدود وقیود یا یوں کہو کہ عناصر جبر بہت سخت ہیں کوئی بات، کوئی فعل بغیر اذن خدا ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا کی سلطنت سے باہر نکل ہی نہیں سکتے خدا چاہے تو ہمارے تمام منصوبوں کو تہ وبالا کر

کے رکھ دے۔ اس کو دیکھ کر جبریہ کہتے ہیں کہ جب ہی تو ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے افعال و اعمال میں مجبور ہیں۔ سارا مغالطہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ وہ یہ نظر انداز کرتے ہیں کہ خدا عادل بھی ہے۔ اس نے اپنے نفس پر خود ہی رحمت و عدل لکھ لیا ہے۔ نظر انداز تو نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا میں ہر قسم کی قدرت ہے۔ لہٰذا وہ ظلم بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر ظلم نہ کر سکے تو اس کا مجبور ہونا لازم آئے گا۔ یہ ایک مغالطہ ہے اس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ یہ اعتقاد اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ خدا عادل ہے کبھی ظلم نہیں کرتا اور نہ کرے گا۔ لیکن اگر وہ چاہے تو ظلم کر سکتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ یہ اعتقاد صحیح یا غلط ہمارے مضمون زیر بحث پر اثر نہیں ڈالتا۔ اگرچہ ظلم کی نسبت اس ہستی کی طرف ایک گستاخی کا پہلو ضرور لئے ہوئے ہے۔

وحدانیت کے بعد قدرت و سلطان خداوندی ہی ایسی صفات الٰہیہ تھیں جن پر بت پرستی کی رد میں جتنا بھی زور دیا جاتا کم تھا، کیوں کہ یونان، ہندوستان و مصر کی بت پرستی بلکہ ہر ملک کی بت پرستی کا تخیل الٰہیت والوہیت یہ تھا کہ مختلف خداؤں کو مختلف کام سپرد کر دیئے گئے تھے اور ایک خدا کے کام میں دوسرا خدا مداخلت نہیں کرتا تھا۔ کوئی بادلوں کا خدا کوئی بارش کا خدا، کوئی آگ کا خدا، محبت کا خدا، بیماری کا خدا، صحت کا خدا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب جداگانہ خدا تھے اور پھر بھی ان کی طاقتیں محدود تھیں۔ خدا آپس میں ایک دوسرے سے سفارش کر کے کام لیتے تھے۔ اگر کوئی کہنا نہ مانتا تو پھر دشمنی پیدا ہو جاتی تھی۔ اس تخیل کو جس نے صدیوں سے انسانی دماغ پر قبضہ کیا ہوا تھا مٹانا مقصود تھا۔ لہٰذا اسلام نے ان کی مخالفت اور تردید میں بہت تاکید اور اصرار کے ساتھ کہا کہ خدا صرف ایک اور اس میں ساری طاقتوں کا اجتماع ہے اسکے اذن کے بغیر نہ ہوا چل سکے اور نہ پانی بہہ سکے۔ انسان کی بغاوت و سرکشی کی عادت کو بھی مدنظر رکھ کر اس اصرار کی ضرورت ہے کہ تمام بندوں پر بغیر کسی شک و تاویل کے یہ امر واقعہ اچھی طرح واضح کر دیا جائے گا کہ تمہاری خوشی و غم، ترقی و تنزلی، عیش و راحت کا انحصار خداوند تعالیٰ کے ارادہ و مشیت پر ہے اور خداوند تعالیٰ ہر شئے سے واقف ہے، تمہارے دلوں کے اسرار سے آگاہ۔ عادل حقیقی قادر مطلق ہے۔ معقول بحث کی آخری حد ہے لیکن اس کے آگے منطق کو اس کے آخری درجہ تک پہنچانا اور یہ کہنا کہ اگر وہ قادر مطلق ہے تو سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ کو کیوں نہیں نکال دیتا۔ بالکل بے معنی اور کم سے کم بے فائدہ تو ضرور ہے اور یونانی فلسفہ تعلیم کا اثر ہے۔ یونانی فلسفہ کی تقلید نہایت خطرناک ہے۔ یونان کا فلسفہ ہر ایک بحث کو آخری حد تک لے جاتا ہے تھا۔ اور ایک شاخ میں سے دوسری شاخ نکالتا تھا۔ یہ کبھی نہیں دیکھتا کہ آیا یہ منطق قابل عمل بھی ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ منطق کی جو آخری حد زیر بحث ہے اس پر عمل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر ہم بیان کرتے ہیں افلاطون نے سقراط کے سیاسی خیالات کو ایک مکالمہ کی صورت میں لکھا ہے اور اس کا نام ریپبلک رکھا ہے۔ یعنی سیاست نامہ۔ اسمیں بالکل ناممکن العمل تخیلات کو بھر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کتاب نہ تو افلاطون کے زمانہ میں زیر عمل آئی اور نہ آج تک کسی ملک نے اپنی حکومت کو اس کے نمونے پر مرتب کیا۔ حالانکہ ان تخیلات کی تعریف اس زمانہ میں

بھی بہت ہوئی اور آج تک ہو رہی ہے۔ اس کی تجویز ہے کہ حکمراں طبقہ کو بطور ایک ذات لے مرتب کیا جائے۔ اور اس کی تعلیم و تربیت ایک خاص نمونہ پر ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے اصول حکمرانی تو بہت اچھے قائم کئے اور عدل پر انتہائی زور دیکر منشاء خداوندی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس عدل مطلق کے لئے جس کی تصویر کھینچی گئی ہے ہمارے پاس آدمی بھی ہیں یا نہیں۔ منطق کی روانی میں اپنے خیالات کی بلندی میں اس حکومت کے افراد کو اپنی قوت متخیلہ کی مدد سے ایسا جامہ پہنایا کہ وہ لوگ کسی ماوراء الارض کرۂ فضائی کے باشندے نظر آتے تھے۔ یہ تو بتا دیا کہ ایسے لوگ حکومت کے لئے ہونے چاہیں۔ یہ نہ سوچا کہ ایسے لوگوں کا ہونا ممکن بھی ہے۔ یا نہیں۔ محض عقل کی تربیت و علم کی تعلیم سے ایسے لوگ نہیں بن سکتے۔ آسمان پر تو بہت دور تک دیکھا اپنے پیروں کے پاس نہ دیکھ سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا وہ کتاب ایک خیالی تصویر بن کر رہ گئی اور کبھی زیر عمل نہ آسکی۔ یونان کے تمام فلسفہ کا یہی حال ہے۔ عقل پر زور دئے جاتے ہیں۔ عمل کو نہیں دیکھتے بال کی کھال نکال کر کج بحثی کرتے ہیں۔

قضاء و قدر، قسمت، تقدیر، صبر، توکل......

جبر کے مسئلہ کے ساتھ ہی ملا ہوا قضاء قدر اور قسمت کا مسئلہ ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ روز ازل ہی سے خداوند تعالیٰ نے ہر ایک شخص کی قسمت مقرر کر دی ہے۔ اس نے دنیا میں اس کو وہی پیش آتا ہے جو پہلے سے اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ آج کل یورپ کے لوگ ایشیائی قوموں کو اور خصوصاً مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ تقدیر کے بندے اپنی سستی و کاہلی کو تقدیر کے سر تھوپ کر غربت و تنگدستی میں گذارتے ہیں اور اس کا نام صبر و توکل رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ان لوگوں کی زیادتی ہے۔ قسمت کا اعتقاد ہر ایک قوم میں ہر تہذیب میں اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ ہر ایک ملک کی زبان اس کی گواہی دیتی ہے۔ ایشیاء کی قوموں کا ہم حوالہ دیتے نہیں وہ تو ایسے ہیں ہی بدنام یورپ کے ممالک کی زبانیں ہم گواہی میں پیش کرتے ہیں۔

(Lucky, Destiny, Fate, Fort, illstarred) وغیرہ الفاظ سے یہ اعتقاد ظاہر ہوتا ہے۔

ہر ایک زمانہ کے دنیا کے بڑے بڑے مفکروں، فلاسفروں اور شاعروں کے خیالات ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

مفکروں فلاسفروں اور شاعروں کے خیالات

1. There is a destiny that shapes our ends, Rough hew them how we will ...... Shakespeare (1564-1616 A.D)
2. Henging and wiving goes by destiny ......Shakespeare.
3. What unknown power governs men ! on what feable couses do their destinies hinge! ...... Valtaite (1694-178 A.D)

4. Man suposes that he directs his life and governs his actions when his existence is irretrieceably under the control of destiny ...... Goethe (1749-1832 A.D)
5. Our destiny is already reapped.........Voltaire
6. No living man can send me to the shades before my time, no man or woman born, coward or brave, can shum his destiny ......human (9th centary B.C)
7.I know that nothing comes to pass but what God appsints, Our fate is decreed , and things do not happen by chance , but every man's portion of joy and sorrow is pedetermined ...... Seneca (4B.C to65 A.D)
8. Death and life have thair determined appaintment , richeand honoer depend upon heaven...... cofucius (551B.C-479B.C)
9. Whenever tha fates bad us let us follow......Virgil.
10. God overrules all mutinous accidents, brings them under his laws of fate , and makes them all serviceable to his purpose ...... Marcus Antonimus 121-180 A.D.
11. Our life is determined for us, and it makes the mind very free when we give up wishing, and only think of bearing what is laid upon us and doing what is given us to do ...... George Eliot (1819-1880 A D.)
12. As fate is tnezorable, and not to be moved either with tears or reproaches, an EXESS of sorrow is as feslish as profuse laughter, while a\on the other hand, not to mourn at all in sensebility ...... Seneca.

ترجمہ:

۱۔ خواہ ہم اپنے عزائم اور مقاصد کو کسی طرح مرتب کریں۔ لیکن ان کی آخری واصلی شکل ہمارا مقدر ہی بناتا ہے۔ (شکسپیر)

۲۔ پھانسی اور بیوی بیاہنے مقدر سے ملتے ہیں۔ (شکسپیر)

۳۔ ایک نامعلوم طاقت انسان پر حکومت کرتی ہے۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہمارے مقدر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ (والٹیر)

۴۔ انسان تو خیال کرتا ہے کہ اس کی زندگی اور اس کے افعال اس کے ہاتھ میں ہیں۔ حالانکہ اس کی زندگی کے سارے معاملات اس کی تقدیر کے زیر فرمان ہیں۔ (گوئٹے)

۵۔ ہماری قسمت لکھی جا چکی ہے۔ (والٹیر)

۶۔ کسی آدمی میں طاقت نہیں ہے کہ مجھے میرے وقت سے پہلے مار ڈالے اور کوئی آدمی، خواہ بہادر خواہ بزدل، اپنی تقدیر سے چھٹکارا نہیں پا سکتا ہے ...... (ہومر)

۷۔ میرا اعتقاد ہے کہ دنیا میں کوئی شے خدا کے حکم کے بغیر واقع نہیں ہو سکتی۔ یہ غلط ہے کہ واقعات اتفاقاً ہو جاتے

ہیں۔ ہماری قسمت مقرر شدہ ہے اور ہر ایک آدمی کا رنج وراحت کا حصہ مقرر شدہ ہے۔ (سنسکا)

۸۔ موت اور زندگی کے وقت اور واقعات طے شدہ ہوتے ہیں۔ دولت وعزت صرف خدا ہی دیتا ہے۔ (کنفیوسی اس)

۹۔ جدھر ہماری تقدیر ہمیں لے جائے ہمیں ادھر ہی جانا چاہئے۔ (ورجل)

۱۰۔ خداوند تعالیٰ واقعات واتفاقات پر حکومت کرتا ہے اور ان کو مقرر کرتا ہے اور ان کو اپنے مقرر کردہ قوانین تقدیر کے اندر لاتا ہے۔ اور ان سب سے اپنا مقصد پورا کراتا ہے۔ (مارکس انٹیونینس)

۱۱۔ ہماری زندگی کا راستہ پہلے ہی مقرر ہو چکا ہے اور اس سے ہمارے دماغ کا بوجھ بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔ جب ہم قسمت سے علیحدہ کوئی اپنی خواہش رکھنی چھوڑ دیتے ہیں اور ہمارے لئے صرف یہ رہ جاتا ہے کہ ہم صبر سے وہ برداشت کریں۔ جو ہمارے اوپر ڈالا گیا ہے اور صرف وہ ہی کام کرتے جائیں جو ہمارے مقدر میں لکھے ہیں۔ (جارج ایلیٹ)

۱۲۔ چونکہ قسمت اٹل ہے اور وہ ہمارے رونے اور الزام دینے سے نہیں بدل سکتی۔ لہذا بہت زیادہ غم کرنا اور بہت زیادہ خوش ہونا دونوں حماقت ہیں۔ لیکن بالکل غم نہ کرنا بھی ناجائز بے حسی ہے۔ (سنسکا)

اسلام کا نظریہ اور ان پر بحث

قسمت وتقدیر کا اعتقاد ایشیائی ملکوں یا اسلام تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام دنیا میں تھا صرف ۵۰ سال سے چند پڑھے لکھے آدمی اس سے انکار کرنے لگے ہیں۔ ورنہ یورپ میں اب تک بھی جمہور کا یہی اعتقاد ہے۔ جو اعتقاد اتنا عام ہو اس میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوتی ہے۔ اسلام نے اس میں صرف اس سچائی ہی کو لیا ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ○ (۶:۵۹)

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ○ (۵۴:۴۹)

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (۵۴:۵۲،۵۳)

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ○ (۷۸:۲۹)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○ (۷:۳۴)

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ (۴۱:۱۲)

وآیة لهم اللیل نسلخ منه النها ر فاذا هم مظلمون و الشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرنا ه منا زل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم۔(۳۸:۳۸، ۳۹)

وَجَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ○(۹۶:۶)۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔ ہر ایک گروہ و جماعت کے لئے اندازہ ہستی کیا گیا ہے۔ اس کے گزرنے کے بعد وہ ناپید ہو جاتی ہے۔ زمین و آسمان و سیارے و ستارے سب ایک اندازے کے ساتھ خلق کئے گئے۔ سورج و چاند اپنے اپنے راستوں پر ایک اندازے کے ساتھ چلے جا رہے ہیں اور ہر ایک ایک کام کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ ہر ایک چیز جب اندازے سے مقرر کی گئی ہے تو انسان بھی ایک اندازے سے پیدا کیا گیا ہے۔ ہر ایک انسان کی فطرت اور اس کی طاقتیں ایک اندازے کے ساتھ دی گئی ہیں۔ ہر شخص کے لئے مقرر کیا گیا کہ وہ اتنی ترقی کر سکے گا اور اس کے آگے نہیں ہر ایک انسان کی طاقتوں کا اندازے کے ساتھ دیا جانا یہ اس کی تقدیر ہے اس بات میں وہ آزاد ہے کہ ان طاقتوں کو کس کام میں لاتا ہے۔ ایک شخص کو ایک حد تک ذہین بنایا گیا ہے یہ اس کی تقدیر ہے۔ اپنے ذہن کو کس کام میں لاتا ہے اس سے تقدیر کو کچھ سروکار نہیں یہ اس کا اپنا فعل ہے۔ جس میں وہ آزاد ہے۔ خدا کے علم نے ہر شئے کو محیط کیا ہوا ہے۔ متن کتاب میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

شاعرانہ تصوف

یہاں اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ شعراء تصوف مثلاً حافظ، عمر خیام، امیر خسرو نے تقدیر و نوشت روز ازل کو اس طرح بیان کیا کہ جس کی تائید آیات قرآنی سے نہیں ہو سکتی ہے۔

مثلاً حافظ کہتے ہیں:۔

مرا روز ازل کارے بجز رندی نہ فرمودند
ہر آں قسمت کہ آنجا شد کم و افزوں نخواہد شد
مرا برندی و عشق آں فضول عیب کند
کہ اعتراض بر اسرار علم غیب کند
در کوئی نیکنامی مارا گذر نہ دارند
گر تو نمی پسندی تغیر کن قضارا
حافظ بخود نہ پوشید ایں خرقہ مے آلود
اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

با رہا گفتہ ام و بار دگر میگویم
کہ من دل شدہ ایں رہ نہ بخودی پویم
در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم
عیبم مکن برندی و بدنامی اے فقیہ
کیں بود سر نوشت زدیوان فطر تم

میر خسرو فرماتے ہیں:.........

بہر رقصے کہ می رقصانیم اے یاریم رقصم

یہ لوگ بہت دور چلے گئے، شریعت اسلامی سے ان خیالات کی تائید نہیں ہوتی۔ ہاں اتنا ضرور پایا جاتا ہے کہ ہر ایک انسان کی زندگی کا اندازہ پہلے ہی کر لیا جاتا ہے اس پر رائے زنی کرنی کہ وہ کیا اندازہ ہوتا ہے محض قیاس ہوگا۔

قسمت یا تقسیم

دنیا میں انسان امتحان کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اندازہ یہ کیا جاتا ہے کہ اس کا امتحان غم سے لیا جائے یا خوشی سے اور بسا اوقات دونوں سے امتحان لیا جاتا ہے غم میں کتنا صبر کیا اور خوشی وراحت میں کس طرح خدا کا شکر ادا کیا۔ شکر زبان وقلب اور عمل سے ہوتا ہے۔ عمل سے شکر کرنے کا اصول یہ ہے کہ احسن کما احسن اللہ الیک۔ نتیجہ نکلا کہ ہر شخص کا پیمانہ رنج وراحت تول کر دیا جاتا ہے۔ اس کو اتنی خوشی ملتی ہے۔ اتنا غم ملتا ہے۔ جزئیات کو واقعات دنیا مر تب کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے اولاد نہیں ہوتی۔ لیکن اس نے اپنا علاج کیا۔ کئی عورتیں بدلیں اولاد ہو گئی۔ اولاد کا نہ ہونا قضائے الٰہی میں نہ تھا۔ رنج کا پیمانہ مقرر کیا گیا تھا ممکن ہے اولاد خراب نکلے یا کسی اور طرف سے رنج آجائے کہتے ہیں کہ:۔

زانی کی عمر کم ہوتی ہے۔ میری سمجھ میں تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ اس نے زنا کر کے خوشی حاصل کر لی لہذا اس کو جو پیمانہ خوشی دیا گیا تھا اس میں سے اتنی خوشی کم کر دی گئی اور وہ خوشی اس طرح کم کر دی گئی کہ اس کی عمر کو کم کر دیا۔ پیمانہ رنج وراحت جو تقسیم کیا جاتا ہے اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ صالح زندگی میں اتنا رنج اور اتنی راحت ملے گی تا کہ دین و دنیا دونوں قائم رہیں۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ اعمال نیک میں خوشی تلاش کرے۔

طوفان دہریت

اس جگہ غور کرنے کی یہ بات ہے کہ اسلام پر جو طوفان دہریت ولا مذہبیت کا امنڈ کر آیا اس کا مقابلہ کرنے

کے لیے تجویز جناب رسول خدا نے کی تھی یا نہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا ہو گا۔

(۱) مذہب اسلام بذریعہ وحی الٰہی قائم و مرتب ہوا تھا۔

(۲) جناب رسول خدا کا واسطہ بارگاہ الٰہی سے براہ راست تھا۔

(۳) بہت سے امور غیب کی اطلاع بذریعہ وحی جناب رسول خدا کو خدا نے دی تھی۔

(۴) ان میں دو پیشن گوئیاں مسلمہ امت ہیں۔ ایک تو یہ کہ فوراً میرے بعد فتنہ و فساد برپا ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ جو صبح مسلمان ہے تو شام کو کافر ہو گا اور یہ فتنے کثرت سے تمہارے پاس آئیں گے جس طرح بارش کے قطرات آتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عنقریب تم کسریٰ و قیصر کے ممالک پر قابض ہو جاؤ گے۔

(۵) اسلام تمام دنیا کا مذہب قیامت کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی نیا دین آئے گا اور نہ کوئی نبی و رسول آئے گا۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد ایک ہی جواب اس سوال کا ہو سکتا ہے اور وہ کہ واقعی جناب رسول خداؐ نے اسلام کی حفاظت کا انتظام کیا۔ وہ کیا انتظام تھا؟ وہ آں حضرتؐ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے جو آپ نے متواتر فرمایا اور بستر مرگ پر بھی دوہرایا۔

انی تارك فیکم الثقلین احدھما اکبرمن الآخر کتا ب اللہ و عترتی فانظرو کیف تخلفونی فیھما لن یفترقا حتیٰ یرد ا علی الحوض ما ان تمسکتم بھما لن تضلو ابعد ی ابداً

ترجمہ: میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ہوں ان میں ایک دوسرے سے بڑی ہے خدائی کتاب اور میری عترت۔ پس دیکھو کہ تم ان سے میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو وہ دونوں کہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ قیامت کے روز حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے۔

یاایھاالناس ۔ ان اللہ مولا ی و انا مولی المومنین و انا اولی بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم و ال من والاہ و عاد من عاداہ ۔ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ ۔

ترجمہ۔ اے لوگو! خداوند تعالیٰ میرا مولا یعنی آقا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان کی جانوں کا مالک ہوں۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ خداوند دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ مدد کر اس کی جو علیؑ کی مدد کرے اور چھوڑ دے اس کو جو علیؑ کو چھوڑ دے۔

ان دونوں ارشادات کی صحت مسلمہ امت ہے۔ جس کو ہم اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ اول و دوم میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں۔

حکومت و مذہب کے لیے آنحضرتؐ نے ایک مرکز صحیح مقرر کردیا۔

ان ارشادات سے جناب رسول خداؐ نے اپنی حکومت اور اپنے اسلام کے لئے ایک مرکز قائم کر دیا اور یہی اصلی بات ہے ان تمام آنے والے خطروں کا سد باب جناب رسول خداؐ نے اس طرح کیا کہ ایک مرکز قائم کر دیا ۔ مرکز بڑی چیز ہوتی ہے۔ حکومت ہو کہ مذہب دونوں کے لئے ایک مرکز کی ضرورت ہے اگر حکومت میں مرکز نہیں تو طوائف الملوکی اور فتنہ وفساد رونما ہو جائیں گے۔ اور اگر مذہب کے لئے کوئی مرکز نہیں ہے تو اختلاف و تفریق پیدا ہو کر بے شمار فرقے پیدا ہو جائیں گے۔ اور فرقوں کا پیدا ہونا مذہب کو مسخ کرتا ہے۔ حکومت میں مرکز سے بغاوت ان چند بارسوخ آدمیوں کے ہوس و جب جاہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جو حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے میں اور مذہب میں مرکز سے بغاوت بھی ایسے ہی جذبات کے زیر اثر ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو یا تو مذہب کی مدد سے حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں یا مذہب کا امام بن کر حکام کے مقربین اور عوام کے لیڈر بننے کی خواہش رکھتے ہیں مقدم الذکر کا آلہ تلوار ہے اور موخر الذکر کا آلہ قیاس ہے۔ جب صورت حالت یہ ہے تو اس مذہب کی پریشاں حالی کا اندازہ اچھی طرح ہو سکتا ہے، جس میں حکومت بھی شامل ہے۔ اور یہ مذہب اسلام ہے جو دنیا کے تمام دیگر مذاہب میں اپنی اس صفت میں سب سے نرالا ہے ہم کو یہاں یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ

حکومت جناب محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کا ایک جزو تھی۔؟

جناب محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کا ایک جزو حکومت تھی اس کو ہم اچھی طرح اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ اول صفحات ۵۹ تا نہایت ۸۶ طبع دوم میں ثابت کر چکے ہیں۔ خود قرآن شریف کے احکام حکومت چاہتے ہیں حکومت نہ ہوگی تو کون شرابی کو درے مارے گا اور کون چور کے ہاتھ کاٹے گا اور دین کے کمال کا اقتضا بھی یہی ہے کہ انسان کی زندگی کے ہر شعبے کو اپنی روائے تلقین کے اندر لے کر ایک مکمل اور صحیح نمونہ انسان کی زندگی کا پیش کر دے اگر انسان کو بہکانے کی مہلت ابلیس کو نہ مل چکی ہوتی تو آج اس اسلام کامل کے طفیل سے دنیا ایک امن وچین کی زندگی ایسے نظام کے اندر گذرتی ہوتی نظر آتی جس میں عدل عام ہوتا اور ظلم مفقود، نہ مزدور، ملک کے قبضے ہوتے اور نہ دولت: غربت کی کشمکش۔ لیکن ابلیس نے بھی تو اپنے کسی ہنر ہی کے بھروسے پر مہلت لی تھی اب وہ یہ کہنے کی قابل ہو گیا کہ

''Toreign is work ambition thoy him with''

غرضکہ حکومت وامامت کے حصول کی خواہشوں نے اس نظام کو اور اس کے مرکز کو زیر وبرہم کر کے رکھ دیا جو جناب رسول خداؐ نے اسلام کی حکومت و امامت کے لئے قائم کیا تھا۔ یہ ایک بہت طویل بیان ہے۔ کوئی اس داستان عروج کہہ کر خوش ہوتا ہے۔ کوئی اس کو اسلام کا مرثیہ کہہ کر سر بگر بیاں ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہم نے اس داستان عروج یا مرثیہ غم کو اور اس کے اسباب وعواقب کو تفصیل کے ساتھ اپنی تین ضخیم کتابوں ''البلاغ المبین حصہ

اول، البلاغ المبین حصہ دوئم اور کتاب التفریق اور التحریف فی الاسلام میں بیان کیا ہے۔ یہ کشمکش حکومت و آل رسولؐ کے درمیان رہی۔ تلوار تو بہت جلد آل رسولؐ سے چھین لی گئی۔ کیونکہ اس کے لئے آل رسولؐ نے کشمکش کرنی مناسب نہ سمجھی۔ اگر کشمکش ہوتی تو دین اسلام مٹ جاتا۔ دین کی صدارت کے حصول کے لئے بہت کوششیں ہوئیں۔ ائمہ اہل بیتؑ کے مقابلے میں حکومت نے بہت سے امام کھڑے کر دیئے۔ منصور دوانیقی نے بہت کوشش کی کہ جناب ابوحنیفہ کو حضرت امام جعفر صادقؑ کے مقابلہ میں کھڑا کرے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

مولوی شبلی کا قول:

مولوی شبلی صاحب فرماتے ہیں:۔

"ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت نادر باتیں حاصل کیں، شیعہ وسنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کی فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اور اس لئے ان کی شاگردی کیوں کر اختیار کرتے، لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل وکمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت۔ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیتؑ کے گھر سے نکلے۔ اور صاحب البیت ادری بما فیہا۔"

(شبلی، سیرۃ النعمان صفحہ نمبر ۳۸، ۳۹)

دنیاوی حکومت دائرہ اسلام میں

اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ دنیاوی حکومت لوگوں کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے اور لوگوں نے جناب رسول خداؐ کے مقرر کردہ مرکز کی طرف رجوع نہ کیا لہٰذا دنیاوی حکومت تو دائرہ اسلام میں سے نکل گئی۔ اب رہی امارت وامامت اسلام تو یہ عہدہ خداوند تعالیٰ نے بذریعہ اپنے نبی کے جن لوگوں کو دیا تھا وہ نہ تو اس عہدے سے سبک دوش ہو سکتے تھے۔ اور نہ ان کے اختیار میں تھا کہ یہ عہدہ وہ کسی دوسرے کو دے دیں۔ اگر وہ کسی اور کو دینا بھی چاہتے تو نہ دے سکتے۔ اور نہ انہوں نے کسی اور کو دینا چاہا۔ یہ بذریعہ وصیت جناب رسول خداؐ سے حضرت علی مرتضیٰ تک پہنچا۔ اور اس نے بذریعہ وصیت ہوتا ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے پاس آیا تھا۔ اگر یہ حکومت کی نظر اس نے عہدہ پر بھی تھی اور اس کے لئے بہت کوشش کی گئی۔ کبھی انفرادی قیاس کی اجازت دے کر ایک دوسرا مذہب ہی قائم

کرنا چاہا۔ کبھی اور لوگوں کو فتوے پر مقرر کر کے اہل بیتؑ رسولؐ سے انحراف کی عادت لوگوں میں دلوانی چاہی۔ یزید نے تلوار کے زور سے امامت لینی چاہی۔ مذہب کی امامت تو کیا ملتی دنیاوی حکومت بھی خاندان سے رخصت ہوئی۔ کربلا نے ایسا سبق پڑھایا کہ پھر کسی بادشاہ کو ائمہ اہل بیتؑ سے بیعت طلب کرنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن پھر بھی ہر ایک بادشاہ کے دل میں ان ائمہؑ کی ہستی کھٹکتی ہی رہی۔ ہر طرح سے کوشش کی۔ زہر و قید خانہ کو بھی آزما دیکھا۔ لیکن اہل بیتؑ نے اپنے فرض کو نہ چھوڑا۔ لوگوں کو اپنے علم کے چشمے سے سیراب کرتے ہی رہے۔ بے شمار تکالیف و مصائب اٹھا کر ان حضرات نے یہ دین ہم تک پہنچایا ہے۔ ہماری زندگی پر تف اگر ہم اس دین کو اپنی آئندہ نسلوں تک نہ پہنچا سکیں۔

اس کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ ہم ائمہ دین کے سوانح حیات اور ان کی تعلیم اور ان کی معرفت و امامت کو ہر ممکن طریقہ سے لوگوں میں پھیلائیں۔ تعلیم بغیر معرفت معلم کے بے سود ہے۔ تعلیم کا اس وقت ہی اثر اچھی طرح ہوتا ہے کہ جب یہ بھی معلوم ہو کہ تعلیم دینے والا کون ہے اور کیسا ہے۔

مقصد تالیف کتاب ھذا

اس مقصد کو مد نظر رکھ کر ہم نے ان ہادیان دین و معلمان اسلام کے سوانح حیات کا یہ سلسلہ جاری کیا ہے۔ موجودہ کتاب میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے سوانح حیات اور ان کی تعلیم کا بیان ہے۔ سوانح حیات ہر سوانح عمری میں ملیں گے۔ لیکن ہم نے کوشش کی ہے کہ ہم ناظرین کی توجہ ان بزرگواروں کے کار امامت اور مقصد امامت کی طرف خاص طور پر سے منعطف کرائیں۔ تاکہ ان کی امامت کی دلیل ان کے کام میں نظر آئے۔ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اس کتاب کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ امامین علیہما السلام کی تعلیم اقوال و روایات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲۔ ان کے زمانہ کے بادشاہان اور خلفائے اسلام کے حالات کا بھی ذکر ہے۔ تاکہ ناظرین کی آنکھوں کے سامنے ان زمانہ کی دنیا آجائے۔

۳۔ امامین علیہما السلام کے مقصد امامت کے واضح کرنے کے لئے ہم نے ان تکالیف و مصائب کا ذکر بھی کیا ہے جو حسد امامت و حرص خمس کی وجہ سے بادشاہان وقت نے ان کو پہنچائیں اور جن کے باوجود انہوں نے اپنا فرض امامت ترک نہ کیا اور درس و تدریس میں لگے رہے۔ اور یہی ان کی بڑی دلیل امامت ہے۔

مولوی شبلی کا الزام

۴۔ مولوی شبلی نے علویین پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے بار بار حکومت پر قبضہ کرنے لئے خلفاء کے خلاف خروج کیا۔ لہٰذا خلفاء ان کو قتل اور قید کرنے پر مجبور تھے۔ ہم نے اس نظریہ کی غلطی کو واضح کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ علویین پر اتنے ظلم کیے جاتے تھے وہ زندگی سے بیزار ہو کر موت کو میدان جنگ میں تلاش کرتے تھے۔ خاص طور سے ان پر ظلم و تشدد کیا جاتا تھا تا کہ اگر وہ ذرا کچھ کہیں یا کریں تو ان کو قتل و قید کرنے کا بہانہ ہاتھ لگے۔

۵۔ وہ تمام مظالم جو اہل بیت رسالت پر ہوئے اور منصور دوانقی کا وہ سلوک جو اس نے آل حسن کے ساتھ کیا تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ جس صبر کے ساتھ ان بزرگوں نے یہ تمام مصائب اور زہر و قید خانہ کی سختیاں برداشت کیں اور حق کو نہ چھوڑا۔ اس کو ہم نے خاص طور سے بیان کیا ہے۔ تا کہ آج کل کے مسلمان اس سے سبق لیں اور برداشت کی طاقت پیدا کریں۔

۶۔ ہندوستان، ایران و یونان کے فلسفوں کے بیان اور ان کا اسلام سے مقابلہ اس کتاب کا مابہ الامتیاز ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایران و یونان کے فلسفہ نے کس طرح اسلام کے فقہ پر اثر ڈالا اور اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔

۷۔ جبکہ تقریباً تمام مفکرین اسلام، یونان و ایران کے فلسفہ سے متاثر ہو کر فقہ کو یونانی فلسفہ کے سانچے میں ڈھالنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت ان ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا تقریباً تن تنہا ان مضر اثرات کا مقابلہ کرنا اور اسلام کو اس عظیم خطرے سے بچانا ثابت کرتا ہے کہ جناب رسول خداؐ کے اصلی جانشین یہ حضرات تھے۔ ان کی کوششوں کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیم کی نشر و اشاعت میں دو بڑے امور سد راہ ہیں۔

ایک تو وہی پرانا انحراف و اعراض از اہل بیت رسالت جس کی ابتدا سیاست سے ہوئی اور انتہا مذہب میں ہوئی۔ خود ساختہ ائمہ دین کو جناب رسول خداؐ کے مقرر کردہ اہل بیت رسالت پر ترجیح دینے کا ایسا رواج ہوا کہ اب تک اپنی پہلی طاقت کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ اور اب موجودہ جمہوریت و مساوات انسانی کے غلط نظریہ نے اور اس میں تیزی پیدا کر دی ہے۔ لیکن پرانے زمانہ کے علماء نے کبھی یہ برابری قائم نہیں کی۔ ہم نے مولوی شبلی کی عبارت نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو ائمہ اہل بیت سے کیا نسبت گھر والے ہی خوب جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے۔ یہ کہتے ہیں لیکن پیروی پھر ابو حنیفہ کی کرتے ہیں۔ اب اس سنی شیعہ کی ضد کو چھوڑو اور دیکھو کہ یہ تعلیم کیا ہے اور پر عمل کرنے سے آدمی کیسی جلدی انسان بن جاتا ہے۔ اس راہ میں دوسری رکاوٹ اس خیال نے پیدا کی ہے سائنس مذہب کے خلاف ہے اور سائنس چونکہ صحیح مجربات و مقدمات پر مبنی ہے۔ لہٰذا مذہب غلط ہے اور

جو اس کی تعلیم دے اس کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔ لیکن یہ لامذہبیت کا طوفان سائنس کی آڑ میں ہمارے دیکھتے دیکھتے انیسویں صدی کے آخر یا بیسویں صدی کے شروع میں اٹھا ہے۔ اس میں یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ ہر اس چیز سے انکار کر دینا چاہئے کہ جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعہ سے محسوس نہ ہو سکے۔

یہ اصول بالکل صحیح ہوتا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارے حواس خمسہ ایسے کامل ہیں کہ ان سے کوئی شئے غائب ہو ہی نہیں سکتی اور یہ کہ پانچ حواس کے علاوہ اور کوئی قوت ہی انسان کے اندر نہیں ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری آنکھ تھوڑے سے فاصلہ تک ہی ہی دیکھ سکتی ہے۔ ہمارے کام محدود رقبہ کے اندر محدود تیزی کی آواز سن سکتے ہیں ہم ہوا کو اس وقت ہی محسوس کر سکتے ہیں جب وہ خاصی تیز رفتار سے چلے۔ یوں ہم بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو محسوس نہیں کرتے۔

یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ہوں گی بلکہ ہیں جن کو ہمارے ہمارے موجودہ بہترین دوربین سے وخوردبین سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ریڈیو نے بتایا کہ ہماری فضا ہزاروں قسم کی آوازوں سے پر ہے جن کو ہمارے کان نہیں سن سکتے۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ بہت سی چیزیں فضا میں ہیں جن کا اثر ہمارے فوٹو گراف کی نازک ترین پلیٹ نہیں لے سکتی۔ یورپ ہی کے بہت سے علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے مردہ آدمیوں کی روح کے فوٹو لئے ہیں۔

پرانے سائنس داں کا نظریہ

ہمیں اس موضوع پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں خود اہل سائنس نے مان لیا ہے کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔
ایک انگریزی سائنس داں فلاسفر لکھتا ہے:

Nineteenth Century physics was essentially materialistic under its influence physicists underlet if fear have been dominated by the nation that to be real a thing must be if the same nature as a price of matter. Mater was something lying out there in space. It was hard simple and obvious; indubitably it was real, and as such calculated to form an admirable foundation upon which the horse share of the practical man could base his irrefragable convictions. Now matter was something which one could see and touch. It followed that whatever else was real must be of the same nature as that which one could the erotically see and touch. There to enquire into the nature of the things we saw and touched, to analyse them into their elements and atoms, was to deal directly with reality; to apprehend values or to enjoy relizious experience was to wonder in a world of shadows. Common source, under the influence of science took the same view the

physical world was to acquaint one self with what was visions was to become the ruction of illusion and the dies of the universe to which the visions led had, it was urged, no objective reality. Common see use generally embodies the pitifully science of fifty years ago. and most of us to day, except on Sundays when our belief is qualified by a conventional but interfiling admission of the reality of the spiritual interactive by assume that only material things are real. Parable with this belief that the real must be a substance tangible and virile was the belief that it must be subject to the Laws which ware absented to operate in the physical that it must work in short, like a physicalworld machine......

The implication was that whatever did not allow itself amenable to mechanistic causative value, for example or the feeling of moral obligation, or the sense of deity was not quite real.

To-day the foundation for this whole way of thinking, the hard, obvious, simple lumps of mater, has disappeared. modern matter is something infinitely attenuated and elusive, it is a hump in space time, a mush of electricity, a wave of probability uncalculating into nothingness, frequently it turns out not to be matter at all but a projection of the consciousness of its perceiver...... Hence now the nineteenth-century gulf between science and religion is in a fairway to being bridged.

The immediate effect of the new situation is that physicists seem to feel a growing need to travel outside the born is of physics in quest of a solution of the problems that physics raises. Philosophy being demanded, a number of physic is to as I have already pointed out, are doing their philosophising for themselves and surmise that behind the world which physics studies there is another. This other world is conceived as a mental or spiritual unity; matter, it is said, is only its appearance whence it is but a step to the announcement that mind alone is real and matter is its ereature, which modern physicists make as cheerully and almost as dogmatically as their materialist precession announced fifty years ago that mater alone was real and that mind was an unimportant emanation of mater.

Guide to modern thought by C.E.M Joad, pp 18 to 21

ترجمہ:۔ انیسویں صدی عیسوی کا علم طبیعات بالکل مادی تھا جس میں ذرا بھی روحانیت نہ تھی۔ اس کے زیر اثر علماء طبیعات کا اب تک یہ خیال تھا کہ حقیقت میں وجود رکھنے والی شے ایسی ہی ہونی چاہیے کہ جیسا کہ ایک مادی شے کا ٹکڑا۔ مادہ ان کے نزدیک ایک جسمانی شے تھی جو فضا میں موجود ہے۔ یعنی وہ ایک سخت اور آنکھوں سے

دیکھے جانے والی شئے تھی ان کے نزدیک واقعی مادہ ایک حقیقی شئے تھا اور چونکہ وہ حقیقتاً ایک شئے تھا لہٰذا اس کے اوپر ایک عملی معمولی فہم وفراست والا انسان اپنے نا قابل تردید اعتقادات کو مبنی کر لیتا تھا۔ مادہ ایک ایسی شئے تھا جس کو آدمی چھو سکتا تھا اور دیکھ سکتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ہی شئے حقیقت والی کہی جا سکتی ہے۔ جس کو ہم دیکھ سکیں اور چھو سکیں۔ لہٰذا ان چیزوں کی ماہیت معلوم کرنی جن کو دیکھتے تھے اور چھو سکتے تھے اور ان کے اجزاء وعناصر معلوم کرنا یہ واقعی حقیقت اور اصلیت کی باتیں تھیں۔ برخلاف اس کے چیزوں کی قدر کو معلوم کرنا اور مذہبی تخئیلات رکھنا یہ وہم وخیال کی دنیا میں چکر کھانا سمجھا جاتا تھا۔ معمولی فہم وفراست نے سائنس کے زیر اثر یہی نظریہ قائم کیا تھا جسمانی آنکھوں کو دنیاوی اشیاء کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے استعمال کرنا اپنے تئیں حقیقت واصلیت سے خبردار کرنے کے مرادف سمجھا جاتا تھا۔ یعنی حقیقت واصلیت محض جسمانی آنکھوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی تھی۔ اور روح کی آنکھوں کو کشف وبصیرت کے لئے استعمال کرنا توہمات کے مرض میں مبتلا ہونا سمجھا جاتا تھا۔ کشف و بصیرت کے ذریعہ سے جو عالم کے نظریئے قائم تھے ان کی نسبت کہا جاتا تھا کہ ان کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آج کل کی جو معمولی فہم وفراست ہے۔ وہ اس ہی اب سے بچاس سال پہلے کے مردہ اور مادی سائنس پر مبنی ہے اور ہم میں سے بہت سے آدمی خود بخود یہ فرض کر لیتے ہیں کہ صرف مادی چیزیں ہی اصلیت رکھتی ہیں۔ ہاں صرف عبادت کے وقت اتوار کو رسمی عبادت کی وجہ سے اس خیال میں ذرا سی ترمیم ہو جاتی ہے۔ یہ صرف ایک استثناء ہے۔ اس ہی اعتقاد کہ قدم بہ قدم کہ حقیقت ایک دیکھی اور چھوئی جانے والی شئے ہونی چاہئے یہ بھی اعتقاد تھا کہ حقیقی شئے ان ہی قوانین کے ماتحت ہوتی ہے جو جسمانی دنیا میں رائج ہیں اور وہ مشین کی طرح کام کرتی ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا تھا کہ جو دنیاوی اسباب وعلل کے اندر نہیں آتا تھا۔ وہ حقیقی اور اصلی نہ تھا۔ مثلاً قدرات، اخلاقی جذبات اور خدا کا اعتقاد۔

لیکن اب سائنس آگے ترقی کر گیا ہے اور مادہ کا یہ تخئیل کہ وہ ایک سخت، آنکھوں سے دیکھے جانے والی شئے ہے بالکل فرسودہ اور ناکارہ ہو گیا ہے اور بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ زمانہ حال کے سائنس کے مطابق مادہ نہایت لطیف اور نا قابل مس ہے۔ وہ گویا ایک برقی رو یا خیالی امکان کی لہر ہے جو آخر کار فضا میں غائب ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مادہ دراصل کوئی مادہ یا شئے نہیں ہے بلکہ وہ محض دیکھنے والے کے شعور کی ایک ذہنی تصویر یا نقشہ ہے (ناظرین ان الفاظ کو اچھی طرح یاد رکھیں)...... لہٰذا اب وہ انیسویں صدی عیسوی والی خلیج جو مذہب اور سائنس کے درمیان تھی رفتہ رفتہ غائب ہو رہی ہے۔

علماء کا فرض

اس نئی حالت کا فوری اثر یہ ہے کہ اب علمائے طبیعات روزانہ بڑھتی ہوئی ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ ان مسائل کے حل کرنے کے لئے جو علم طبیعات پیدا کرتا ہے علم طبیعات کے حدود سے باہر جانا پڑے گا۔ (یعنی فلسفہ

میں جانا پڑے گا) چونکہ اب فلسفہ کی ضرورت محسوس ہوگئی ہے لہٰذا بہت سے علماء طبیعات خود فلاسفر کی طرح غور کرنے لگے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ اس ظاہری دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ دوسری دنیا روحانی دنیا ہے اور مادہ محض اس کی ظاہری علامت ہے۔ اب اس کے بعد بھی ایک اعلان ہے کہ دراصل محض نفس (روح) ہی ایک حقیقی شئے ہے اور مادہ اس کا غلام اور مخلوق ہے۔ یہ اعلان زمانہ حال کے علمائے طبیعات ایسی آمادگی اور یقین کے ساتھ کرتے ہیں۔ جس طرح اب سے پچاس برس پہلے ان کے مادہ پرست متقدمین یہ اعلان کرتے تھے کہ محض مادہ ہی حقیقت ہے اور نفس اس کا ایک نہایت ہی معمولی مظاہرہ ہے۔ (ترجمہ ختم ہوا)

دیکھئے قرآن اور ہمارے ائمہ علیہم السلام کی تعلیم کی تائید کس مضبوطی کے ساتھ اور کیسی غیر متوقع جانب سے ہورہی ہے۔ یہ اس مادہ کی گت بنی ہے جو کسی زمانہ میں خدا کیساتھ قدیم سمجھا جاتا تھا۔ اور جناب امام جعفر صادق نے کتنی کوششوں سے اپنے مباحثات میں ثابت کیا تھا کہ مادہ مخلوق ہے اور صرف ارادہ کن کا نتیجہ ہے۔

ان الفاظ پر غور کیجئے جن کی طرف ہم نے اوپر توجہ دلائی ہے۔ مادہ دراصل کوئی شئے نہیں ہے محض دیکھنے والے کے شعور کی ذہنی تصویر ہے۔ بجلی کی رو یا روشنی کی لہر ہے۔ اب تو یقین آیا کہ خداوند تعالیٰ کے ارادۂ کن سے یہ سب ظہور ہوا ہے۔

ناظرین کو چاہئے کہ جناب امامین علیہم السلام کی تعلیم کو ان خیالات کی روشنی میں حاصل کریں۔ اب سے پچاس برس پہلے کے غلط نظریہ کو چھوڑ دیں۔ اگر وہ موجودہ سائنس کی اس تحقیقات کو مد نظر رکھ کر ائمہ علیہم السلام کے ارشادات سے سبق حاصل کریں گے تو ان کا درجۂ یقین واعتقاد بہت بڑھ جائے گا۔

جس طرح کہ زمانہ کی یہ حالت اور سائنس کی یہ کیفیت ہمارے تخیل کے سامنے مستقبل کے نہایت خوشنما مناظر پیش کرتی ہے اسی طرح ہمارے علماء کے کندھوں پر نہایت عظیم بوجھ رکھتی ہے۔ اب یہی وقت ہے ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا کہ اپنے ائمہ علیہم السلام کی تعلیم کو سائنس کی اس تائید کے ساتھ دنیا میں نشر کریں۔

وہ یہ کام نہیں کرسکتے جب تک کہ خود اس علم کو حاصل نہ کریں۔ ان کے نصاب کا یہ ضروری کورس ہونا چاہئے سائنس کی غلط تشریح سے معمولی سمجھ کے آدمی کا دہریت والحاد کی طرف چلے جانے کا اندیشہ بھی ہے۔ لیکن علماء کی صورت میں یہ اندیشہ نہیں رہتا۔

دہریت والحاد کی طرف وہ لوگ جاتے ہیں جن کو اپنے دین سے واقفیت نہیں ہوتی اور چونکہ علماء اپنے دین سے واقف ہیں یہ خود بھی دہریت سے بچیں گے اور دوسروں کو بھی بچائیں گے۔ لیکن سائنس کی سب سے اعلیٰ درجہ تک کی تعلیم حاصل کریں۔ درمیانی تعلیم خطرناک ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نیم ملا ہو کر خطرۂ ایمان بن جائیں۔

......☆......

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

باب اول ﴿۱﴾

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

از پیدائش تا ابتدائے امامت

کیم رجب ۵۷ ہجری مطابق ۵/ اکتوبر ۶۷۷ء تا ۱۳/ محرم ۹۴ ہجری مطابق ۱۸/ اکتوبر ۷۱۲ء

پیدائش

جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی تاریخ پیدائش میں مختلف قول ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کیم رجب ۵۷ ہجری مطابق ۵/ اکتوبر ۶۷۷ء بمقام مدینہ پیدا ہوئے۔

وفات

۲۸/ جنوری ۷۳۳ء کو انتقال فرمایا۔ بادشاہ وقت کے زہر دینے کی وجہ سے شہادت واقع ہوئی اور مدینہ میں بمقام بقیع اپنے والد ماجد جناب علی ابن الحسین اور عم بزرگوار جناب امام حسن علیہ السلام کے جوار میں دفن ہوئے۔

مدت عمر

جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی عمر ۵۷ سال کی ہوئی جس میں سے چار سال امام حسینؑ اور ان کے بعد ۳۵ سال جناب امام زین العابدین کی حیات میں گذرے اور اس کے بعد مدت امامت آپ کی ۱۸ سال ہوئی۔

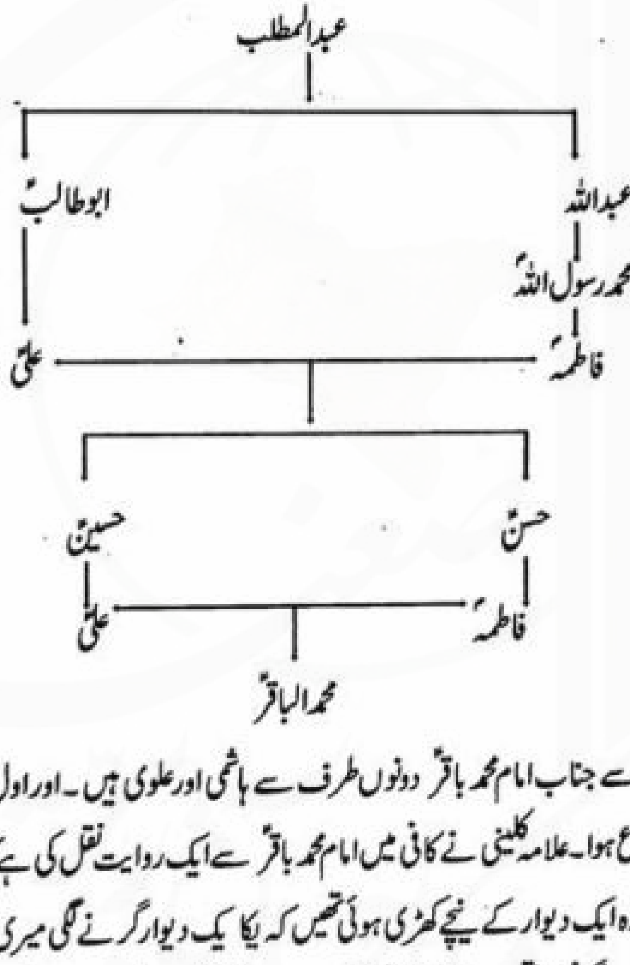
ابتداء امام

مصیبت کے دوران میں اس کے رفع کے لئے منت و نذر ماننی چاہیے جیسا کہ جناب حسنین علیہما السلام کی

بیماری کے دوران میں آپ کی والدین نے نذر مانی تھی۔ اور آتی ہوئی مصیبت کے ٹل جانے پر صدقہ دینا چاہئے۔ جیسا کہ جناب امام زین العابدینؑ نے کیا۔

والدین

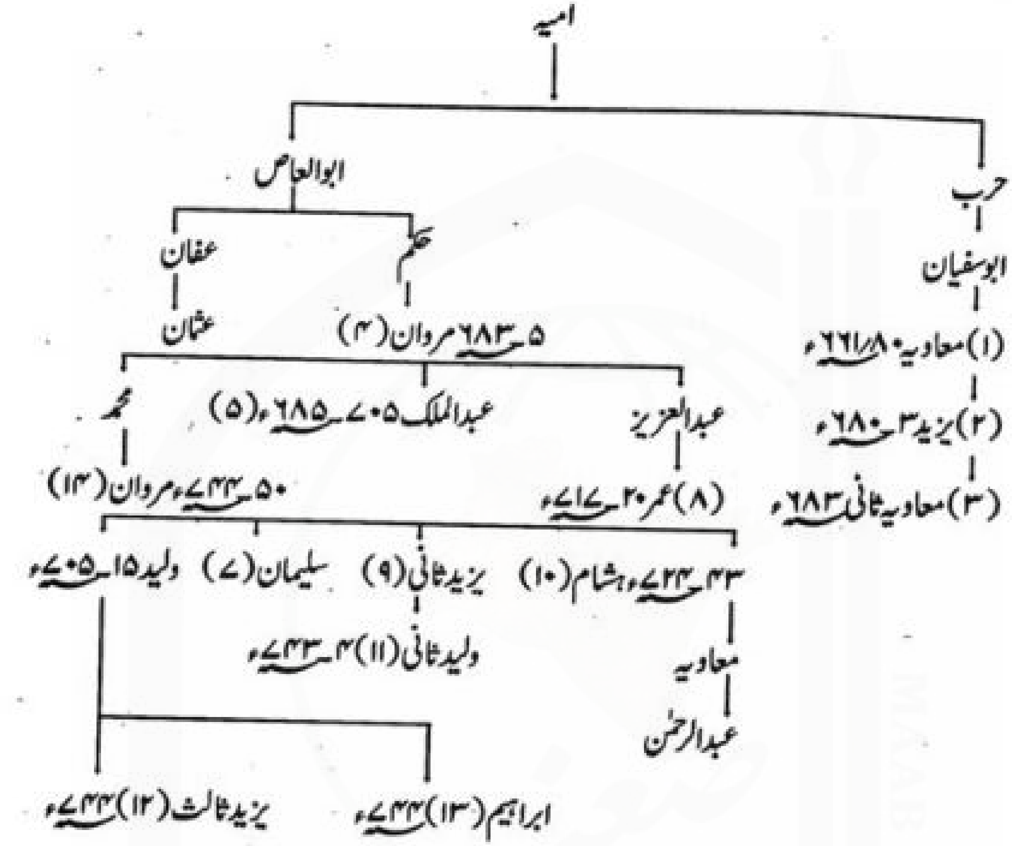
جناب امام محمد باقر علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے۔



اس طرح سے جناب امام محمد باقرؑ دونوں طرف سے ہاشمی اور علوی ہیں۔ اور اول امام ہیں جن میں اولاد حسنؑ و حسینؑ کا اجتماع ہوا۔ علامہ کلینی نے کافی میں امام محمد باقرؑ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ ایک دیوار کے نیچے کھڑی ہوئی تھیں کہ یکا یک دیوار گرنے لگی میری والدہ نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا نہیں ہرگز نہیں قسم ہے حق مصطفیٰؐ کی کہ خدا نے تجھے گرنے کی اجازت نہیں دی۔ دیوار فوراً ہوا میں معلق ٹھہر گئی۔ یہاں تک کہ آپ اس کے نیچے سے نکل آئیں۔ یہ دیکھ کر جناب علی ابن الحسینؑ میرے والد نے ان کے اوپر سے یک صد دینار تصدق کئے۔ (اصول الکافی نولکشوری کتاب الحجہ ص۔ ۲۹۸)

حضرت صادقینؑ کے زمانے کے سلاطین جہاں

چونکہ ہم امامین باقر و جعفر علیہما السلام کے سوانح حیات لکھ رہے ہیں اور ان دونوں حضرات ہی کے زمانہ میں سلطنت بنوامیہ شروع بھی ہوئی اور ختم بھی ہوئی لہٰذا ہم بنوامیہ کے تمام بادشاہوں کا شجرہ یہاں لکھ دیتے ہیں۔



ان دونوں شجروں پر آپ نے غور کیا دونوں اپنے عروج میں لا ثانی ہیں۔ ایک دینی عروج میں دوسرا دنیاوی عروج میں۔ محمدؐ و مروان پر نظر ڈالیے۔ مروان خود بادشاہ اور دس بادشاہوں کا باپ بنوامیہ کی تقریباً ساری سلطنت کا زمانہ اس کی ہی اولاد میں ختم ہوا، اور پھر اس کی ہی اولاد کو اسپین کی سلطنت مل گئی اور انہوں نے وہاں عرصہ دراز تک حکومت کی جناب رسول خداؐ نے خود پیٹ پر پتھر باندھ کر زندگی گزاری اور یہی ورثہ اپنی اولاد کو منتقل کیا یہ وہی مروان ہے جو مرتد ہو گیا تھا اور جس کو رسول خداؐ نے خارج البلد کر دیا تھا۔ کیسی جلدی امت ان باتوں کو بھول گئی۔

اس غور و فکر کا نتیجہ

(۱) دنیا ابوسفیانی اور مروانی اصول وطرز تتبع سے حاصل ہوتی ہے۔ آخرت محمدؐ اور آل محمدؐ کے نقش قدم پر چلنے سے ملتی ہے۔

(۲) شیعہ محمدؐ و آل محمد کو چاہیے کہ ان پر نظر کر کے اپنی غربت و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے ہر حال میں خدا کا شکر کرے۔ اور ان کی پیروی میں اصلی صبر کرنا سیکھے۔

(۳) انسان کی زندگی اور بادشاہوں کی پالیسی کی کامیابی ان کے دنیاوی عروج کے معیار سے نہیں دیکھنی چاہیے۔ اصلی معیار کامیابی رضامندی خداوندی ہے۔

(۴) کسی انسان کی محض ثروت دیکھ کر نتیجہ نکالنا کہ وہ خدا کا پیارا یا نیک بندہ ہے، غلط ہوگا۔

جناب امام محمد باقرؑ کے زمانہ کے اموی ورومانی بادشاہ

(۱) معاویہ اول (۲) یزید اول (۳) معاویہ ثانی (۴) مروان اول (۵) عبد الملک (۶) ولید اول (۷) سلیمان (۸) عمر ابن عبد العزیز (۹) یزید ثانی (۱۰) ہشام ابن عبد الملک

دنیا پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ جب وہ صرف دو قوموں کے قبضہ میں تھی (۱) سلطنت روما (۲) سلطنت ایران لیکن جناب محمد الباقرؑ کی پیدائش سے پہلے ہی سلطنت ایران کا چراغ گل ہو چکا تھا اور سلطنت روما کا عروج ختم ہو گیا تھا۔ مگر پھر بھی رعب باقی تھا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد رومن ایمپائر منصۂ شہود پر آ گئی۔ آپ کے زمانہ میں مشرقی سلطنت روما کے بادشاہ مندرجہ ذیل تھے۔

رومانی بادشاہ

۶۶۸ تا ۶۸۵ ......کانسٹینٹائن چہارم	1.Constantine iv
۶۸۵ تا ۷۱۱ ......جسٹی نین ثانی	2.Justinian
۷۱۱ تا ۷۱۳ ......فیلی کس	3.Philippicus
۷۱۳ تا ۷۱۶ ......انیٹسی اس ثانی	4.Anastasius II
۷۱۶ تا ۷۱۸ ......تھیوڈوسی اس ثالث	5.Theodosius III
۷۱۸ تا ۷۴۱ ......لیو ثالث	6.Leo III

اس زمانہ میں جرمنی، انگلستان، فرانس، اٹلی، میں وحشی اقوام آباد تھیں اور یورپ وسلطنت روما کے اقتدار کے زیر اثر تھیں۔ اور کبھی کبھی ان سے برسرپیکار ہو جاتی تھیں۔

القاب

جناب محمد الباقرؑ کے کئی القاب تھے۔ باقر، ہادی، امین، شاکر، اور شبیہ شبیہ اس لئے کہتے تھے کہ آپ جناب رسول خداؐ کے بہت مشابہ تھے۔ سب سے مشہور لقب باقرؑ ہے۔ اس کی وجہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بقر کے معنی بیل کے ہیں۔ جب بیل سے ہل چلاتے ہیں تو وہ زمین کو چیرتا ہوا چلا جاتا ہے لہذا البقر کے معنی شگافتن (چیرنا) ہوئے۔ لغت کی کتابوں میں جہاں اس لفظ کے معنی شگافتن کے لکھے ہیں جناب محمد باقر علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہیں

صحاح۔ وکان محمد بن علی زین العابدین یسمی باقر لبتقرہ فی العلم

یعنی محمد بن علی زین العابدین کو باقر اس وجہ سے کہتے تھے کہ انہوں نے علم کو شگافتہ کر دیا تھا۔

قاموس۔ الباقر محمد بن علی بن الحسین لتجره فی العلم

لسان العرب۔ لقب به لا نه بقرا لعلم و عرف اصله و استبط فرعه و توسع فیه و التبقرالتوسع۔

یعنی جناب محمد بن زین العابدین کا لقب باقر اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے علم کو شگافتہ کر دیا تھا اور اس کی جڑ تک پہنچ گئے تھے۔اس سے شاخیں نکالی تھیں اور اس میں وسعت کر دی تھی التبقر کے معنی وسعت کے ہیں۔

منتھی الارب۔با قر کصاحب لقب محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب سمی به لتجره فی العلم

کتب تواریخ میں بھی یہی وجہ لکھی ہے۔ دیکھو حافظ ابن کثیر دمشقی کی البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء التاسع صفحہ ۳۰۹ ۔فصول المہمہ و تذکرہ خواص الامۃ میں بھی اسی طرح درج ہے۔صاحب تذکرہ خواص الامۃ لکھتے ہیں ۔انما سمی الباقرعن کثره سجوده بقرالسجود جبهته ای فتحها وسعها و قیل لغزارة علمه۔یعنی ان کو باقر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ کثرت سجود نے ان کی جبیں کو شگافتہ کر دیا تھا۔اور بوجہ تجر علمی بھی آپ کو باقر کہتے تھے۔ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں بھی یہی لکھتے ہیں:

کتب احادیث میں بھی اسی طرح مرقوم ہے۔

صواعق محرقہ ابن حجر مکی۔الحادی عشر الفصل الثالث صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ مصر۔

ابو جعفر محمد البا قر سمی بذلك من بقرالارض ای شقها و اثار مخبئاتها لو مکامنها بذلك هو اظهر من مخبئات کنو ر المعارف وحقائق الامام و الحکم واللطائف مالا یخفی الاعلی منطمس البصیر ہ او فاسد الطویه و سریده و من ثم قیل فیه هو با قر العلم و جامعه و شاهر علمه و رافعه صفا قلبه و زکا علمه و عمله طهرت نفسه و شرف خلقه و عمرت اقاته بطاعةالله و له من الرسوم فی مقامات العارفین ماتکل عنه السنة الواصفین وله کلمات کثیرة فی السلوك و المعارف لا یحتملها هذه العجاله ۔

یعنی ابو جعفر محمد کو باقر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح بیل زمین میں ہل چلا کر اس کو شق کر دیتا ہے۔ اور اس کے پوشیدہ امور وخزانوں کو ظاہر کر دیتا ہے اسی طرح جناب ابو جعفر محمدؑ نے اسرار معارف وحقائق علم وحکمت کو بہت اچھی طرح ظاہر کر دیا اور ان کی یہ صفت صرف اس شخص ہی سے پوشیدہ رہتی ہے جس کا قلب اندھا اور اندرون فاسد ہے۔ اسی وجہ سے آنجناب کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ باقر العلم ہیں علم کے شگافتہ کرنے والے ہیں۔ اس کو جمع کرنے والے ہیں اور لوگوں میں علم کو پھیلانے والے ہیں۔ صفائی قلب وزکاوت کا علمیہ اور عمدگی عمل کی وجہ سے آپ کا درجہ بہت بلند ہوا نفس آپ کا پاکیزہ ہوا۔خلقت وجبلت بلندی ہوئی۔ آپ کی ساری عمر طاعت وعبادت میں صرف ہوئی عارفین میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے جن کی صفت کرنے سے صفت کرنے والوں کی زبانیں

عاجز ہیں۔ اور آپ کے اقوال حکمت و تصوف اتنے ہیں کہ اس رسالے میں وہ نہیں سما سکتے۔

نیز ملاحظہ ہو: ینابیع المودہ للعلام شیخ سلیمان قندوزی مطبوعہ اسلامیہ صفحہ نمبر ۳۸۰،۶۰
نورالابصار تالیف علامہ شبلنجی صفحہ نمبر ۱۲۹
اسعاف الراغبین تالیف شیخ محمد صبان برحاشیہ نورالابصار صفحہ نمبر ۲۱۰
مراۃ الجنان یافعی جلد اول صفحہ نمبر ۲۴۷ مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن

فضائل و مناقب وصیت انبیاء کا منتقل ہونا

سب سے بڑی فضیلت اور وہ فضیلت جس میں امت کا کوئی اور فرد شریک نہیں ہے وہ یہ ہے کہ جناب محمد باقر علیہ السلام آل محمد و اہل بیت رسالت میں سے ہیں اور بعد جناب رسول خدا آن ائمہ میں سے ایک امام ہیں جن تک وہ وصیت کے منتقل ہو کر آئی جو حضرت آدم سے شروع ہو کر جناب محمد مصطفیٰ تک پہنچی تھی۔ آنحضرت نے اپنے وصی و خلیفہ حضرت علیؑ کو ودیعت کی۔ اور حضرت علیؑ سے امام حسنؑ کو ملی اور امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کے سپرد کی۔ امام حسنؑ صاحب اولاد تھے۔ اگر اس وصیت منتقل ہونے پر قانون نص حاوی نہ ہوتا تو ضرور امام حسنؑ اپنے کسی اولاد کے نام منتقل کر دیتے۔ لیکن چونکہ یہ نص قدیم جناب رسول خداؐ کے ارشاد کے بموجب چلی آ رہی تھی اسی وجہ سے وہ شہید نینوا کے پاس آئی۔ اس وصیت کے انتقال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصیت

(۱) خدا کے حکم سے منتقل ہوتی ہے۔

(۲) عام طور سے بڑے بیٹے کو ملتی ہے۔ اگر بڑا بیٹا اس کے لائق ہو۔ اگر بھائی کے پاس گئی ہے تو وہ ایک استثناء ہے جو خاص خدا کے حکم سے پیغمبر موجودہ کے ارشاد کے مطابق واقع ہوا۔

(۳) یہ پیغمبر یا امام موجود کا خاص کام ہے۔ اس میں رائے انتخاب یا خوشنودی امت کا مطلقاً دخل نہیں۔ اگر امت کی رائے کو دخل ہوتا تو پھر خوب روپیوں کی تھیلیوں سے پیغمبر یا امام بنا کرتے۔ ہمیں شیخ مفید علیہ الرحمہ کی رائے سے اتفاق ہے کہ جناب زین العابدین بڑے تھے ان کی علی ابن الحسین سے جو میدان کربلا میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے۔ (کتاب الارشاد مطبوعہ نجف ۱۳۲ ہجری صفحہ نمبر ۲۱۳)

بوقت واقعہ کربلا جناب امام زین العابدینؑ کی بیماری کی مصلحت

جناب علی زین العابدین واقعہ کربلا کے وقت صاحب اولاد تھے۔ محمد الباقر کی عمر اس وقت چار سال کی تھی اور حضرت علی شہید کربلا کی اس وقت تک شادی ہی نہیں ہوئی تھی بڑے کی شادی پہلے ہوتی ہے چھوٹوں کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جناب علی زین العابدین اس لائق بھی تھے کہ ان کے پاس یہ امانت جائے۔ لیکن اب واقعہ کربلا ہوتا ہے۔ جہاں ایک جہاد عظیم سامنے آ جاتا ہے۔ امام وقت استغاثہ کرتا ہے۔ ھل من نا صر ینصرنا ھل من

مغیث یقیناً۔ اول تو جہاد میں یوں بھی شرکت واجب ہے لیکن اگر امام پر ایسا وقت آپڑے کہ وہ استغاثہ کرے تو ظاہر ہے کہ جو یہ استغاثہ سنے گا در مدد نہ کرے گا وہ اس امام کے مذہب سے نکل گیا۔ اب یہاں مشیت ایزدی اپنا کام کرتی ہے جیسا کہ انگریزی شاعر Tennyson کہتا ہے God fulfills himself inmanyways خداوند تعالیٰ اپنی مشیت کو ہر طرح سے پورا کر لیتا ہے۔ جناب علی زین العابدینؑ بیمار ہو گئے۔ اب آپ کے اوپر سے جہاد بھی ساقط ہو گیا۔ اور جب یہ استغاثہ سن کر محبت فرزندی کے جوش میں زین العابدین تلوار لے کر اٹھے بھی تو امام حسینؑ یہ کہہ کر روک سکے کہ تم بیمار ہو تمہارے اوپر سے جہاد ساقط ہے۔ بغیر عذر شرعی کے امام حسینؑ نے کسی بالغ مرد کو نہیں روکا۔ اور نہ علی زین العابدینؑ کو روکتے۔ امام حسینؑ نے یہ استغاثہ اتمام حجت کے لئے کیا تھا اور اگر اپنے کسی بالغ مرد کو بغیر عذر شرعی کے روک لیتے تو یزیدی لشکر کے بہت سے آدمی کچھ نہ کچھ بہانہ کر سکتے تھے۔ کوئی کہتا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ کوئی کہتا کہ میری ضعیف ماں تھی۔ جس طرح امام نے اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے فلاں بالغ مرد کو بچا لیا اسی طرح میں بھی قابل مواخذہ نہیں۔ کوئی کہتا کہ ہم کھانا پکانے پر تھے کوئی...... کہتا کہ ہم پانی مہیا کرنے پر تھے۔ کوئی کہتا کہ ہم واقعہ نویس تھے۔ ہمیں لڑائی سے کیا کام۔

استغاثہ حسینی کی غرض وغایت

ہم من قتل مو منا متعمدا فجزاء ہ جھنم کی قانونی زد میں نہیں آتے ہمیں نہیں معلوم کہ امام کو کس نے مارا۔ اس استغاثہ نے سب کی راہ فرار بند کر دی۔ اور سارے لشکریان یزید کو جہنم میں پہنچا دیا اور اگر امام حسینؑ کے خیمہ میں کوئی بالغ مرد بغیر عذر شرعی کے وہ جاتا تو اس استغاثہ کی غرض وغایت ہی فوت ہو جاتی۔ کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں رہ سکتا اور نابالغ بچہ امام ہو نہیں سکتا۔ امام زین العابدینؑ کی بیماری نے ان ساری مشکلوں کو حل کر دیا۔

آل محمد کا درجہ اسلام میں

سنو! جناب رسول خدا کیا فرماتے ہیں: قرآن شریف میں جس عروۃ الوثقیٰ کا ذکر ہے وہ مودۃ آل محمد ہے جس "سلم" کا ذکر ہے وہ آل محمد کے ائمہ علیہم السلام کی ولایت ہے۔ جس نعیم کی نسبت محشر میں سوال کیا جائے گا وہ ولایت وخلافت علی اور ائمہ علیہم السلام ہے۔ یہی مطلب مسئولون کا ہے۔ حشر میں لوگ روکے جائیں گے تاکہ ولایت علی وآل محمد سے ان سے سوال کر لیا جائے۔ آل رسول امان ہیں اہل ارض کے لئے وہ سفینہ ہیں جو سیدھا نجات کی طرف لے جاتا ہے۔

(شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ، ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول الباب السابع والثلاثون صفحہ نمبر ۱۱۱م، ۱۱۲)

آنحضرت فرماتے ہیں کہ خبردار ہو جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ شہید مرا، آل محمد کی محبت پر جس کا خاتمہ ہوا وہ

مغفور مرا۔ خبردار ہو جو آل محمد کی موت پر مرا اس کی قبر میں دو دروازے جنت کی طرف سے کھولے جائیں گے۔ خبردار ہو جو آل محمد کی موت پر مرا اس کو ملک الموت جنت کی خوشخبری دے گا، اور پھر منکر و نکیر یہ خوش خبری دیں گے۔ خبردار ہو جاؤ جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ اس طرح زینت کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جائے گا جیسا کہ عروس اپنے دولہا کے گھر میں لائی جاتی ہے۔ خبردار ہو جاؤ۔ جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر کی زیارت کے لئے خداوند تعالیٰ فرشتہائے رحمت کو بھیجے گا۔ جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ ہی سنت محمد و جماعت محمد پر مرا۔ خبردار ہو جاؤ جو بغض آل محمد پر مرا یوم قیامت اس کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے سامنے لکھا ہو گا کہ یہ شخص رحمت خدا سے مایوس ہے خبردار ہو جاؤ جو بغض آل محمد پر مرا وہ جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکے گا۔ (شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ، ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول الباب السابع والثلاثون صفحہ نمبر ۳۶۹)

امام محمد باقرؑ کے فضائل

ان لوگوں کے فضائل کا کیا کہنا تبرکاً کچھ عرض کر دیتا ہوں۔ جناب محمد الباقرؑ کے تجربہ علمی کا ذکر ہم القاب کے عنوان کے تحت میں کر چکے ہیں۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں عبداللہ بن عطاء سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی کے سامنے بڑے سے بڑے عالم کو ایسا صغیر و چھوٹا نہیں پایا جیسا کہ محمد الباقرؑ کے سامنے ان علماء کو پایا۔ الحکم کو میں دیکھتا تھا کہ ان کے حضور میں مثل متعلم و شاگرد کے رہتا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء الحلبا الثالث ص ۱۸۶)

مفید علیہ الرحمہ نے ارشاد میں اور محمد بن طلحہ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے جو بہت سی کتابوں میں درج ہے کہ ان سے جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ میرے لڑکے حسینؑ کی اولاد میں سے ایک کو ملو، جس کا نام محمد باقرؑ ہے وہ علم کو اس طرح کھود ڈالے گا جس طرح بیل زمین کو کھود دیتا ہے۔ جب تم اس سے ملو تو اس سے میرا سلام کہنا۔ اس روایت کو علامہ کلینی نے کافی میں اور علامہ ابن شہر آشوب نے اپنے مناقب میں درج کیا ہے۔

(کافی مطبوعہ نولکشور کتاب الحجہ صفحہ نمبر ۲۹۸، مناقب ابن شہر آشوب المجلد الخامس صفحہ نمبر ۱۱)

جابرؓ و امام محمد باقرؑ کی ملاقات

مقدس اردبیلی نے حدیقۃ الشیعہ میں رسالہ اوصاف الاشراف خواجہ نصر الدین طوسی نے نقل کیا ہے کہ جب جابر خدمت امام محمد باقرؑ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا حال ہے تمہارا اے جابر۔ جابر چونکہ بہت کمزور و ضعیف تھے جواب دیا کہ میں اس حالت میں ہوں کہ پیری کو جوانی پر، بیماری کو تندرستی پر اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہوں۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ہمارا تو یہ حال ہے کہ اگر حق تعالیٰ پیری دے تو پیری، جوانی بخشے تو جوانی، بیمار رکھے تو بیماری، اور شفاء عطا کرے تو شفاء زندہ رکھے تو زندگی، مارنا چاہے تو موت کو ہمارے نزدیک ترجیح ہے۔ امام محمد باقرؑ

نے جابر سے فرمایا کہ اب تمہارا وقت آخیر ہے تم نے وصیت بھی کی۔ جابر رونے لگے اور عرض کی آپ کو یہ کیوں کر معلوم ہوا۔ جناب نے فرمایا کہ اے جابر قسم بخدا خداوند عالم نے مجھے ان سب امور کا علم بتایا ہے جواب تک ہو چکے اور آئندہ ہوں گے۔ (کافی مطبوعہ نولکشور کتاب الحجۃ صفحہ نمبر ۲۹۸، مناقب ابن شہر آشوب المجلد الخامس صفحہ نمبر ۱۱)

علامہ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ یہ روایت بہت طریقوں سے سعید بن المسیب وسلیمان الاعمش وابان بن تغلب ومحمد بن مسلم زرارہ بن اعین وابوخالد الکابلی کے واسطوں سے مروی ہے کہ اولاد حسنؑ حسینؑ علیہما السلام میں سے کسی سے اتنے علوم وتفسیر وکلام وفتوائے حلال وحرام ظاہر نہیں ہوئے جتنے کہ امام محمد باقرؑ سے۔ آپ سے بڑے معمر صحابی جابر نے روایت کی ہے تابعین میں سے جابر بن یزید الجعفی وکیسان السجستانی وغیرہما نے اور فقہاء دین سے ابن المبارک، زہری، ابوحنیفہ، مالک وشافعی، اوزاعی اور زیاد بن المنذر نے روایت کی اور مورخین میں سے طبری، بلاذری، السلامی وخطیب نے اپنی اپنی تاریخ میں روایت جناب محمد الباقرؑ سے لی ہیں۔ اسی طرح موطا، شرف المصطفیٰ، حلیۃ الاولیاء سنن ابی داؤد، مسند ابی صفیہ، سند مروزی، ترغیب الاصفہانی وسط الواحدی تفسیر النقاش، زمخشری اور رسالۃ السمعانی وغیرہ میں جناب محمد الباقر سے روایت لی گئی ہیں۔ لیکن یہ بات ان جناب کے لئے باعث فخر نہیں۔ روایت لینے والے کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کچھ سمجھنے کی قابلیت تھی۔ یہ کہنا کہ حضرت محمد الباقرؑ نے حضرت، عائشہ، ابوہریرہ، جابر ابن عبداللہ یا کسی اور سے جناب رسول خداؐ کی احادیث روایت کی ہیں غلط ہے۔ ائمہ علیہم السلام تو اپنے ہی اب وجد سے روائتیں نقل کرتے تھے اگر میرے گھر میں آب صافی کی نہر جاری ہے تو میں دوسروں کی بند کیوئیوں سے کیوں پانی لینے جاؤنگا۔

ابھی امام باقرؑ کا زمانہ صغرسنی ہی تھا کہ ایک شخص عبداللہ ابن عمر کے پاس آیا اور ایک مسئلہ پوچھا۔ ان کو علم نہ تھا۔ انہوں نے کہا جاؤ اس بچے کے پاس وہ بتادے گا۔ اشارہ محمد الباقرؑ کی طرف تھا وہ شخص آپ کے پاس۔ آپ نے اس کا جواب شافی دیکر اس کی تسلی کردی۔ اسنے واپس آنکر عبداللہ ابن عمر کو اس کی خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ یہ اہل بیتؑ رسول ہیں اور ان کو سب علم ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب المجلد الخامس صفحہ نمبر ۱۲)

کتب تواریخ میں آپ کے حالات قبل وبعد امامت کو علیحدہ علیحدہ نہیں لکھا۔ اب ہم بقایا حالات وواقعات آئندہ ابواب میں لکھیں گے۔

حلم

اہل کتاب میں سے ایک شخص نے جناب امام محمد باقر سے کہا کہ کیا تم بقر ہو یعنی بیل۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں میں باقر ہوں۔ اس نے کہا تم طباخہ (باورچن) کے بیٹے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو ان کا پیشہ تھا۔ پھر اس نے کہا تم حبشن کے بیٹے ہو آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو تو خدا اسے بخشے اور تم جھوٹ کہتے ہو تو خدا تمہیں بخشے۔ آپ کا یہ حلم دیکھ کر وہ ایمان لے آیا۔

عبادت

مطالب السئول میں جناب محمد باقرؑ کے غلام افلح سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے جناب محمد باقرؑ کے ساتھ حج کیا۔ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو کعبہ کی طرف دیکھ کر زار و قطار رونے لگے۔ میں نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ کے اوپر سے قربان ہوں۔ لوگ اسی طرح کعبہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ آپ اتنا کیوں روتے ہیں آپ نے فرمایا کہ افلح میں کیوں نہ روؤں شائد خدا اس کی طرف سے میری طرف نظر رحمت کرے، پس میں کامیاب ہو جاؤں پھر آپ نے طواف کیا۔ مقام کے پاس آ کر رکوع کیا جب سجدہ سے سر اٹھایا تو سجدہ کا مقام کثرت اشک سے بالکل تر تھا۔

کثرت ذکر اللہ

علامہ کلینی نے کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد ہر وقت ذکر خدا کرتے رہتے تھے۔ چلتے پھرتے، کھانا کھاتے ہوئے لوگوں سے باتیں کرتے وقت غرض ہر وقت ذکر خدا کرتے رہتے تھے۔ لا الہ الا اللہ کہتے رہتے تھے اور رات کو ہم سب کو جمع کر کے ذکر خدا کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آتا تھا ہم میں سے جو پڑھ سکتا تھا اس کو پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے اور جو بچہ صغر سنی نہیں پڑھ سکتا تھا اس کو زبان سے ذکر خدا کرنے کی تاکید کرتے تھے۔

تسلیم لامر اللہ

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اپنے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ جناب امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے ہم خداوند تعالیٰ سے اس چیز کی دعا مانگتے ہیں جو ہم کو محبوب ہوتی ہے اور جب ہم پر وہ چیز واقع ہو جاتی ہے جو ہم نہیں پسند کرتے تو ہم خدا کی مخالفت نہیں کرتے اس میں کہ جو اس کو محبوب ہے۔ یعنی خدا کی خوشی اور مرضی یہ ہوتی ہے کہ ہم پر مصیبت پڑے لہذا ہم اس کی رضا کی مخالفت نہیں کرتے اور ہم بھی اس مصیبت پر راضی ہو جاتے ہیں۔ (حلیۃ اولاولیاء المجلد الثالث ص ۱۸۷)

کافی میں علامہ کلینی لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ جناب محمد الباقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہیں معلوم ہوا کہ آپ کا ایک بچہ سخت مرض میں مبتلا ہے۔ اور آپ بہت بے چین تھے۔ بہت غمگین تھے اور ذرا قرار نہ تھا ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ اگر خدا نہ کرے اس بچہ کی موت واقع ہو گئی تو پھر محمد الباقرؑ کی حالت بہت ہی خراب ہو گی اور ہمیں ڈر ہے کہ کچھ مکروہ شے نہ واقع ہو جائے۔ تھوڑی ہی دیر نہ گزری تھی کہ انہوں نے عورتوں کا صیحہ (چیخ) سنا اور جناب محمد الباقرؑ باہر آ گئے۔ آپ کے چہرے پر آثار غم نہ تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو ڈر رہے تھے کہ اگر بچہ مر گیا تو آپ کی حالت بہت خراب ہو گی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ مکروہ سے نہ واقع ہو۔ لیکن جب خدا کا حکم

آجاتا ہے تو پھر ہماری خوشی اس ہی میں ہوتی ہے جس میں خدا کی رضا ہوتی ہے۔

جود و سخا

کثرت عیال وتوسط حال کے باوجود جناب محمد الباقرؑ کی سخاوت سب پر عام تھی اور آپ کا کرم عام و خاص پر ایک سا تھا۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ "الارشاد" میں حسن بن کثیر سے روایت کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب امام محمد الباقرؑ سے اپنی افلاس اور اپنے بھائیوں کی جفا کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے برا بھائی وہ ہے جو تری دولتمندی کے زمانے میں تری رعایت کرے اور جب تو فقیر ہو جائے تو تجھے چھوڑ دے۔ پھر آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ وہ ایک تھیلی لایا جس میں ۷۰۰ درہم تھے۔ آپ نے مجھے دیئے اور فرمایا کہ ان کو خرچ کر اور جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھے بتانا عمرو بن دینار و عبداللہ بن عبید بن عمیر کہتے ہیں جب کبھی ہم امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمیشہ ہم کو خرچ خوراک ولباس دیا۔ سلیمان ابن ددم سے مروی ہے کہ جناب محمد باقرؑ کبھی ہم کو پانچ سو درہم کبھی چھ صد درہم اور کبھی ایک ہزار درہم دیا کرتے تھے۔ ارشاد مطالب المسئول و معالم العترۃ میں سلمیٰ خادمہ جناب امام محمد باقرؑ مروی ہے کہ جو کوئی رشتہ دار جناب امام محمد باقرؑ کا ان سے ملنے آتا تھا اس کو آپ ضرور کھانا کھلاتے تھے پوشاک دیتے تھے اور نقد روپیہ بھی عنایت کرتے تھے۔ کبھی کبھی میں اگر کہتی تو آپ فرماتے کہ سلمیٰ صلہ رحم و نیکی سے انسان کی دنیا نیک ہوتی ہے۔

کثرت خیرات

علامہ صدوق علیہ الرحمہ نے ثواب الاعمال میں جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میرے والد اپنے رشتہ داروں میں سب سے کم دولت والے تھے اور سب سے زیادہ اہل وعیال رکھتے تھے لیکن باوجود اس کے ہر جمعہ کو بہت سے دینار خیرات کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کے دن کی خیرات میں دوگنی فضیلت ہوتی ہے۔

......☆......

باب دوم ﴿۲﴾

اولاد اور اقارب

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ارشاد میں ابن الصباغ نے فصول مہمہ میں لکھا ہے کہ جناب علی زین العابدینؑ کے پندرہ فرزندان اور دختران تھے جن میں سے ۱۱ ذکور اور ۴ اناث۔ جب حضرت علی زین العابدینؑ کا انتقال ۹۴ ہجری میں ہوا تو آپ نے صرف چھ لڑکے اپنے پیچھے چھوڑے۔ وہ محمد الباقرؑ بڑے تھے۔ زید الشہید علیہ السلام بزمانہ امام جعفر الصادقؑ بنوامیہ کے خلاف خروج کیا اور شہید ہوئے۔ عبداللہ الباھر نے جناب علی زین العابدینؑ کے انتقال کے بعد دعویٰ امامت کیا۔ لیکن چند مہینہ کے اندر انتقال کر گئے۔

جناب محمد الباقرؑ کے ساتھ اولادیں ہوئیں۔ حضرت صادق اور عبداللہ جن دونوں کی ماں ایک یعنی ام فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ ابراہیم اور عبداللہ جن دونوں کی ماں ایک یعنی ام حکیم بنت اسد بن المغیرہ الثقفیہ تھی۔ علی، زینب دونوں ایک کنیز سے، اور ام سلمہ ایک کنیز سے ان میں سے سوائے امام جعفر صادقؑ کے اور کسی کی نسل آگے نہیں چلی۔

☆

باب سوم ﴿۳﴾

حلیہ۔ اخلاق۔ اطوار و لباس

حلیہ

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ جناب محمد الباقرؑ کا قد میانہ، چہرہ نرم و روشن، بال گھونگھر والے بھورے بھورے تھے رخسار پر ایک خال تھا اور جسم پر سرخ خال تھا، کمر پتلی تھی۔ آواز نہایت سریلی و خوش آیند۔ آپ سر جھکا کر چلتے تھے۔ فصول المہمہ میں ہے کہ آپ کا رنگ گندم گوں تھا۔

اخلاق و اطوار

ابن شہر آشوب مجالس میں لکھتے ہیں کہ جناب امام محمد الباقرؑ صادق اللہجہ تھے۔ جو وعدہ کرتے تھے پورا کرتے تھے، کبھی اپنی زبان کو بے جا مبالغہ یا جھوٹ سے آلودہ نہیں کیا۔ نہایت خوش خلق تھے۔ اور نہایت عمدہ مذاق آپ کی طبیعت میں تھا۔ اپنے تمام خاندان میں سب سے کم پیسے والے تھے۔ لیکن اپنے اباد و اجداد کی طرح سخاوت میں سب سے زیادہ تھے۔ باوجودیکہ آپ کے اوپر سے زیادہ بوجھ خرچ کا پڑا ہوا تھا۔ ہر جمعہ کو دینار صدقہ کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کو صدقہ کا ثواب بوجہ برکت جمعہ کے دوگنا ہوتا ہے جب کبھی آپ کو کوئی امر غم دینے والا پہنچتا تھا تو آپ اپنے تمام اہل و عیال بچوں اور عورتوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے۔ آپ دعا کرتے جاتے تھے اور وہ لوگ آمین کہتے جاتے تھے۔ آپ ذکر خدا ہر لحظہ ہر آن کرتے رہتے تھے۔ کھانا کھاتے وقت، راستہ چلتے ہوئے مجلس و مجمع میں جہاں اور لوگ باتوں میں مشغول ہوتے تھے۔ آپ ذکر خدا کرتے رہتے تھے پچھلی رات کو اپنے بچوں کو جمع کر لیتے تھے جو ان میں سے قرآن پڑھ سکتا تھا اسے قرآن پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور جو نہیں پڑھ سکتا اسے ذکر خدا میں مشغول کرتے تھے یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ سخاوت کا یہ حال تھا کہ کوئی سائل کبھی آپ کے در سے محروم نہیں گیا آپ اپنے مکان کے مردانے حصہ میں لوگوں کو درس دینے کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ اور وہاں صبح سے شام تک درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لوگ آتے تھے اور مواعظ سے فیضیاب ہوتے تھے۔

لباس

جب آپ اپنی عورتوں کے یہاں جاتے تھے تو ان کی خواہش کے مطابق عمدہ رنگین سرخ و زرد لباس پہن لیتے تھے۔ حسن الزیات بصری لکھتے ہیں کہ میں اور میرا ساتھی ایک دن جناب محمد الباقرؑ کے پاس گئے آپ ڈاڑھی میں خضاب اور آنکھوں میں سرمہ لگائے تھے اور چادر عمدہ طریقے سے اوڑھے تھے ہم مسئلہ پوچھنے کے بعد اٹھنے

لگے۔آپ نے فرمایا کہ کل آنا۔ہم جو کل گئے تو آپ اپنے گھر میں ایک بوریہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور بہت موٹی قیص پہنے ہوئے تھے۔آپ میرے ساتھی کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ کل جو تم آئے تھے تو میں اپنی عورت کے گھر میں تھا۔گھر بھی اس کا تھا، مال ومتاع ولباس جو میں پہنے ہوئے تھا وہ بھی اس کا تھا۔اور اس عورت کی باری تھی اور اس کے کہنے سے میں نے یہ زینت کی تھی۔

جراح المدائنی کہتے ہیں کہ فرمایا جناب محمد الباقرؑ نے کہ ہم رنگین کپڑے پہن لیتے ہیں مالک بن اعین کہتے ہیں کہ ایک دن میں جناب محمد الباقرؑ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ نہایت سرخ عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے میں یہ دیکھ کر مسکرایا۔آپ نے فرمایا کہ میری عورت نے خواہش کی تھی کہ میں یہ لباس پہنوں لہٰذا میں نے یہ لباس پہن لیا۔ جب آپ مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو کبھی کبھی سرخ وزرد رنگ کے کپڑے پہن کر چلے جاتے تھے۔ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے رنگین کپڑوں پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب دیا۔ **زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق** (فروع کافی جلد نمبر۲ کتاب الزی والتحمل باب الملباس الاصفر صفحہ نمبر ۳۲،۳۳)

اتباع امام

ہر وقت خشک مولوی نہیں بنے رہنا چاہئے عورت کا بھی حق تمہارے اوپر ہے اس کو خوش کرنے کے لئے زینت کر لینی چاہیے۔بشرطیکہ مال حلال سے ہو خلاف شرع نہ ہو۔خداوند تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے زینت اور اکل کی چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں۔کھاؤ پیو اور اسراف بیجا نہ کرو۔تو یہ محض کفار کے لئے تو نہیں۔مومنین کو اپنی ان نعمتوں سے محروم نہیں کیا۔قرآن شریف میں تجارت و دولت کو فضل اللہ کہا ہے۔اگر صاحب دولت اپنی دولت کا صحیح استعمال کرتا ہے تو دولت ایک نعمت ہے۔اور باعث ثواب غربا کو دے گا۔لوگوں کی حاجتیں پوری کرے گا۔صدقہ دے گا۔غریب آدمی ان باتوں سے محروم ہے۔ائمہ علیہم السلام جو عمدہ لباس ایک سال پہنتے تھے وہ دوسرے سال غرباء کو دیدیتے تھے۔اس طرح غرباء کو بھی عمدہ لباس پہننے کا موقع مل جاتا تھا۔

......☆......

باب چہارم ﴿۴﴾

ادلہ امامت محمد الباقر علیہ السلام

علامہ ابن شہر آشوب ؒ نے مناقب کے جزء الثانی میں وہ تمام نصوص اور جناب رسول خدا کی احادیث جمع کی ہیں جو ائمہ اثناء عشرؑ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں اور جن میں آنحضرتؐ نے ہر ایک امام کا نام لیا ہے۔ ان میں جناب امام محمد الباقرؑ کا نام آتا ہے۔ نیز جناب رسول خداؐ کی وہ تمام احادیث جو اہل بیت علیہم السلام کی شان میں ہیں اور جن کو ہم نے "ابلاغ المبین حصہ اول" میں جمع کیا ہے۔ جناب محمد الباقرؑ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ جو امور خاص طور سے امام محمد الباقرؑ کی امامت پر دلالت کرتے ہیں ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) نہایت محکم دلیل وہی وصیت کی ہے جو بقول مورخ مسعودی حضرت آدمؑ سے جناب محمد مصطفیؐ تک منتقل ہوتی آئی ہے۔ جو آنحضرت نے حضرت علیؑ کی طرف منتقل کی۔ اور پھر وہ علی زین العابدینؑ کے پاس آئی۔ جب وقت وفات حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نزدیک ہوا تو آپ نے اپنے سب اولاد کو جمع کیا اور ان کے مواجہہ میں محمد الباقرؑ کو وصیت کی اور ایک صندوق نکالا جس میں جناب رسول خداؐ کے اسلحہ و تبرکات و چند صحیفے تھے اور یہ صندوق محمد الباقرؑ کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ جب میں رحلت کر جاؤں تو تم ہی مجھ کو غسل و کفن دینا کیونکہ امام کو امام ہی غسل و کفن دیتا ہے۔ (اصول کافی کتاب الحجہ باب الاشارہ والنص عن ابی جعفر صفحہ نمبر ۱۸۸، ۱۸۹، اعیان الشیعہ للمحسن العاملی الجزء الرابع)

بہت سی احادیث امام محمد الباقرؑ و جعفر صادقؑ سے اس مضمون کی مروی ہیں کہ یہ صندوق تبرکات و سلاح رسول کا ہم میں وہی منزلت رکھتا ہے جو بنو اسرائیل میں تابوت کو حاصل تھی جس کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے اور جس میں تبرکات حضرت موسیٰ تھے۔ یہ صندوق سلاح رسول کا امام کی طرف سے امام ہی کو سپرد کیا جاتا ہے اور یہ علامت ہے اس امر کی کہ وہ امام ہے۔ (اصول کافی کتاب الحجہ صفحہ نمبر ۱۴۵، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

(۲) جناب رسول خداؐ کی یہ حدیث مسلمہ امت اسلامیہ ہے "من مات ولم یعرف امام زمانه فقدمات میتة جاهلیه"۔ یعنی جس شخص نے اپنے مرتے دم تک اپنے امام وقت کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت یعنی کافر مرا۔ گویا دنیا کے اختتام تک کوئی زمانہ امام وقت سے خالی نہ رہے گا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، الجزء الرابع صفحہ نمبر ۹۶۔ نواب محمد صدیق حسن خاں، اکلیل الکرامة فی بنیان مقصد الامامة صفحہ نمبر ۴ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال۔ اصول کافی کتاب الحجہ صفحہ نمبر ۲۳۸، ۲۳۹ مطبوعہ نولکشور)

(۳) بہترین شخص امام وقت ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ علم و فضل اور صفات حسنہ و رشتہ داری رسولؐ میں کوئی اور شخص

محمد الباقرؑ سے بہتر نہ تھا۔ آنجناب کے علم وفضل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

(۴) علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کتاب الارشاد میں لکھتے ہیں کہ جناب امیر المومنینؑ کی وصیت میں جناب محمد الباقرؑ کا ذکر تھا۔ جناب رسولخداؐ نے بھی امام محمد الباقرؑ کی امامت کا ذکر کیا تھا جیسا کہ حدیث جابر بن عبداللہ میں ہے اور کافی میں منقول ہے۔

(۵) بہت سی آیات قرآنی ایسی ہیں جو صاف امامت ائمہ اہل بیتؑ پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً حدیث ثقلین جو بعد نزول آیہ یاایھا الرسول بلغ الآیہ آنحضرت نے فرمائی۔ آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم، آیت تطہیر اور اس کی تفسیر جو آنحضرت نے فرمائی ہے، وغیرہ وغیرہ ان کا ذکر ہم نے تفصیل سے البلاغ المبین حصہ اول میں کیا ہے۔ اور اب یہاں ان کی تکرار کی ضرورت نہیں۔

(۶) معجزات کا جناب محمد الباقرؑ کے ہاتھ پر جاری ہونا۔ ان میں سے چند معجزات کا ذکر ہم یہاں پر کرتے ہیں۔

(الف) ابوبصیر (یحییٰ بن القاسم کنیت ابومحمد مادرزاد اندھے تھے) کہتے ہیں کہ میں محمد الباقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ وارث رسول خداؐ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے کہا جناب رسول خداؐ تمام انبیاء کے علوم کے وارث تھے؟ فرمایا۔ ہاں میں نے کہا کہ کیا آپ لوگ اس پر قادر ہیں کہ مردوں کو زندہ کر دیں اور مادرزاد اور جذامی کو تندرست کر دیں۔ فرمایا ہاں باذن خدا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابومحمد میرے نزدیک آؤ میں نزدیک گیا۔ آپ نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا پس میری دونوں آنکھیں روشن ہو گئیں اور میں نے سورج آسمان، زمین اور گھروں کو دیکھا۔ بعدازاں آپ نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اسی طرح رہو۔ جو نفع ونقصان کہ دوسرے آدمیوں کو پہنچے تم کو بھی پہنچے اور حشر کے دن تمہارا بھی حساب کتاب ہو یا یہ چاہتے ہو کہ بے حساب بہشت میں داخل ہو میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ بے حساب بہشت میں داخل ہوں۔ آپ نے میرے منہ پر اسی طرح ہاتھ پھیرا اور میں پھر ویسا ہی اندھا ہو گیا کہ جیسا تھا۔ (کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۲۹۹)

(ب) محمد مسلم کہتے ہیں کہ ایک دن میں جناب محمد الباقرؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک جوڑا قمری کا دیوار پر آ کر بیٹھا۔ اور وہ کچھ اپنی بولی میں بولنے لگے۔ جناب محمد الباقرؑ ان کا جواب دیتے تھے اور پھر وہ اڑ گئے۔ میں نے کہا کہ میں آپ پر قربان ہوں یہ کیا بات تھی، آپ نے فرمایا کہ اے محمد بن مسلم جو جاندار چیز خدا نے خلق کیا ہے وہ ہماری زیادہ تابعدار اور مطیع ہے۔ بہ نسبت انسانوں کے۔ نر قمری نے اپنی مادہ کو تہمت لگائی تھی کہ دوسرے سے جفت ہوئی وہ انکار کرتی تھی۔ آپس میں یہ قرار پایا کہ اپنا مقدمہ میرے پاس لائیں اور جو میں فیصلہ کروں اس پر عمل کریں۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئے۔ مادہ بے گناہ تھی میں نے یہ بتا دیا۔ یہ سن کر نر اس سے راضی ہو گیا۔ (کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۲۹۹)

(ج) الراوندی نے الخرائج میں ابوالصباح سے روایت کی ہے۔ ابوالصباح کہتا ہے کہ میں ایک دن میں

جناب محمد الباقرؑ کے دروازہ پر گیا۔ وہاں دق الباب کیا۔ ایک لونڈی نکلی میں نے اس کے پستانوں پر ہاتھ مار کے کہا کہ اپنے آقا سے جا کر کہدو کہ میں آیا ہوں۔ وہ ابھی باہر ہی تھی کہ فوراً محمد الباقرؑ نے اندر سے آواز دی کہ آ جا۔ بد بخت تو نے یہ کیا کیا۔ میں نے کہا کہ اس سے میرا ارادہ برائی کا نہ تھا بلکہ اپنا یقین بڑھانا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری طرح ہماری آنکھوں کے سامنے بھی دیواریں پردہ ہو جائیں تو پھر ہم میں اور تم میں فرق کیا رہا۔ (۱۴، اعیان الشیعہ الجزء الربع القسم الثانی صفحہ ۲۵، ۲۶)

(د) خرائج میں راوندی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم حضرت محمد الباقرؑ کے حضور میں حاضر تھے کہ اتنے میں حضرت زید ابن علی بن الحسینؑ وہاں سے گزرے۔ محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ ایک دن یہ کوفہ پر خروج کریں گے۔ قتل کئے جائیں گے سولی دے جائیں گے۔ اور ان کا سر فلاں موضع میں لایا جائے گا۔ راوی کہتا ہے کہ ایسا ہی ہوا کہ جیسا کہ محمد الباقرؑ نے فرمایا تھا۔

(ہ) حلیۃ الاولیاء میں ابو حمزۃ ثمالی سے روایت ہے کہ ایک دن صبح چڑیوں کی آواز سن کر جناب محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہتی ہیں میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا فرمایا کہ یہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں اور اپنے دن کا رزق اس سے مانگتی ہیں۔ (ابو نعیم الاصفہانی حلیۃ الاولیاء مطبوعہ مطبع السعادت محافظہ مصر۔ المجلد الثالث صفحہ نمبر ۱۸۷)

(ر) راوندی نے خرائج میں لکھا ہے کہ عبد اللہ ابن معاویہ الجعفری اپنے والد معاویہ سے روایت کرتے ہیں۔ معاویہ جعفری کہتے ہیں کہ میں تمہیں وہ سناتا ہوں جو میرے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا۔ ایک دن مدینہ کے حاکم نے جو آل مروان سے تھا مجھے بلایا میں اس کے پاس گیا جبکہ وہ تنہا تھا اس نے کہا کہ اے معاویہ میں نے تم کو اس وجہ سے بلایا ہے کہ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے چچاؤں (باقرؑ) اور زید ابن الحسنؑ سے جا کر کہو کہ امیر مدینہ تم سے کہتا ہے کہ تم ان باتوں سے باز آؤ جو مجھ تک پہنچی ہیں ورنہ پچھتاؤ گے۔ معاویہ کہتے ہیں کہ میں وہاں سے آیا اور سیدنا محمد الباقرؑ کی خدمت میں پہنچا۔ وہ اس وقت مسجد میں تھے جب میں ان کے قریب پہنچا تو آپ مسکرائے اور وہ سارا ماجرا مجھ سے کہدیا جو امیر مدینہ نے کہا تھا۔ گویا یہ بھی اس وقت وہاں تھے پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابن عم تم اس سے محفوظ ہو کل کے بعد یہ معزول ہو جائے گا اور بلاد مصر کیطرف جلاوطن کر دیا جائے گا۔ معاویہ کہتے ہیں کہ قسم بخدا دوسرا دن آتے ہی اس کی معزولی اور اس کو بلاد مصر کی طرف جلاوطن کر دیئے جانے کا حکم آ گیا۔ معاویہ کہتے ہیں جس سے میں نے اس کا ذکر کیا اس نے اس کو مبالغہ سمجھا اور یقین نہ کیا۔ حالانکہ جو بخاری عمران بن الحصین کی زبانی اپنی صحیح میں لکھتا ہے۔ اس کو کوئی مبالغہ نہیں سمجھتا اور جلدی سے یقین کر لیتا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھ سے ملائکہ گفتگو کرتے ہیں اور جب میں تھک کر خاموش ہو جاتا ہوں تو وہ چلے جاتے ہیں اور یہ لوگ یقین کرتے ہیں۔

(ز) راوندی نے خرائج میں ابوبصیر سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں محمد الباقرؑ کے ساتھ تھا کہ اتنے میں دوانیقی و داؤد بن سلیمان آئے۔ دوانیقی تو چلا گیا داؤد آپ کے پاس آیا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ ابھی حکومت بنی عباس کے پاس نہیں گئی تھی۔ محمد الباقرؑ نے داؤد سے پوچھا کہ دوانیقی یہاں تک کیوں نہ آیا۔ اس نے کہا کہ اس کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔ جناب محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ دن جاتے ہیں کہ ابھی دوانیقی کے پاس ملک آجائے گا۔ شرق و غرب کا مالک ہو جائے گا اور اس میں اس کی عمر اتنی ہوگی کہ اتنا مال جمع کرے گا کہ اتنا کسی نے جمع نہیں کیا۔ داؤد اٹھا اور دوانیقی کے پاس جا کر اس کو خبر دی۔ دوانیقی جناب محمد الباقرؑ کے پاس آیا اور عرض کی کہ یہ کیا بات ہے جو مجھ سے داؤد نے کہی ہے آپ نے فرمایا کہ اسی طرح ہونے والا ہے۔ دوانیقی نے پوچھا کو ہم کہ حکومت آپ سے پہلے مل جائے گی۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں اس نے پوچھا کہ کیا میرے بعد میری اولاد کو بھی حکومت ملے گی۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے پوچھا کہ بنوامیہ کی حکومت کا زمانہ طویل ہوگا یا ہماری سلطنت کا آپ نے جواب دیا کہ تمہاری سلطنت کا زمانہ طویل ہوگا اور تمہارے بچے حکومت سے اس طرح کھیلیں گے جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔ یہ وہ بات ہے کہ جو میرے والد نے مجھے بتائی تھی۔ جب دوانیقی کو سلطنت ملی تو اس کو امام محمد الباقرؑ کی باتوں سے بہت ہی تعجب ہوا۔ (اعیان الشیعہ للمحسن العاملی الجزء رابع القسم الثانی صفحہ نمبر ۲۴، ۲۵، ۲۶)۔

(ح) حمیری نے کتاب الدلائل میں یزید ابن ابی حازم سے یہ روایت لکھی ہے وہ کہتا ہے کہ میں محمد الباقرؑ کے ہمراہ ہشام کے گھر کی طرف سے گزرا جب کہ وہ زیر تعمیر تھا۔ جناب محمد الباقرؑ نے کہا کہ یہ گھر گرا دیا جائے گا اور اس کی مٹی بھی اٹھائی جائے گی۔ یہاں تک کہ نیچے کے پتھر نظر آنے لگیں۔ یزید ابن ابی حاتم کہتا ہے کہ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ ہشام کا گھر کون گرائے گا لیکن میں نے دیکھا کہ جب ہشام مر گیا تو ولید نے حکم دیا کہ اس گھر کو گرا دیا جائے اور اس کی مٹی کو بھی اٹھا دیا جائے۔ (اعیان الشیعہ للمحسن العاملی الجزء الرابع القسم الثانی صفحہ نمبر ۲۴، ۲۵، ۲۶)

......☆......

باب پنجم ﴿۵﴾

جناب محمد الباقرؑ کے اصحاب اور ان کے زمانہ کے علماء وفقہاء

الرواۃ عن الباقرؑ

جناب محمد الباقرؑ سے صحابہ میں سے جابر ابن عبداللہ نے تابعین میں سے جابر بن یزید الجعفی، کیسان السجتانی وغیرہ نے فقہاء میں سے ابن المبارک، زہری، ابوحنیفہ مالک، شافعی، اوزاعی اور زیاد ابن المنذر نے، مورخین میں سے طبری، بلاذری، السلامی، خطیب نے روائتیں لی ہیں۔ اسی طرح موطا، حلیۃ الاولیاء، شرف المصطفیٰ، سنن ابی داؤد، مسند ابی حنیفہ، مسند مروزی، ترغیب الاصفہانی، بسط الواحدی، تفسیر النقاشی، زمخشری اور رسالۃ السمعانی میں جناب محمد الباقرؑ سے روایت لی گئی ہے۔ یہ ہم اس لئے نہیں کہہ رہے ہیں کہ ان سے جناب موصوف کا تبحر علمی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ ہم ان کے تعلیم کی وسعت کو بتا رہے ہیں کہ کتنی عالمگیر تھی۔ کل امت اسلامیہ کو آپ کے علم سے فائدہ ہوا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ان ائمہ اہل بیتؑ نے اسلام کے لئے کچھ نہیں کیا۔ یہ اس غلط وہم کی تردید ہے۔ کتنی عام و وسیع و ہمہ گیر وہ تعلیم تھی جس نے سب کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ درآنحالیکہ وہ خود ہمیشہ معتوب شاہی رہے۔

اصحاب محمد الباقرؑ

جابر ابن عبداللہ انصاری، جابر ابن یزید الجعفی۔ زرارہ، عامر ابن عبداللہ بن شریک العامری، فضیل بن یسار البصری۔ سلام ابن المستنیر، برید بن معاویہ العجلی، الحکیم ابن ابی نعیم، محمد بن مسلم الثقفی، عبداللہ ابن ابی یعفور، زیادہ ابن المنذر رالاعمیٰ (ابوالجارود)، زیاد ابن ابی رجا (ابوعبیدۃ الحذاء) زیاد بن سوقہ، زیاد مولیٰ محمد الباقرؑ، زیاد ابن ابی زیاد المقری، زیاد الاحلا، ابوالبصیر یحییٰ بن ابی القاسم مکفوف (اسحاق) حمران، بکر، عبدالملک، عبدالرحمٰن پسران اعین، محمد بن اسمٰعیل بن بزیع عبداللہ بن المیمون القداح، محمد بن مروان الکوفی، اسمٰعیل بن الفضل الہاشمی من ولد ابن الحارث، ابوہارون المکفوف طریف ابن ناصح، سعید ابن الاسکاف الدولی، اسماعیل جابر الخثعمی الکوفی، عقبہ ابن بشیر الاسدی اسلم المکی جو ابن حنفیہ کا غلام تھا، ابوبصیر لیث ابن البختری المرادی، کمیت بن زید الاسدی، ناجیہ ابن عمارۃ الصیداوی، معاذ بن مسلم الحصراء النحوی، بشیر الرحال۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ محمد بن اسماعیل بن بزیع اور اس کے بعد جن بزرگواروں کے نام ہیں ان کو جناب جعفر الصادق علیہ السلام کی صحبت کا بھی شرف حاصل ہے۔ یہ نام ہم نے شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی کتاب الاختصاص اور

سید محسن العاملی کی کتاب اعیان الشیعہ سے لیے ہیں۔

جناب ابوحنیفہ امام اعظم حضرت امام محمد الباقر علیہ السلام کی شاگردی میں:

جناب ابوحنیفہ کو جناب محمد باقرؑ اور جناب امام جعفر صادقؑ دونوں کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ اس مضمون پر جناب شبلی لکھتے ہیں:۔

"امام باقرؑ کی شاگردی حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابو حنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف (حضرت محمد باقرؑ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو۔ انہوں نے نہایت ادب سے کہا معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے۔ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں۔

پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوحنیفہ۔ مرد ضعیف ہے یا عورت

امام باقرؑ۔ عورت

ابوحنیفہ۔ وارثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا

امام باقرؑ۔ مرد کا

ابوحنیفہ۔ میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہئے۔

پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ

امام باقرؑ۔ نماز

ابوحنیفہ۔ اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہئے نہ کہ روزہ کی حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتوے دیتا ہوں۔

امام باقرؑ اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔

ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ اور حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا، جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ

امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے۔ اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کر تے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد ہوں اور فقیہ لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت؟ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیتؑ کے گھر سے نکلے وصاحب البیت ادریٰ بمافیہا۔'' (شبلی، سیرۃ النعمان صفحہ نمبر ۳۸، ۳۹)

مولوی شبلی کا نقل کردہ مکالمہ اس مکالمے پر تبصرہ

مولوی شبلی اور اہل بیتؑ کی اعلمیت کا اقرار معجزہ سے کم نہیں جیسا کہ موسیٰ کا فرعون کے یہاں پرورش پانا ایک معجزہ تھا۔ لیکن چلتے چلتے ایک ایسا مکالمہ لکھ گئے جس سے جناب ابوحنیفہ کی ذکاوت ثابت کرنی چاہی مگر امام ابوحنیفہ کی منطق میں جو کمزوری ہے اس کو مولوی شبلی بوجہ محبت والہانہ کے نہ دیکھ سکے لیکن امام محمد باقرؑ سے تو بعید ہے کہ وہ اس کو نہ دیکھتے اور اپنی تعریف کے اظہار میں جناب ابوحنیفہ کی پیشانی چومتے۔ اول تو ملاحظہ فرمایئے کہ امام محمد باقرؑ کا اعتراض تو یہ تھا کہ جناب رسول خداؐ کی احادیث کی مخالفت اپنی قیاس کی بنا پر کرتے ہو۔ ابوحنیفہ کا جواب ان احکام وفرائض کے متعلق ہے جو قرآن شریف میں ہیں۔ میراث کے حصص بھی قرآن شریف میں ہیں اور قضائے روزہ کا ذکر بھی اس میں ہے۔ حیض مرض کی تعریف میں آتا ہے۔ اس کو اذی کہا گیا ہے۔ (۲۲۲:۲) کیا قرآن شریف کے صاف وصریح احکام میں بھی قیاس کرنے کا خیال تھا۔ اعتراض کچھ جواب کچھ اس میں پیشانی چومنے کی کیا بات تھی۔ آگے چلئے کہتے ہیں کہ چونکہ عورت ضعیف ہے۔ لہذا قیاس کہتا ہے کہ اسے دوگنا حصہ ملنا چاہئے۔ وہ غلط قیاس ہوگا۔ جو یہ کہے گا اگر آپ قیاس کو درمیان میں لاتے ہیں تو مال و دولت کی تقسیم ضرورت کی بناء پر ہونی چاہئے نہ کہ کمزوری کی بنا پر عورت کے رزق کا کفیل یا تو اس کا باپ ہے یا اس کا شوہر۔ روزی کمانا عورت کا فرض نہیں بلکہ اس کے پاس اگر مال و دولت ہوگا تو اپنی کمزوری کی وجہ سے اسے اس کی حفاظت میں مشکل درپیش آئے گی مال و دولت کی ضرورت تو اس کو زیادہ ہے جس کے ذمہ رزق کمانا ہے۔ تجارت کر کے روزی کمائے یا اس کو کسی اور کام میں لائے۔ لہذا مرد کا جو دوگنا حصہ شرع نے رکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔ اب رہی نماز و روزہ کی قضا نماز کی قضا اس وجہ سے واجب نہیں کہ ہر مہینہ حیض کا دوران تقریباً دس دن رہتا ہے اگر یہ قضا واجب ہوتی تو ہر مہینہ دس دن حیض کے اور باقی دن واجب اور قضا نمازوں میں گزر جاتے۔ ۵۰ نمازیں قضا کی اور روزانہ پانچ نمازیں واجب کی باقی سارا مہینہ اس ہی میں لگ جاتا۔ عورت کو گھر کا کام بھی کرنا ہوتا ہے اور جب بچہ ہوا تو اور مصیبت بڑھ گئی۔ حیض ونفاس کی قضا نمازیں ادا کرنا پڑتیں۔ جہاں خدا نے اور نعمتیں گنوائی ہیں وہاں دین کا آسان ہونا بھی ایک نعمت فرمایا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا اگر یہ نمازیں واجب ہو جاتیں تو عورت کی وسعت برداشت سے زیادہ ہو جاتا اور اس کے لئے یہ دین آسان نہ رہتا۔ صحیح قیاس یہ ہے نہ کہ وہ کہ روزہ سے نماز افضل ہے۔ لہذا نماز کی قضا واجب ہونی چاہئے اور پھر افضلیت کا پیمانہ کیا ہے۔ دونوں خدا کے حکم ہیں۔ دونوں فرض

ہیں دونوں ادا کرنے چاہییں۔

اب فرمایئے کہ اس منطق میں کون سی ذہانت وذکاوت پائی جاتی ہے۔جس کو تسلیم کر کے جناب محمد باقرؑ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔ چونکہ شاگردی بیان کی تھی اور شاگردی پھر شاگردی ہے،اس کی حیثیت بڑھانے کے لئے شبلی صاحب نے یہ جملہ ایزاد کر دیا۔

جناب محمد الباقرؑ کے چند اصحاب کے مختصر حالات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام محمد الباقرؑ کے چند اصحاب کا تعارف ہم ناظرین سے کرادیں۔

جابر ابن عبداللہ انصاری

جناب محمد الباقرؑ کی خدمت میں حضرت جابر کی باریابی کا حال پہلے گذر چکا ہے۔ یہ جناب رسول خداؐ کے صحابہ میں آخری شخص ہیں۔ جناب رسول خداؐ کے ہمراہ غزوۂ بدر و دیگر اٹھارہ مشاہد میں شریک تھے۔ ان کے والد عبداللہ بیعت عقبہ میں شریک تھے اور نیز ان بارہ اشخاص میں تھے جنہوں نے رسول خداؐ سے بیعت کی۔ دوسری ستر اشخاص والی بیعت عقبہ میں جابر بھی شریک تھے۔ یہ جناب علی مرتضیٰؑ کے مخلص اصحاب میں سے تھے۔ اگرچہ حضرت ابوبکر کی بیعت میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ جابر ابن عبداللہ صبح وشام امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے تھے۔ چند روایات جناب محمد باقرؑ نے بواسطۂ جابر بیان کی ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ ان روایات کے علم میں جناب جابر کے محتاج تھے بلکہ وجہ یہ تھی کہ جب اپنی شروع عمر میں جناب محمد الباقرؑ نے احادیث کثرت سے جناب رسول خداؐ سے بیان کیں تو لوگوں نے آپ کی کم سنی کو مدنظر رکھ کر طعن کی کہ دیکھو انکی جرأت کی رسول خدا سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کو دیکھا نہیں۔ اس خیال سے کہ اس ذرا سی بات پر لوگ منحرف ہو کر شرف تعلیم سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ چند روایات کو جابر کے واسطے سے بیان کرنے لگے۔

جناب جابر کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلے یہ بزرگوار ہیں جنہوں نے عاشورہ محرم ۶۱ھ سے چالیس دن کے بعد یعنی ۲۰ صفر کو جناب امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کی۔ غالباً یہی وجہ زیارت اربعین کی ابتداء کی ہوئی۔ جیسا کہ مجلسی علیہ الرحمہ نے زادالمعاد میں لکھا۔

ابوحمزہ ثمالی

ان کا نام ثابت ابن دینار ہے۔ ان کے تین پسران یعنی منصور، نوح اور حمزہ کو زید شہید کے ہمراہ شرف شہادت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ وکیع وابونعیم ان سے روایت کرتے تھے لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور عثمان کو برا کہتا تھا۔

ابوبصیر

اس کنیت کے چار اصحاب محمد باقرؑ تھے۔ جس کی وجہ سے روایات کے منسوب کرنے میں بڑا مغالطہ ہوگیا۔ ہم جس ابوبصیر کا ذکر کر رہے ہیں یہ ابوبصیر لیث بن البختری المرادی ہیں۔ یہ شیعہ راویان ثقہ سے ہیں۔ امام جعفر صادق کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ بہت رفیع المرتبت تھے۔ ان کی ثقاہت وصداقت پر فرقہ حقہ شیعہ کا اجماع ہے۔ جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ "جنہوں نے ہمارے ذکر کا احیاء کیا اور میرے باپ کی احادیث کو خلایق کے درمیان پھیلایا وہ ابوبصیر لیث المرادی، زرراہ، محمد بن مسلم ویزید بن معاویہ العجلی ہیں یہ نہ ہوتے تو کوئی دین کا انبساط نہ کرسکتا۔ یہ حافظان دین اور امانت دار ہیں۔ میرے باپ کے ان کے حلال وحرام پر سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف دنیا مین اور سبقت کریں گے۔ ہماری جانب آخرت میں نیز آنحضرت نے فرمایا کہ میرے باپ کے اصحاب باعث زینت تھے۔ زندگی اور مرنے کے بعد ھولاء قوامون...... بالقسط قوامون بالقسط (منقول از درالنادر مولفہ سید مظہر حسن صاحب)

ابوبصیر عبداللہ بن محمد الاسدی

یہ جناب امام محمد الباقرؑ کے ان چھ اصحاب میں سے ہیں، جو افقہ کہلاتے ہیں وہ یہ ہے۔ ابوبصیر اسدی۔ محمد بن مسلم۔ فضیل بن یسار۔ برید العجلی۔ زرارہ۔ اور ابوالبصیر المرادی

ابوبصیر ابن حارث تیری

ان کے متعلق کچھ زیادہ نہیں معلوم

ابوبصیر یحییٰ بن ابی القاسم الاسدی

ان کے باپ ابوالقاسم کا نام اسحاق تھا۔ یہ جناب محمد الباقرؑ کے راویان میں سے ہیں۔ یہ مکفوف یعنی نابینا تھے اور جناب امام محمد الباقرؑ کے فقہ اصحاب میں سے تھے۔ جناب امام جعفر صادقؑ کی صحبت کا شرف حاصل کیا تھا اور ان دونوں اماموں کو آپ پر بڑا اعتبار تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے جناب امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہو اور آپ نہ مل سکیں تو کس سے پوچھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابوبصیر اسدی سے پوچھو۔ جناب امام محمد الباقرؑ کے چھ افقہ اصحاب یہ ہیں۔ محمد بن مسلم۔ فضیل بن یسار، برید العجلی، زرارہ، ابوبصیر المرادی۔

زرارہ ابن اعین

یہ جناب امام باقرؑ اور جعفر صادقؑ کے عظیم الشان واعلیٰ مرتبت اصحاب میں سے ہیں۔ فقیہ، متکلم، ادیب و شاعر تھے۔ ایک دفعہ دس بارہ آدمی جناب امام جعفر صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ زرارہ کا ذکر آیا۔ آپ نے ان کو

بہت برے الفاظ سے یاد کیا۔ اور لوگوں کے دل میں یہ اثر پیدا کرنے کی کوشش کی زرارہ آپ کے دوست نہیں ہیں۔ یہ خبر زرارہ کو ملی انہوں نے اپنے بیٹے حسین عبداللہ کو آپ کو خدمت میں بھیجا اور عرض کی کہ لوگ مجھ سے آن کو کہتے ہیں کہ آپ نے میرا ذکر برائی کے ساتھ کیا۔ آپ نے ان سے کہا کہ اپنے باپ کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ تم تو ہمارے بہترین دوستوں میں سے ہو۔ ہماری روایات کے حامل ہو۔ قسم خدا کی میں تم سے رضا مند ہوں۔ میں جو لوگوں کے سامنے تمہاری برائی کی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے اور ہمارے دوستوں کے دشمن ہیں اور ہمارے مقربین اور دوستوں کی ایذا ہی پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہماری محبت کی وجہ سے ہمارے دوستوں میں طرح طرح کے عیب لگاتے ہیں اور آخر کار ان کے قتل و تباہی کے باعث ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے دشمنوں کے ساتھ دوستی کے ساتھ دوستی کرتے ہیں۔ جن کی ہم مذمت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ تم اے زرارہ ہم سے محبت کرنے میں مشہور ہو گئے اور یہ لوگ تم سے عداوت کرنے لگے ہیں۔ اب جو تمہاری دم و تنقیص ہماری طرف سے شائع ہو گی تو ان کی حالت بدل جائے گی اور یہ تم سے دوستی کرنے لگیں گے۔ اس روایت کو علامہ کشی نے رجال میں لکھا ہے۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حالات و اقوال کو سمجھنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اس امر کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ یہ کس طرح دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ہر وقت اور ہر جگہ ان کے پیچھے جاسوس لگے رہتے تھے۔ ان کے خاندان کے چند افراد نے سلاطین جور پر ان کے ظلموں سے تنگ آ کر جو خروج کیا اس نے ائمہ علیہم السلام کی حالت کو اور نازک بنا دیا۔

زرارہ ابن اعین کے چاروں بھائی حمران، بکیر، عبدالملک و عبدالرحمٰن پسران اعین سب راہ راست پر تھے اور پکے شیعہ تھے۔

محمد بن مسلم ثقفی طاھی کوفی

ان کو امام جعفر صادقؑ کی صحبت کا بھی شرف حاصل تھا۔ یہ امامین علیہم السلام کے راویان ثقاۃ میں سے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ انہوں نے تیس ہزار احادیث جناب محمد الباقرؑ سے اور سولہ ہزار امام جعفر صادقؑ سے اخذ کیں۔ ایک بار امام محمد باقرؑ نے ان سے کہا کہ اے محمد تواضع و فروتنی اختیار کرو۔ اس کا اتنا اثر محمد بن مسلم پر ہوا کہ ٹوکرا کھجوروں سے بھر اور مسجد پر جا بیٹھے اور خرما بیچنے لگے۔ اس کو چھوڑا تو شتر بار لے کر خراس کھول کر دیا اور آٹا پسوانے لگے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو طحان کہنے لگے۔

علامہ کشی نے ابو کہمش سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ محمد بن مسلم ثقفی نے قاضی ابولیلیٰ کے پاس شہادت دی تو اس نے قبول نہ کی۔ تم کوفہ جاؤ تو ابو لیلیٰ کے پاس جانا اور تین سوال کرنا۔ لیکن یہ شرط کر لینا کہ جواب حدیث رسول سے ہو۔ یہ نہ ہو کہ میرا قیاس یہ

ہے۔ یا میرے اصحاب یہ کہتے ہیں۔ ابو کہمش کہتے ہیں کہ میں کوفہ گیا تو پہلے قاضی ابولیلیٰ کے پاس گیا ور وہ سوال کیے جو امام نے بتائے تھے اور وہی شرط کی سوال یہ تھے:۔

(۱) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں شک ہو تو کیا کرنا چاہئے۔

(۲) بدن یا کپڑا پیشاب سے نجس ہو جائے تو اسے کس طرح پاک کرنا چاہئے۔

(۳) ایک شخص حج میں سات سنگریزوں سے رمی جمرات کرنا چاہتا تھا۔ ایک کنکری گر گئی تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے۔ ابولیلیٰ ان میں سے کسی سوال کا جواب آنحضرت کی حدیث سے نہ دے سکا تو کہمش نے کہا کہ مجھے جناب امام جعفر صادقؑ نے یہ سوال کرنے کے لئے بھیجا تھا اور کہا تھا کہ اگر وہ جواب نہ دے سکے تو اس سے پوچھنا تو نے محمد بن مسلم کی گواہی کیوں رد کی حالانکہ وہ احکام خدا و سیرۃ رسول کو تجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ ابولیلیٰ شرمندہ ہوا۔ اور محمد بن مسلم کو دوبارہ بلایا اور اس کی گواہی کو نافذ کیا۔

اصحاب امام جعفر صادقؑ میں سے دو آدمی شریک قاضی کے پاس گئے اور ان سے نماز کے متعلق سوال کیا۔ شرط یہ تھی کہ حدیث رسولؐ سے جواب ہو کسی اور کا قول یا قیاس نہ ہو۔ ایک سوال یہ تھا کہ قصر نماز کتنی مسافت پر ہوتا ہے۔ اور نماز جمعہ کس پر واجب ہوتی ہے لیکن شریک قاضی ان سوالات کا جواب قول رسول سے نہ دے سکے اور ان آدمیوں سے پوچھا کہ تمہارے پاس اس کا علم ہے انہوں نے کہا ہاں۔ ہم سے محمد بن مسلم ثقفی نے کہا اور انہوں نے امام محمد باقرؑ سے روایت سنی اور امام محمد باقرؑ نے اپنے آباء اجداد کے ذریعہ سے جناب رسولخدا کا قول بیان کیا اور وہ یہ ہے کہ:

ان التقصیر یجب فی بریدین و اذا جتمع خمسة احدهم الا مام فلهم ان یجمعوا

یعنی دو برید (منزل) کی مسافت پر نمار کا قصر کرنا ہوتا ہے۔ اور جب پانچ آدمی جمع ہوں جن میں ایک پیش امام ہو تو ان کو چاہئے کہ نماز جمعہ بجالائیں۔

جابر بن یزید الجعفی

کوفہ کے رہنے والے تھے۔ طلب علم کے لئے مدینہ آئے اور جناب امام محمد باقرؑ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ امامؑ نے فرمایا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے تو اپنا وطن عراق نہ بتانا بلکہ کہنا کہ اہل مدینہ سے ہوں۔ جابر بن یزید نے کہا کہ کیا یہ جھوٹ نہ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ جھوٹ نہیں۔ جب تک تم مدینہ میں ہو اہل مدینہ سے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگ آپ کے کتنے دشمن تھے۔ امام زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ میں بیس آدمی بھی ایسے نہیں جو ہم کو دوست رکھتے ہوں۔ (منقول از درالناادر مظہر حسن)

علامہ ابن شہر آشوب کتاب المناقبؔ میں لکھتے ہیں کہ نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ ایک طویل القامت شخص نے اثناء راہ میں آکر جابر کے ہاتھ میں ایک نامہ دیا۔ انہوں نے آنکھوں پر رکھا اور قاصد سے

پوچھا کہ تم تو کب امام سے جدا ہوا ہے۔ کہا کہ ابھی پس انہوں نے مہر توڑ کر نامہ کو پڑھا۔ پڑھ کر منھ بنایا۔ جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد کوفہ پہنچنے تک کسی نے اس کو ہنستے نہیں دیکھا۔ کوفہ پہنچے تو راوی کہتا ہے کہ اگلے دن جو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عجیب حالت سے گھر سے نکلے کچھ مہرے گلے میں لٹکائے ہوئے ایک زنبیل خرموں کا سر پر رکھے اور بچوں کی طرح سرکنڈے پر سوار ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔ "ادخل یا منصور ابن جمھور امیر اغیر ما مور "اے منصور پس جمہور اندر آ در انحالیکہ تو امیر ہے نہ کہ رعایا یہ دیکھ کر لڑکے ان کے گرد جمع ہو گئے اور لوگ کہتے تھے کہ جابر پاگل ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ قسم بخدا کچھ روز نہ گزرے تھے کہ ہشام ابن عبدالملک کا فرمان حاکم کوفہ کے پاس آیا کہ جابر کو قتل کر کے اس کا سر ہمارے پاس بھیجدے۔ اس نے اہل دربار سے پوچھا کہ یہ جابر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ صاحب علم وفضیلت تھے لیکن اب وہ تو پاگل ہو گئے ہیں۔ امیر نے خود ایک بار اپنے محل کے غرفہ سے جو نظر کی تو دیکھا کہ واقعی وہ پاگل ہیں اور لڑکوں سے کھیلتے پھر رہے ہیں۔ اور تھوڑے دنوں بعد منصور پسر جمہور شہر میں آیا اور اس سے وہ ہی امر سرزد ہوئے جن کی جابر نے خبر دی تھی۔ (مجلد الخامس من کتاب المناقب آل ابی طالب صفحہ نمبر ۹۷۸) جابر کا انتقال ۱۲۸ ہجری میں ہوا۔

ان واقعات وحالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات کس طرح دشمنوں میں گھر ہوئے رہتے تھے اور کن تر کیبوں سے اپنے دوستوں کو بچاتے تھے۔

☆

باب ششم ﴿۶﴾

جناب امام محمد الباقر علیہ السلام کے زمانہ کے واقعات

(۱) قبل امامت واقعات کربلا کا اثر

جناب امام محمد الباقرؑ کی عمر چار سال کی تھی جب سانحہ کربلا ظہور میں آیا۔ آپ بھی اپنے والد اور جد امجد کے ساتھ کربلا میں تھے اور وہ سارا دردناک واقعہ دیکھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ نانا کی امت نانا کا کلمہ پڑھتی جارہی ہے اور ان کے گھر کا صفایا کرتی جارہی ہے۔ تین باتوں کا آپ پر خاص اثر ہوا ہوگا۔ ایک تو یہ کہ ان کا بھولی عبداللہ ابن حسن اپنے چچا کو قتل ہوتے نہ دیکھ سکا۔ اپنے زعم میں ان کا بچانے گیا۔ اگر شریف دشمن ہوتا جس کو خاص دلی بغض نہ ہوتا، اصول لڑائی لڑ رہا ہوتا تو بچہ کو ہٹا دیتا یہ کون سی بہادری تھی کہ اس بچہ کو تلواروں سے ٹکڑے کردیا۔ اور وہ اپنے چچا کو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے بچاتا رہا۔ رحم بھی نہ آیا یہ عرب کی حمیت تھی یا یہ اسلامی فقہ کا کوئی قاعدہ تھا کہ چھوٹے بچے کو اس کے چچا کی گود میں قتل کررہے تھے۔ امام حسینؑ کا دل اس وقت کیا کہتا ہوگا کہ یہ بچہ محبت کے جوش میں تجھے بچانے آیا اور اس طرح قتل ہورہا ہے۔ اس سے بھی ایک چھوٹا بچہ تھا چھ مہینے کی عمر پیاس سے یوں ہی مر رہا تھا۔ اول تو اس کو پانی نہ دینا یہ ہی کافی ظلم تھا۔ پھر اس کے گلے پر تیر مارنے سے کیا فائدہ ہوا۔ بیٹے کو باپ کی گود میں قتل کردیا۔ امام حسینؑ اکیلے رہ گئے تھے۔ یوں ہی لڑائی ختم تھی بچہ کو تیر مار کر قتل کرنے میں لڑائی کی فتح میں کیا امداد ملی دوسرے یہ کہ بیعت نہ کرنے والے تو سب ختم ہوچکے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو ستانے سے کیا فائدہ تھا؟ خیموں میں آگ لگادی ان کو لوٹ لیا۔ اپنے رسول کی آل کو ان کے مردوں کے مرنے کا اس طرح پرسا دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ ان عورتوں اور بچوں سے بھاگنے کا کیا اندیشہ تھا۔ بھاگ کر یہ کہاں جاتے۔ پھر ان کو طوق و رسن میں جکڑنے سے کیا فائدہ تھا اور ایسی بے دردی سے دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کیا گیا نہ کجاوہ نہ عماری خالی اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا دیا اور تیزی سے اونٹوں کو لے چلے۔ راستے میں بچے گرتے گئے۔ ان کی ماں پکار رہی ہے کہ ہائے میرا بچہ گرا۔ ذرا ٹھہرو میں اپنے بچے کو تو اٹھالوں۔ ظالموں نے اونٹوں کو اور تیز کردیا اور چلے گئے مورخین کہتے ہیں کہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک کے راستہ میں اس طرح ۴۰ بچوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ بچوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں جو راستہ میں گر کر مر گئے۔ یہ واقعات تاریخ کامل و تاریخ طبری اور ینابیع المودۃ سے لئے گئے ہیں۔ یہ سب کچھ محمد الباقرؑ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک تو اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات تھے۔ یوں بھی یاد رہتے تھے۔ پھر ایسے حصہ عمر میں یہ واقعہ ہوئے تھے جب ذرا ذرا سے واقعات اپنا گہرا اثر چھوڑے جاتے ہیں اور یہ تو اہل بیت و رسالت کے لئے اتنا بڑا سبق تھا کہ ان کو کوئی فرد اس سبق کو نہیں بھول سکتا تھا۔ جناب محمد الباقرؑ نے ان امور پر غور کیا اور مندرجہ

ذیل بدیہیات ان پر اچھی طرح واضح ہو گئے۔

(۱) ان لوگوں نے عربی حمیت کو بھی چھوڑا۔ انسانی فطرت کی بھی مخالفت کی۔ وجہ یہ ہے کہ انکو آل محمدؐ سے دلی بغض وعناد تھا۔ بچوں تک کا سرکاٹ کرلے گئے۔ اور ظلم کئے جو فتح جنگ کے لئے ضروری نہ تھے۔

(۲) وجہ اس عداوت کی یہ تھی کہ اکثر تو ان میں سے بدستور اپنے کفر پر باقی تھے۔ سمجھتے تھے کہ محمدؐ نے آن کر ہمارے خداؤں کو مٹا دیا۔ اور علیؑ نے اپنی تلوار سے محمدؐ کی مدد کی۔ حکومت خود بھی ایسی ہی تھی لہٰذا اس نے اس خیال کی تائید کی۔ جو اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے ان کو حکومت نے آیات قرآنی کی غلط تفسیر وتاویل کر کے اس راستہ پر ڈال دیا تھا۔ یزید کو اپنا امام سمجھتے تھے اور امام کی اطاعت اپنا فرض جانتے تھے۔

(۳) یہاں تک تو یزید مسلمانوں کو کفر کے راستے پر لے آیا تھا۔ اب جناب امام حسینؑ آگے بڑھے اور اپنے خون کا ایسا جوش مارتا ہوا اور اسلام اور کفر کے درمیان حائل کر دیا کہ اب کسی کو مغالطہ نہیں ہو سکتا۔

امام محمد الباقرؑ نے یہ سب دیکھا۔ اور ان پر غور کر کے آپ نے تین صحیح نتیجے نکالے۔

(۱) اسلام کے خلاف یہ کفر کا بہت بڑا پروپیگنڈہ رہا ہے اور بہت عرصہ سے مسلمانوں پر مسلط ہوتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے منافقت اور غلط تاویل وتفسیر قرآن کے ذریعہ سے۔ اب رفتہ رفتہ اتنا قوت پکڑ گیا کہ علانیہ اور تلوار کے ذریعہ سے بھی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ امام حسینؑ نے تلوار کا جواب تلوار سے اس سختی سے دیا کہ سانحہ کربلا کے بعد کوئی احمق ہی ہو گا جس کی عقل پر شیطان نے پورا غلبہ کر لیا ہو گا جو ان سلاطین دمشق کو جو یزید کے پیرو تھے مسلمان سمجھتے سلاطین وقت کے کفر کو عریاں کر کے دکھانا امام حسینؑ اور کربلا کا مقصد اعظم تھا اور اس مقصد کا حصول امام حسینؑ کی فتح تھی۔

(۲) اب بوجہ قلت انصار کے ظاہری طریقہ پر سلاطین وقت سے مقابلہ بیکار تھا۔ لیکن طاقت تو عوام الناس کی ہوتی ہے۔ سلاطین وقت میں تو اب اتنی ہمت نہ رہی کہ عوام الناس کو اپنے ساتھ کفر کی طرف لے چلیں۔ یزید نیکوشش کی اور ناکام رہا۔ لہٰذا اب عوام الناس کو صحیح تاویل وتفسیر قرآن کے ذریعہ سے اصلی اسلام کی طرف لانا چاہئے۔ ورنہ رسول خداؐ کی تبلیغ علی مرتضیٰؑ کے جہاد اور امام حسینؑ کی قربانی سب ملیامیٹ ہو جائیں گے۔

(۳) لیکن امت اور دین جد کو بچانے کے ساتھ اپنا بچانا بھی ضروری ہے۔ امام محمد الباقرؑ دیکھ چکے تھے کہ ان لوگوں کو اہل بیتؑ رسالت سے کتنا بغض ہے۔ اب اگر ذرا سا بھی انہیں عذر ملا تو ایک ایک کو قتل کر ڈالیں گے اور پھر دین جد کو سنبھالنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اور اس دین کے بچانے ہی کی وصیت آپ کو کی گئی تھی۔

جناب محمد الباقرؑ کی ساری زندگی کے سوانح ان ہی دو مقصدوں کے حصول پر منتج ہوتے ہیں۔ صبح سے شام تک عوام الناس کو درس وتعلیم مذہب دینا یہ ہی آپ کا ایک کام تھا۔ یہ تعلیم کسی خاص فرقہ میں محدود نہ تھی۔ تمام عوام الناس کے لئے تھی۔ اور جمہور مسلمین کے بڑے بڑے علماء مثلاً امام زہری متوفی ۱۲۴ ہجری۔ امام ابوحنیفہ متوفی

۱۵۰ ہجری واوزاعی ۱۵۷ ہجری۔ سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ ہجری وغیرہم۔ اس ہی گلستان باقری وجعفری کے خوشہ چین تھے۔ زہری نے جناب علی بن الحسین کی صحبت وتعلیم سے بھی استفادہ حاصل کیا تھا۔ امام محمد باقرؑ کی مجلس میں ہر قسم کے لوگ آتے تھے اور اکثر اوقات بادشاہ وقت کے جاسوس بھی شریک ہوتے تھے۔ تا کہ آپ کی باتوں کی رپورٹ اپنے بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ تاریخ خلافت بتا رہی ہے کہ حکومت کی آنکھیں ہمیشہ اہل بیتؑ پر لگی رہتی تھیں۔ کیونکہ حکومت کے خیال میں یہ مدعیان حکومت تھے۔ اور مدعیان حکومت کو قتل کرنا یا ان پر کڑی نگرانی رکھنی ہمیشہ حکومت کا شیوہ رہا ہے۔ جب ہی دیکھتے ہیں کہ آپ کی گفتگو بہت محتاط ہوتی تھی۔

عبداللہ ابن زبیر شہادت امام حسینؑ سے ذاتی فائدہ اٹھاتا ہے۔

سانحۂ کربلا محرم ۶۱ ہجری کا واقعہ ہے۔ جناب امام حسینؑ کی شہادت کو عبداللہ ابن زبیر نے اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اب تک تو وہ اپنے تئیں پناہ گزیں ومہاجر کی حیثیت سے پیش کرتا رہا تھا۔ اب شہادت حسینؑ کو اس نے سلطنت دمشق کے خلاف نفرت پھیلانے کا ایک آلہ بنالیا۔ اور خاموشی خاموشی سے سب کو اپنی طرف دعوت دیتا رہا۔ اس کے دوستوں نے بھی اس کو اس امر پر ابھارا کہ وہ اپنی بیعت لے۔ چنانچہ اس نے خفیہ بیعت لینی شروع کر دی۔ اور اب اہل مدینہ نے بھی اس سے خط وکتابت شروع کر دی۔ مکہ اور مدینہ پر عمرو بن سعید والی مقرر تھا اس نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو بلایا۔ اس کی نسبت مشہور تھا کہ اس نے حضرت دانیال علیہ السلام کا علم پڑھا ہے اور مستقبل کے واقعات بتا سکتا ہے اس سے پوچھا کہ بتاؤ عبداللہ ابن زبیر اپنے مقصد کو پہنچے گا یا نہیں اور یزید کا کیا انجام ہوگا۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے بتایا کہ یزید اپنی موت تک حاکم رہے گا۔ اب تو عمرو بن سعید والی مدینہ عبداللہ بن زبیر پر سختی کرنے لگا۔ لیکن ساتھ ہی مدارا بھی کرتا تھا۔

عربوں کا کاہنوں پر اعتقاد

اس سے معلوم ہوا کہ اب تک عربوں کو کاہنوں پر یقین تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرتؐ کے ظہور پر ضرور کفار مکہ ومدینہ نے کاہنوں سے مشہور کیا ہوگا۔ یہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ شیاطین اپنے دوستوں کو الہام کرتے ہیں اور شیاطین کو آئندہ کے واقعات کی کچھ خبریں معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا کفار عرب میں سے جو عقلمند تھے انہوں نے کاہنوں کے جوابات کو صحیح سمجھ کر دنیاوی فائدے کے خیال سے آنحضرت کی بیعت کر لی۔ جب ہی تو ہم دیکھتے ہیں کہ منافقین کی تعداد زیادہ تھی۔

اب بنو امیہ نے یزید کو خبریں پہنچائیں کہ عمرو بن سعید کمزور آدمی ہے۔ اگر چاہتا تو عبداللہ بن زبیر کو قابو میں لا سکتا تھا۔ اس پر یزید نے عمرو بن سعید کو معزول کر کے ولید ابن عتبہ کو والی حجاز مقرر کر دیا۔ ان واقعات کے لئے دیکھو تاریخ طبری عربی الجزء السادس صفحہ نمبر ۲۷۵۔

معزول ہو کر عمرو بن سعید سیدھا یزید کے پاس پہنچا اور اس کو سمجھایا بجھایا کہ میری حکمت عملی عاقلانہ تھی۔ میں نے فساد نہ ہونے دیا۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ولید کو تم نے حاکم مقرر کیا ہے۔ وہ نا تجربہ کار ہے۔ اب تم کو معلوم ہوگا کہ تمہارا اصلی خیر خواہ کون تھا۔ ادھر عبداللہ بن زبیر نے یہ چال چلی کہ یزید کو لکھا کہ تو نے کس احمق کو مدینہ و مکہ کا والی مقرر کیا ہے۔ اگر کوئی عقل مند ہوتا تو اب تک ہمارا معاملہ طے ہو جاتا۔ یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کر کے اس کی جگہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان اپنے چچازاد بھائی کو حجاز پر والی مقرر کر دیا۔ یہ ایک نوجوان ناتجربہ کار آدمی تھا۔ اس نے ایک وفد چند آدمیوں کا یزید کے پاس بھیجا۔ اس وفد میں عبداللہ بن حنظلہ انصاری غسیل ملائکہ، عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص بن المغیرۃ المخزومی و منذر بن زبیر اور اشراف اہل مدینہ تھے۔ یہ سب عبداللہ ابن زبیر سے ہمدردی رکھتے تھے۔ منذر بن زبیر تو اس کا بھائی تھا یہ لوگ یزید کے پاس گئے۔ وہ بہت اکرام واحسان سے پیش آیا ان کو بہت سا انعام و جائزہ دیا۔ یہ واپس ہوئے۔ منذر بن زبیر تو عبداللہ بن زیاد کے پاس سے ہوتا ہوا آیا۔ اس نے بھی اسکو بہت انعام واکرام دیا۔ جب یہ سب واپس مدینہ میں پہنچے تو انہوں نے یزید کے حالات بیان کرنے شروع کیے کہ اس کا کوئی دین ہی نہیں ہے۔ شراب پیتا ہے۔ طنبورہ بجاتا ہے۔ گانے اور ناچنے والی عورتوں سے صحبت رکھتا ہے۔ کتوں سے کھیلتا ہے۔ لچے، بدمعاشوں اور لونڈیوں کو اپنا مصاحب بنا رکھا ہے تم سب لوگ گواہ رہو۔ ہم نے اس کو خلافت سے معزول کیا۔ اس پر اہل مدینہ نے ان کا اتباع کیا۔ اور عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ سے جا کر بیعت کر لی۔ یہ ۶۲ ہجری کا واقعہ ہے۔

خلع یزید اور محاصرہ مکان مروان

عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت اور خلع یزید کے بعد اہل مدینہ بنوامیہ کے مکانوں کی طرف گئے۔ وہ سب مروان بن الحکم کے مکان میں جمع ہو گئے اہل مدینہ نے مروان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت علی ابن الحسین کا مروان کی اہل عیال کو پناہ

مروان نے جناب علی بن الحسین سے التجا کی کہ اس کے اہل وعیال کو وہ حضرت اپنی حفاظت میں رکھیں۔ جناب علی بن الحسینؑ نے اس منظور کیا۔ مروان نے اپنی زوجہ عائشہ بنت عثمان بن عفان کو معہ تمام ساز و سامان کے جناب علی بن الحسین کی پناہ میں بھیج دیا۔ اور آپ اس کو مع اپنے اہل وعیال کے لے کر ینبوع کی طرف چلے گئے جو ایک مقام ہے مدینہ سے نزدیک وہیں سب کو رکھا۔ مروان ان کا بہت شکر گزار ہوا۔ پھر مروان نے ایک خط یزید کو لکھا، جس میں اس سے بنی امیہ کے لئے مدد چاہی۔ اس خط میں اس نے یہ بھی ضرور لکھا ہوگا کہ علی بن الحسین نے ان پر یہ احسان کیا ہے۔ جب یزید کے پاس یہ خط پہنچا تو اول تو اس نے عمرو بن سعید کو لکھا۔ اس نے انکار کیا تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو فوج دیکر اہل مدینہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مسلم بن عقبہ ان دونوں بیمار تھا لیکن اسنے اس حکم کو

منظور کیا۔ چلتے وقت یزید نے ہدایت دی کہ تین دن تک لوگوں کو مہلت دے۔ اگر وہ اس عرصہ میں اطاعت منظور نہ کریں تو ان سے لڑائی کرنا۔ جب تم کو غلبہ ہو جائے تو تین دن تک مدینہ کو خوب لوٹنا۔ وہاں کا سارا مال و روپیہ و ہتھیار اور غلہ سب لشکر والوں کا ہے۔ تین دن کے بعد لوٹ بند کرنا اور ان سے بیعت اس امر پر لینا کہ وہ یزید کے غلام ہیں اور مثل مالک و آقا کے یزید کو ان کی موت و حیات پر اختیار حاصل ہے۔ (ابو الفداء الجزء الاول صفحہ نمبر ۱۹۲)

علی بن حسین سے رعایت کرنا۔ ان کو اپنے قریب بٹھانا۔ وہ لوگوں کی اس مخالفت میں شریک نہ تھے۔ میرے پاس اس مضمون کا خط آیا ہے۔ اگر تم پر کوئی حادثہ آجائے تو حصین بن نمیر کو لشکر کا امیر بنانا۔ مسلم بن عقبہ تو روانہ ہوا۔ ادھر اہل مدینہ نے محاصرہ میں سختی کی اور یہ شرط پیش کی کہ اگر تم اس بات کا عہد کرو کہ ہمارے راز کسی کو نہ بتاؤ گے ہم کو دھوکہ نہ دو گے، ہمارے دشمن کی اعانت نہ کرو گے۔ ہمارا چھپا ہوا موقعہ ہمارے دشمن کہ نہ بتاؤ گے۔ تو ہم تم کو چھوڑ دیں تمام بنو امیہ نے خدا کو درمیان دے کر یہ عہد کیا۔ اہل مدینہ نے ان کو نکال دیا۔ یہ سب لوگ مسلم بن عقبہ کے پاس چلے گئے۔ مسلم ابن عقبہ نے عمرو بن عثمان بن عفان کو بلا کر اہل مدینہ کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا کہ ہم نے خدا کو درمیان دے کر یہ عہد کیا ہے کہ اہل مدینہ کے کوئی راز نہ بتائیں گے۔ مسلم بن عقبہ نے اس کو جھڑک دیا۔

عبدالملک بن مروان کی بدعہدی

پھر عبدالملک بن مروان نے باوجود اس میثاق غلیظ کے سارے حالات آن کر مسلم بن عقبہ کو بتا دیے اور اہل مدینہ سے جنگ کرنے کی ترکیب بھی بتادی اس کے مطابق مسلم بن عقبہ اپنی فوج کو لے کر مقام حرہ پر آیا جو مدینہ کے نزدیک بلندی پر واقع تھا۔ یہاں ایک جنگ عظیم واقع ہوئی۔ اہل مدینہ بہت بہادری سے لڑے۔ اس لڑائی میں ان کے بہت بڑے بڑے سرداران گئے۔

واقعہ حرہ...... مقتولان واقعہ حرہ

بنو ہاشم میں سے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب، الفضل ابن العباس بن ربیعہ بن الحرث بن عبدالمطلب، حمزہ بن عبداللہ بن نوفل بن الحرث بن عبدالمطلب، عباس بن عقبہ بن ابی لہب بن عبدالمطلب، نوے سے زائد باقی قریش میں سے، زید ابن عوف انصاری، محمد بن ثابت انصاری، محمد بن حزم انصاری عبداللہ بن مطیع مع اپنے سات فرزندوں کے اور دیگر مہاجر و انصار بے شمار قتل ہوئے۔

ابو الفداء لکھتا ہے کہ سات سو اشراف مدینہ اور دس ہزار عوام الناس جن میں بہت زیادہ اصحاب رسولؐ تھے مارے گئے۔ (مروج الذہب عربی مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۷۔ ابو الفداء الجزء الاول صفحہ نمبر ۱۹۲)

اس کے بعد شام کا لشکر مدینہ میں داخل ہوا اور وہاں بغیر کسی تمیز رات دن قتل، لوٹ مار اور زنا جاری رہے۔ کہتے ہیں کہ ایک ہزار بچے زنا کے پیدا ہوئے۔ (ابوالفداء الجزء الاول صفحہ نمبر ۱۹۲، تاریخ طبری الجزء السادس عربی صفحہ نمبر ۱۱)

بیعت یزید کے الفاظ

تین دن کے بعد تمام بقیۃ السیف سے یزید کے لئے بیعت لی گئی۔ مسلم بن عقبہ خود بیعت لیتا تھا۔ بیعت کے الفاظ یہ تھے۔ ہم یزید کے غلام ہیں۔ اس کو ہماری اور ہمارے عیال و اطفال کی موت و حیات اور مال پر اختیار کامل حاصل ہے۔ جو لوگ ذرا بھی ان الفاظ سے جھجکتے تھے وہ فوراً قتل کر دیئے جاتے تھے۔ جناب علی بن الحسینؑ کو بلایا گیا لیکن ان کے سامنے یہ بیعت پیش نہیں کی گئی اور نہ دوسروں سے لی گئی۔ (تاریخ طبری الجزء السادس عربی صفحہ نمبر ۱۲، ۱۳، مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث ۱۸ اردو ترجمہ تاریخ الکامل خلافت بنو امیہ حصہ اول صفحہ نمبر ۲۵۱)

مسلم ابن عقبہ و حضرت علی الحسینؑ کی ملاقات

جناب علی بن الحسینؑ نے اس معاملہ میں حصہ نہیں لیا اور نہ اہل مدینہ کے ساتھ جنگ میں شامل ہوئے۔ مسلم ابن عقبہ نے ایک آدمی کو بھیج کر انہیں بھی بلایا۔ آپ اس وقت قبر رسولؐ پر تھے اور دعا مانگنے میں مشغول تھے۔ ان کے تشریف لانے سے پہلے مسلم بن عقبہ بہت غیظ و غضب میں تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد پر تبرا بھیج رہا تھا۔ لیکن جب حضرت علی بن الحسینؑ تشریف لائے تو وہ تھر تھرانے لگا۔ تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے پہلو میں بٹھالیا اور عرض کی کہ جو آپ کی حاجت ہو بیان کیجئے۔ اس وقت مسلم کے پاس جو لوگ قتل کے لئے لائے گئے تھے ان کی آپ نے سفارش کی اور وہ چھوڑ دیئے گئے۔ اس کے بعد عزت و احترام سے واپس آ گئے۔

مسلم بن عقبہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس نوجوان کے آنے سے پہلے تو تو اس کو اور اس کے آباؤ اجداد کو گالیاں دے رہا تھا۔ لیکن اس کے آنے پر تو نے اس کی اتنی عزت کی۔ مسلم ابن عقبہ نے کہا کہ ان کے دیکھتے ہی میرے دل پر ان کا رعب چھا گیا۔ (مرج الذہب مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۱۸)

یہ واقعہ حرہ بروز بدھ بتاریخ ۲۷ یا ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ ہجری مطابق ۲۷ یا ۲۸ اگست ۶۶۳ء کو ہوا تھا۔ امیر علی کہتے ہیں کہ کفر محض کی یورش تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کفر اسلام پر غالب آ گیا۔ وہ مدینہ جس نے رسول خدا کو پناہ دی۔ اور جس میں صدہا اصحاب رسول رہتے تھے بالکل ویران ہو گیا۔ بہت سے آدمی مارے گئے۔ باقی جو بچے وہ بھاگ گئے یہ شان امامت ہے کہ جناب علی ابن الحسینؑ نے اپنے نانا کے مدینہ کو اس کی مصیبت میں نہ چھوڑا اور وہیں رہے۔ (Amir alis History of the Saracens Chap vii n 88)

مسلم بن عقبہ کی موت

اس کے بعد مسلم بن عقبہ مکہ کی طرف روانہ ہوا لیکن راستہ میں مر گیا اور حصین بن نمیر کو اپنا جانشین مقرر کیا اور یہ کہہ کر مقرر کیا کہ اگرچہ تو نہایت احمق و نااہل ہے۔ میں تجھکو نہ مقرر کرتا۔

بقول خود اس کی زندگی کا سب سے نیک کام

لیکن مرتے وقت امیر المومنین کی نافرمانی نہیں کرنی چاہتا۔ مرتے وقت اس نے کہا خداوند شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بعد۔ اہل مدینہ کے قتل کرنے سے بڑھ کر کوئی عمل خیر ایسا میں نے نہیں کیا جس پر مجھے ناز ہو اور جس پر آخرت میں مجھے بھروسہ ہو۔ (تاریخ طبری الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۴)

غلط تفسیر قرآن کا نتیجہ

یہ ہے اس غلط تفسیر قرآن کا نتیجہ جو سیاسی اغراض کی وجہ سے جاری کی گئی تھی چونکہ آل محمد کو حکومت سے محروم کرنا تھا اور جو حکام غلبہ اور جو کے ذریعہ سے مسند حکومت پر قابض ہو گئے ان کی اطاعت کرانی مطلوب تھی۔ لہذا آیت یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی اس طرح غلط تفسیر کی گئی کہ اولی الامر سے مطلب ہر ایک حاکم سے ہے خواہ وہ ظالم ہو اور ظلم کے ذریعہ سے حکومت حاصل کی گئی ہو۔ یزید چونکہ حاکم تھا لہذا اس کا حکم ماننا ضروری ہوا خوہ وہ نواسۂ رسول کے قتل کا حکم دے۔ خواہ تخریب و غارت مدینہ نبوی کا حکم دے اور خواہ انہدام کعبہ کا۔ اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اور یہ ہی تفسیر قرآن سنکر عیسائی مورخین کہتے ہیں کہ حسین تو اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوئے۔ نہ جناب رسول خدا اس آیت کو جاری کرتے اور نہ یہ نتیجہ ہوتا۔ اس کا نام ہے قیاسی تفسیر۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

محاصرہ مکہ

اب حصین ابن نمیر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور کعبہ کے اوپر مکہ کی بلندیوں سے منجنیقیں چڑھا دیں۔ اور نفط کو کعبہ کی طرف پھینکا۔ نتیجہ یہ ہوا غلاف کعبہ جل گیا اور دیواریں منہدم ہو گئیں۔ (مروج الذہب مسعودی۔ الجزء الثالث صفحہ نمبر ۱۹)

موت یزید

ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید کے مرنے کی خبر آئی۔ یزید کی موت ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ مطابق ۱۰ نومبر ۶۸۳ء کو واقع ہوئی۔ اب شامیوں نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور واپس چلے گئے۔

معاویہ بن یزید

دمشق میں معاویہ ابن یزید کی بیعت کی گئی۔ لیکن یہ بہت غور وفکر کرنے والا جواں مرد تھا۔ اس نے خطبہ دیا کہ یہ خلافت ہمارا حق نہیں ہے۔ میرے دادا نے علیؑ کے ساتھ اور میرے باپ نے حسینؑ کے ساتھ لڑنے میں ظلم کیا۔ میں وہ چیز نہیں رکھنا چاہتا جو ظلم سے حاصل ہو۔ یہ کہکر اندر محل میں چلا گیا اور پھر وہاں سے دو مہینہ کے اندر مر کر ہی نکلا۔ اس کی موت بنوامیہ کے زہر دینے سے واقع ہوئی۔ مرتے وقت اس سے کہا گیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دو اس نے کہا خوب، خلافت کی کڑواہٹ تو میں اپنے ساتھ لے جاؤں اور تم اس کی مٹھاس مزے مزے سے کھاؤ۔ یہ نہ ہوگا۔

خلافت عبداللہ بن زبیر

معاویہ ابن یزید کے مرنے پر عبداللہ ابن زبیر نے خلافت کا دعویٰ کیا اور حجاز، عراق وخراسان میں اس کی حکومت قرار پا گئی۔ اب چند مہینوں کے لئے دمشق میں کوئی خلیفہ نہ تھا۔ محاصرہ مکہ کو اٹھاتے وقت حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر کو دعوت خلافت دی اور کہا کہ میرے ساتھ دمشق چلو میں تمہاری بیعت کرا دوں گا۔ مروان بھی اس کی بیعت کے لئے تیار تھا۔ لیکن عبداللہ ابن زبیر کی ہمت نے اس کی مدد نہ کی۔ اگر اس وقت یہ شام پر حملہ کر دیتا تو اس کی فتح یقینی تھی۔ اور پھر تاریخ کا رخ ہی بدل جاتا۔ لیکن اس کی سستی نے شامیوں کو موقع دیا۔

جنگ مرج راہط اور مروان کا قبضہ

کچھ دنوں کے بعد ضحاک بن قیس نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ لیکن آخر کار مروان اور ضحاک کا مقابلہ مرج راہط کے میدان میں ہوا ضحاک کو شکست ہوئی اور مروان کا قبضہ شام پر ہو گیا۔ اس کے بعد مروان نے والدۂ خالد ابن یزید سے نکاح کر لیا۔ یہ ۶۴ھ ہجری کا واقعہ ہے اس کی حکومت بہت جلد ۶۵ھ ہجری میں ختم ہو گئی۔ وجہ یہ کہ ایک دن اس نے خالد کو برملا بہت برا بھلا کہا۔ خالد نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ اس نے کہا کہ اچھا میں اس سے سمجھ لوں گی۔

مروان کی موت

رات اس نے مروان کا گلا گھونٹ کرا سے مار دیا۔ یہ ۳ رمضان ۶۵ھ ہجری مطابق ۱۳ اپریل ۶۸۵ء کا واقعہ ہے۔ مروان کی عمر ۶۳ سال کی تھی اور اس نے نو مہینے ۱۸ دن حکومت کی۔

عبداللہ بن زبیر کی عداوت بنوہاشم سے

جناب رسول خداؐ کے بعد جو بھی حکومت لوگوں نے قائم کی اس کا طرۂ امتیاز خاندان رسول کو آزار پہنچاتا رہا

ہے۔عبداللہ بن زبیر کو لیجئے ۔کے آمدی و کے پیر شدی۔ ابھی پورا قدم مسند حکومت پر رکھا بھی نہ تھا کہ بنو ہاشم کو آزار پہنچانا شروع کر دیا۔عبداللہ ابن زبیر نے حسن بن محمد بن الحنفیہ کو حبس عازم میں قید کر دیا۔اور وہ بدترین قید خانہ تھا نہایت تنگ و تاریک سورج کی روشنی تک نہیں آسکتی تھی۔حشرات الارض سے پر تھا۔عبداللہ بن زبیر کا ارادہ تھا کہ اسے قتل کر دے۔لیکن حسن بن محمد بن الحنفیہ اپنے حیلہ و چالاکی سے وہاں سے نکل گیا پھر عبداللہ بن زبیر نے تمام بنو ہاشم کو جو مکہ میں تھے ایک شعب میں قید کر دیا اور ان کے اردگرد خشک لکڑیوں کا انبار لگا دیا تا کہ ذرا سی آگ کی چنگاری اس میں پڑ جائے تو وہ سب جل کر خاکستر ہو جائیں ان ہی میں محمد بن الحنفیہ تھے۔کچھ عرصہ کے بعد بہت کوششوں سے لوگ بنو ہاشم کو وہاں سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوئے۔(مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۳۳)

ایک دفعہ عبداللہ ابن زبیر خطبہ دے رہا تھا۔اس کے درمیان میں علیؑ کی برائی کرنے لگا۔اسکی خبر ان کے فرزند محمد بن الحنفیہ کو ملی۔وہ وہاں تشریف لائے ایک کرسی بچھادی گئی۔اس پر کھڑے ہو کر عبداللہ بن زبیر کے خطبہ کو کاٹ کر فرمایا کہ اے گروہ قریش۔علی کی برائی کی جارہی ہے اور تم سنتے ہو۔علی خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک تیر تھے جو دشمنان خدا کو قتل کرتے تھے ان کے کفر کی وجہ سے۔یہ ان کو یعنی کفار کو برا لگا۔تو انہوں نے علیؑ پر جھوٹے بہتان لگائے۔انصار میں سے بنو الحبہ تھے جو حضرت علیؑ کے راستے پر تھے۔اب اگر ہمارے پاس دولت و طاقت آگئی تو ہم ان کفار کے جسم توڑ کر رکھ دیں گے۔آج کل تو ان کے جسموں میں بہت نشو و نما ہے۔لیکن ظالموں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس حالت میں لائے جاتے ہیں۔اب عبداللہ بن زبیر نے پھر اپنا خطبہ جاری کیا۔اور کہا۔بنو فاطمہ کو تو کچھ بولنے کی جگہ ہے اور میں انہیں معذور سمجھوں اگر وہ کچھ بولیں لیکن حنفیہ کی اولاد کو جرأت کیوں ہوئی۔اس پر محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اے رومان کے بیٹے میں کیوں نہ بولوں۔کیا فاطمہ بنت محمد میرے باپ کی زوجہ نہ تھیں اور میرے بھائیوں کی ماں نہ تھیں، کیا فاطمہ بنت اسد میری دادی نہ تھیں۔واللہ اگر خدیجہ بنت خویلد نہ ہوتیں تو بنوا کی ایک ہڈی بھی سالم نہ چھوڑتا اور اس میں جو مصائب مجھ پر پڑتے ان پر صبر کرتا۔

(مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۳۳)

متعہ کی جوازیت

ایک دن عبداللہ ابن زبیر نے خطبہ دیا، جس میں کہا "لوگوں کا کیا حال ہے کہ متعہ کی جوازیت کا فتوے دیتے ہیں۔اور حواری رسول (یعنی زبیر۔اس کا باپ) اور ام المومنین عائشہ کی برائیاں کرتے ہیں۔ان کا یہ حال ہے کہ ان کے دل ہی اندھے ہو گئے جیسے کہ ان کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں" اس میں ابن عباس پر طعن تھی۔وہ ان ایام میں اندھے تھے اور متعہ کے جوازیت کا فتوے دیا کرتے تھے۔یہ سن کر ابن عباس نے کہا اے زبیر کے بیٹے متعہ کے متعلق جو تو کہتا ہے تو سن۔پہلا متعہ جو ہوا وہ تیری ماں نے اور تیرے باپ نے کیا۔حواری رسولؐ جو تو نے

اپنے باپ کو کہا تو سن میں نے تیرے باپ سے ایک لڑائی میں ملاقات کی (جنگ جمل) میں اپنے امام ہادی کے زیر حکم لڑ رہا تھا۔ پس اگر معاملہ دراصل وہ ہے جو میں کہتا ہوں یعنی یہ کہ ہم ہدایت پر تھے تو پس ہم سے لڑنے میں تیرے باپ نے کفر کیا اور وہ کافر ہو گیا۔ اور اگر معاملہ ایسا تھا کہ جیسا تو کہتا ہے تو پھر بھی ہم سے بھاگ جانے اور لڑائی کو چھوڑ دینے میں تیرے باپ نے کفر کیا۔ اس پر عبداللہ ابن زبیر نے اپنا کلام منقطع کیا اور اپنی ماں اسماء بنت ابی بکر کے پاس آیا اور اسے ابن عباس کے قول سے آگاہ کیا۔ اسماء نے کہا ابن عباس سچ کہتے ہیں۔ (مروج الذہب مسعودی مطبوعہ دارالرجا بغداد صفحہ نمبر ۲۸ جزءالثالث)

محمد ابن حنفیہ اور عبداللہ ابن عباس کو عبداللہ ابن زبیر نے اتنا تنگ کیا کہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ محمد بن حنفیہ تو ایلہ میں چلے گئے اور دو سال تک وہاں رہے۔ جب تک کہ عبداللہ ابن زبیر قتل نہ ہو گئے اور عبداللہ بن عباس بھاگ کر طائف میں چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ (مروج الذہب مسعودی مطبوعہ دارالرجا بغداد الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۴،۲۶)

مورخ مسعودی نے متعہ پر بہت اچھا نوٹ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں متعہ النساء جناب رسول خداؐ کے عہد اور نیز خلافت ابی بکر اور نصف زمانہ خلافت عمر تک جاری تھا۔ اور قول جابر نقل کیا ہے۔ کہ ہم ان ایام میں متعہ کیا کرتے تھے پھر مسعودی لکھتے ہیں کہ ہم نے اس بحث کو تفصیل سے اپنی کتاب الاستبصار، اپنی کتاب الصوۃ اور اپنی کتاب الواجب فی الفروض اللوازم میں لکھا ہے۔ (مروج الذہب مسعودی مطبوعہ دارالرجا بغداد الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۸)

ان واقعات پر محمد باقرؑ کا غور

جناب محمد الباقر علیہ السلام نے ان واقعات کو دیکھا۔ ان پر غور کیا اور انہوں نے ان سے وہی نتیجے نکالے جو نکل سکتے تھے۔ یعنی

(۱) امت کے ایک بہت بڑے حصے نے اسلام ترک کر دیا ہے۔ یہی نہیں کہ اسلام ترک کر دیا ہے بلکہ عمداً ترک کر دیا ہے۔ یہی نہیں کہ اسلام عمداً ترک کر دیا ہے بلکہ کفر اختیار کر لیا ہے۔ یہی نہیں کہ کفر اختیار کر لیا ہے بلکہ کفر کو واپس لانا چاہتے ہیں۔ یہی نہیں کہ کفر کو واپس لانا چاہتے ہیں بلکہ بڑی حد تک واپس لے آئے ہیں۔

(۲) یہ لوگ محمد اور آل محمد کے بدترین دشمن ہیں۔ جناب محمد مصطفیٰؐ کے اس وجہ سے دشمن ہیں کہ وہ یہ دین لائے جس نے کفر کو عرب سے دور کر دیا ہے۔ علیؑ کے نام سے اس وجہ سے جلتے ہیں کہ علیؑ کی تلوار نے اس نئے دین کو قائم کیا۔ کفر کو شکست دی۔ آل محمد کے اس وجہ سے دشمن ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ جب تک آل محمد دنیا میں ہیں کفر کو فروغ نہیں ہو سکتا ہے۔

(۳) یہ خلافت اب اس قابل نہیں رہی ہے کہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اس کے ہر ایک رگ و ریشہ سے اسلام نکل گیا ہے۔ لوگوں کی یہ حالت ہے کہ تلوار کو خلافت سمجھنے لگے ہیں۔ یہ وہی بات ہے تھی جو عام

لوگ اب تیرہ صدیوں کے بعد سمجھے اور خلافت کو منسوخ کر دیا۔

(۳) جد کے دین کو بچانا بھی ضروری ہے اور وہ اس ہی طرح ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا سے علیحدہ خاموشی کے ساتھ صحیح اسلام کی تلقین لوگوں میں کی جائے۔ ان سے لڑائی کرنی اور سیف کے ذریعہ سے حکومت کرنی بے سود ہے۔ پہلے تو ان کو مسلمان بنانا چاہئے۔ جب جاہ و مال نے ان کی چشم بصیرت پر بالکل پردہ ڈال دیا ہے۔ عترت رسول کو چھوڑ کر یہ تو بالکل گمراہ ہو گئے ہیں لیکن عترت رسول تو ان کو نہیں چھوڑ سکتی۔ چنانچہ امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے:۔

بلية الناس علينا عظيمة ان دعونا هم لم يستجيبوا لنا وان تركنا هم لم يهتد و ابغيرنا

(کتاب الارشاد شیخ مفید علیہ الرحمۃ صفحہ نمبر ۲۴۶)

یعنی لوگوں کی مصیبت ہمارے اوپر بڑی ہے۔ اگر ہم ان کو راہ راست پر آنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ ہماری سنتے نہیں اور اگر ہم ان کو چھوڑ دیں تو پھر ہمارے سوا کسی اور سے یہ ہدایت پا نہیں سکتے۔

جناب علی بن الحسینؑ کا طرز عمل اور ان کی وجوہات

جناب محمد الباقرؑ ان نتیجوں پر پہنچے اور تمام مدت العمر ان پر عمل کیا۔ ان کے والد ماجد جناب علی بن حسینؑ کا جو طرز عمل ان واقعات کے دوران میں رہا اس سے بھی جناب محمد الباقرؑ نے اچھے سبق حاصل کئے۔ آنجناب کے طرز عمل میں دو باتیں خاص طور سے نمایاں ہیں:۔

(۱) آپ اہل مدینہ سے بالکل علیحدہ رہے۔ حالانکہ یزید نے آپ کے خاندان پر لاانتہا ظلم کئے تھے۔ اہل مدینہ اس کے خلاف اٹھے۔ کوئی اور شخص ہوتا تو اس موقعہ کو غنیمت جان کر یزید سے اپنا بدلہ لینے کی کوشش کرتا۔ لیکن جناب علی ابن الحسینؑ نے ایسا نہیں کیا۔ وجہ کیا؟ وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ کا مقصد آپ کے مقصد سے متحد نہ تھا اور ان کا مقصد نیک نہ تھا۔ اہل مدینہ حق کی مدد کے لئے نہ اٹھے تھے۔ بلکہ عبداللہ ابن زبیر کی حمایت میں اٹھے تھے۔ اس سے بیعت بھی کر لی تھی۔ چنانچہ واقعہ حرہ سے پہلے مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کو خطاب کر کے کہا کہ تم اس فاسق یعنی عبداللہ زبیر کی طرف نہ جاؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ میں اس کو ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔

اس کا جواب اہل مدینہ نے دیا کہ ہم عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے لڑیں گے اگر تو نے اس کی طرف قدم بڑھایا تو ہم تجھ کو ہلاک کر دیں گے۔ (تاریخ طبری مطبوعہ مصر الجزء السابع صفحہ نمبر ۸)

جب یہ حالت تھی تو جناب علی ابن الحسینؑ کیوں انکا ساتھ دیتے۔ نہ ساتھ دینا نہ مخالفت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یزید و حسینؑ کا معاملہ وہ خدا پر چھوڑ چکے تھے۔ لہٰذا خود مداخلت نہ کی۔

(۲) جب اہل مدینہ نے بنو امیہ کا محاصرہ کیا تو پہلے مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر سے درخواست کی کہ وہ اس کی عورت اور بچوں کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن عمر نے قطعی انکار کر دیا۔

(تاریخ طبری عربی مطبوعہ مصر الجزالسابع صفحہ نمبر ۷، اردو ترجمہ تاریخ الکامل ابن الاثیر خلافت بنوامیہ حصہ اول صفحہ نمبر ۲۴۵)

حالانکہ مروان کی بیوی حضرت عثمان کی بیٹی تھی۔ اور یہ وہ عبداللہ ابن عمر ہیں کہ جب اہل مدینہ یزید کی بیعت توڑنے لگے تو انہوں نے یزید کی دوستی میں اپنی تمام اولاد کو جمع کیا اور کہا کہ خبردار تم میں سے کوئی یزید کی خلع بیعت نہ کرے اور اگر کرے گا تو میں اس سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا ان کے انکار پر مروان نے جناب علی ابن الحسینؑ سے یہی التجا کی اور آں جناب نے فوراً منظور کی اور ثابت کردیا کہ مصیبت کے وقت میں اگر ان کا دشمن بھی سوال کرے تو یہ رد نہیں کرتے اور دوست و دشمن سب کے کام آتے ہیں۔

کوفہ و بصرہ کی سیاسی حالت

یہ تو مکہ و مدینہ کی حالت تھی اب ہم کوفہ و بصرہ کو دیکھتے ہیں کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد وہاں کیا سیاسی واقعات رونما ہوئے۔

جناب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر جب کوفہ پہنچی تو شیعیان کوفہ کو بہت رنج ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر بلایا۔ جب وہ اس طرف آئے تو ہم نے ان کی مدد نہ کی یہ سب جناب سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہوئے تھے اور خفیہ طور سے قصاص خون حسینؑ کی دعوت لوگوں کو دیتے تھے۔ ان میں سے پانچ لوگ بہت سربرآوردہ تھے سلیمان ابن صرد الخزاعی مسیب ابن نجبہ الفزاری، عبداللہ بن سعد ابن نفیل الازدی۔ عبداللہ ابن دال التیمی اور رفاعہ بن شداد البجلی۔ یہ سب حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ یہ معاملہ اس طرح رہا تا آنکہ یزید بن معاویہ واصل جہنم ہوا۔

شیعیان کوفہ سلیمان بن صرد

اب یہ لوگ سلیمان بن صرد کے پاس گئے جو ان سب کے لیڈر تھے اور کہا کہ اب موقعہ ہے ہم والی کوفہ پر حملہ کردیں۔ اس زمانہ میں عمرو بن حریث بن زیاد کوفہ کا حاکم تھا، انہوں نے جواب دیا کہ ہم ابھی کمزور ہیں، تم کو چاہئے کہ خفیہ طور سے اپنے داعیوں کو ہر جگہ پھیلا دو۔ جو لوگوں کو دعوت دیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یزید کے واصل جہنم ہونے کے چھ مہینے کے بعد نصف ماہ رمضان میں مختار ابن عبید کوفہ میں آئے۔ رمضان کے ختم ہونے کے آٹھ دن قبل ابن زبیر کی طرف سے عبداللہ بن یزید الانصاری کوفہ کے والی مقرر ہو کر آئے۔ ان چھ سات مہینوں میں جو حکومت کوفہ و بصرہ میں تغیر و تبدل ہوئے وہ یہ تھے۔ یزید کی موت کی خبر عبیداللہ بن زیاد والی بصرہ کو اس کے غلام حمران نے پہنچائی۔ عبیداللہ ابن زیاد نے ایک صلوٰۃ جامعہ کی منادی کرائی اور لوگوں کو یزید کے مرنے کی خبر دی۔ ان لوگوں نے عبیداللہ ابن زیاد کی بیعت کرلی۔ لیکن باہر نکل کر اپنے ہاتھوں کو دیوار سے رگڑا گویا عبید

اللہ بن زیاد کی بیعت کو ہاتھوں سے چھٹا دیا اور کہا گیا کہ ابن مرجانہ یہ جانتا ہے کہ ہم اجتماع وافتراق میں اس کے مطیع رہیں گے۔ ادھر عبید اللہ ابن زیاد نے اہل کوفہ کو مطلع کیا کہ اہل بصرہ نے میری بیعت خلافت پر کرلی ہے۔ تم بھی کرلو اس وقت کوفہ کا والی عمرو ابن حریث تھا، اہل کوفہ نے انکار کیا اور اس انکار کا اثر اہل بصرہ پر بھی پڑا اور وہ ابن زیاد کی نافرمانی کرنے لگے اتنے میں سلمہ بن ذویب الحنظلی بصرہ میں آیا اور لوگوں کو عبد اللہ ابن زبیر کی طرف دعوت دی۔ عبید اللہ ابن زیاد بھاگ گیا اور لوگوں نے عبد اللہ بن حارث ابن نوفل ابن عبد المطلب کو اپنا والی بنالیا۔ یہ واقعہ یکم جمادی الآخر ۶۴ھ ہجری مطابق ۲۶ر دسمبر ۶۸۳ء کا ہے۔ عبید اللہ ابن زیاد کچھ دنوں مسعود بن عمرو کی حمایت میں رہا۔ مسعود ابن عمرو نے دار الامارہ بصرہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یکم شوال ۶۴ھ ہجری مطابق ۲۲ر مئی ۶۸۴ء کو مارا گیا اور عبید اللہ ابن زیاد شام کی طرف بھاگ گیا۔ ادھر لوگوں نے عبد اللہ ابن حارث ابن نوفل کو حکومت سے معزول کردیا اور پھر عبد اللہ ابن زبیر نے اپنی طرف سے عمرو ابن عبید اللہ ابن معمر کو بصرہ کا والی مقرر کرکے بھیج دیا اس طرح بصرہ ابن زبیر کی سلطنت میں چلا گیا۔ کوفہ کی یہ حالت ہوئی کہ اہل کوفہ نے عبید اللہ ابن زیاد کے نائب عمرو بن حریث کو اس کے عہدے سے برطرف کردیا۔ اور اپنی طرف سے عامر بن مسعودی بن امیہ ابن خلف ابن وہب کو والی مقرر کرکے ابن زبیر کو اس کی اطلاع دی۔ اس وقت تو ابن زبیر نے اس کو منظور کرلیا لیکن پھر اپنی طرف سے عبد اللہ ابن یزید کو والی کوفہ مقرر کردیا۔ یزید کے واصل جہنم ہونے بعد تین مہینہ تک عامر بن مسعود حاکم رہا۔ پھر عبد اللہ ابن یزید الانصاری ۲۲ر رمضان ۶۴ھ ہجری مطابق ۱۴ر مئی ۶۸۴ء کو ابن زبیر کی طرف سے آگیا۔ اس کے آنے سے اٹھ دن پہلے مختار ابن عبید ثقفی کوفہ میں آچکے تھے۔

مختار ابن عبید نے لوگوں کو قاتلان امام حسینؑ سے بدلہ لینے کی دعوت دینی شروع کی۔ اور ظاہر کیا کہ ان کو محمد بن الحنفیہ نے اس پر مامور کیا ہے۔ شیعوں کی ایک جماعت ان کی طرف ہوگئی۔ مختار یہ کہا کرتے تھے کہ سلیمان ابن صرد تو سستی کرتا ہے جنگ کے فن سے واقف نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ خروج کرے اور خود بھی قتل ہو اور اوروں کو بھی قتل کرائے۔ عبد اللہ ابن یزید کو معلوم ہوا کہ مختار اس پر حملہ کرنے والا ہے۔ اسنے جواب دیا کہ اگر وہ ہم سے لڑیں گے تو ہم بھی لڑیں گے۔ لیکن وہ تو خون حسینؑ کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اس سے ہم کو بھی اتفاق ہے ہم ان کو نہیں روکیں گے۔ انکو چاہیے کہ قاتلان حسین کو ڈھونڈھ کر نکالیں۔ عبید اللہ بن زیاد کی طرف جائیں۔ وہ ہماری طرف متوجہ ہوا ہے۔ اس کے بعد سلیمان ابن صرد کے اصحاب اعلانیہ اسلحہ خریدنے لگے اور جنگ کی تیاری کرنے لگے۔

مختار بن عبید کوفہ میں

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مکہ کے محاصرہ کے وقت مختار ابن عبید وہیں تھے اور عبد اللہ ابن زبیر کے پاس تھے۔ حصین ابن نمیر سے بہت شجاعت سے لڑے تھے۔ یزید بن معاویہ کے مرنے کے بعد پانچ مہینہ تک عبد اللہ بن زبیر کے پاس رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ابن زبیر ان سے کوئی مدد نہیں لیتا اور نہ صلاح ومشورہ کرتا ہے تو یہ

وہاں سے کوفہ کی طرف چلے آئے اور وسط رمضان ۶۴ھ میں وہاں پہنچے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ ان شیعوں کے پاس جو سلیمان ابن صرد کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ پیغام بھیجا کہ تم میرے جھنڈے تلے آجاؤ۔ ان میں سے کچھ تو انکے پاس چلے آئے لیکن زیادہ سلیمان ابن صرد کے پاس رہے۔ اب مختار ابن عبید کی یہ پالیسی تھی کہ دیکھیں سلیمان ابن صرد کا کیا انجام ہوتا ہے۔

سلیمان بن صرد کو خروج

سلیمان ابن صرد کا یہ حال ہوا کہ وہ اپنی فوج کو لے کر کوفہ سے چل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم تو صرف خدا کی خوشنودی اور اپنا گناہ معاف کرانے کے لئے نکلے ہیں ہمارے پاس سونا چاندی نہیں ہے۔ جو شخص خدا کی خوشنودی کے لئے چلنا چاہتا ہے تو چلے ورنہ ہمارے ساتھ نہ چلے۔

قبر حسینؑ کی زیارت

یہ سن کر بہت سے لوگ الگ ہو گئے۔ غرض کہ اس طرح کوچ کرتے کرتے یہ لشکر شام کو ۵ ربیع الآخر ۶۵ ہجری مطابق ۱۹ نومبر ۶۸۴ء اہواز سے روانہ ہو کر قبر امام حسینؑ پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر سب نے مل کر زور سے صیحہ کیا اور اتنا ماتم کیا کہ ایسا ماتم کبھی نہیں ہوا۔ قبر کے پاس پہنچ کر ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے اور ان کی حمایت میں جنگ نہ کرنے کی بہت سخت توبہ کی ایک دن ایک رات اسی طرح روتے رہے ا ر نالہ و فریاد کرتے رہے کہ خداوندا ہم نے اپنے نبی کے نواسہ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ تو ہمارے گذشتہ گناہوں کو بخش دے۔ ہماری توبہ قبول کر۔ اور امام حسینؑ اور ان کے اصحاب پر رحمت بھیج۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہم ان ہی کے دین پر ہیں اور اس ہی پر قائم ہیں جس کے لئے وہ شہید کئے گئے۔ اور اگر تو ہماری خطاؤں کو نہ بخشے گا تو ہم نقصان اٹھائیں گے" اس کے بعد ان میں سے ہر ایک شخص جناب امام حسینؑ کی قبر سے رخصت ہوتا تھا۔ یہاں اس قدر مجمع تھا کہ موسم حج میں حجر اسود کے پاس بھی نہیں دیکھا گیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر انبار کی طرف چلے۔

عبداللہ ابن یزید والی کوفہ نے ان کو ایک خط لکھا جس میں اس نے ان کو واپس آنے کی ترغیب دی اور یہ کہا کہ ہمارا تمہارا مقصد ایک ہی ہے۔ ہم تم اپنے دشمن سے متحد ہو کر لڑیں گے۔ لہٰذا تم واپس آجاؤ۔ اگر تم اس طرح الگ ہو گئے تو دشمن تم کو قتل کر دے گا۔ سلیمان نے اس خط کے جواب میں عبداللہ کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ لوگ اسی میں خوش ہیں کہ انہوں نے اپنی جانوں کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور وہ اپنے سخت گناہ سے توبہ کر کے خدا کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہوئے قضاء الٰہی پر رضامند ہیں۔

جنگ عین الوردہ

القصہ وہ لوگ برابر کوچ کرتے رہے اور قرقیسیا پہنچ گئے۔ وہاں کے حاکم زفر ابن حارث الکلابی نے ان کی

خاطر کی قلعہ کے باہر ایک بازار لگوا دیا۔ اس نے بھی اس سے یہی کہا کہ تم ہمارے شہر میں ٹھہر جاؤ۔ ہم مل کر اپنے دشمن سے لڑیں گے۔ اس پر بھی سلیمان ابن صرد اور ان کے ساتھیوں نے یہ ہی جواب دیا کہ ہمارے خود اپنے شہر والوں نے یہ ہی کہا تھا لیکن ہم نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں فروخت کر دیا ہے اور یہی ایک ذریعہ ہے ہماری توبہ قبول ہونے کا۔ زفر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم تم سے زیادہ کریم النفس میں نے کوئی اور جماعت نہیں دیکھی۔ اچھا جاؤ اور عین الورد پر ٹھہر جانا اور وہاں لڑنا۔ چنانچہ یہ لوگ گئے اور عین الورد پر ٹھہر گئے۔ پانچ دن انتظار کیا۔ ادھر اہل شام اپنی فوجوں کو لئے چلے آتے تھے۔ جب ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر رہ گئے تو سلیمان نے اپنی افواج کو مخاطب کر کے خدا سے ڈرانے والی تقریر کی اور کہا کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو مسیب ابن نخبہ وہ قتل ہو جائیں تو عبداللہ ابن سعد ابن نفیل، وہ قتل ہو جائیں تو عبداللہ ابن وال اور وہ قتل ہو جائیں تو رفاعہ بن شداد تمہارے حاکم ہوں گے، خدا اس پر رحم کرے جو اپنا وعدہ کر کے پورا کرے۔ پھر انہوں نے مسیب کو چار صد سوار دیکر کہا کہ تم جاؤ اور جوں ہی ان کی فوج کے پہلے حصہ کو دیکھو ان پر حملہ کر دو۔ مسیب ایک دن اور ایک رات کی کوچ کے بعد شام کے لشکر کے پہلے حصے سے ملاقی ہوئے۔ وہ حصین ابن نمیر کی ماتحتی میں تھا۔ انہوں نے نہایت بہادری سے حملہ کر کے انہیں شکست دی اور بہت سا مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ واپس آئے اور سلیمان ابن صرد سے ملاقی ہوئے۔ ادھر ابن زیاد کو اس ہزیمت کی خبر ہوئی تو اس نے حصین ابن نمیر کو پھر بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ لوگ ۲۶ / جمادی الاول ۶۵ ہجری مطابق ۱۲ / نومبر ۶۸۴ء کو سلیمان بن صرد کے مقابل آگئے اور یہاں وہ گھمسان کی جنگ ہوئی جس کا اسلام کی جنگوں میں درجہ اول میں شمار ہوتا ہے۔ سلیمان ابن صرد کی ہدایت اپنے سپاہیوں کو یہ تھیں کہ کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کرنا۔ کسی زخمی پر وار نہ کرنا۔ کسی اسیر کو نہ مارنا۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ تمہاری قید میں آن کر خود تم سے لڑے۔ اہل شام نے متفق ہو کر اصحاب سلیمان ابن صرد کو عبدالملک ابن مروان سے بیعت کرنے کو کہا۔ مگر اصحاب سلیمان نے ان کو عبدالملک سے خلع کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ عبیداللہ ابن زیاد کو ہمارے سپرد کر دو۔ اسکے عیوض ہم عبداللہ ابن زبیر کو عراق سے نکال دیں گے۔ اور پھر امر خلافت کو اہل بیت نبویؐ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ لیکن انہوں نے یہ شرطیں نہ مانیں۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ خود سلیمان نے قلب لشکر پر حملہ کر دی۔ اہل شام ہزیمت کھا کر اپنے معسکر کی طرف بھاگے۔ اور اصحاب سلیمان برابر جیت ہی رہے تھے کہ رات نے دونوں لشکروں کو جدا کر دیا۔

شہادت سلیمان بن صرد

صبح ہوئی تو ابن ذی الکلاع آٹھ ہزار آدمیوں کی فوج لئے شامیوں کی مدد کو آ گیا دن بھر نہایت سخت لڑائی ہوئی تمام دن لڑتے رہے۔ شام کے وقت فریقین جدا ہو گئے۔ دوسرے دن صبح کو پھر مزید کمک دس ہزار کی شامیوں کی مدد کو آ گئی۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ چاشت کے وقت تک خوب لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن اہل شام کی کثرت

زیادہ ہوگئی تھی اور انہوں نے سلیمان کو فوج پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ سلیمان یہ دیکھ کر ان کے آدمیوں پر بڑی مصیبت پڑ رہی ہے۔ نیچے اتر آئے اور پکارا اے اللہ کے بندو! تم میں سے جو صبح سویرے اپنے رب کے پاس جانا چاہتا ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ میری طرف آئے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی تلوار کا نیام توڑ ڈالا۔ بہت سے آدمی ان کے گرد جمع ہوگئے۔ سب نے اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالے اور اس جرأت سے لڑے کہ حصین ابن نمیر کو خوف پیدا ہوا۔ اس نے اپنے پیادوں کو بھیجا۔ جنہوں نے ان پر تیر برسائے شامیوں کی کثرت نے ان کو گھیر لیا۔ سلیمان کو تیر لگا اور وہ گر پڑے۔ پھر اٹھے اور حملہ آور ہوئے لیکن پھر گر گئے۔ ان کے شہید ہونے پر میتب نے علم اٹھالیا۔ خوب لڑے کچھ دیر کے بعد واپس آئے۔ پھر حملہ کیا اسی طرح کئی مرتبہ کیا اور خود شہید ہوگئے۔ میتب کی شہادت پر عبداللہ ابن سعد ابن نفیل نے علم اٹھالیا۔ دونوں مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اور یہ آیت پڑھی۔

"فمنهم من قضىٰ نحبه و منهم من ينتظر و ما بدلوا تبديلاً"

پھر حملہ آور ہوئے۔ وہ جنگ میں مشغول تھے کہ سعد ابن حذیفہ کی طرف سے تین سوار آئے انہوں نے اطلاع دی کہ وہ اہل مدائن کے ایک صد ستر آدمیوں کو لے کر کمک کے لئے آرہے ہیں۔ یہ لوگ خوش ہوگئے۔ لیکن عبداللہ ابن سعد نے کہا کہ کاش وہ ہمارے زندہ رہنے تک آجاتے۔ وہ تینوں سوار بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر شامیوں سے لڑنے لگے۔ عبداللہ ابن سعد ابن نفیل کو ربیعہ ابن مخارق کے بھتیجے نے شہید کر ڈالا۔ عبداللہ کے بھائی خالد نے اپنے بھائی کے قاتل پر حملہ کیا لیکن قاتل کے ہمراہیوں نے اپنی کثرت کی وجہ سے اسے چھڑا لیا اور خالد کو قتل کر ڈالا۔

اب جھنڈے کے پاس کوئی نہ تھا۔ عبداللہ بن وال ایک گروہ کو لئے ہوئے الگ جنگ میں مصروف تھے۔ رفاعہ ابن شداد نے بڑھ کر جھنڈا اٹھالیا اور شدت سے حملہ کر کے اہل شام کی فوج کو منتشر کر دیا۔ دیر تک لڑتے رہے۔ پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جو ایسی زندگی چاہتا ہے جس کے بعد موت نہیں۔ ایسی راحت چاہتا ہے جس کے بعد تکلیف نہیں۔ ایسا سرور جس کے بعد غم نہیں۔ اسے چاہئے کہ ان شامیوں سے لڑ کر خوشنودی خدا حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جائے۔ یہ عصر کے وقت کا واقعہ ہے۔ انہوں نے حملہ کر کے اہل شام کو پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن اہل شام نے چونکہ تعداد میں زیادہ تھے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کو پھر پیچھے دھکیل دیا جہاں وہ پہلے تھے۔ شام کو ادہم بن محرز الباہلی شامیوں کو ہمراہ لیکر وہاں پہنچ گیا جہاں عبداللہ ابن وال لڑ رہے تھے۔ دونوں کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ ادہم نے ان کو تیر مارا۔ لیکن گرتے گرتے وہ آگے ہی بڑھتے جاتے تھے تا آنکہ رمق حیات باقی نہ رہی۔

بعد کی لڑائی اور واپسی

جب عبداللہ ابن وال بھی قتل ہو گئے تو رفاعہ ابن شداد البجلی نے علم اٹھالی اور خوب لڑے۔ اہل شام کا ارادہ تھا کہ ان کو رات ہونے سے پہلے ہی ہلاک کر دیں۔ لیکن اہل حق کی شدت مقابلہ کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ عبداللہ ابن عزیز الکنانی آگے بڑھ کر اہل شام سے لڑنے لگے۔ ان کا صغیر سن بچہ مسمی محمد ان کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے اہل شام میں بنو کنانہ کو آواز دی اور اپنے بیٹے کو ان کے سپرد کر دیا۔ اہل شام نے ان کو امان دینی چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شام کے وقت کرب ابن یزید الحمیری ایک صد آدمی لے کر اہل شام پر حملہ آور ہوئے۔ اہل شام نے ان کو اور ان کے اصحاب کو امان پیش کی انہوں نے جواب دیا کہ دنیا میں تو ہم امان ہی میں ہیں۔ اب تو ہم صرف آخرت کی امان کی تلاش میں ہیں۔ غرض کہ وہ سب اہل شام سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کی بعد صخر بن ہلال المزنی اپنی تیس آدمی لے کر آگے بڑھے اور شامیوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

جب رات ہو گئی تو اہل شام اپنی چھاؤنی کی طرف چلے گئے۔ رفاعہ ابن شداد اپنے باقی ماندہ آدمیوں کو لے کر اسی رات وہاں سے روانہ ہو گئے۔ صبح کو حصین بن نمیر ان کے مقابلہ کو نکلا۔ لیکن میدان خالی دیکھ کر واپس ہو گیا۔ اہل کوفہ قرقیسیا آئے۔ زفر نے ان کو تین دن مہمان ٹھہرایا اور انہیں زادراہ بھی دیا۔ پھر وہ لوگ کوفہ روانہ ہو گئے۔ سعد بن حذیفہ بن یمان اپنے سو سواروں کے ساتھ اور مثنیٰ اہل بصرہ کے ساتھ آئے لیکن ہیت پر آ کر ان کو اہل کوفہ کی شکست کی خبر معلوم ہوئی۔ رفاعہ کے آنے تک وہیں ٹھہرے رہے۔ جب وہ آئے تو ان کا استقبال کیا۔ ایک دن ایک رات وہاں رہے اور پھر اپنے مقام کو چلے گئے۔

یہ تھی جنگ عین الوردہ جو ۲۶ رجمادی الاول سے شروع ہو کر آ کر مہینہ تک رہی۔ ناظرین کو چاہیے کہ جب یہاں تک پڑھ لیں تو عین الوردہ کے شہداء یعنی سلیمان ابن صرد اور ان کے اصحاب کی ارواح کے ثواب کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھ کر ان کو بخش دیں۔ اس کو ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تاکہ اہل حق کی شان معلوم ہو جائے اور لوگ معلوم کر لیں کہ وہ کون سی جماعت ہے جس پر اقبال مرحوم کا یہ شعر حاوی ہوتا ہے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

سلیمان ابن صرد دانش مندی اور خلوص نیت

سلیمان ابن صرد اور ان کے اصحاب کی سیاسی دانش مندی اور خلوص نیت کا ثبوت ان کے اس انکار سے ملتا ہے جو انہوں نے عبداللہ ابن یزید والی کوفہ اور زفر بن الحارث والی قرقیسیا کو ان دونوں کی درخواست امداد پر دیا یہ

دونوں عبداللہ ابن زبیر کے آدمی تھے اور سلیمان بن صرد سے مل کر اپنا مطلب نکالنا چاہتے تھے۔ ان کا مطلقاً سلیمان کے مقصد سے کام نہ تھا۔ اور نہ یہ خون حسینؑ کی طلب میں اٹھے تھے۔ یہ تو عبیداللہ ابن زیاد کو واحد دشمن خیال کر کے سلیمان سے ملنا چاہتے تھے۔ اگر فتح ہوتی تو عبداللہ ابن زبیر کی ہوتی اور اگر شکست ہوتی تو یہ عبداللہ ابن زبیر کے پاس چلے جاتے اور وہاں سے کمک لاتے اور پھر لڑتے۔ لیکن اتنے عرصہ میں شیعیان کوفہ مع مختار ابن عبیدہ کے سب مارے جاتے۔ نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد۔ ان سے ہی دل کھول کے بدلہ لیا جاتا اور پھر مختار ابن عبید ثقفی کی بھی تحریک مر جاتی۔ عبداللہ ابن زبیر دشمن علیؑ تھا۔ سلیمان ابن صرد ایک دشمن علیؑ کو کیوں مدد پہنچاتے۔ علاوہ اس کے ان سے ملنے یہ خالص مذہبی جنگ نہ رہتی۔ بلکہ سیاسی جنگ ہو جاتی۔ اور پھر خلوص نیت نہ رہتا۔ سلیمان اور ان کے اصحاب کا جو مدعا تھا یعنی خالص توبہ وہ فوت ہو جاتا۔ دونوں جگہ کی مدد کو قبول نہ کرنا ان کی سیاسی ذکاوت و مذہبی خلوص کا ثبوت ہے۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مختار سے مل کو اٹھتے انہوں نے جلدی کی۔ لیکن یہ بھی غلط ہے۔ مختار کی طبیعت سیاسی زیادہ واقعہ ہوئی تھی وہ کبھی عبداللہ ابن زبیر سے ملتے تھے کبھی کچھ اور منصوبہ باندھتے تھے۔ ان دونوں کی طبیعتیں اتنی برعکس تھیں کہ کبھی اتحاد نہ ہو سکتا۔ آخر کار آپس ہی میں تنازعہ ہو جاتا اور مختار کی تحریک بھی ناکامیاب رہتی۔ مختار خود مختار ہو کر کام کرنا چاہتے تھے۔ یہ ہی شرط انہوں نے عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ کی تھی اور اپنی اس ہی طبیعت کی وجہ سے یہ سلیمان ابن صرد سے مل کر کام نہ کر سکے۔ اگر یہ اپنے آدمیوں لیکر سلیمان کے ساتھ خروج کرتے تو کامیابی یقینی اور دیرپا ہوتی۔ انہوں نے تو سلیمان کے آدمیوں کو بھی توڑ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور سلیمان کے ساتھ خروج نہ کرنے دیا۔ یہ سارے واقعات ہم نے تاریخ الکامل اور تاریخ طبری سے لئے ہیں۔ (اردو ترجمہ تاریخ الکامل۔ خلافت بنوامیہ حصہ اول صفحہ نمبر ۲۹۶ لغایت ۳۳۹۔ تاریخ طبری عربی الجزء السابع)

جب سلیمان ابن صرد دشمن کی تلاش میں کوفہ سے نکلے اور مختار نے ان کا ساتھ نہ دیا تو ان کے نکلتے ہی حکام کوفہ نے مختار کو اس الزام میں گرفتار کر کے قید کر دیا کہ وہ اہل کوفہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ عین الورد کے بعد جب رفاعہ ابن شداد کوفہ پہنچے تو مختار قید میں تھے۔ انہوں نے رفاعہ کو ایک خط لکھا کہ میں تو مقید ہوں انشاء اللہ یہاں سے نکل کر جناب امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لوں گا۔ تم بھی تیار ہو جاؤ۔ مجھ کو حضرت محمد الحنفیہ ابن علی ابیطالب نے اس بات پر مامور کیا ہے۔ اس کے بعد مختار نے عبداللہ ابن عمر کو خط لکھا کہ میں مظلوم ہوں۔ میری سفارش عبداللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد بن طلحہ سے کیجئے۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمر نے ان دونوں کو خط لکھا اور انہوں نے مختار کو رہا کر دیا۔ عبد اللہ ابن عمر نے مختار کی بہن صفیہ بنت ابی عبید سے نکاح کر لیا تھا۔ اور اس رشتہ داری کی وجہ سے یہ سفارش ہوئی تھی۔ پہلے یزید کے زمانہ میں بھی جب مختار کو عبیداللہ ابن زیاد نے قید کر لیا تھا تو وہ عبداللہ ابن عمر ہی کی سفارش سے رہا ہوا تھا۔ (اردو ترجمہ تاریخ الکامل۔ خلافت بنوامیہ حصہ اول صفحہ نمبر ۳۰۹، ۳۵۷)

مختار کے حالات

اب مختار اپنی جماعت کو بڑھاتے رہے اور خفیہ اپنے مقصد کی جستجو میں رہے۔ عبداللہ ابن زبیر نے عبداللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ کو معزول کر کے عبداللہ ابن مطیع کو ان کی جگہ عامل کوفہ مقرر کیا۔ عبداللہ ابن مطیع ۲۴ یا ۲۵ رمضان ۶۵ ہجری کو کوفہ پہنچا اور وہاں پہنچتے ہی خطبہ دیا جس میں لوگوں کو ڈرایا اور اعلان کیا کہ میں حضرت عمر و حضرت عثمان کی سیرت کے مطابق عمل کروں گا، اس پر سائب ابن مالک الاشعری اور یزید ابن انس نے کہا کہ ہم کو سیرت عمر و عثمان پسند نہیں ہے۔ ہم پر تو آپ سیرۃ علیؑ کے مطابق حکومت کریں۔ عبداللہ ابن مطیع یہ کہہ کر نیچے اتر آیا کہ اچھا میں ایسا ہی کروں گا۔

مختار اپنے امر کو خفیہ ہی خفیہ مضبوط کرتا رہا۔ چند شیعیان علی جن میں قدامہ ابن مالک الجشمیؒ اسود بن جراد الکندی، سعر بن ابو سعر اور سعید بن منقذ تھے۔ مل کر حضرت محمد الحنفیہ کے پاس گئے اور ان سے عرض کی کہ مختار ہم کو دعوت دے رہا ہے اور ہم سے کہتا ہے کہ اس مقصد میں شریک ہو کر اس کی مدد کریں۔ اب ہم آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ حضرت ابن حنفیہ نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا کہ تم لوگ جس شخص کا ذکر کرتے ہو کہ وہ تم کو ہم لوگوں کے خونوں کا بدلہ لینے کے لئے دعوت دیتا ہے اس کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ اگر خدا کو منظور ہو تو وہ اپنی مخلوق میں سے جس شخص کے ذریعہ چاہے ہم کو ہمارے عدو کے خلاف مدد دے اور اگر میں نہ چاہتا تو کہہ دیتا کہ ایسا نہ کرو۔ (اردو ترجمہ تاریخ الکامل۔ خلافت بنو امیہ حصہ اول صفحہ نمبر ۳۶۰)

یہ جملہ ہم نے الکامل کے ترجمہ سے نقل کیا ہے۔ طبری میں جناب محمد الحنفیہ کا صرف یہ جواب لکھا ہے:۔

"آپ نے ہمارے خون کا بدلہ لینے والوں کا ذکر کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ اپنی مخلوق میں سے جس کسی کے ذریعہ سے چاہے۔ ہمارے دشمن سے بدلہ لے۔ اس کے بعد میں اپنے اور آپ کے لئے اللہ سے طلب مغفرت کرتا ہوں" ان لوگوں نے بھی اس جملے کو صاف نہ سمجھا جب وہاں سے چلے آئے تو آپس میں کہا کہ ان کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہمیں مختار کی متابعت کی اجازت دیدی ہے کیونکہ اگر وہ اسے برا سمجھتے تو ہمیں منع کر دیتے۔ (اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد دوم حصہ دوم صفحہ نمبر ۲۸)

یہ فقرے ہم نے طبری اردو ترجمے سے نقل کئے ہیں اصل عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں:" **و اما ما ذکر تم من دعاء من دعاکم الی الطلب بد ما ئنا فواللہ لو دوت ان اللہ انتصرلنا من عدونا بمن شاء من خلقہ اقول قولی ھذاو استغفر اللہ لی و لکم**"۔

(تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ نمبر ۹۷)

کوفہ کا وفد حضرت محمد الحنفیہ کی خدمت میں وفد کی واپسی۔

ادھر مختار ان کے واپس آنے کا بہت بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ وفد عدم نصرت کا حکم لے کر نہ آ جائیں۔ اس وجہ سے اس نے کوشش کی کہ ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی شیعوں کو لے کر خروج کر دے۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوا۔ ایک مہینہ کے بعد جب یہ وفد واپس کوفہ میں آیا تو سیدھا یہ مختار کے پاس پہنچا۔ اس نے نہایت بے چینی سے کہا کہ شاید تم لوگ فتنہ میں پڑ گئے ہو اور میری تحریک کو مشتبہ نگاہ سے دیکھتے ہو۔ ان سب نے کہا کہ نہیں ہم تو تیری مدد کا حکم لے کر آئے ہیں۔ مختار خوشی کے مارے اچھل پڑا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

ابراہیم ابن مالک الاشتر و مختار کا دعویٰ۔

ابراہیم ابن مالک الاشتر بہت جری جرنل اور شہر کے نامور اور با اثر لوگوں میں سے تھے ان کو ملائے بغیر تحریک کا کامیاب ہونا ناممکن تھا۔ لہذا مختار نے ان کے پاس چند آدمیوں کو بھیجا اور اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ ابراہیم نے کہا کہ میں دعوت کو اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ تم اپنی ساری کارروائی میرے سپرد کر دو۔ یعنی مجھکو امیر بنا لو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ مختار ہمارے پاس جناب محمد ابن الحنفیہ کی طرف سے جنگ پر مامور ہو کر آیا ہے۔ یہ سنکر ابراہیم خاموش ہو رہے اور یہ لوگ ناکام واپس آئے۔ تین دن کے بعد مختار خود ان آدمیوں کو لے کر ابراہیم بن مالک الاشتر کے مکان پر پہنچا اور ابراہیم کو ایک خط دکھایا اور کہا کہ یہ خط حضرت مہدی جناب محمد الحنفیہ کی طرف سے آپ کے نام ہے وہ خط میں لکھتے ہیں کہ آپ ہماری مدد کریں۔ اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے اور اگر آپ مدد نہ کریں گے تو یہ خط آپ کے خلاف حجت ہے۔ اور اللہ تو حضرت مہدی اور ان کے دوستوں کو آپ کی شرکت سے بے نیاز کر دے گا۔

ابراہیم نے خط کا ثبوت مانگا۔

ابراہیم نے یہ خط پڑھ کر کہا کہ کیا ثبوت ہے اس کا کہ یہ خط جناب محمد ابن الحنفیہ کا ہے۔ میری ان کے ساتھ خط و کتابت رہ چکی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے خطوں کو اپنے اور اپنے باپ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ مختار نے کہا کہ ہاں وہ اور زمانہ ہوگا اور یہ اور زمانہ ہے۔ ابراہیم نے ثبوت مانگا۔ دو تین آدمیوں نے شہادت دی کہ یہ خط محمد الحنفیہ کا ہے لیکن لاوی یعنی عامر الشعبی، اور اس کے والد نے یہ گواہی نہیں دی۔ یہ گواہی سنکر ابراہیم رضامند ہو گئے۔ اور مختار کی بیعت کر لی۔ پھر یہ لوگ واپس ہوئے، ابراہیم نے مشایعت کی مختار اپنے گھر کو چلے گئے۔ راوی یعنی عامر الشعبی کو ابراہیم اپنے ساتھ لے آیا۔ اور کہا کہ تم نے تمہارے والد نے اس خط کی گواہی نہیں دی۔ کیا ان لوگوں نے سچ گواہی دی ہے۔ عامر الشعبی نے کہا کہ یہ کوفہ کے شیوخ و فقہاء ہیں۔ میرا تو گمان نہیں کہ انہوں نے غلط کہا ہو۔ اس پر ابراہیم نے کاغذ و قلم دوات منگا کر ایک پرچہ لکھا اور اس میں لکھا کہ ان لوگوں نے گواہی دی کہ محمد ابن علی نے ابراہیم الاشتر کو

یہ تحریری حکم بھیجا ہے کہ وہ ظالموں سے جنگ اور اہل بیت کا بدلہ لینے کے لئے مختار کی اعانت کریں اور اس شہادت کی صداقت پر عامر الشعبی اور ان کے والد شراجیل نے گواہی دی تھی اس پر راوی یعنی عامر الشعبی نے کہا کہ ہائیں آپ نے یہ کیا کیا۔ ابراہیم نے کہا کہ رہنے دو۔ شاید اس سے فائدہ ہو۔ اب ابراہیم اور مختار آپس میں ملتے رہے۔

ابراہیم ومختار کا خروج

آخر کار یہ قرار پایا کہ ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ ہجری بیوم جمعرات مطابق ۱۹ اکتوبر ۶۸۵ء کو خروج کیا جائے۔ لیکن واقعات نے اس سے پہلے ہی خروج کرادیا۔ یہ اس طرح ہوا کہ ایک دن اپنے ساتھیوں کو لے کر ابراہیم مختار کے گھر جارہے تھے۔ یہ منگل کی رات تھی۔ عبداللہ ابن مطیع والی کوفہ بھی ان کے ارادوں کے خبریں پہنچی تھیں، اس نے ہر بازار میں ہرنا کہ پر پولیس کے دستے لگادیئے تھے۔ جب ابراہیم وسط بازار میں سے گزر رہے تھے اور باب الفیل کے راستہ سے مختار کے مکان کی طرف چلے جارہے تھے وہاں ایک پولیس کا دستہ زیر کمان ایاس ابن مضارب ملا اس نے روکا۔ ابراہیم نے اسے للکارا۔ آپس میں لڑائی ہوئی ابراہیم نے اسے قتل کردیا۔ اس کا سر لیکر مختار کی طرف گئے۔ اور ان کے سامنے پیش کیا۔ مختار خوش ہوئے اور کہا کہ یہ فال نیک ہے۔ لیکن یہ فیصلہ ہوا کہ آج ہی خروج کردیا جائے چنانچہ مختار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مختلف مقامات پر آگ روشن کر کے شیعیان علی کو بلائیں اور یا لثارات الحسین کا نعرہ بلند کریں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ یہ خروج تاریخ مقررہ سے ایک دن پہلے یعنی ۱۳ ربیع الاول ۶۶ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۶۸۵ء کو ہوگیا۔ تمام رات اور دوسرے دن شدید لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اور ہر جگہ ابراہیم ومختار کی فتح ہوئی اور عبداللہ ابن مطیع کے آدمی پسپا ہوتے رہے۔ ان لڑائیوں میں ابراہیم اور مختار نے اپنی جرأت اور بہادری کا سکہ دشمن کے دل پر بٹھادیا۔ اور بڑے بڑے معمر کے سر کئے۔ حالانکہ دشمن کی تعداد ان کے لشکر سے چوگنی ہوتی تھی۔ یہ لڑائی سنجہ حوالی کوفہ سے شروع ہوئی۔

مختار کی فتح اور دارالامارۃ کوفہ پر قبضہ

آخر کار عبداللہ ابن مطیع قصر کوفہ میں آن کر بند ہوگیا۔ اور مختار کی فوجوں نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ تین دن کے شدید محاصرہ کے بعد عبداللہ ابن مطیع تو آنکھ بچا کر نکل گیا اور محصورین نے دروازہ قصر مختار کی فوجوں کے لئے کھول دیا۔ مختار نے انہیں امان دی۔ اور دارالامارہ کوفہ میں داخل ہوگئے۔ رات وہیں بسر کی۔ صبح برسر منبر تقریر کی اور لوگوں سے بیعت لینے میں مصروف ہوگئے۔

کسی نے مطلع کیا کہ عبداللہ ابن مطیع نے ابوموسیٰ کے گھر میں پناہ لی ہے۔ مختار نے توجہ نہ کی اور پھر آپ ایک لاکھ درہم عبداللہ بن مطیع کے پاس بھیکر یہ کہا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ تمہارا روپیہ تمہارا زادراہ ہے۔ اب مختار انتظام ملک میں مصروف ہوئے۔ سب کے ساتھ نیکی سے پیش آتے تھے اور انصاف کرتے تھے۔ پہلے خود ہی

مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ پھر قاضی مقرر کر دیے۔

اس سنہ میں مختار نے قاتلان حسین اور ان کے طرفداروں پر جو کوفہ میں تھے اچانک حملہ کر دیا اور جس پر اس کی دسترس ہو سکی اس کو قتل کر دیا۔ بعض کوفہ سے بھاگ گئے۔

قاتلان حسین علیہ السلام کا قتل

مروان بن الحکم نے ایک فوج زیر قیادت عبیداللہ ابن زیاد عراق میں بھیجی تھی تو ابین نے عین الوردہ پر اس سے ہی مقابلہ کیا تھا۔ جزیرے میں پہنچ کر عبیداللہ ابن زیاد کو قیس بن عملان کی مخالفت کی وجہ سے ایک سال تک رکنا پڑا۔ قیس بن عملان نے عبداللہ ابن زبیر سے بیعت کر لی تھی۔ اب اس نے زیر کمان ضحاک بن قیس خوب مخالفت کی۔ ایک سال کے بعد عبیداللہ ابن زیاد موصل کی سمت بڑھا۔ موصل کا عامل عبدالرحمٰن بن سعید بن قیس منجانب مختار تھا وہ اس فوج کی تعداد سے خوف ہو کر تکریت آ گیا اور مختار کو اس کی اطلاع دی۔ مختار نے تین ہزار کا لشکر یزید بن انس کی ما تحتی میں عبیداللہ ابن زیاد کی طرف روانہ کیا اور اس کی اطلاع عبدالرحمٰن ابن سعید کو دی۔ یزید کوچ کرتا ہوا موصل کے علاقہ میں بنات تلی میں فروکش ہوا۔ عبیداللہ ابن زیاد نے ربیعہ ابن المخارق کی ماتحتی میں اس کے مقابلہ کو فوج بھیجی۔ دوسرے دن عبیداللہ ابن حملہ کی ماتحتی میں تین ہزار سوار اور بھیج دیے۔ اس طرح یہ کل یہ چھ ہزار فوج ہوئی یزید ابن انس کے پاس کل تین ہزار تھے۔ یزید ابن انس ان ایام میں بیمار تھے۔ مرض کی وجہ سے ایک گدھے پر سوار تھے اور لوگ ان کے آس پاس پیدل چل رہے تھے اور ان کو سنبھال لے ہوئے تھے۔ کسی نے بازو تھامے ہوئے تھے کسی نے پہلو۔ اسی حالت میں انہوں نے فوج کی ترتیب کی اور خود پیدل سپاہ میں بستر پر لیٹے ہوئے احکام صادر کر رہے تھے۔ اور جب ہدایت دیتے دیتے تھک جاتے تھے تو وہیں لیٹ جاتے تھے اور فوج جنگ میں مصروف رہتی تھی۔

جنگ بنات تلی اور شامیوں کی شکست

یہ ۹ ماہ ذی الحجہ ۶۶ ہجری مطابق ۷ر جولائی ۶۸۶ء کا واقعہ ہے۔ اور طلوع آفتاب سے پہلے کا تھا بہت سخت جنگ ہوئی۔ ظہر کے وقت شامیوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بہت بے ترتیبی سے بھاگ گئے۔ موضع بنات تلی سے جہاں جنگ ہوئی تھی ایک گھنٹہ کے فاصلہ پر عبداللہ ابن حملہ تین ہزار کا لشکر لے کر پہنچ گیا اور ان بھگوڑوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر یزید ابن انس کی طرف آیا لیکن یزید بن انس نے ان شکست دی اور وہ سب بھاگ کر عبیداللہ ابن زیاد کے پاس پہنچے۔ یہ دس ماہ ذی الحجہ ۶۶ ہجری مطابق ۸ر جولائی ۶۸۶ء کا واقعہ ہے۔ تین صد قیدی یزید ابن انس کے سامنے بازار میں پیش کیے گئے۔ مرض کی تیزی کی وجہ سے ان سے بولا نہ جاتا تھا۔ اشارہ سے کہا کہ ان سب کو قتل کر دو۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دیے گئے۔ اسی دن شام کو یزید بن انس نے اپنی جگہ ورقہ بن عازب کو امیر فوج مقرر کیا اور پھر رحلت کی۔ ورقا نے نماز جنازہ پڑھائی۔

یزید بن انس فاتح نبات تلی کی موت مختار کا ابراہیم بن مالک اشتر کو شامیوں کے مقابلے کیلئے روانہ۔

اپنے امیر کی موت سے فوج کے دل ٹوٹ گئے۔اور یہ بھی انہوں نے سنا کہ عبیداللہ ابن زیاد کے پاس ۸۰ ہزار فوج ہے۔یہ لوگ کوفہ کی طرف واپس ہوئے۔مختار کو جو خبر ہوئی تو انہوں نے ابراہیم ابن مالک الاشتر کو سات ہزار کی فوج دیکر ادھر روانہ کیا اور حکم دیا کہ واپس آنے والی فوج کو بھی ملا لینا اور آگے بڑھنا۔ابراہیم روانہ ہوئے اور حمام اعین پر قیام کیا۔

اہل کوفہ کی مختار کے خلاف بغاوت

یہاں کوفہ میں لوگ مختار کے خلاف ہو گئے۔ان کی دو بڑی شکایتیں تھیں کہ:......

(۱) مختار نے ہمارے غلاموں موالیوں کو ہمارے اوپر حاکم بنا دیا۔اور ان کو اپنا مقرب بنالیا۔جس کی وجہ سے ہمارے شہر کی یتیم اور بیوائیں بہت تکلیف میں ہیں کیونکہ ہمارے سب غلام سرکش ہو گئے ہیں۔

(۲) ہماری مال گذاری میں مختار نے موالیوں کو بھی جمع کر لیا ہے۔

یہ سب لوگ شیث ابن ربعی کے مکان میں جمع ہوئے۔اگرچہ مختار نے ان کے سب مطالبات مان لئے لیکن پھر بھی یہ راضی نہ ہوئے اور یہ لوگ یعنی شیث بن ربعی۔شمر ذی الجوشن، محمد الاشعث ،اور عبدالرحمٰن بن سعد ابن قیس سب مل کر کعب ابن ابی کعب کے گھر میں جمع ہوئے۔لوگون نے آپس میں مختار کی شکایت کی اور یہ بھی کہا کہ مختار کا یہ بیان ہے کہ محمد الحنفیہ نے اسے اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے۔لیکن ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔اس نے ہماری آمدنی موالیوں کو کھلا دی اور اس کے طرفدار غلام ہمارے سلف صالحین سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔کعب نے ان لوگوں کی دعوت قبول کر لی۔اب آپس میں مل کر اپنی جمعیت کو تقویت دیتے تھے۔ اور اس بات کے منتظر تھے کہ ابراہیم ابن مالک الاشتر یہاں سے چلا جائے۔جب وہ عبیداللہ ابن زیاد کی طرف روانہ ہوا تو یہ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور مختار کے ساتھ لڑائی شروع کر دی۔

ابراہیم بن الاشتر کو واپس بلانا

اب مختار نے عمرو بن توبہ کو ابراہیم کی طرف روانہ کیا کہ تم فوراً واپس کوفہ میں آجاؤ۔یہ قاصد اسی دن شام کو ابراہیم کے پاس پہنچ گیا اور اسی وقت روانہ ہو گیا اور ایک دن اور ایک رات کے بعد کوفہ میں داخل ہو گیا۔اور اب شہر کے ہر حصہ میں لڑائی پھیل گئی۔کہیں کسی فریق کو شکست ہوئی کہیں کسی کو۔یزید بن عمیر، رفاعہ بن شداد اور فرات ابن زحر بن قیس منجملہ دیگر آدمیوں کے مارے گئے۔

جنگ احاطہ وسیع اور مختار کی فتح۔

یہ دو موخر الذکر شخص بڑے عابد و زاہد تھے اور طبری نے لکھا ہے کہ عائشہ بنت خلیفہ بن عبداللہ نے جو امام حسینؑ کی بیوی تھیں مختار سے فرات ابن زحر کے دفن کرنے کی اجازت چاہی۔ مختار نے اجازت دیدی۔ یہ تینوں مختار کے مخالفین میں سے تھے۔ اور احاطہ سبیع کی لڑائی میں مارے گئے تھے جہاں مختار کو فتح ہوئی تھی۔

شمر ذی الجوشن کا قتل۔

مختار کے سامنے ۵۰۰ قیدی پیش کیے گئے ان میں سے جو جو امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھے قتل کر دیے گئے۔ پھر مختار نے اپنے غلام ذربی کو شمر ذی الجوشن کی تلاش میں روانہ کیا۔ ذربی نے شمر کو جالیا۔ لیکن ذربی کو شمر نے قتل کر دیا۔ اور شمر بھی اپنی جان کی حفاظت میں ادھر ادھر بھاگتا پھرتا تھا۔ آ کر کار شمر اپنے برص کے سفید داغوں کی وجہ سے ایک تلاش کرنے والی جماعت کے قبضہ میں آگیا اور انہوں نے اسے قتل کر ڈالا۔

قاتلان حسینؑ کی تلاش اور ان کا قتل۔

ان لڑائیوں میں احاطہ سبیع کی جنگ جو ۲۳ رذی الحجہ ۶۶ ہجری مطابق ۲۱ رجولائی ۶۸۶ء کو واقع ہوئی۔ بڑی سخت اور فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس میں مختار کو فتح کامل ہوئی۔ اور انہوں نے اب قاتلان امام حسینؑ کی تلاش بڑی سختی سے شروع کر دی۔ مختار کہتے تھے کہ ہمارا مسلک یہ نہیں کہ ہم قاتلان حسینؑ کو زندہ چھوڑ دیں۔ جب تک میں اس شہر اور زمین کو ان کے ناپاک اجسام سے پاک نہ کرلوں گا مجھے کھانا پینا بھلا نہیں معلوم ہوگا۔

عبداللہ ابن اسید ابن النزال الجہنی، مالک ابن النسیر البھدی وحمل ابن مالک المحاربی قاتلان امام حسینؑ کا نام عبداللہ ابن وباس قاتل محمد بن عمار بن یاسر نے بتایا تھا۔ مختار نے ابونمر مالک ابن عمرو النہدی کو ان کی تلاش میں بھیجا۔ اس نے قادسیہ میں ان کو جا کر پکڑا اور عشاء کے وقت تک مختار کے پاس لا کر حاضر کر دیا۔ مختار نے ان کو قتل کرا دیا۔

چند قاتلان حسینؑ کا پتہ مختار کو سعر الحنفی نے دیا۔ عبداللہ ابن کامل کو مختار نے ان کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ وہ زیاد بن مالک، عمرو بن خالد، عبدالرحمن ابن خشکارۃ البجلی اور عبداللہ ابن قیس الخولانی شرکاء قتل امام کو گرفتار کر کے لائے۔ اور یہ لوگ سر بازار قتل کر دیے گئے۔

حمید ابن مسلم شریک قتل حسینؑ تھا۔

حمید ابن مسلم جو عمرو بن سعد کے لشکر میں واقعہ نویس تھا اور جس کی زبانی بہت سے واقعات کربلا کی تفصیل معلوم ہوئی یہ بھی شرکاء قتل امام میں سمجھا گیا اور خود بھی اپنے تئیں یہ ہی سمجھتا تھا۔ اسکی گرفتاری کے لئے آدمی روانہ

کیئے گئے لیکن وہ بچ نکلا۔ اپنے بچنے کا واقعہ حمید خود ہی بتاتا ہے۔ (تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۲۵)

عبداللہ و عبدالرحمٰن پسران سلخب اور عبداللہ ابن وہب بن عمرو یہ تین شرکاء قتل امام کو سائب بن مالک الاشعری گرفتار کر کے لایا اور یہ بھی سر بازار قتل کر دیئے گئے۔

مختار نے عبداللہ ابن کامل کو عثمان بن خالد ابن اسیر الدھمانی اور ابو اسماء بشر ابن سوط القاضی کی تلاش میں بھیجا۔ یہ دونوں قتل امام میں شریک تھے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن عقیل ابن ابی طالب کو قتل کیا تھا۔ یہ گرفتار ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔

خولی کی تلاش اور اس کا قتل۔

مختار نے معاذ ابن ہانی ابن عدی الکندی کو جو حجر ابن عدی کے بھتیجے تھے خولی ابن یزید الاصبحی کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ یہ وہ شخص تھا جو سر امام حسینؑ لے کر آیا تھا اور اسی نے آنجناب کا سر گردن سے جدا کیا تھا۔ ان دونوں نے جا کر اس کے گھر کو گھیر لیا۔ یہ ایک کوٹھی میں جا چھپا۔ معاذ نے ابو عمرہ کو اس کے گھر کی تلاشی پر مامور کیا۔ خولی کی بیوی باہر نکل آئی۔ اس سے پوچھا کہ تیرا شوہر کہاں ہے۔ اس نے منہ سے تو یہ کہا کہ مجھے خبر کو نہیں۔ لیکن ہاتھ سے اس کو ٹھی کی طرف اشارہ کیا جس میں خولی چھپا ہوا تھا۔ یہ لوگ گئے اور اسے پکڑ لائے۔ مختار کی طرف لے چلے۔ مختار بھی اس خبر سن کر ادھر ہی آ رہے تھے۔ راستہ میں مل گئے۔ خولی کو اس کے گھر والوں کے سامنے گھر میں جلا دیا۔ اور مختار وہیں ٹھہر رہے۔ جب تک اس کی لاش جل کر راکھ نہ ہو گئی۔ خولی کی بیوی عیوف بنت مالک بن نہار بن عقرب تھی۔ جس وقت خولی سر حسینؑ لایا تھا یہ عورت اس کی دشمن ہو گئی تھی۔

عمر بن سعد کے قتل کا ارادہ۔

ایک دن مختار نے اپنے مصاحبین سے کہا کہ کل میں ایسے شخص کو قتل کروں گا۔ جس کے پاؤں بڑے بڑے۔ جس کی آنکھیں گڑی اور جس کی بھنویں ابھری ہوئی ہیں اس کے قتل سے تمام مومن اور ملائکہ مقربین خوش ہوں گے۔ ہیثم بن اسود النخعی اس وقت مختار کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا مطلب عمر ابن سعد سے ہے۔ پس جب وہ اپنے گھر واپس آیا تو اپنے بیٹے عریان سے کہا کہ ابھی عمر ابن سعد کے پاس جا۔ اور یہ سارا معاملہ سنا اور کہہ دے کہ مختار کا مطلب تجھ سے ہے۔ عمر ابن سعد نے کہا کہ مختار مجھے کیونکر قتل کر سکتا ہے دراں حالانکہ وہ مجھے امان دے چکا ہے۔ خدا تمہارے باپ کو جزائے خیر دے۔ امان کا واقعہ یہ ہے کہ جب مختار نے خروج کیا تو شروع میں لوگوں کے ساتھ نہایت اخلاق و مہربانی سے پیش آتا تھا۔ عمر ابن سعد نے عبداللہ ابن جعدہ کی معرفت جس کی مختار عزت کیا کرتا تھا امان تحریری لے لی۔

مختار پہلے عمر بن سعد کو خاص الفاظ میں امان دے چکے تھے۔

امان کے یہ الفاظ تھے۔

یہ وعدہ امان مختار ابن ابی عبید کی جانب سے عمر ابن سعد ابن ابی وقاص کے لئے لکھا جاتا ہے۔ تمہاری یہ جان، تمہارے مال، تمہارے اعزہ اقربا اور اولاد کو امان دی جاتی ہے۔ تمہارے سابقہ اعمال کا تم سے اسوقت تک کوئی مواخذہ نہ کیا جائیگا جب تک تم ہمارے احکام کی اطاعت کرو گے ہمارے فرمان بردار رہو گے، اپنے مکان اپنے خاندان اور اپنے شہر میں قیام رکھو گے شیعیان اہلبیتؑ اور ہماری فوج وغیرہ سب کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ عمر ابن سعد کے ساتھ کوئی برائی نہ کریں۔''

سائب ابن مالک، احمر ابن شمیط، عبداللہ ابن شداد اور عبداللہ ابن کامل نے اس پر گواہیاں کیں، تیر مختار نے اللہ کے سامنے یہ عہد واثق کیا کہ وہ اس امان کو عمر ابن سعد کے لیئے ایفاء کریگا جب تک کوئی نیا واقعہ رونما نہ ہو۔

اس میں الفاظ یہ تھے۔ الا ان یحدث حدثا۔

حفص بن عمر بن سعد کا قتل اور ان کے سر ابوحنفیہ کے پاس گئے۔

جب عریان نے یہ خبر عمر ابن سعد کو دی تو اس نے اپنا مکان چھوڑ دیا اور اپنے حمام واقعہ بیرون کوفہ میں آ گیا۔ اس کے غلام نے کہا کہ تم نے یہ غلطی کی۔ مکان چھوڑنے سے مختار کو عذر مل جائیگا۔ غلام کی یہ بات سن کر پھر واپس اپنے مکان کو چلا گیا۔ صبح ہوتے ہی مختار نے ابوعمرہ کو بھیجا کہ عمر ابن سعد کو بلا لاؤ۔ وہ گیا اور ان نے کہا کہ امیر نے تمکو بلایا ہے۔ عمر اٹھا اور اسکا پیر اس کی عبا میں الجھا وہ گر گیا اور ابوعمرہ نے اسے وہیں قتل کر دیا۔ اور اس کا سر مختار کے پاس لے آیا۔ اور اس کے پیروں میں ڈال دیا۔ اس وقت عمر بن سعد کا لڑکا حفص بن عمر مختار کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حفص نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون اور کہا کہ اب ان کے بعد زندگی کا مزہ نہیں۔ مختار نے کہا کہ تم نے سچ کہا۔ تم بھی زندہ نہ رہو گے۔ یہ کہکر مختار نے اس کو بھی قتل کرا دیا۔ یہ دونوں سر جناب محمد ابن الحنفیہ کے پاس بھجوا دیئے۔ حمیدہ بنت عمر ابن سعد نے اپنے باپ کا مرثیہ لکھا۔ طبری نے لکھا ہے کہ جس واقعہ نے مختار کو عمر ابن سعد کے قتل پر آمادہ کیا وہ یہ تھا کہ یزید بن شراحیل الانصاری ایک دن محمد بن الحنفیہ کے پاس آئے۔ آپس میں مختار کے خروج و قصاص خون اہلبیتؑ کا تذکرہ ہونے لگا۔ محمد ابن الحنفیہ نے نہایت آہستہ سے کہا کہ مختار دعویٰ تو کرتا ہے کہ وہ ہمارے شیعوں میں سے ہے۔ حالانکہ قاتلان حسینؑ اس کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اس سے باتیں کرتے ہیں۔ جب یزید ابن سراحیل کوفہ واپس آیا تو اس نے یہ تذکرہ مختار سے کیا۔ یہ سنتے ہی عمر ابن سعد نے مختار کے قتل کا ارادہ کیا اور اس کا اور اس کے بیٹے کا سر جناب محمد ابن الحنفیہ کے پاس بھجوا دیا۔

وعدہ امان پر بحث

بیان کیا جاتا ہے کہ مختار نے اس وعدہ امان کو توڑا جو اس نے عمر ابن سعد کے ساتھ خدا کے وسیلہ سے کیا تھا۔ یہ غلط ہے۔ ذرا امان نامہ کے الفاظ پر غور کرو طبری نے لکھا ہے کہ امام محمد الباقرؑ فرمایا کرتے تھے کہ فقرہ ان یحدث حدثاً سے مختار نے یہ منشاء رکھا تھا کہ جب تک عمر ابن سعد پاخانہ میں جائے اور اس کی ریح صادر ہو اس وقت تک امان ہے ہمارا خیال ہے کہ جناب محمد الباقرؑ کا یہ قول صحیح ہے اور خلاف واقعہ نہیں ہے۔ ضرور مختار نے یہی منشاء رکھا ہوگا۔ امان نامہ کے دیگر الفاظ بھی اس منشاء کی تائید کرتے ہیں۔ ''جب تک مکان میں رہیگا۔'' کیا اس امان نامہ کے بعد وہ اپنے مکان سے نہیں نکلا تھا۔ اس امان نامہ سے مختار نے اس کو اپنے مکان میں بند کردیا تھا۔ تاکید تھی کہ مکان میں رہے اور اپنے اہل وعیال میں رہے۔ مکان سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ تو ساتویں صدی تھی آجکل بیسویں صدی میں اس قسم کی نظر بندیاں ہوتی ہیں اور اسطرح معاہدوں کے الفاظ پر نکتہ چینی ہوتی ہے۔ اور جب وہ مکان سے فرار کر کے بیرون کوفہ اپنے حمام میں چلا گیا تب تو بالکل ہی معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگئی۔ مکان سے فرار کرگیا۔ اس کا واپس آنا بے فائدہ تھا۔ ایک دفعہ اگر معاہدہ کی شرط ٹوٹ جائے تو پھر وہ قابل نفاذ نہیں رہتا جب تک کہ فریقین اس معاہدہ کی تجدید نہ کردیں، ایک فریق ایک شرط توڑ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب میں آئندہ یہ شرط نہیں توڑوں گا۔ علاوہ اس کے مختار نے معاہدہ کہاں توڑا اس نے تو فقط عمر ابن سعد کو بلایا تھا۔ اس کا بلانا تو خلاف ورزی معاہدہ نہ تھی اسکے قاصد ابو عمرہ نے اپنی ہی ذمہ داری پر اس کو قتل کردیا۔

دیگر قاتلان حسینؑ کی تلاش

مختار نے عبداللہ ابن کامل کو حکیم ابن طفیل الطائی السنبسی کی گرفتاری کے لئے بھیجا اس شخص نے مقتل کربلا میں عباس ابن علی کا اسلحہ ولباس لیا تھا اور جناب امام حسینؑ کے تیر مارا تھا جو آپ کی شلوار میں لگا تھا۔ عبداللہ ابن کامل نے اسے جا کر پکڑ لیا اور مختار کے پاس لے چلا اس کے گھر والے عدی ابن حاتم الطائی کے پاس گئے کہ مختار سے سفارش کر کے اسے چھڑالیں پہلے تو عدی نے عبداللہ سے سفارش کی کہ اسے چھوڑ دو۔ عبداللہ نے نہ مانا اور کہا کہ امیر جو چاہیں گے حکم دیں گے۔ عدی ابن حاتم نے کہا کہ میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ وہ تو ادھر چلے۔ ادھر شیعوں نے عبداللہ ابن کامل سے کہا کہ ہمیں خوف ہے کہ امیر اس خبیث کو عدی کے کہنے سے چھوڑ دیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم ہی اسے قتل کردیں۔ عبداللہ نے انہیں اجازت دی اور انہوں نے اس کو قتل کردیا۔ جب عدی ابن حاتم مختار کے پاس پہنچا اور سفارش کی تو حکیم بن طفیل قتل ہو چکا تھا۔

مختار نے عبداللہ الشاکری کو زید ابن رقاد کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ اس شخص نے حضرت عبداللہ ابن مسلم ابن عقیل کو تیر سے قتل کیا تھا۔ اس نے ان کی طرف تیر چلایا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی پیشانی بچانی چاہی۔ تیر

ہاتھ کو شگاف کرتا ہوا پیشانی میں پیوست ہو گیا۔ اور وہ ہاتھ بھی نہ ہٹا سکے۔ اس وقت انہوں نے یہ دعا مانگی خداوندا ہمارے دشمنوں نے جیسا ہمیں ذلیل وحقیر کیا ہے تو بھی ان کو ایسا ہی ذلیل کر اور جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے تو انہیں قتل کر۔ عبداللہ الشاکری نے اس کے مکان محاصرہ کر کے اسے نکال لیا اور قتل کر دیا۔

مختار نے عمر ابن صبیح کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس نے جناب امام حسین کے ساتھیوں کو تیر سے زخمی کیا تھا۔ یہ گرفتار ہوا۔ اور مختار کے حکم سے قتل کیا گیا۔

مختار نے علی ابن الحسینؑ (علی اکبرؑ) کے قاتل مرۃ بن منقذ، امام حسینؑ کے قاتل سنان ابن انس، عبداللہ ابن عروہ شریک قتل امام اور محمد ابن الاشعث ابن قیس قاتل حضرت عباسؑ کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے۔ لیکن وہ سب بچ کر ابن زبیر کے پاس چلے گئے۔ مختار نے ان سب کے گھر منہدم کرا دیئے۔

بصرہ میں مختار کے خلاف بغاوت۔

مختار نے بصرہ میں اپنی بیعت کی تحریک جاری کرائی اور مثنٰی ابن مخربۃ العبدی کو اس غرض کے لئے بصرہ بھیجا لیکن یہ تحریک ناکام رہی اور مثنٰی کئی لڑائیوں میں شکست کھا کر واپس آ گیا۔ بصرہ میں اب مختار کے خلاف تحریک جاری ہو گئی۔

مختار کا خط عبداللہ ابن زبیر کے نام۔

مختار عبداللہ ابن الزبیر کو بھی خط لکھا کہ اگر آپ میرے ساتھ تعلقات جاری رکھنا چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں۔ غالباً اس کا مطلب تھا کہ اپنی پوری طاقت قائم کرنے تک عبداللہ ابن الزبیر مخالف نہ ہو جائیں۔ اس نے شیعوں کو اس خط سے آگاہ نہیں کیا۔ لیکن عبداللہ ابن الزبیر دھوکے میں نہیں آیا۔

اب مختار نے مدینے کی طرف شرجیل ابن ورس الہمدانی کو تین ہزار فوج کے ہمراہ بھیجا۔ عبداللہ زبیر نے عباس ابن سہل بن سعد کو دو ہزار فوج کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ آپس میں لڑائی ہوئی۔ اور شرجیل کو شکست ہوئی۔ اور اس کی ساری فوج تباہ ہو گئی۔ اب مختار نے محمد الحنفیہ کو ایک خط لکھا جس مین اپنی وفاداری کا ذکر کیا۔ اور بیان کیا کہ کس طرح اس کی فوج مدینہ میں دھوکے سے قتل کر دی گئی۔ اب اگر آپ مناسب خیال کریں تو میں مدینہ کی جانب ایک زبردست جرار فوج بھیج دوں۔ آپ ان کے پاس اپنے سفراء بھیج دیں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں آپ کا مطیع ہوں۔ اور یہ فوج آپ کے حکم سے آئی ہے۔ لیکن جناب محمد الحنفیہ نے اسکی ہمت افزائی نہیں کی بلکہ یہ جواب دیا کہ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر میں لڑائی کا ارادہ کروں تو میرے بہت سے مددگار فوراً میری حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ مگر میں سب سے الگ ہوں۔ اور چپ بیٹھا ہوں۔ اب جو اللہ کرے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ زبانی بھی قاصد سے کہہ دیا کہ مختار سے کہنا کہ اللہ سے ہر وقت ڈرتا رہے اور خونریزی سے بچے۔

اس ہی ٦٦ ہجری میں عبداللہ ابن زبیر نے محمد الحنفیہ کو ان کے ہمراہیوں اور اہل خاندان کے ساتھ مع کوفہ کے ستر عمائد کے مکہ میں موسم حج میں چاہ زمزم کے نزدیک قید کر دیا کیونکہ انھوں نے انکی بیعت نہیں کی تھی۔ محمد بن الحنفیہ نے مختار کو مدد کے لئے خط لکھا مختار نے یکے بعد دیگرے ابو عبداللہ الجدلی کو ستر بہادر شہسواروں کے ساتھ، طبیان بن عثمان کو چار صد سواروں کے ساتھ، ابوالمعمر اور ہانی ابن قیس کو سو سو آدمیوں کے ساتھ۔ عمیر ابن طارق اور یونس بن عمران کو چالیس چالیس آدمیوں کے ساتھ مکہ روانہ کیا۔ اور طفیل بن عامر اور محمد بن قیس کے ہاتھ محمد بن الحنفیہ کو ایک خط بھی لکھا۔ یہ سب سردار مکہ میں پہنچنے لگے۔ ابو عبداللہ اپنے ہمراہ عمیر بن طارق اور یونس بن عمران کو لے کر نوبت ونقارہ کے ساتھ یالثارات الحسین کا نعرہ لگاتے ہوئے حرم میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح زمزم پر پہنچے وہاں دیکھا کہ عبداللہ ابن زبیر نے محمد الحنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو جلانے کے لیئے ان کے گرداگرد لکڑیوں کا انبار لگا دیا ہے اور بیعت کرنے کی جو مہلت دی تھی اس میں صرف دو دن باقی تھے۔ عراقیوں نے وہاں پہنچتے ہی پہرہ داروں کو مار بھگایا اور محمد بن الحنفیہ کو قید سے چھڑا لیا اور ان سے اجازت چاہی کہ عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کی اجازت دیں۔ انھوں نے کہا کہ میں حرم میں لڑنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ ابن الزبیر بھی آ گیا۔ اس نے عراقیوں کو دھمکایا اور کہا کہ تمہاری ہستی کیا ہے؟ میں اپنی فوج کو حکم دے دوں تو وہ تم کو ابھی قتل کر دیں۔ عراقیوں نے بھی ترکی بترکی جواب دیا۔ کہا کہ تو کس خیال میں ہے۔ ہمارے پاس تو بے تعداد فوج ہے۔ اتنے میں ابوالمعمر سو سواروں کے ہمراہ ہانی ابن قیس سو سواروں کے ہمراہ، طبیان بن عمارہ دو سو سواروں کے ہمراہ پہنچ گئے۔ لیکن محمد ابن الحنفیہ نے اپنے حامیوں کو روکا۔ اور فتنہ وفساد سے بچا لیا۔ ان لوگوں نے مسجد میں میں داخل ہو کر "یالثارات الحسین" کا نعرہ لگایا۔ عبداللہ ابن زبیر پر بہت خوف طاری ہوا۔ اور محمد ابن الحنفیہ شعب علیؑ میں چلے آئے۔ عراقیوں نے ان سے بہت اصرار کیا کہ لڑائی کی اجازت دے دیں۔ لیکن انہوں نے نہ دی۔

عبداللہ ابن زبیر نے حضرت محمد الحنفیہ کو قید کر دیا۔

مختار کی لڑائیوں کے سلسلے میں سال ٦٦ ہجری کا ماہ ذی الحجہ بہت سے واقعات کا حامل ہے۔ ۹ ر ذی الحجہ ٦٦ ہجری کو یزید بن انس اہل شام کے خلاف جنگ پر روانہ ہوئے دس ذی الحجہ ٦٦ ہجری کو انہوں نے اہل شام کے خلاف جنگ نبات تلی فتح کی۔ اسی دن شام کو ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کو فوج اپنے امیر کی موت کی وجہ سے بددل ہو کر کوفہ واپس چلی۔ مختار کو خبر ملی تو انہوں نے ابراہیم ابن الاشتر کو ساتھ ہزار کی فوج دیکر شامیوں کی طرف بھیجا۔ اور کہا کہ واپس آنے والی فوج کو بھی راستہ ہی سے اپنے ساتھ لیتے جانا۔ ایام حج میں عبداللہ ابن زبیر نے محمد الحنفیہ کو مع ان کے ساتھیوں اور خاندان والون کے چاہ زمزم کے پاس قید کر دیا۔ مختار نے فوج بھیج کر انہیں رہا کرا لیا۔ اس کے بعد اہل کوفہ کی بغاوت شروع ہوئی۔ ابھی ابراہیم ابن مالک الاشتر ساباط ہی تک پہنچے تھے کہ مختار نے قاصد بھیج کر جلدی سے بلا لیا۔ دیکھو تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۱۷۔

محمد الحنفیہ مختار کو اطلاع دیتے ہیں۔

کوفہ میں باغیوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں ان میں سے دو بڑی لڑائیاں تھیں۔ ایک کناسہ کی جس میں ابراہیم ابن مالک اشتر سردار فوج تھے۔ پہلے کناسہ کی لڑائی ہوئی جو ابراہیم نے فتح کی۔ اور اس کی خبر مختار کو بھیجی۔ دیکھو تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰۔

اس کے بعد جنگ جبانۂ السبیع ہوئی جو مختار نے فتح کی (دیکھو تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ ۱۲۰۔)

مورخ طبری کا تاریخوں میں مغالطہ

یہاں طبری کو تاریخوں میں کچھ مغالطہ ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں بدھ کے دن جب ماہ ذی الحجہ کے ختم ہونے میں چھ راتیں باقی رہ گئیں تھیں جنگ جبانۂ السبیع واقع ہوئی۔ دیکھو تاریخ طبری عربی مطبوعہ مطبعۃ الحسینیہ الجزء السابع صفحہ ۱۲۴، سطر ۱۵ گویا ۲۵ ذی الحجہ کو بدھ تھا۔ اور یہ لڑائی ۲۵ ذی الحجہ کو ہوئی۔ آگے چل کر کہتے ہیں کہ ساباط سے واپسی پر ابراہیم صرف دو دن کوفہ میں رہا۔ اور کناسہ اور سبیع کے بعد ہی شام کی طرف ہفتہ کے دن جب کہ ذی الحجہ کے ختم ہونے میں آٹھ راتیں باقی تھیں۔ روانہ ہو گیا۔ گویا تئیس ذی الحجہ کو روانہ ہوا۔ یہ پہلے کہہ چکا ہے کہ سبیع کی آخری جنگ تھی۔ سبیع کی جنگ بدھ کو ہوئی۔ ۲۵ ذی الحجہ کو ہوئی۔ ابراہیم اس دن کوفہ میں موجود تھا۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ۲۳ ذی الحجہ شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ ابن الاثیر نے بھی اس بات کو نہ دیکھا اور اپنی الکامل میں یہی تاریخیں دہرا دیں۔ دیکھو اردو ترجمہ تاریخ الکامل خلافت بنو امیہ حصہ اول صفحہ ۳۸۹، ۴۰۸۔ ابن خلدون نے کناسہ اور سبیع کی لڑائیوں میں لڑائی تو نہیں لکھی۔ لیکن یہ لکھا ہے کہ ۲۲ ذی الحجہ ۶۶ ہجری کو ابراہیم بن مالک الاشتر کناسہ کی جنگ پر روانہ ہوا۔ (اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون (حکیم احمد حسین الہ آبادی) کتاب الثانی جلد پنجم۔ صفحہ نمبر ۱۸۷۔

اگر اس سال کا ذی الحجہ ۲۹ دن کا تھا۔ تو ۲۲ تاریخ ذی الحجہ ٹھیک ہوئی کیونکہ اٹھ راتیں رہ جاتی ہیں۔ لہذا ہم یہ ہی قرار دیتے ہیں کہ ابراہیم ابن مالک الاشتر ۲۲ ذی الحجہ ۶۶ ہجری مطابق ۲۰ جولائی ۶۸۶ء کو شام کی جنگ پر روانہ ہوئے۔

جنگ خازر ابراہیم اور عبید اللہ بن زیاد کی جنگ اور عبید اللہ کا قتل

جلدی جلدی منزلیں طے کرتے ہوئے ابراہیم ابن مالک الاشتر علاقہ موصل میں داخل ہوئے۔ دریائے حازر کے کنارے قیام کیا۔ یہیں عبد اللہ ابن زیاد بھی آ گیا۔ دریائے خازر کے کنارے وضع باربیثا پر جو موصل سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ فریقین کی لڑائی ہوئی نہایت سخت لڑائی ہوئی دو دن کی لڑائی کے بعد عبد اللہ ابن زیاد کی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ عبد اللہ ابن زیادہ اور حصین ابن نمیر دونوں اس لڑائی میں مارے گئے۔ ابراہیم کا کہنا ہے

کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو مارا جس کے بدن سے مشک کی خوشبو آئی تھی اور وہ عبید اللہ ابن زیاد تھا لیکن ایک اور روایت بھی ہے۔ شریک بن جدیر التغلبی حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے تھے اور جنگ میں ان کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ جب حضرت علیؑ کی لڑائیاں ختم ہوگئی تو یہ بیت المقدس چلے گئے۔ جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ان کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ اگر میرا بس چلا تو میں ابن زیاد کو قتل کر ڈالوں گا یا خود جان دے دوں گا۔ جب ان کو خبر ملی کی مختار خون امام کا بدلہ لینے اٹھا ہے تو یہ مختار کے پاس چلے آئے اور اس لڑائی میں شریک ہوئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے یہ عہد خدا سے کرلیا ہے تو تین سو جوان مردوں نے ان کے ہاتھ پر آخر دم تک لڑنے کی بیعت کرلی۔ جب دونوں فوجیں آپس میں دست و گریباں ہوئیں تو شریک بن جدیر نے اپنے ہمراہیوں سمیت ایسا شدید حملہ کیا کہ پرے پرے صاف کر ڈالے۔ اور ابن تمیر تک جا پہنچے۔ غبار کا ایک طوفان اٹھا اور تلواروں کی کھٹا کھٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جب غبار فرو ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ دونوں یعنی شریک ابن جدیر اور عبد اللہ زیاد مقتول پڑے ہوئے ہیں اور دونوں کے بیچ میں کوئی اور نہیں ہے۔ دیکھو تاریخ طبری عربی، الجزء السابع صفحہ نمبر ۔۱۴۵

ابراہیم موصل پر قبضہ و قیام

اس لڑائی کے بعد ابراہیم موصل میں آگئے اور اس کے سارے علاقوں پر اپنے عامل مقرر کر دیئے۔ اپنے بھائی عبد الرحمٰن کو نصیبین کا حاکم بنا کر بھیجا اور مقامات سنجار، دارا اور اس کے متصل جزیروں پر قبضہ کر لیا۔

جنگ حروراء اور قتل مختار

کوفہ کے باغی جن سے مختار پہلے لڑ چکا تھا اور انھیں شکست دے چکا تھا وہ سب اب مصعب ابن زبیر حاکم بصرہ کے پاس آگئے۔ ان میں محمد ابن شعث ابن قیس اور شیث ابن ربعی بھی تھے۔ جب مصعب کے پاس آدمی ہوگئے تو اس نے کوفہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن محمد ابن الاشعث نے کہا کہ جب تک مہلب نہ آجائیں جنگ کیلئے نہ نکلو۔ مصعب نے مہلب کے پاس قاصد بھیجا لیکن وہ نہ آیا اور ٹال دیا۔ اب خود محمد ابن الاشعث اسکو لینے گیا اور بہت کوشش کر کے ساتھ لے آیا۔ مہلب کے پاس بہت لشکر اور ساز و سامان تھا۔

مصعب اور مہلب کا کوفہ پر حملہ

اب مصعب اور مہلب دونوں مل کر کوفہ پر چلے۔ جب مختار کو معلوم ہوا تو انھوں نے آدمیوں کو جمع کیا اور خطبہ پڑھا۔ اور جنگ پر آمادہ کیا۔ اور ان سب پر احمد ابن شمیط کو سردار مقرر کر کے روانہ کیا۔ اسوقت ابراہیم ابن مالک الاشتر طرح دے گیا اور مختار کی مدد کو نہ آیا۔ ابراہیم کے کئی سرداران فوج یہ دیکھ کر کہ وہ مختار کی پرواہ نہیں کرتا۔

(تاریخ طبری الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۴۷)

ابراہیم نے مختار کی مدد کرنے سے گریز کیا و مختار کی شکست

ابراہیم سے علیحدہ ہو کر مختار کے پاس آ گئے اور اس فوج میں شامل ہو گئے احمر ابن شمیط روانہ ہوئے اور چشمہ مزار پر آن کر قیام کیا۔ یہیں مصعب بھی آ گیا اور دونوں فوجوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ آخر کار سردار فوج احمر ابن شمیط مارے گئے اور ان کے مارے جانے پر ان کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اور وہ بھاگنے لگے یہاں تک کہ شکست کامل ہو گئی۔ اب مصعب آگے بڑھا۔ دریائے فرات کو پار کر کے کوفہ کا راستہ لیا۔ جب مختار کو خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کو نکلے۔ اور مقام حروراء پر پڑاؤ ڈال دیا۔ مصعب بھی یہاں پہنچ گیا اور بڑی سخت جنگ ہوئی۔ کئی دفعہ مختار کی فوج نے مصعب کی فوج کو پیچھے ہٹا دیا۔ محمد بن الاشعث بھی مارا گیا لیکن آخر کار مختار کی فوج محض دشمن کی کثرت کی وجہ سے شکست کھا گئی۔ سعید بن منقذ اور سلیم بن یزید اپنے ساتھیوں سمیت میدان جنگ میں لڑتے رہے یہاں تک کہ مارے گئے۔ مختار اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑے اور تمام رات دشمن سے لڑتے رہے اور ان کے ساتھیوں میں سے یکے بعد دیگرے ان کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے رہے۔ صبح ہونے تک دشمن پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن ان کی ساری فوج کٹ چکی تھی یا فرار ہو چکی تھی لہذا یہ اپنے قلعہ میں آ کر محصور ہو گئے۔ طبری لکھتا ہے کہ عبید اللہ ابن علی مصعب کے لشکر میں تھے اور لڑائی میں مارے گئے۔ دیکھو تاریخ طبری عربی الجزاء السابع صفحہ نمبر ۱۵۳ اور طبری کے حوالہ سے مقاتل الطالبین میں ابو الفرج اصفہانی نے لکھا ہے۔ کہ عبید اللہ ابن علی کو مختار کے ساتھیوں نے جنگ مذار میں قتل کیا تھا۔ (مقاتل الطالبین مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ ۱۹۴۹ء)

طبری لکھتا ہے کہ ان کی لاش کو مقتولین میں دیکھ کر مصعب نے کہا کہ بڑا افسوس ہے۔ اگر یہ زندہ ہوتے تو ہم سارا اقتدار و حکومت ان ہی کو دیتے۔ ناظرین اس بات کو یاد رکھیں ہم آگے چل کر اس پر تبصرہ کریں گے۔

مصعب نے محصورین پر آب و دانا بند کر دیا۔

مختار کے محصور ہونے کے بعد بھی لڑائیاں دستوں کی آپس میں جاری رہیں۔ مصعب جہاں جاتا تھا اپنے دشمنوں پر پانی بند کر دیتا تھا۔ مختار پر بھی پانی بند کر دیا۔ سقے چوری چھپے زیادہ داموں کے لالچ میں پانی دے آتے تھے۔ کیونکہ ایک مشک کی قیمت دو دینار یعنی دو سونے کی اشرفیاں ہو گئی تھیں۔ مصعب نے جب یہ دیکھا تو ان کو بھی سختی کے ساتھ بند کر دیا۔ پانی کے ساتھ رسد بھی بند کر دی۔ کچھ عورتیں چوری چھپے روٹی اپنے رشتہ داروں کو دے آتی تھیں۔ جب مصعب کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو بھی بند کر دیا اور سب جگہ پہرے بٹھا دیئے۔ محاصرہ میں روز بروز سختی ہوتی تھی۔ آخر کار مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مرنا تو ہے۔ ہمارے بعد تم سب بہت ذلت و خواری کے ساتھ مارے دیئے جاؤ گے۔ آؤ چلو میں باہر نکلتا ہوں۔ لیکن انھوں نے نہ مانا۔ مختار صرف انیس ساتھیوں کے ساتھ باہر آئے۔ دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ داد مردانگی دی اور مارے گئے۔ اہل قلعہ نے اب مصعب کے لیے

دروازہ کھول دیا اس نے سب کی مشکیں بندھوالیں اور پھر ایک ایک کو تہ تیغ کر دیا۔

قتل مختار کی تاریخ طبری نے ۱۴ رمضان المبارک ۶۷ ہجری مطابق ۳ اپریل ۶۸۷ لکھی ہے مختار کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔

مختار کے قتل کے بعد قلعہ کے سب آدمیوں کو جن کی تعداد مسعودی نے سات ہزار لکھی ہے اور جو سب کے سب قاتلان حسینؑ سے خون کا بدلہ لینے والے تھے۔ مصعب نے تہ تیغ کر دیا۔ حالانکہ پہلے ان کو وعدہ امان دے چکا تھا۔ ان کو وہ حسینیہ کہتا تھا۔ پھر کوفہ میں شیعوں کو تلاش کر کے قتل کیا۔ اس کے بعد وہ مختار کے حرم میں آیا اور ان سب سے کہا کہ تم مختار پر تبرّا کرو اور اس سے برأت چاہو۔ ان سب نے ایسا ہی کیا۔ سوائے دو بیویوں کے مختار کی وہ دو بیویاں ایک تو ام ثابت بنت سمرۃ بن جندب الفراری تھی اور دوسری عمرہ بنت نعمان بن بشیر الانصاری تھی۔ انھوں نے کہا کہ ہم ایسے شخص سے کیونکر نفرت کا اظہار کریں جو کہتا تھا کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ دن کو روزہ رکھتا تھا۔ رات کو نماز میں کھڑا رہتا تھا اور اس نے اپنی جان خدا اور رسول کی راہ میں بنت رسول اللہ کے صاحبزادے اور اس کے اصحاب اور اسکے رشتہ داران کے خون کا بدلہ لینے میں دیدی۔ پس خدا نے اسے قدرت دی اور اسنے مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈا کیا۔ مصعب نے اپنے بھائی عبداللہ ابن زبیر کو ان کے اس قول کی اطلاع دی۔ عبداللہ ابن زبیر نے لکھا کہ اگر وہ اپنے قول کو واپس لے لیں اور مختار سے نفرت کا اظہار کریں تو خیر ورنہ دونوں کو قتل کر دو۔ پس مصعب نے تلوار کھینچ لی اور ان سے کہا کہ مختار سے نفرت کا اظہار کرو۔ ورنہ اس تلوار سے تمہارا گلا کاٹ ڈالوں گا۔ ام ثابت بنت سمرہ ابن جندب نے تو یہ کہہ کر مختار پر لعنت کی کہ اگر تو تلوار کے ڈر سے مجھے کفر کی طرف بلاتا ہے تو میں کفر کرتی ہوں اور کہتی ہوں مختار کافر تھے۔ لیکن عمرہ بنت نعمان ابن بشیر نے پھر بھی انکار کیا۔ اور کہا کہ جب مجھے شہادت مل رہی ہے تو میں کیوں اس کو چھوڑوں۔ ہرگز نہیں۔ یہ موت ہے لیکن اس کے بعد جنت ہے اور رسول اور اسکے اہل بیت کی خدمت میں حاضری ہے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ میں ابن ہند کی پیروی کروں اور علی ابن ابی طالب کو چھوڑ دوں۔ خداوندا گواہ رہنا کہ میں تیرے نبی، ان کے نواسے اور ان کے اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں کی پیروی کرنے والی ہوں۔ یہ کہہ کر تلوار کے سامنے آگئی اور اس سنگ دل نے اسے قتل کر ڈالا۔ مروج الذہب مسعودی مطبوعہ بغداد۔ الجزء الثالث صفحہ نمبر ۴۳، ۴۴۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ طبری الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۵۸۔

یہ تھا ان لوگوں کا اسلام جس پر کفر بھی خندہ زن ہے۔ ایک عورت کو محض اس جرم میں قتل کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی وفادار ہے۔ خود تو ان میں کیا وفا کا مادہ ہوتا۔ وفادار کو وفا کے جرم میں قتل کرتے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ خدا رسول کا کلمہ کیا پڑھتے ہیں دونوں کو بدنام کرتے ہیں۔

مختار اور شیعی تحریک پر تبصرہ

مختار کے متعلق خود علماء امامیہ میں دو متضاد رائے ہیں۔ کچھ تو اس کو کاذب اور مفتری جانتے ہیں۔ اور کچھ اس

کو اتنا برا نہیں سمجھتے ،اگر چہ وہ بھی اسکو فاسد عقیدہ کا آدمی خیال کرتے ہیں کیونکہ اس نے حضرت محمد ابن الحنفیہ کو مہدی مانا تھا۔اور جناب علی ابن الحسین کی بجائے ان کو امام جانتا تھا۔عقیدہ اور دل کی حالت کی باتیں تو یہ حضرات علماء مجھ سے بہتر جانتے ہیں یہ کہ اس کا کیا اعتقاد تھا۔خود مختار کو معلوم تھا یا خدا کو۔سب سے پہلے جو بات یاد رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ مختار کی لڑائیاں عبداللہ ابن زبیر سے ہوئیں جس کو یہ سب مورخین جن کی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں خلیفۂ برحق مانتے ہیں۔خلیفۂ برحق کے خلاف جو بغاوت کرے گا۔اس کو یہ لوگ کس رنگ میں ظاہر کریں گے۔معلوم ہے حضرت معاویہ بھی خلیفۂ برحق کے خلاف لڑے تھے۔لیکن وہ تو چونکہ حکومت صدر اول کے منتخب شدگان میں سے تھے لہٰذا ان کی بغاوت اجتہادی غلطی ہوئی۔لیکن مختار بیچارہ تو شیعہ تھا۔اور خون حسینؑ کا بدلہ لے رہا تھا۔اسکو اجتہادی غلطی کا فائدہ نہیں مل سکتا تھا۔لہٰذا اس کے لئے ملعون وکذاب کے لقب منتخب کئے گئے۔اسکے حالات وواقعات بھی اس ہی ذہنیت کے ماتحت لکھے گئے اور اس کے اقوال وافعال کی تعبیریں بھی اسی نہج سے کی گئیں۔اول تو شیعہ مورخین ہی بہت کم ہوئے ہیں۔ان کی تاریخ کو کون قبول کرتا۔اور اگر اس میں کچھ حکومت کے مزاج کے خلاف ہوتا تو جان وآبرو دونوں گئی تھیں۔اندریں صورت صحیح شیعوں کی تاریخ تو سینہ بسینہ ہی آئی ہے اور جس نے کوئی تاریخ لکھی اس نے بعینہ سنی تواریخ کی روایتوں کو نقل کر دیا۔شیعہ مصنفین نے بغیر کسی تنقید وجرح کے سینوں کی تواریخ کی روایتوں کو قبول کر لیا۔اس کا اثر ہم بہت کچھ ناسخ التواریخ اور موجودہ زمانہ کی اعیان الشیعہ میں دیکھتے ہیں۔

اب میں مجبور ہوں۔اپنی طرف سے تو کوئی روایت وضع نہیں کر سکتا۔ان ہی موجودہ تواریخ میں سے واقعات لئے ہیں۔حق کی یہ صفت ہے کہ کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔واقعات ہم نے پہلے بیان کر دیئے ہیں ان سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔جناب محمد ابن الحنفیہ نے کبھی دعویٰ امامت ومہدویت کا نہیں کیا۔ہمیشہ امام زین العابدینؑ کو امام سمجھتے رہے۔

۲۔جب مختار نے پوچھا کہ میں جنگ کروں تو ہمیشہ آپ نے جواب دیا کہ وہ بات کرو جس سے خدا خوش ہو۔خدا سے ڈرتے رہو۔فتنہ وفساد نہ کرو۔کبھی صریح الفاظ میں نہیں کہا کہ خروج کرو۔اگر محمد بن الحنفیہ سے یہ خیالات ظاہر ہوتے تو عبداللہ ابن زبیر انھیں زندہ نہ چھوڑتا۔محض بیعت نہ کرنے پر تو زندہ جلا دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔اور انھیں قید بھی کر دیا۔کتنا مختار کے آدمیوں نے اصرار کیا کہ جنگ کی اجازت دیدیں لیکن محمد ابن الحنفیہ نے جنگ کی اجازت ہی نہ دی۔

۳۔نہ حضرت امام زین العابدینؑ نے اور نہ محمد ابن الحنفیہ نے مختار کو خروج پر آمادہ کیا اور نہ ہی اجازت دی۔لیکن اسکو خروج کرنے سے روکا بھی نہیں۔مختار نے ہمیشہ خروج کی اجازت ہی چاہی۔یہ نہ کہا کہ اگر آپ

خروج کی اجازت نہ دیں گے تو میں خروج نہ کروں گا۔ وہ تو خروج کی اجازت اس وجہ سے چاہتا تھا کہ اس کی تحریک کو اس اجازت سے تقویت مل جائے۔

۴۔ مختار کے کئی مقاصد تھے۔ ان میں سے ایک مقصد قاتلان امام حسینؑ سے بدلہ لینا تھا۔ اس کا طرز عمل بتا رہا ہے۔ کبھی عبداللہ ابن زبیر سے ملتا۔ جب انکی طرف سے بے رخی دیکھی تو اس سے منحرف ہو جاتا۔ قید میں سے خط تو لکھا کہ میں قاتلان حسینؑ سے بدلہ لوں گا۔ لیکن پھر عبداللہ ابن زبیر کے پاس چلا گیا۔ جو خالص امام حسینؑ کا دوست ہوتا وہ کبھی ان کے خاندانی دشمن سے نہ ملتا۔ سلیمان ابن صرد کی مخالفت کرنا اور ان کے آدمیوں کو تاڑ لینا یہ ایک اور فعل ایسا ہے کہ جس سے اس کی نیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن بقول شاعر۔

گندم از گندم بروید جوز جو
از مکافات عمل غافل مشو

جیسا مختار نے سلیمان ابن صرد کے ساتھ کیا ویسا ہی ابراہیم نے مختار کے ساتھ کیا موصل میں جا کر حکومت سنبھال لی اور مختار کو مدد نہ پہنچائی۔

۵۔ ہمارا خیال ہے کہ اس ادعا میں کہ اسے جناب محمد ابن الحنفیہ نے اپنا نائب بنا کر جہاد پہ مقرر کیا ہے۔ مختار بالکل غلطی پر تھا اور واقعات یہ بتا رہے ہیں کی جو خط اس نے ابراہیم کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ محمد ابن الحنفیہ کا ہے وہ بھی جعلی تھا۔ ابراہیم سمجھ گیا۔ اور لوگ بھی سمجھ گئے۔

۶۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مختار ایسا نہ کرتا اور محمد الحنفیہ کا نام درمیان میں نہ لاتا تو کیا پھر بھی ابراہیم اور دیگر شیعیان کوفہ اس کی طرف ہوتے۔ ہرگز نہ ہوتے۔ اور قاتلان امام حسینؑ سے بدلہ لینے کی تحریک کامیاب نہ ہوتی۔ یہاں سے دین و دنیا الگ ہوتے ہیں۔ دین میں یہ دروغ و جعلسازی جائز نہیں۔ دنیا بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتی۔ اب یہ میزان حشر میں تول کر بتایا جائے گا کہ اس دروغ کا گناہ زیادہ تھا یا خون حسینؑ واہلبیتؑ کے قصاص لینے کا اور اس طرح خاندان رسالت کے دلوں کو ٹھنڈا کرنے کا ثواب زیادہ تھا۔

۷۔ حضرت شہید ثالث مجالس المومنین میں مختار کے متعلق لکھتے ہیں۔

"علامہ حلی او را از جملہ مقبولان شمردہ در حسن عقیدہ شیعہ راسخنے نیست غایۃ الامر چوں در بعضے از اعمال او اعتراض داشتہ اند و او را بذم و شتم وانمودہ اند و حضرت امام محمد باقر بر این معنی اطلاع یافتہ شیعہ را از تعرض مختار منع نمودند و فرمودند کہ او کشندگان مارا کشت و زنان بیوہ شیعہ ما را تجہیز کردہ بشوہر داد۔ و در ایام عسرت از مال بیت المال کہ در تصرف او بود مبلغہائے کلی بسلسلۂ ما فرستاد و منقول است کہ حضرت امام جعفر صادق بر او رحمت فرستاد۔
(مجالس المومنین ۳۴۶ صفحہ مطبوعہ ممبئی)۔

ترجمہ۔ علامہ حلی نے مختار کو مقبولین خدا میں سے لکھا ہے۔ شیعوں کو اس کے حسن عقیدہ پر بدگمانی نہ کرنی

چاہیئے ۔ یہاں تک کہ جب شیعوں نے اس کے بعض اعمال پر نکتہ چینی کی اور اس کو برا بھلا کہا۔اور اسکی خبر جناب امام محمد الباقرؑ کو ہوئی تو آپ نے شیعوں کو اس سے روکا اور فرمایا کہ مختار ہمارے قاتلوں کا قتل کرنے والا ہے۔اس نے ہمارے شیعوں کی بیوگان کو مال دے کر ان کو شوہر دلائے اور زمانہ تنگی میں اپنے بیت المال سے ہمارے پاس مال بھجوایا۔اور یہ بھی منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ اس پر دعائے رحمت کرتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ مختار کی نسبت حسن ظن رکھنا چاہیئے ۔نجات دینا یا نہ دینا خدا کے ہاتھ میں ہے اس کا فیصلہ میں اور آپ کیونکر کر سکتے ہیں۔ہم نیت کے عالم الغیب نہیں ہیں۔اور اعمال نیک و بد کا موازنہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں ہے۔یہ تو میزان حشر ہی میں تولے جائنگے ۔ہمیں کیا حق ہے کہ پہلے سے فیصلہ صادر کر دیں۔یہ احتیاط محض اس صورت میں ہے کہ جب ایک شخص کے اعمال اچھے بھی ہوں اور مشتبہ بھی ۔اگر کسی شخص کے صریحاً اعمال اچھے ہیں جیسے حر ابن یزید ریاحی ۔ہانی ابن عروہ وغیرہ ہما کے تو یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناجی ہیں۔یا کسی کے اعمال صریحاً خراب ہیں۔مثلاً یزید ابن معاویہ،شمر ابن ذی الجوشن وغیر ہما کے تو یقیناً کہا جا سکتا کہ وہ دوزخی ہیں۔

دراصل تو بات یہ ہے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ جناب زینب کی فریاد کی دادرسی جناب امام زین العابدینؑ کی بددعاؤں کی کامیابی، اور امام حسینؑ کے اس عظیم الشان استغاثہ ھل من ناصرینصرنا ھل من مغیث یغیثنا۔ کی اجابت مختار علیہ الرحمتہ کے ذریعہ سے ہوئی تو میرا دل نہیں چاہتا کہ اسے برا کہوں اور عقل سلیم اس کے کاموں کے ضائع ہونے کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔جو شخص اہلبیتؑ رسالت کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔وہ کہیں آگ میں جل سکتا ہے۔کیا مختار علیہ الرحمتہ کے حق میں جناب رسالتمآب کی حدیث کہ علی کی محبت گناہوں کو اسطرح کھا جاتی ہے۔جس طرح آگ لکڑی کو کارگر نہ ہوگی۔کسی کے اعتقاد کے متعلق فیصلہ کرنا مشکل ہے کہتے ہیں کہ مختار جناب شیخین کو خلیفۂ جائز سمجھتا تھا۔میرے خیال میں تو اس کا کوئی قول و فعل ایسا نہیں ہے کہ جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے۔

اہل بیتؑ رسالت کی اس تحریک سے علیحدگی

اس علیحدگی کی وجوہات دو قسم کی تھیں (۱) دینی اور (۲) دنیاوی۔دینی وجہ میں اس وصیت کو رکھتا ہوں جو ہر ایک امام کو اپنے سابق امام سے ہوتی آئی ہے۔جناب علی مرتضیٰؑ نے اپنا حق لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی۔جناب رسول خداؐ کی یہ ہی وصیت تھی۔جناب امام حسنؑ نے صلح کر لی کیونکہ یہ ہی فیصلہ کیا گیا تھا۔امام حسینؑ نے انکار بیعت اپنے نانا اور علی مرتضیٰؑ کی وصیت کے مطابق کیا۔جناب علی ابن الحسینؑ نے مختار کے ساتھ شرکت اس وجہ سے نہ کی کہ امام حسینؑ نے میدان کربلا میں یہ ہی وصیت کر دی تھی۔ان بزرگواروں نے کیوں یہ وصیت کی۔اس کی وجہ سے کیا اچھا تو وصیت کرنے والے ہی واقف ہوں گے۔لیکن جہاں تک ہم سوچ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ بزرگ ہوئے ہیں اس کا اقتضاء ہی یہ تھا۔اگر جناب امیر تلوار اٹھاتے تو ان کے مخالف جنگ ہوتی۔کفار کہتے

کہ دیکھو محمدؐ نے یہ ہی ورثہ چھوڑا تھا۔ جس کے لیئے لڑ رہے ہیں۔ منافقین ایک دوسرے کو لگاتے اور اسلام نیست و نابود ہو جاتا۔ کفر جو اپنا موقعہ دیکھ رہا تھا اسلام پر غالب آجاتا۔ امام حسنؑ صلح نہ کرتے تو لڑتے۔ لڑتے تو قتل ہو جاتے۔ ناممکن ہے کہ امام حسینؑ بھائی کو قتل ہونے دیتے وہ بھی ساتھ ہی قتل ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کربلا سے محروم ہو جاتا اور بنوامیہ کا کفر عریاں نہ ہوسکتا۔ جناب امام حسینؑ کے زمانہ میں کفر اتنا اسلام پر غالب آچکا تھا کہ لوگ کفر ہی کو اسلام سمجھنے لگے تھے۔ ایک آخری خفیف سی لائن جو دونوں کے درمیان نظر آتی تھی وہ بھی مٹ جاتی اگر حسینؑ یزید سے بیعت کر لیتے۔ لیکن امام حسینؑ نے بیعت نہ کی۔ اور اس بیعت نہ کرنے میں اتنی سختی کی کہ اہلبیت رسالت کے بچوں، جوانوں، اور بڈھوں کو سب کو قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن پھر بھی بیعت نہ کی۔ یہاں تک کہ خود بھی شہید ہو گئے وہ جو پہلے کفر و اسلام کے درمیان ایک خفیف سی لائن نظر آتی تھی۔ اب وہ خون کا ایک دریائے بیکراں بنگیا۔ اس کے بعد کفر و اسلام کبھی اہل بصیرت کے لئے باہم مشتبہ نہیں ہو سکتے۔ وہ شخص بصیرت کی آخری کرن سے بھی بے بہرہ ہوگا جو اب بھی نہ سمجھ سکے کہ بنوامیہ مسلمان نہ تھے۔ اور جب دنیا کو یہ معلوم ہو گیا تو پھر علی ابن الحسینؑ کیوں لڑتے۔ حکومت کے لئے لڑ کر اپنے باپ کی محنت و قربانیوں کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اب رہا قصاص۔ حسینؑ اور ان کے اعزہ کے خون کا قصاص لینے کے صرف علی ابن الحسینؑ حقدار تھے۔ بیٹے کی موجودگی میں باپ کے خون کا قصاص کوئی اور نہیں لے سکتا تھا اگر قصاص لینے کے لئے کوئی ورثاء نہ مقرر کیے جاتے تو پھر قصاص کی کوئی حد ہی نہ رہتی۔ اگر ہر شخص کو یہ حق دیا جاتا تو ایک خون کے سینکڑوں قصاص ہو جاتے اور پھر بھی قصاص ختم نہ ہوتا۔ اور روپیہ کا لالچ ہر ایک شخص کو قصاص لینے کے لئے آمادہ کرتا۔

قصاص اول حق مقتول کا ہے۔ اور اگر مرتے وقت وہ اپنے ورثاء سے کہہ جائے کہ میں اس معاملہ کو خدا پر چھوڑتا ہوں تو پھر ورثاء کو کوئی حق نہیں کہ وہ دیت خون یا قصاص لیں قرآن شریف میں خون کے قصاص کے یہ مندرجۂ ذیل چار احکام ہیں۔

(۱) اے مومنو! جو لوگ (ناحق) مار ڈالے جائیں ان کے بدلہ میں تم کو جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلہ آزاد، غلام کے بدلہ غلام۔ اور عورت کے بدلے عورت۔ پس جس قاتل کو اس کے ایمانی بھائی (طالب قصاص) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے بھی اس کے قدم بقدم نیکی کرنا اور خوش معاملگی سے (خون بہا) ادا کر دینا چاہیے۔ (البقرہ۔ آیت ۱۷۸)

(۲) ہم نے توریت میں یہودیوں پر یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلہ کان۔ دانت کے بدلے دانت اور زخم کے بدلے ویسا برابر کا بدلہ (زخم) ہے۔ پھر جو (مظلوم) ظالم کی خطا معاف کر دے تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا (۵:۴)

(۳)۔ کسی ایمان دار کو جائز نہیں کہ کسی مومن کو جان سے مارڈالے۔ مگر دھوکے سے (قتل کیا ہو تو دوسری بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو دھوکے سے بھی مارڈالے تو اس پر ایک ایمان دار غلام کا آزاد کرنا اور مقتول کے ورثاء کو خون بہادینا واجب ہے۔ مگر جب وہ لوگ معاف کر دیں۔ (۴:۹۲)

(۴)۔ جو شخص کسی مومن کو مارڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیگا۔ اس پر خدا نے اپنا غضب ڈھایا ہے اور اس پر لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۴:۹۳)

اب چوتھی صورت میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

(۱) خون بہا ادا کرنے سے یا جان کے بدلے جان لینے سے خدا کے ہاں قاتل کی برئت ہوگئی یا نہیں۔

(۲) مومن کے قتل عمد کی صورت میں بھی مقتول کے ورثاء خون بہا لے سکتے ہیں یا نہیں۔ بظاہر تو آیت کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ اس کے لیے جہنم یقینی ہے اور یہاں خون بہا یا قصاص کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ورثاء کو خون بہا لینے کی اجازت نہیں۔

لیکن مفسرین کہتے ہیں کہ پہلی آیت اس پر بھی ایک حد تک حاوی ہے مومن کے قتل کی صورت میں بھی خون بہا لیا جا سکتا ہے اور جان کے بدلے جان بھی لی جا سکتی ہے۔ (قرآن شریف مقبول ترجمہ صفحہ ۱۴۲)

لیکن یہ بھی متفقہ ہے کہ قصاص یا خون بہا لینے سے تو کئی صورتوں میں قاتل کی کامل برئت خدا کے یہاں ہو جاتی ہے اور بعض صورتوں میں اگرچہ برائیت نہ ہو سزا میں ضرور تخفیف ہو جاتی ہے اور عقل بھی کہتی ہے کہ ایسا ہونا چاہیئے۔ پہلی آیت یا ایھاالذین امنو اکتب لیکم القصاص فی القتلے ط الحر بالحر الاتیہ کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب نے جناب امیر المومنین کا قول نقل کیا ہے القتل یقل القتلَ (قرآن شریف مقبول ترجمہ صفحہ ۴۲)

اور آیت ومنَ یقتلا مومناً متعمّدًا فجزاہ جھنم خالداً فیھا کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب کافی اور تفسیر عیاشی سے جناب امام جعفر علیہ الاسلام کی روایت نقل کرتے ہیں کہ امام علیہ لا اسلام سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی مومن کسی مومن کو قصداً قتل کردے تو اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں آپ نے فرمایا کہ اگر باعث قتل کوئی امر متعلق ایمان ہے تو اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس نے غصہ کے باعث یا اشیائے دنیا کے سبب اسکو قتل کیا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس سے قصاص لیا جائے۔ اور اگر کسی کو قتل کی خبر نہیں ہے تو قاتل مقتول کے ورثاء کے پاس جا کر ان کے مورث کے قتل کا اقرار کرلے۔ پھر اگر وہ اس کو معاف کر دیں اور قتل نہ کریں تو پورا خون بہا ان کو دیدے اور ایک بردہ آزاد کرے۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اس کی توبہ ہوگئی۔ (قرآن شریف مقبول ترجمہ صفحہ نمبر ۔۴۲)

اس بحث سے دو امور ظاہر ہوئے: (۱) ایک تو یہ کہ قاتل سے قصاص لینا یا قاتل سے خون بہا لینا دراصل

اس کی توبہ ہے اور خدا کے یہاں اس کی بریت ہے (۲) دوسرے یہ کہ امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی شہادت چونکہ امور ایمان کے متعلق تھی۔ لہٰذا ان کے قاتلوں کے لئے توبہ نہیں ہے اور نہ ان کو قصاص میں قتل کرنا چاہئے۔ اور نہ ان سے خون بہا لینا چاہئے اب دو صورتوں میں سے ایک ضرور ہے۔ یا تو میری بحث کو آپ درست مانیں اور یہ کہیں کہ قاتلان امام حسین کی توبہ قبول ہی نہیں۔ مقتولین کے ورثاء کو چاہے کہ نہ تو ان کو قصاص میں قتل کریں اور نہ خون بہا لیں۔ اگر یہ ہے تو جناب علی ابن الحسینؑ کو خاموش رہنا چاہئے تھا اور وہ خاموش رہے۔ یا آپ کہیں کہ نہیں ان سے بھی قصاص یا خون بہا لیا جا سکتا تھا۔ اگر یہ صورت ہے تو جناب علی ابن الحسینؑ کو کیا پڑی تھی کہ ان سے قصاص یا خون بہا لے کر خدا کے یہاں ان کو بریت دلاتے۔

اب رہا مختار کا قصاص لینا۔ وہ جناب امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کا وارث نہ تھا۔ وہ ان سے شرعی قصاص نہیں لے سکتا تھا ان کی لڑائیاں تو سیاسی لڑائیاں تھیں۔ اس کے قتل کرنے سے ان لوگوں کی بریت خدا کے یہاں نہیں ہو سکتی۔ مختار کا ان کو قتل کرنا خدا کی طرف سے ان کے لیئے عذاب تھا۔ قصاص نہ تھا۔ اس کو قصاص شرعی نہیں کہہ سکتے۔

دنیوی سیاست کی رو سے بھی جناب امام علیہ الاسلام کو خاموش ہی رہنا چاہیے تھا دونوں فریق اہلبیت رسالت میں سے ایک آدمی کو اپنے ساتھ ملا کر اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دیکھو مصعب کے پاس بھی عبید اللہ ابن علی تھے۔ نیت میں خلوص نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ کوفیوں کو کئی دفعہ آزمایا جا چکا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ آخر تک امام کے ساتھ رہتے۔ ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ایک منظم سلطنت کے خلاف فتح حاصل کر سکتے اور اگر بالفرض محال فتح بھی حاصل کر لیتے تو یہ کیا ضرور تھا کہ مختار اپنی سلطنت جناب علی ابن الحسینؑ کو دے دیتا۔ خود حکومت کرتا زیادہ سے زیادہ ان کو اپنا مصاحب بنا لیتا۔ بلکہ اغلب تو یہ ہے کہ آخر میں مامون کی طرح وہ بھی حسد کرنے لگتا۔ یہ تو فتح کی صورت تھی۔ اور اگر شکست ہوتی جو کہ زیادہ ممکن تھا تو پھر تو بنو امیہ کو ایک بہانہ مل جاتا۔ کسی کو زندہ ہی نہ چھوڑتے۔

شیعہ تحریک کی ناکامیابی کے اسباب

مختار کی تحریک ناکامیاب ہو گئی حالانکہ ایسی ہی تحریک ابو مسلم خراسانی کی کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن ان دونوں تحریک میں ذرا فرق بھی تھا۔ ابو مسلم نے اپنا واحد مقصد بنو امیہ کی سلطنت کو گرانا قرار دے لیا تھا اور اس مقصد کی طرف چلا۔ اور یک سوئی کے ساتھ چلا۔ مختار کا کوئی خاص مقصد نہ تھا جو ہاتھ آتا گیا اس پر قبضہ کرتا گیا۔ قاتلان حسین سے بدلہ لینا بھی واحد مقصد نہ تھا۔ اگر واحد مقصد ہوتا تو سوائے اس مقصد کے وہ کسی اور طرف نہ دیکھتا۔ سلیمان ابن صرد کی مخالفت نہ کرتا بلکہ ان سے مل بنو امیہ کا تختہ الٹنے کی کوشش کرتا تو کامیابی کا کچھ امکان ہو سکتا۔ یقین پھر بھی نہ تھا۔ کیونکہ دیگر امور بر خلاف تھے۔

(۱) بنو ہاشم میں سے کوئی اس تحریک کا سردار اور راہبر نہ تھا۔ اس خاندان میں اس وقت تین بزرگ تھے۔ عبداللہ ابن عباس، محمد ابن الحنفیہ۔ اور علی ابن الحسین۔ اور یہ تینوں اس تحریک سے علیحدہ تھے۔ مختار حضرت علی ابن الحسین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور استدعا کی کہ اس تحریک کے لیڈر بنیں۔ انہوں نے قطعی انکار کر دیا اور اس سختی سے انکار کیا کہ پھر مختار کو یہ بات ان سے منہ پر لانے کی جرأت نہ ہوئی۔ محمد ابن حنفیہ سے کئی دفعہ گذارش کی۔ انھوں نے نرمی سے جواب دیئے۔ لیکن رہنمائی سے انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ عبداللہ ابن عباس تو بہت ضعیف تھے اور اندھے تھے۔ اور وہ بھی اس مذاق کے آدمی نہ تھے۔ مختار نے بہت لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جناب محمد ابن الحنفیہ اس تحریک کے لیڈر ہیں لیکن چونکہ محمد بن الحنفیہ کی طرف سے ایسی تائید نہ ہوئی کہ لوگوں کو یقین آ جاتا۔ وہ مختار کو کاذب ہی سمجھتے رہے۔ برعکس اس کے جب عباسیہ تحریک کا آغاز ہوا تو اس کی راہنمائی کے لئے محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس اور اس کا لڑکا ابراہیم ایسے لائق اور دنیا دار آدمی موجود تھے کہ اس تحریک کی کامیابی کا شروع ہی سے یقین کیا جا سکتا تھا۔

(۲) سلیمان ابن صرد اور مختار دونوں نے خروج میں جلدی کی۔ سلیمان نے تو اپنے جوش دینداری کی وجہ سے اور مختار نے ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے۔ سلیمان تو اپنے مقصد میں سچے تھے اور ان کی جلدی بھی سمجھ میں آتی ہے۔ انسان کی موت کا کوئی وقت معین نہیں۔ انھیں ڈر تھا کہ اگر خروج سے پہلے موت آ گئی تو ان کی نجات نہ ہوگی۔ مختار سپاہی تھا اور بہادر سپاہی تھا۔ مدبر اور سیاست داں نہ تھا۔ کوفہ جو عبداللہ ابن زبیر کے قبضہ میں تھا وہاں مختار تقریباً علانیہ اپنی تجاویز و ترکیبیں کرتا تھا۔ جلسے ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی رپورٹ والی شہر کے پاس جاتی تھی۔ اس کو یہ خیال تھا کہ ہم اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ کوفہ پر قبضہ کر لیں گے۔ کوفہ پر تو قبضہ کر لیں گے۔ یہ بھی تو سوچنا چاہیے تھا کہ اس کیا ہوگا۔ عبداللہ ابن زبیر ضرور مداخلت کرے گا۔ اور اس نے کی۔ غالباً مختار کا یہ خیال تھا کہ اس کے بعد چونکہ اب میں نے بنو امیہ کی طرف رخ کر دیا ہے اور سلطنت بنو امیہ سے عبداللہ ابن زبیر کو بھی مخالفت ہے اور دشمن کا دشمن اپنا دوست ہوتا ہے۔ لہذا عبداللہ ابن زبیر مجھ سے تعارض نہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے یہ سلسلہ جنبانی شروع کی لیکن اگر اس عرب میں سپاہ گری کے ساتھ ساتھ سیاست دانی کا بھی مادہ ہوتا تو وہ تین امور پر غور کرتا ایک تو یہ کہ میرے تعلقات جواب تک عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ رہے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ عبداللہ ابن زبیر کو میری خلوص نیت کا یقین ہو جائے اور یوں بھی بادشاہوں میں دوسروں پر اعتبار کرنے کا مادہ کم ہوتا ہے اور کم ہونا چاہیے۔ میں نے ابھی کوئی ایسی بات نہیں کی ہے کہ جس سے عبداللہ ابن زبیر میری طرف سے مطمئن ہو جائے۔ ابھی تو میں نے اس کا ایک صوبہ چھینا ہے۔ بنو امیہ سے تو بعد میں لڑوں گا۔ ابھی تو میں نے عبداللہ ابن زبیر ہی کو نقصان پہنچایا ہے۔ ایک تو اس کے ملک پر قبضہ کرنا اور پھر یہ امید کرنا کہ وہ ہم پر اعتبار کرے سیاسی حماقت کا آخری درجہ ہے۔ ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ مختار عبداللہ ابن زبیر سے پورا پورا مطمئن نہ تھا بلکہ اسطرف سے اسے خدشہ لگا

ہوا تھا۔ اگر یہ بات ہے تو نزدیک کے دشمن کو پیچھے چھوڑ کر آگے دور کے دشمن پر حملہ کرنا یہ کونسی عقلمندی تھی۔ کیا اس کو یہ خیال تھا کہ میں جو قاتل حسینؑ کی طرف جا رہا ہوں یہ بات عبداللہ ابن زبیر کو پسند آئیگی اور وہ مجھ سے ہمدردی کرے گا۔ ہمارا تو خیال نہیں کہ مختار اتنا بے وقوف تھا۔ اگر چہ سپاہیوں کی عقل سے یہ بھی بعید نہیں۔ دوسری بات جو مختار کو سوچنی چاہئے تھی وہ یہ تھی کہ میں جو بنو امیہ کی طرف اپنی طاقت کو بھیج رہا ہوں ایسا نہ ہو کہ موقع پا کر عبداللہ ابن زبیر میری طرف رخ کر دے۔ اور وہ ہی ہوا۔ تیسری بات قابل غور یہ تھی کہ اس شام کی مہم میں یا تو مجھے فتح ہوئی اور یا شکست ہوئی۔ دونوں حالتوں میں عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے خطرہ یقینی ہے۔ اگر فتح ہوئی تو اتنے زبردست مدمقابل کو عبداللہ ابن زبیر کبھی اپنے نزدیک نہ دیکھ سکے گا۔ اور شکست ہوئی تو عبداللہ ابن زبیر کو میدان صاف مل جائے گا۔ دیکھو عبدالملک نے کتنی عقلمندی کی۔ اگر چہ ابراہیم ابن مالک ابن الاشتر نے عبیداللہ کو قتل کر دیا اور اس کی فوج کو شکست دی تب بھی وہ خاموش عبداللہ ابن زبیر اور مختار کی لڑائیوں کو دیکھتا رہا۔ یہ دونوں اس کے دشمن تھے۔ اس نے کہا کہ ان دونوں کو آپس میں لڑ کر اپنی طاقت زائل کر لینے دو پھر دیکھیں گے۔ مختار کو یہ چاہئے تھا کہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتا اور اندرون خانہ لوگوں کو امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آمادہ کرتا۔ ابو مسلم خراسانی کے پاس تو اتنا بڑا ہتھیار نہ تھا پھر بھی سالوں کی خاموش کوشش سے اس نے یہ طاقت حاصل کر لی تھی۔ لیکن مختار کے ساتھ ناانصافی ہوگی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ ابو مسلم و مختار کے حالات میں بہت بڑا فرق تھا۔ خراسان دارالسلطنت سے بہت دور تھا۔ اور ابو مسلم نے بظاہر ایسا کام نہیں کیا تھا جو ارکین سلطنت اس کی طرف سے خبردار ہو جاتے۔ یہاں سب جانتے تھے کہ یہ لوگ قاتلان حسینؑ سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ سلیمان ابن صرد کے خروج نے اس کو الم نشرح کر دیا۔

(۳) مختار دو طاقتور دشمنوں کے درمیان میں تھا ایک طرف عبداللہ ابن زبیر۔ اور دوسری طرف عبدالملک۔

(۴) ابراہیم ابن مالک ابن الاشتر نے نہایت نازک موقع پر مختار کو علیحدہ چھوڑ دیا۔ ایک ہی تحریک میں دو لیڈروں کا ہونا ہمیشہ کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ مختار اور ابراہیم دونوں علیحدہ علیحدہ اپنی ریاست قائم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

(۵) افسوس ہے کہ یہ شیعہ چار سال کے عرصہ میں بھی اپنی طاقت کو منظم نہ کر سکے۔ شیعہ تحریک کا موقع اس وقت تھا کہ جب یزید مر چکا تھا اور معاویہ ابن یزید نے سلطنت کو چھوڑ دیا تھا۔ بنو امیہ کو کوئی بادشاہ نہ ملتا تھا۔ اگر اسوقت شیعہ تحریک منظم ہوتی تو کامیابی اغلب تھی۔ عبداللہ ابن زبیر بھی اگر اسوقت ہمت کرتا تو ساری سلطنت اس کو مل جاتی۔ حصین ابن نمیر نے اسے شام پر قبضہ کر لینے کی دعوت بھی دی لیکن عبداللہ ابن زبیر کی ہمت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

(۶) یہ تحریک ناکامیاب ہوئی کیونکہ اس میں خلوص نیت نہ تھا۔

عبداللہ ابن زبیر مصعب ابن زبیر ابراہیم ابن مالک الاشتر اور عبدالملک

ان چاروں آدمیوں کے واقعات پر ہم سرعت کے ساتھ گذرتے ہیں۔ ہمارا مدعا اس سے صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ اور شاعر کے اس شعر کی حقیقت ثابت ہوئی کہ

گندم از گندم بروید جوز جو
از مکافات عمل غافل مشو

قتل مختار کے بعد ابراہیم ابن مالک الاشتر مصعب سے مل گیا۔ مصعب خود کوفہ میں رہا اور مہلب کو آرمینیا۔ موصل و جزائر آزربائیجان کی طرف بھیج دیا۔ مصعب پھر اپنے بھائی عبداللہ کے پاس مکہ چلا گیا۔ عبداللہ ابن زبیر نے مصعب کو اس کے عہدے سے برطرف کر کے نظر بند کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر ۶۸ ہجری میں اس کو دوبارہ عراق کا گورنر مقرر کر دیا۔

۶۸ ہجری میں مصعب اپنے عہدے پر بحال ہوا تو پہلے بصرہ آیا اور حارث ابن ربیعہ کو کوفہ کا گورنر اپنی طرف سے مقرر کیا۔ اب خارجی پھر فارس سے واپس عراق میں آئے فارس پر مصعب کی طرف سے عمر ابن عبیداللہ مقرر تھا۔ لیکن وہ ان کو نہ روک سکا۔ خارجیوں نے مصعب کے نائب پر مدائن میں حملہ کیا اور اسے شکست دے کر مدائن میں آگئے۔ جب کوفہ والوں کو ان کی دست برد کی خبر ملی تو انھوں نے واویلا مچا دیا۔ اور حارث ابن ربیعہ پر زور ڈالا کہ خارجیوں کے مقابلہ پر نکلے۔ وہ نکل تو کھڑا ہوا لیکن بہت بددلی سے اور راستہ میں تاخیر کرتا ہوا۔ جب لوگ طعن آمیز شعر پڑھتے تھے تو یہ ذرا سی حرکت کر لیتا تھا۔ آخر کار صراۃ پر پہنچا دشمن کی فوجیں بھی یہاں تک آگئی تھیں اور ان کے ہراول دستے دیکھ بھال میں مشغول تھے۔ خارجیوں کی ایک جماعت موضع جو بر میں آگئی وہاں ایک شخص سماک ابن یزید رہتا تھا اور ان کی ایک لڑکی تھی۔ خارجیوں نے سماک بن یزید کو پکڑ لیا۔ اس کی لڑکی فریاد کرتی ہوئی ان کے پاس آئی اور کہا کہ میرے باپ کو قتل نہ کرو۔ اس کی تو صحت بھی اچھی نہیں ہے۔ دماغ اس کا مختل ہے۔ اور اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو میں نہایت معصوم لڑکی ہوں۔ کبھی اپنے گھر سے باہر نہیں گئی۔ کوٹھے تک پر نہیں چڑھی۔ مجھے قتل کر کے تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔ لیکن وہ لڑکی کو پکڑ کر اس کے باپ کے سامنے لائے۔ وہ لڑکی فریاد کرتی جاتی تھی کہ اے مسلمانوں، خدائے واحد کو ماننے والو۔ اچھا یہ تو مجھے بتا دو کہ میرا قصور کیا ہے۔ کیوں تم مجھ کو بغیر کسی گناہ و جرم کے قتل کرتے ہو خدا سے تو ڈرو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ وہ یہ کہتی رہی اور ان وحشیوں نے تلواروں سے اس کے ٹکڑے کر دیئے اور اس کا باپ بے بس قید میں دیکھتا رہا کہ میری سفارش کرنے کے جرم میں میری لڑکی ماری جاتی ہے۔ دیکھو تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۶۵ یہ ہیں وہ خارجی جو جناب امیر کے مقابلہ میں اپنے تئیں قرآن کے معانی کے زیادہ جاننے والے جتاتے تھے۔ یہ سنگ دلی غلط تاویل قرآن کا نتیجہ ہے۔ خارجیوں کی یہ چیرہ دستیاں جاری تھیں۔ اور حارث ابن ربیعہ جو غالباً ان کا ہم خیال تھا سستی کر رہا تھا۔ ابراہیم

ابن مالک الاشتر جواب اپنے آقا کے دشمنوں کی خدمت کر رہے تھے کھڑے ہوئے اور حارث سے کہا کہ آپ مجھے ان کے مقابلے میں بھیج دیں میں ان سے سمجھ لوں گا اور آپ کے سامنے لا کر ان کے سر ڈال دوں گا۔ دوسرے امراء ابراہیم سے حسد کرتے تھے ان امراء نے کہا کہ بہتر ہوگا اگر آپ خارجیوں کے خلاف کاروائی نہ کریں۔ وہ امراء شیث ابن ربعی۔ اسماء ابن خارجہ، یزید ابن الحارث، محمد ابن الحارث اور محمد ابن عمیر تھے۔ خارجیوں نے دریا کا پل توڑ ڈالا۔ پل کو تیار کیا گیا۔ مسلمانوں نے پل کو عبور کر کے خارجیوں پر حملہ کیا وہ مدائن کو بھاگ گئے۔ مسلمانون ان کے تعاقب میں مدائن پہنچے۔ خارجی مدائن سے بھی پیچھے ہٹ گئے اور اصفہان کی طرف چلے گئے۔

۶۹ ہجری میں جب عبدالملک ابن مروان مصعب سے جنگ کرنے کے لئے نکلا تو اپنی طرف سے اپنے چچا عمرو بن سعید ابن العاص کو دمشق میں اپنا نائب مقرر کر دیا۔ لیکن عمرو نے بغاوت کی اور آخر کار شکست کھائی۔ عبدالملک ''خلیفہ رسول'' نے دھوکہ سے اسے اپنے محل میں بلوایا اور نہایت بے رحمی سے اس کے سینے پر بیٹھ کر بکرے کی طرح ذبح کر ڈالا۔ حالانکہ صلح نامہ دونوں کے درمیان میں لکھا گیا تھا۔ ''خلیفہ رسول'' خدا سے نہیں ڈرتے تھے۔ لوگوں کا ڈر تھا۔ لہذا عمرو کی بیوی کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ صلحنامہ واپس کر دو۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ وہ صلحنامہ میں نے عمرو کے کفن کے ساتھ رکھ دیا ہے تا کہ خدا کے سامنے پیش کر کے تمہارے مقابلہ میں دادخواہی کرے۔ ایک اور پر لطف واقعہ اس واقعہ کے دوران میں ہوا تھا۔ جب عبدالملک نے عمرو کو بلوا کر دھوکے سے اپنے محل میں قتل کر دیا تو اسوقت عمرو کے محافظ سپاہی اندر آ گئے تھے۔ عبدالملک نے چال چلی کہ ان کے سامنے روپیہ کی تھیلیاں ڈلوادیں۔ وہ عمرو کو بھول گئے اور ان تھلیوں کو چننے لگے۔ اس کے بعد جب وقت گذر گیا تو عبدالملک نے حکم دیا کہ وہ روپیہ ان سے چھین کر بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔

۷۱ ہجری میں عبدالملک مصعب کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ مقام مسکن پر دیر جاثلیق کے نزدیک ہوا۔ ابراہیم ابن مالک الاشتر اپنے باپ کے آقا کے دشمنوں یعنی مصعب ابن زبیر کی فوج میں ان کی حمایت میں لڑ رہے تھے۔ لڑائی بہت سخت ہوئی۔ ابراہیم ابن مالک الاشتر لڑتے لڑتے مارے گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون دنیا تو ملی نہیں عاقبت کی خبر خدا جانے۔ اب مصعب اپنے سرداروں کو لڑائی کے لیئے آگے بڑھنے کو کہتا تھا۔ لیکن ہر ایک سردار انکار کر دیتا تھا۔ مصعب نے اس وقت یاس سے بھرے ہوئے لہجہ میں کہا۔ ہائے ابراہیم کہاں گیا ابراہیم۔ مصعب نے اب اپنے بیٹے عیسیٰ سے کہا کہ تم مع اپنے ہمراہیوں کے اپنے چچا عبداللہ ابن زبیر کے پاس مکہ جاؤ اور اہل عراق نے جو میرے ساتھ غداری کی ہے اس کا ذکر ان سے کرنا۔ عیسیٰ نے کہا کہ میں تو تمہاری مجبوری کا ذکر کسی سے نہ کروں گا۔ آپ چاہتے ہیں تو بصرہ چلے جایئے۔ مصعب نے کہا کہ میں قریش کو یہ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتا کہ چونکہ بنو ربیعہ نے ترک نصرت کیا وہ بھاگ گیا۔ میں برابر لڑتا رہوں گا تا اینکہ مارا جاؤں۔ اگر تم بھی میدان جنگ میں واپس جانا چاہتے ہو تو بسم اللہ کرو۔ عبدالملک نے اب مصعب کو امان دینے کا

پیغام بھیجا۔ لیکن مصعب نے انکار کر دیا۔ پھر محمد ابن مروان نے عیسیٰ ابن مصعب کو آواز دی کہ اے میرے بھتیجے تجھے امان ہے۔ مصعب نے بھی کہا کہ تیرے چچا نے امان دی ہے تو چلا جا۔ عیسیٰ نے کہا کہ مبادا قریش کی عورتیں اس بات کا تذکرہ کریں کہ میں نے آپ کو قتل ہونے کے لیے سپرد کر دیا اور خود اپنی جان بچالی۔ مصعب نے کہا اچھا آگے بڑھو اور میرے سامنے داد مردانگی دو۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا۔ لڑا۔ مارا گیا۔ اب مصعب تیروں سے زخمی ہو گیا تھا۔ زائدہ ابن قدامہ بڑھا اور مصعب پر یہ کہکر نیزہ کا ایک کاری وار کیا کہ یہ مختار کا بدلہ ہے۔ نیزہ کھا کر مصعب زمین پر گر پڑا اور عبید اللہ ابن زیاد ابن ظبیان نے اس کا سر قلم کر لیا۔ مصعب کے قتل کے بعد عبد الملک نے اہل عراق کو بیعت کی دعوت دی۔ سب نے آکر بیعت کر لی۔ عبد الملک نے مصعب اور اس کے بیٹے کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ دونوں دفن کر دئے گئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخر ۷۱ ہجری مطابق نومبر ۶۹۰ء کا ہے طبری نے وہ روایت بھی لکھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ منگل کے دن ۱۳ جمادی الاول یا جمادی الآخر ۷۲ ہجری کا ہے۔ لیکن ابن خلدون نے ۷۱ ہجری میں ہی لکھا ہے۔

ابن خلدون نے عراقیوں کی بدعہدی اور بیوفائی کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ان لوگوں نے عبد الملک سے رشوت قبول کر لی تھی۔ اور لڑ رہے تھے۔ مصعب کے لشکر میں جب مصعب نے عتاب ابن ورقاء کو ابراہیم بن مالک الاشتر کی کمک کے لئے لڑائی کے دوران میں بھیجا۔ تو ابراہیم کو ناگوار گذرا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے کتنا سمجھایا تھا کہ عتاب ابن ورقاء کو میری مدد کے لئے نہ بھیجنا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عتاب ابن ورقاء نے عبد الملک کی بیعت کر لی تھی اور یہ وعدہ کیا تھا کہ میں لڑائی کے دوران میں بھاگ جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لڑائی کے بیچ میں سے مع اپنے ساتھیوں کے بھاگ گیا۔ اس کو دیکھ کر اور لوگ بھی بھاگے اور ابراہیم ابن مالک الاشتر مارا گیا (اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم صفحہ نمبر ۲۰۱ و ۲۰۲) یہ ہے تاریخ خلافت اسلامیہ جس کے ہر ورق سے خون ٹپکتا ہے اور ہر لفظ میں بدعہدی و بیوفائی بھری ہے۔

اہل کوفہ کی عبد الملک سے بیعت

اب عبد الملک کوفہ آیا اور وہاں خنیلہ پر فروکش ہو کر بیعت لینے لگا۔ ہم دو واقعات بتاتے ہیں جن سے اس زمانہ کے اسلام کا اور زیادہ پتہ لگے گا۔ جب مصعب اور عبد الملک مدینہ میں تھے۔ تو ایک ہی رنڈی مساۃ حبی کے پاس جایا کرتے تھے۔ قتل مصعب کے بعد جب حبی سے کہا گیا کہ مصعب قتل ہوا تو اس نے کہا کہ مصعب کا قاتل ہلاک اور برباد ہو۔ لوگوں نے کہا کہ اسکو عبد الملک نے قتل کیا ہے تو حبی نے کہا کہ میرا باپ قاتل و مقتول دونوں پر قربان ہو۔ (تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۴۷)

جب مصعب کا سر دمشق پہنچا تو لوگوں نے اس کی تشہیر کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن عبد الملک کی زوجہ عاتکہ بنت یزید بن معاویہ نے ان کو روکا اور اس کو غسل دے کر دفن کر دیا (اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم صفحہ نمبر ۲۰۴)

جب عبداللہ ابن زبیر کو مصعب کی شکست وقتل کی خبر معلوم ہوئی تو ایک خطبہ دیا جس میں بیان کیا کہ مجھے زیادہ صدمہ اس بات کا ہے کہ اہل عراق نے مصعب سے بے وفائی کی۔ اور بہت تھوڑی قیمت پر انھیں فروخت کر دیا۔ غالباً عبداللہ ابن زبیر کو یاد نہیں رہا کہ کوفیوں کو یہ سبق آپ ہی نے پڑھایا تھا۔ جب ان کو حضرت علیؑ سے بے وفائی اور بدعہدی کی ترغیب دی تھی۔ اور معاویہ کی طرف سے روپیہ کی تھیلیاں ان میں آپ ہی نے تقسیم کی تھیں۔ وہ ایسا سبق نہ تھا جو وہ بھول جاتے۔ ان کی بحث تو صاف اور سیدھی تھی۔ اور کم سے کم عبداللہ ابن زبیر کے پاس اس کا جواب نہ تھا۔ جب ہم روپیہ لے کر اور آئندہ کے وعدوں کے زیر اثر علیؑ سے بدعہدی کر سکتے تھے تو مختار یا مصعب سے کیوں نہ کریں۔ ہاں خوب یاد آیا۔ علیؑ کا معاملہ تو کچھ دنوں پہلے کا تھا۔ کل ہی کی بات ہے کہ آپ ہی نے یہ سبق مختار کے خلاف دوہرایا تھا۔ اس وقت کی بدعہدی تو آپ پسند آئی۔ مصعب کے خلاف جو بدعہدی ہوئی وہ کیوں باعث ناراضگی ہوئی۔ یہ ہے وہ فطرت انسانی جس کی تہذیب وتادیب کے لئے ہزاروں نبی آئے اور پھر ویسی کی ویسی رہی۔

خوارج و جماعت مہلب کا دلچسپ مکالمہ

مقام سولاف پر مہلب ابن ابی صفرہ اور خارجیوں کے درمیان مسلسل آٹھ ماہ تک شدید جنگ ہوتی رہی۔ مہلب کو مصعب نے اس لڑائی پر بھیجا تھا۔ آٹھ ماہ گذرنے کے بعد مصعب کے قتل کی خبر خارجیوں کو مہلب کی جماعت والوں سے قبل ملی۔ خارجیوں نے ان کے ساتھ اچھا مذاق کیا۔ طبری نے اس گفتگو کو تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں۔

خارجی (خارجیوں نے اپنے لشکر سے آواز دی) مصعب کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔

جماعت مہلب۔ وہ ہمارے پیشوا اور امام ہیں۔

خارجی۔ کیا وہ دنیا اور عاقبت میں تمہارے مولا ہیں۔

جماعت مہلب۔ بیشک۔

خارجی۔ کیا تم زندگی اور موت دونوں حالتوں میں ان کے دوست ہو۔

جماعت مہلب۔ بلاشبہ ہم ان کی حیات میں اور ان کی موت کے بعد ان کے جاں نثار اور وفادار ہیں۔

خارجی۔ عبدالملک ابن مروان کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔

جماعت مہلب۔ وہ سگ ملعون کا بیٹا ہے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اسکی جان ہمارے لئے تمہاری جانوں سے بھی زیادہ حلال ہے۔

خارجی۔ کیا تم اسکی زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اس کے دشمن ہو۔

جماعت مہلب۔ ہم اس کے بھی ایسے ہی دشمن ہیں کہ جیسے تمہارے ہیں۔

اس تمام گفتگو کے بعد خارجیوں نے کہا کہ تمہارے امام مصعب کو عبدالملک ابن مروان نے قتل کر ڈالا۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ جس عبدالملک سے تم آج اتنی بیزاری ظاہر کر رہے ہو اور اس پر لعنت بھیج رہے ہو کل اسی کو تم اپنا امام بنالو گے۔ مہلب کی جماعت والوں نے کہا کہ اے دشمنان خدا تم جھوٹ بولتے ہو۔ جب دوسرا دن ہوا تو انہیں بھی مصعب کے قتل کی خبر معلوم ہوئی۔ مہلب نے عبدالملک کی اطاعت کا اظہار کر دیا۔ اور لوگوں سے عبدالملک کی بیعت لینے لگا۔ اس پر خارجیوں نے پھر ان سے گفتگو کی۔ جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔ (خارجیوں نے ان سے پوچھا)

خارجی۔ اب بتاؤ مصعب کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔

جماعت مہلب۔ اے دشمنان خدا ہم اس کے متعلق اپنی رائے نہیں بتانا چاہتے۔

خارجی۔ کل تو تم کہتے تھے کہ مصعب دنیا و آخرت میں ہمارے آقا و لی ہیں۔ اور ہم زندگی و موت میں انکے شریک ہیں۔ اب بتاؤ عبدالملک کے متعلق اب تم کیا کہتے ہو۔

جماعت مہلب۔ عبدالملک ہمارے امام و خلیفہ ہیں۔

خارجی۔ اے دشمنان خدا کل تک تو تم اس سے دنیا و آخرت میں اپنی بیزاری و بے تعلقی کا اظہار کر رہے تھے اور مدعی تھے کہ تم زندگی اور موت میں اس کے مخالف رہو گے اور یا آج ہی اسے تم نے اپنا امام اور خلیفہ بنا لیا۔ یہ وہ ہی شخص تو ہے جس نے تمہارے امام کو قتل کر ڈالا بتاؤ کہ ان میں سے کون سچا اور راہ راست پر ہے اور کون گمراہ ہے۔

جماعت مہلب۔ اے دشمنان خدا جب ہماری قسمتوں کی باگ مصعب کے ہاتھ میں تھی۔ ہم اس پر خوش تھے اور اب عبدالملک ہمارے معاملات کے افسر ہیں۔

خارجی۔ نہیں بلکہ تم بدکردار، ظالم اور دنیا کے بندے ہو (تاریخ طبری عربی۔ الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۹۱، ۱۹۲)

جو افراد یا جماعت اپنے دین کے ہادیوں اور راہنماؤں کو دینی معیار و دینی اصول پر پسند نہیں کرتی بلکہ اتباع دینی منفعت و اغراض دنیاوی کے لئے ہوتا ہے وہ منطقی اور عقلی بحث مین اسی طرح خائب و خاسر ہوتے ہیں کہ جس طرح مہلب کا لشکر اپنے دشمنوں کے سامنے حقیر نظر آنے لگا۔ لیکن وہ بھی مجبور تھے۔ انہیں شروع سے یہ ہی سبق پڑھایا گیا تھا۔

خارجیوں کی بھی سنئے۔ ایک واقعہ معصوم لڑکی کے قتل کرنیکا تو ہم پہلے سنا چکے ہیں اب دوسرا سنیئے عبدالملک کی جنگ خارجیوں سے جاری تھی عبدالملک کی فوج کے ایک دستہ کی مڈبھیڑ خارجیوں سے ہوگئی۔ یہ دستہ زیر کمان عبدالعزیز بن عبداللہ تھا۔ عبدالعزیز کو شکست ہوئی۔ وہ ایسا بھاگا کہ اپنی بیوی کو جو منذر ابن جارود کی بیٹی تھی اور بڑی حسین تھی چھوڑ کر بھاگ گیا وہ خارجیوں کے قبضہ میں آئی۔ اس کو نیلام کر دیا گیا۔ ایک لاکھ درہم تک اس کی قیمت لگی۔ اس کے قبیلہ کا ایک شخص ابوالحدید وہاں موجود تھا۔ یہ خارجیوں کا سردار تھا۔ اس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے

کہ اس مشرکہ کے حسن و جمال کا جادو چل گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اس عورت کو جس کا گناہ سوائے خوبصورت ہونے کے کچھ اور نہ تھا قتل کر ڈالا۔ اس عورت کے میکے کے لوگ جب ابوالحدید سے ملے تو کہنے لگے کہ ہم نہیں جانتے کہ تیری تعریف کریں یا مذمت۔ ابوالحدید کہتا تھا کہ میں نے یہ فعل عزت وحمیت کے قومی تقاضے سے کیا تھا۔ (الفاروق مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۹۰۸ء بحیات مؤلف حصہ دوم صفحہ نمبر ۲۲۷ لغایت ۲۳۱۔)

ہم حیران ہیں کہ ان لوگوں کے اسلام کو کیا ہو گیا تھا۔ یہ ساری نیرنگیاں قیاس کی تھیں ہر ایک شخص امور دین میں قیاس کرنے لگا تھا۔ اور ہر ایک اپنے قیاس کو صحیح سمجھتا تھا۔ یہ وہ ہی قیاس ہے۔ جس کی مدح میں مولوی شبلی صاحب رطب اللسان ہیں اور حضرت عمر کو جس کا بانی سمجھتے ہیں۔ لیکن قیاس کرنے میں بھی تو یہ لوگ اپنی عقل اور منطق کو کام میں نہیں لاتے۔ سقیفہ سے آج تک قیاس کی بنا انھوں نے اپنی خواہش پر رکھی۔ اگر قیاس کی بناء عقل سلیم پر رکھتے تو پھر بھی خیر تھی۔ لیکن انھوں نے تو قیاس کی بنا اپنی خواہشات وجذبات پر رکھکر قیاس کو جس طرح چاہا موڑ لیا۔

خوارج کا مذہب اور اس پر تنقید

خارجیوں کے جناب امیر المومنینؑ سے علیحدہ ہو جانے کی وجہ صرف یہ انھوں نے بیان کی کہ حضرت علیؑ نے حکم یعنی ثالث کیوں منظور کیا۔ الحکم للہ۔ ثالثی یا حکم قطعی تو خدا کے لئے ہے۔ چونکہ ثالث مقرر کرنے میں حضرت علیؑ خاطی (معاذ اللہ) تھے اور خاطی امام لائق تقلید نہیں لہذا انھوں نے حضرت علیؑ کو چھوڑ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن کو ثالث بناتے اور جو قرآن کے مطابق فیصلہ ہوتا اس پر عمل کرتے۔

اس میں کئی باتیں ہیں جو قابل غور ہیں اور جن سے خارجیوں کی منطق گر جاتی ہے۔

(۱) اس بحث کا نتیجہ نکلا کہ امر خلافت میں قرآن کو ثالث بنانا چاہیے تھا۔ چونکہ قرآن کو ثالث نہیں بنایا لہذا علیؑ و معاویہ دونوں خاطی۔

(۲) اس سے نتیجہ نکلا کہ جس نے بھی خلافت کا فیصلہ قرآن شریف سے نہیں کیا وہ خاطی۔

(۳) سقیفہ میں حضرت ابو بکر کو حضرت عمر نے قرآن شریف کے فیصلہ سے خلیفہ نہیں بنایا۔ وہاں تو قرآن کا ذکر تک نہیں آیا۔ صفین میں قرآن کا ذکر تو آگیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ قرآن کو نظر انداز کیا۔ لہذا خارجیوں کی منطق کے بموجب دونوں خاطی ہوئے۔ لیکن خارجی پہلے تینوں خلفاء کو مانتے ہیں۔ کم سے کم اگر حضرت عثمان میں اختلاف ہے۔ حضرت ابو بکر و عمر کو تو مانتے ہیں۔ یہ کیوں؟

(۴) خارجیوں نے خلافت کے معاملہ میں یہ اصول مانا کہ الحکم للہ۔ مختلف امیدواروں میں سوائے خدا کے اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ گویا وہ خلافت بالنص کے قائل ہوئے پھر لوگوں کے بنائے ہوئے خلیفہ کو کیوں مانتے ہیں۔

(۵) اس اصول کے مطابق یا تو خارجیوں کا کوئی خلیفہ ہی نہیں یا بتائیں کہ وہ کون ہے اور اس کے لئے کیا نص قرآنی ہے۔

(۶) جناب امیر علیہ السلام کے منشاء کو ان کے دشمنوں نے غلط رنگ میں ظاہر کیا شامیوں نے قرآن بلند کئے تھے کہ ہم اس کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں۔ دو ثالث جو مقرر ہوئے تھے وہ اس ہی غرض کے لیئے مقرر ہوئے تھے کہ قرآن شریف میں جو امامت وخلافت کے اصول ہیں اور صحیح خلیفہ کی علامات درج ہیں ان کو مطالعہ کریں اور پھر فیصلہ دیں کہ ان کی رائے میں معاویہ علیؑ میں سے کس میں خلیفہ رُسول ہونے کی صلاحیت واہلیت ہے۔ عمرو العاص نے مکاری کی کہ ابوموسیٰ اشعری کو سمجھایا کہ ہم ان دونوں ہی میں سے کیوں خلفہ مقرر کریں۔ پہلے ان دونوں کو معزول کردو۔ پھر تمام امت میں سے دیکھو کہ بروئے شرائط قرآنی کون خلیفہ ہونے کے لائق ہے۔ ابوموسیٰ اشعری اس جال میں پھنس گیا اور کہدیا کہ میں نے اپنے صاحب یعنی علی کو معزول کردیا۔ اس امید میں کہ اب عمرو ابن العاص کہے گا کہ میں نے معاویہ کو معزول کیا۔ لاؤ خلیفہ اب منتخب کریں۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اس سارے معاملے میں حکم تو وہی خدا کا رہا۔ اور فیصلہ بھی وہی خدا کا رہا۔ یعنی قرآن شریف۔ چونکہ ایک خاموش کتاب ہے اس لئے دو آدمی اس کے صحیح معنی سمجھنے کے لئے مقرر کر دیئے۔ لہذا خارجیوں کا یہ کہنا کہ الحکم للہ کی خلاف ورزی کی گئی بالکل غلط ہے۔

دیکھا آپ نے۔ خارجی دوسروں پر تو خندہ زنی کرتے ہیں۔ خود ان کا مذہب بھی کتنا خلاف عقل سلیم و منطق صحیح ہے۔

عبداللہ بن زبیر اور حجاز بن یوسف کی جنگ اور عبداللہ بن زبیر کا قتل

مصعب کے قتل کے بعد عبدالملک نے حجاج ابن یوسف کو عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ کیا۔ حجاج شامیوں کی دو ہزار فوج کے ساتھ ماہ جمادی الاول ۲ےھ مطابق ستمبر ۶۹۱ء کو روانہ ہوا۔ مدینہ چھوڑتا ہوا عراق کے راستے سے طائف میں ٹھہر گیا۔ طائف میں شعبان ۲ے ہجری مطابق اوائل جنوری ۶۹۲ء میں داخل ہوا۔ یہاں سے مقام عرفہ پر حجاج فوجیں بھیجتا رہا۔ ادھر سے عبداللہ ابن زبیر بھیجتا رہا۔ عرصہ تک اسی طرح ہوتا رہا اور ہر دفعہ عبداللہ ابن زبیر کی فوج کو شکست ہوتی تھی۔ عبداللہ ابن زبیر کے دوستوں اور مددگاروں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد عبدالملک کی اجازت سے حجاج نے غرّہ ماہ ذیقعدہ ۲ےھ مطابق ۲۵/مارچ ۶۹۲ کو عبداللہ ابن زبیر کا محاصرہ کرلیا اور کعبہ پر منجنیقیں چڑھادیں۔

کعبہ کا بہت بڑا حصہ منہدم ہوگیا۔ عبداللہ ابن زبیر نے ان لڑائیوں میں بہت جرأت ومردانگی سے کام لیا۔ آخر کار دس جمادی الاول ۳ے ہجری مطابق ۲۷/نومبر ۶۹۲ قتل ہوگئے۔ چھ ماہ سترہ روز محصور رہے۔ یہ حساب قمری ماہ سے ہے۔ آخر ایام میں ان کے سب دوستوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے دولڑکے حمزہ و

حبیب بھی ان کو چھوڑ کر حجاج کے پاس چلے گئے۔ عبداللہ ابن زبیر کی والدہ اسماء بنت ابی بکر خواہر حضرت عائشہ تھیں۔ ان کا لقب ذات النطاقین تھا۔ کی صد برس کی عمر تھی۔ لیکن بال سفید نہیں ہوئے تھے۔ بینائی بہت اچھی تھی۔ طاقت بھی بنی ہوئی تھی۔ لیکن اپنے بیٹے کے قتل کے پانچ دن بعد، زیادہ سے زیادہ دس دن بعد زندہ رہیں اور پھر انتقال کیا۔

عبداللہ ابن زبیر نہایت بہادر و جری تھے۔ جناب امیرؑ فرمایا کرتے تھے کہ زبیر ہم میں ہی سے تھا۔ جب تک کہ ان کا لڑکا عبداللہ بالغ نہ ہوا تھا۔ عبداللہ نے بالغ ہو کر زبیر کو ہمارے خلاف کر دیا۔ جنگ جمل ان کی ہی ساختہ و پرواختہ تھی۔ جب چشمہ حواب پر حضرت عائشہ پہنچیں تو وہاں کے کتے بھونکے۔ آپ کو یاد آگیا کہ رسول خدا نے فرمایا تھا کہ عائشہ دیکھو تم وہ میری عورت نہ ہونا جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے واپس ہونے کا ارادہ کر لیا لیکن عبداللہ نے خود بھی قسم کھائی اور اوروں سے بھی قسم کھلوادی کہ یہ حواب نہیں ہے۔ مورخ کہتا ہے کہ یہ پہلی جھوٹی قسم تھی جو اسلام میں کھائی گئی۔ مورخ مسعودی کہتا ہے کہ ان کو خلافت کی حرص بہت تھی۔ اور خلافت حاصل کرنے کے لئے انھوں نے ظاہری زہد و عبادت اختیار کر لیا تھا۔ بنو ہاشم کو انھوں نے بہت تکلیف دی (مروج الذہب الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۲)

خلافت کے آگے دل میں کسی کا خیال نہیں کرتے تھے۔ سنگ دل بھی تھے۔ یزید ابن معاویہ نے جب ان کے خلاف لشکر بھیجا تو اس پر عمرو ابن الزبیر عبداللہ ابن زبیر کا بھائی حاکم تھا۔ بھائیوں کے لشکر آپس میں لڑے۔ عمرو ابن الزبیر کو شکست ہوئی اور وہ پکڑا گیا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اسکے ساتھ نیک سلوک کرتا۔ جس طرح حضرت علیؑ نے اپنے مخالفین حضرت عائشہ و خود عبداللہ ابن الزبیر کے ساتھ کیا۔ یا جس طرح رسول خداؐ اپنے دشمنوں کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن اس نے تمام لوگوں کے سامنے دروازۂ مسجد سے عمرہ کو باندھ کر کوڑوں سے اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ (مروج الذہب الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۳)

اس وقت اس کو اپنی بڑھیا ماں کا بھی خیال نہ آیا۔ جو بنو ہاشم کے ساتھ اس نے کیا وہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

نصف شوال ۸۶ھ مطابق ۹ دسمبر ۷۰۵ء کو عبدالملک نے اس دار فانی کو چھوڑا مرتے وقت ہر ایک ظالم و غاصب پچھتاتا ہے۔ عبدالملک نے مرتے وقت کہا کہ کاش میں بوجھ اٹھانے والا قلی ہوتا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ مجتبائی صفحہ نمبر ۱۵۲)

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس خلیفہ نے بخل کیا، جس کے عہد میں غدر ہوا۔ خلیفہ کے سامنے بات کرنا منع قرار پایا۔ امر بالمعروف کرنے سے لوگ روکے گئے۔ وہ عبدالملک ابن مروان ہے۔ نہایت غدار۔ دغا باز اور مکار تھا۔ عمرو بن سعید ابن العاص کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ معاہدہ یہ تھا کہ عبدالملک کے بعد وہ خلیفہ ہوگا۔ لہذا عبدالملک نے اسے قتل ہی کر دیا۔ اسلام میں یہ پہلا دھوکہ تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ مجتبائی)

جب عبدالملک کو اپنے خلیفہ ہونے کی خبر پہنچی تو قرآن شریف کو بند کر دیا اور کہا کہ بس اب یہ تیری آخری ملاقات تھی (تاریخ الخلفاء سیوطی۔ صفحہ نمبر ۱۵۲ امیر علی کی تاریخ سارا سنز انگریزی صفحہ ۱۰۱)

خلیفہ ہونے کے بعد اس نے بہت شراب پینی شروع کر دی۔ یہ کہا کرتا تھا کہ اگر تمہیں لذت کے لیے لونڈی کی ضرورت ہے تو بربریہ لو، اور اگر اولاد کی ضرورت ہے تو ایرانی لو اور اگر خدمت کی ضرورت ہے تو رومیہ لو (تاریخ الخلفاء سیوطی۔ صفحہ نمبر ۱۵۵)

محمد ابن الحنفیہ کا ۸۱ ہجری میں۔ مہلب بن ابی صفرہ کا ۸۲ھ میں اور عبدالعزیز ابن مروان کا ۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

حکومت ولید

عبدالملک ابن مروان کے بعد اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ یہ بہت جبار و ظلم بادشاہ تھا۔ عمر ابن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ ولید شام میں، حجاج عراق میں۔ عثمان بن حجارہ حجاز میں اور قرہ بن شریک مصر میں بس دنیا تو ظلم و جور سے بھر گئی۔ اس کے ہی زمانہ میں ہند اور ہسپانیہ فتح ہوئے۔ حجاج کا ظلم مشہور ہے۔ شیعیان علی کو ڈھونڈھ کر نکالا اور قتل کیا۔ حضرت علیؑ کے نام سے نفرت کرتا تھا۔ ہر وقت ان پر لعن طعن کرتا رہتا تھا۔ جو شخص ذرا بھی علیؑ کی تعرف کرتا یا اسے قتل کرا دیتا۔ سعد ابن جبیر نہایت متقی، پرہیزگار تھے۔ ان کو بھی علیؑ کی محبت کے جرم میں قتل کیا۔ اور یہ اس کا آخری خون ناحق تھا۔ ۹۵ ہجری میں خداوند تعالیٰ نے اس کو ان تمام خون ہائے ناحق کی جواب دہی کے لئے اپنے پاس بلا لیا۔ ابوالفدا، مورخ لکھتا ہے کہ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو بے گناہ قتل کرایا تھا۔ خداوند تعالیٰ کا حلم بھی ایسا ہی عظیم الشان ہے کہ جیسا اس کا قہر۔ جب ایک لاکھ بیس ہزار بندگان خدا کا قتل ہو چکا تب اسکی طلبی ہوئی نصف جمادی الآخر ۹۶ھ مطابق فروری ۷۱۵ء میں ولید کا انتقال ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۴۳ سال کی تھی۔ اس کے ہی زمانہ میں حضرت علی ابن الحسینؑ کا انتقال ہوا اور جناب محمد الباقرؑ کی امامت کا زمانہ شروع ہوا۔

باب ﴿۷﴾

جناب محمد الباقر علیہ السلام کے زمانے کے واقعات

(۲) درزمان امامت

آپ کے زمانہ امامت میں بنوامیہ کے چار بادشاہ گذرے ہیں۔

یعنی (۱) سلیمان اول ولد عبدالملک ۹۶ھ ۷۱۵ء تا ۹۹ھ ۷۱۷ء

(۲) عمر ابن عبدالعزیز ۹۹ھ ۷۱۷ء تا ۱۰۱ھ ۷۲۰ء

(۳) یزید ثانی ۱۰۱ھ ۷۲۰ء تا ۱۰۵ھ ۷۲۴ء

(۴) ہشام اول ۱۰۵ھ ۷۲۴ء تا ۱۲۵ھ ۷۴۳ء

جناب محمد الباقرؑ کا انتقال ۱۱۴ھ مطابق ۷۳۳ء میں ہوا۔

قبل اس کے کہ اس مضمون میں ہم آگے چلیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک معاملہ پر بحث کیجائے۔ تمام محدثین و مورخین ہر فرقہ کے اس امر پر متفق ہیں کہ عبدالملک نے ۷۶ھ میں (اور بقول مسعودی ۷۴ھ اور بقول مسٹر امیر علی ۷۷ ہجری میں) درہم و دینار کا سکہ عربی حروف کے ساتھ بنوا کر اپنے ملک میں رائج کیا۔

(الف) (تاریخ طبری عربی۔ الجزو السابع صفحہ نمبر ۲۴۲ تاریخ الکامل ابن اثیر اردو ترجمہ خلافت بنوامیہ حصہ دوم صفحہ ۵۶ تاریخ الخلفاء سیوطی عربی مطبوعہ مجتبائی پریس صفحہ ۱۵۲۔ اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم ۲۳۱۔ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصرہ صفحہ ۴۵۱)

اسلام میں عبدالملک نے سب سے پہلے سکہ اپنے ملک میں مضروب کرایا تھا۔ ابن خلدون، سیوطی، ابن الاثیر وغیرہم نے وجہ بھی بتائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس خط کے عنوان پر جو عبدالملک نے بادشاہ روم کے پاس بھیجا تھا۔ کلمہ توحید، قل ہو اللہ احد اور جناب رسول خداؐ کا نام لکھا ہوا تھا۔ قیصر کو یہ برا لگا اور اس نے لکھ بھیجا کہ عنوان خط پر ایسے مضامین نہ لکھا کرو ورنہ ہم درہم و دینار پر تمہارے نبی کا ذکر اس طرح کریں گے کہ تمکو برا لگے گا۔ عبدالملک کو بہت برا لگا اور اسے فکر بھی ہوا۔ لوگوں سے مشورہ کیا۔ سنی مورخین لکھتے ہیں کہ خالد ابن یزید ابن معاویہ نے صلاح دی کہ رومیوں کے درہم و دینار کو ترک کر دو اور اپنے ہی ملک میں ضرب سکہ کراؤ۔ لوگوں سے مشورہ کرنیکا ذکر ابن خلدون نے لکھا ہے ابن الاثیر تو کہتا ہے کہ صرف خالد ابن یزید بن معاویہ کو بلایا اور اس نے ضرب سکہ کی صلاح دی۔ لیکن چند شیعہ مورخین یہ کہتے ہیں کہ یہ صلاح جناب محمد الباقرؑ نے دی تھی۔ جب ان کو مدینہ سے دمشق بلایا تھا۔ خان بہادر سید اولاد حیدر اپنی مآثر الباقریہ صفحہ ۱۸ میں لکھتے ہیں کہ اس مشورے کے لیے دمشق سے تمام ممالک

اسلامیہ سے لوگ بلائے گئے۔ ان میں جناب محمد الباقرؑ بھی تھے۔ لیکن انکو شک ہے کہ یہ کس بادشاہ کے وقت کا واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ولید یا عبدالملک کے زمانہ کا ہے۔ کسی کتاب کا حوالہ دیئے۔ اور نہ سنہ لکھا ہے۔ اعیان الشعہ میں سید محسن الامین نے ابراہیم ابن محمد البیہقی کی کتاب المحاسن والمساوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس غرض کے لئے خاص طور سے عبدالملک نے آدمی بھیجکر جناب محمد الباقرؑ کو بلوایا لیکن آپ وہاں گئے نہیں۔ قاصد ہی کو سب کچھ بتادیا کہ اس طرح اس وزن کا۔ اس نقش کا دینار اپنے ملک میں ہی بنوالو اور قاصد واپس چلا گیا۔ یہ روایت کسائی کی ہے۔ جس کو یہ واقعات ہارون الرشید نے بتائے تھے (الف) (اعیان الشیعہ الجزء الرابع القسم الثانی صفحہ نمبر ۵۴)

ظاہر ہے کہ یہ دونوں روایتیں تاریخ حیثیت سے کچھ وزن دار نہیں ہیں۔ اتنے عرصہ کے بعد ہارون الرشید کا راوی بننا کیا وقعت رکھتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ کوئی سلسلہ رواۃ ہی نہیں بتاتا۔ ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی اس معاملہ پر صرف اتنا لکھتے ہیں: ''اس نے ۷۵ ہجری میں امام محمد باقرؑ کی صلاح سے اسلامی سکہ جاری کیا۔ اس سے پہلے روم وایران کا سکہ اسلامی ممالک میں جاری تھا (تاریخ اسلام جلد اول مطبوعہ ۱۹۱۸ء صفحہ نمبر ۴۲)

انھوں نے بھی کوئی حوالہ نہیں دیا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۷۴ھ کا ہے۔ گویا اس واقعہ کے وقت جناب محمد الباقر کی عمر ۱۷ یا ۱۸ سال کی تھی۔ اور ان کے والد جناب علی ابن الحسینؑ زندہ تھے۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ اس خاندان کے بچے بھی علم وعقل کے معدن ہوا کرتے۔ لیکن یہ عقیدہ اس حکومت کا تو نہ تھا جس نے لوگوں کو طلب کر کے یہ مشورہ لیا تھا۔ وہ اگر اس خاندان میں سے طلب کرتی تو سن رسیدہ تجربہ کار باپ کو برائے مشورہ طلب کرتی نہ کہ ۱۷ سال کے نوجوان بیٹے کو۔ ہم تو اس کو کوئی ایسی بات نہیں سمجھتے جو جناب محمد الباقرؑ یا ان کے شیعوں کے لئے باعث فخر ہو۔ ایسی صلاح تو ان سے کم درجے کے لوگ بھی دیدیتے ہیں۔

سکہ سازی اور اوزان

سکہ سازی کا ذکر نکل آیا۔ اور اکثر اوزان کا بیان آتا رہتا ہے۔ لہذا اوزان کی تفصیل بیان کردینی ضروری ہے۔ اسلام سے پہلے اور تقریباً عبدالملک کے زمانہ تک عرب کا کوئی اپنا سکہ نہ تھا۔ قیصر روم کے دینار اور ایران کے درہم جن کو بغلیہ کہتے تھے رائج تھے لیکن بطور سکے کے نہیں چلتے تھے بلکہ بطور چاندی یا سونے کے تل کر دوسری چیزوں کے حصول کے لئے خرید وفروخت میں دیئے جاتے تھے۔ ان کے یہاں وزن ۷ مثقال ہوتا تھا۔ ایک رطل ۱۲ اونس کے برابر ہوتا تھا اور ایک اونس چالیس درہم کے برابر ہوا کرتا تھا۔ جناب رسول خدا نے ان اوزان اور ان سکوں کو جاری رکھا۔ خلافت حضرت بوبکر عمر۔ عثمان وعلی اور سلطنت معاویہ میں بھی یہ اسی طرح جاری رہے۔ اس کے بعد عبداللہ ابن زبیر کے ایام میں مصعب ابن زبیر نے ان دراہم سے چھوٹے دراہم ضرب کرئے۔ جب عبدلملک خلیفہ ہوا تو اس نے حکم دیا کہ دینا ودرہم ضرب کیئے جائیں۔

مثقال اسم آلہ ہے۔ ثقل سے مشتق ہے۔ مفعال کے وزن پر۔ جیسے مضراب۔ مفتاح ثقل کے معنی ہیں بوجھ یا وزن کے۔ لہذا ہر ایک وزن کرنے کے آلے کو مثقال کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح تولنے کے آلے کو میزان (وزن) کہتے ہیں۔ گویا میزان ترازو ہوا اور ثقل بٹا۔ ایک مثقال ۲۰ قیراط کا ہوتا ہے۔ اور ایک قیراط پانچ ایسے جو کے برابر ہوتا ہے جن کا چھلکا نہ اتارا ہوا ہو لیکن دونوں سرے تراش دیئے ہوں۔ دینار اصل میں دنار تھا۔ دونوں تھے۔ تاکہ مصدر کا مغالطہ نہ ہو۔ ایک نون کو ی سے بدل دیا۔ اس کے لغوی معنے ہیں سونے کا گول سکہ۔ اصطلاح میں ایک مثقال سونے کے وزن کو کہتے ہیں۔ منتہی الارب میں لکھا ہے کہ اس کا وزن ۱/۲۔۳ ماشہ ہوتا ہے اسی طرح درہم چاندی کے گول سکے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس سکے کے وزن کو درہم کہتے ہیں جس طرح ہم ایک سیر کے وزن کو بھی سیر کہتے ہیں اور جو چیز ایک سیر کے برابر ہو اسے بھی کہتے ہیں کہ یہ ایک سیر ہے۔ انگریزی میں اسطرح نہیں ہے۔ وہاں of یعنی کا بڑھا دیتے ہیں۔ درہم کے مختلف وزن رہے ہیں ۱/۲ مثقال سے لے کر ایک مثقال تک ۔ حضرت عمر کے زمانے میں اس کا وزن ۷/۱۰ مثقال کر دیا گیا۔ یہی وزن زکوۃ میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عام طور سے ایک درہم نصف مثقال کا ہوتا ہے۔ اس طرح گویا سونے کی قیمت چاندی کی قیمت سے ۱:۵ کی نسبت سے ہوئی ہملٹن (Hamilton) نے ہدایا کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔ اس میں ایک درہم کی قیمت تقریباً دو پنس اسٹرلنگ رکھی ہے۔

سلیمان کے عہد کے دو احمقانہ حکم

سلیمان اور عمر ابن عبدالعزیز کے زمانے اہلبیت رسالت کے لئے زیادہ برے نہ تھے۔ لیکن سلیمان کے عہد میں دو حکم نہایت احمقانہ صادر ہوئے جن سے سلطنت اسلامیہ کو نقصان پہنچا۔ سلیمان کی طرف سے یزید ابن مہلب عراق کا گورنر تھا اور سندھ علاقۂ عراق میں تھا یزید نے محمد بن قاسم فاتح سندھ کو واپس بلا لیا اور اس کے بجائے اپنے بھائی حبیب کو وہاں بھیج دیا۔ یہ اقرباء پروری کی بدترین مثال تھی کیونکہ حبیب مطلقاً اس عہدے کا اہل نہ تھا۔ اور محمد بن قاسم کی بڑھتی ہوئی فتوحات کو روک دیا۔ دوسرا حکم یہ تھا کہ موسیٰ و طارق فاتحان ہسپانیہ کو واپس بلا لیا۔ یہ حکم تو دراصل ولید نے صادر کیا تھا۔ تعمیل سلیمان کے زمانے میں ہوئی۔ موسیٰ کو نظر بند کر دیا اور اس کے بیٹے عبدالعزیز کو جو اشبیلیہ کا گورنر تھا قتل کرا دیا۔ اگر یہ حاسدانہ حکم جاری نہ ہوتا تو چارلس مارٹل کو وہ موقعہ نہ ملتا جو اسے ملا۔ اور فرانس فتح ہو جاتا۔ اور پھر سارا یورپ مسلمانوں کے زیر تحت آ جاتا۔

سلیمان بہت کھانے والا تھا۔ ایک صدر طل شامی ایک وقت میں کھاتا تھا۔ ایک رطل تقریباً آدھ سیر کے برابر ہوا۔ صبح کا ناشتہ حمام سے نکلنے کے بعد میں بھیڑ کے بچے اور چالیس چپاتیاں ہوا کرتا تھا۔ یہ اکیلا کھا جاتا تھا اور پھر بدستور دن کا کھانا ایک صدر طل کھاتا تھا۔ ایک دفعہ ستر انار ایک چھ مہینے کا بکرا اور ۶ مرغیاں اور ۶ سیر منقے ایک ہی دفعہ کھا گیا۔ (مروف الذہب مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۱۱۲)

عمر بن العزیز اور واپسی فدک

اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز بادشاہ ہوئے۔ یہ بنو امیہ کے بہترین بادشاہ تھے۔ اب تک معاویہ کی ایجاد کی ہوئی یہ سنت جاری تھی کہ تمام مملکت اسلامیہ کی ہر ایک مسجد کے منبر پر سے ہر جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ میں حضرت علیؑ پر سب وشتم کی جاتی تھی وہ رسم عمر بن عبدالعزیز نے بند کرادی۔ بنو ہاشم سے نرمی برتنے لگے۔ فدک اولاد مروان سے نکال کر اس طرقہ پر کردیا جس طرح وہ ابوبکر وعمر کے زمانہ میں تھا۔ بنو امیہ سب کچھ برداشت کر لیتے۔ لیکن بنو ہاشم کی طرف جو عمر ابن عبدالعزیز کا رجحان تھا وہ نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ لہذا ان کو زہر دیدیا اور انھوں نے انتقال کیا (تاریخ طبری الجزء السابع عربی صفحہ نمبر)

یہ بھی ایک ثبوت ہے اس بات کا کہ بنو امیہ دل سے کافر تھے۔ اگر مسلمان ہوتے تو ان کا اعتقاد اس آیت پر ہوتا ومن قتل مومناً متعمدافجزاته جهنم۔ اور وہ عبدالعزیز جیسے بادشاہ کو جس کو پانچواں خلیفہ راشد کہا گیا ہے۔ بغیر کسی جرم کے قتل نہ کرتے۔

چند مورخین کا جن میں سے ایک ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی ہیں یہ خیال ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے فدک اولاد فاطمہ کو واپس دیدیا، چنانچہ ماسٹر ذاکر حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں "باغ فدک جو رسول اللہ صلعم کی ملکیت تھا اور ان جناب کے ورثاء کو نہ ملا تھا۔ اور بعد میں حضرت عثمان نے مروان کو دے ڈالا تھا۔ ان جناب کی اولاد کو واپس دیدیا"۔ (تاریخ اسلام جلد اول مطبوعہ دہلی ۱۹۱۸ء صفحہ نمبر ۴۴)

یہ تو درست ہے کہ حضرت عثمان نے اس باغ کو مروان کے حق میں ہبہ کردیا تھا اور عمر ابن عبدالعزیز نے وہ ہبہ منسوخ کر کے اسکو اس حالت میں کردیا تھا کہ جس میں وہ عمر ابن عبدالعزیز کے خیال میں حضرات شیخین کے زمانہ میں تھا۔ اولاد فاطمہ کو نہیں دیا۔ طبری، ابن خلدون اور ابن الاثیر نے تو فدک کا ذکر عمر ابن عبدالعزیز کے سلسلہ میں کیا ہی نہیں۔ ماسٹر ذاکر حسین صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ کتب تواریخ میں اس کی تصریح نہیں۔ ہاں علامہ بلاذری نے عمر ابن عبدالعزیز کا وہ خطبہ نقل کیا ہے جس میں یہ حکم ہے۔ ہم اس کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

"ان عمربن عبدالعزیز لماولی الخلافته خطب فقال ان فدك كانت ممّا افاء الله رسوله ولم یوجف المسلمون علیه بخیل ولا رکاب فسالته ایاهافاطمه رحمهاالله تعالیٰ، فقال ما کان لك ان تسئلنی وما کان لی ان اعطیك فكان یضع ماياتیه منهافی ابناء السبیل ثم ولی ابو بكر و عمر وعثمان و علی رضی الله عنحم فو ضعواذلك بحیث وضعه رسول الله صلی الله علیح وسلم ثم ولی متعاویته فاقطعها مروان ابن الحكم فو هبها مروان لا بی ولعبدالملك فصارت لی للولید وسلیمان فلما ولی الولید سالته حصته منها فوهبها لی و سالت سلیمان حصته منها فو حبهالی فاستجمعتها وما کان لی من مال احب الی منها فاشهد وا انی قدر دد

تھا الی ما کانت علیہ " (فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء صفحہ نمبر ۴۵ و ۴۶)

ترجمہ۔ جب عمر ابن عبدالعزیز کا قبضہ خلافت پر ہوا تو انھوں نے خطبہ دیا اور کہا "فدک جناب رسول خدا کی ملکیت تھی۔ خدا نے ان کو دیا تھا کیونکہ مسلمانوں نے ان کے لئے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ جناب فاطمہؑ نے رسول خداؐ سے مانگا کہ مجھے دیدو۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے مناسب نہ تھا کہ تم یہ سوال مجھ سے کرتیں۔ اور نہ میرے لئے یہ مناسب ہے کہ یہ میں تم کو دیدوں پس جناب رسول خدا اسکی آمدنی مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی یکے بعد دیگرے والی خلافت ہوئے تو انھوں نے بھی فدک کو اسی طرح رہنے دیا جس طرح رسول خداؐ نے رکھا تھا۔ پھر معاویہ خلیفہ ہوا اس نے فدک کو مروان کے حق میں بطور جاگیر کے دیدیا اور مروان نے میرے والد اور عبدالملک کے حق میں ہبہ کردیا۔ پھر ان کے بعد میں ولید و سلیمان اس کے مالک ہوئے۔ جب ولید بادشاہ ہوا تو میں نے اس کا حصہ جو فدک میں تھا اس سے مانگا اس نے مجھے ہبہ کردیا۔ اور اسی طرح سلیمان سے اس کا حصہ جو اس میں تھا میں نے مانگا اس نے مجھے ہبہ کردیا۔ پس اب کل کا مالک میں ہوگیا۔ اور مجھے کوئی مال فدک سے زیادہ پسند نہ تھا۔ اب تم لوگ گواہ رہو کہ مین فدک کو اس ہی حالت میں واپس کرتا ہوں جس میں وہ پہلے تھا"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کرتا ہوں۔ کیونکہ اس کے عقیدے کے مطابق فاطمہؑ کو تو رسول خدا نے باوجود مانگنے کے نہ دیا۔ جب وہ فاطمہؑ کی ملکیت نہ ہوئی تو اولاد فاطمہؑ کو کیا واپس کرتا۔ اسکے بعد فاضل مؤلف نے مامون کا حال لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ان کا یقین تھا کہ ابوبکر نے غلطی کی۔ فدک فاطمہؑ کو جناب رسول خداؐ نے ہبہ کردیا تھا۔ اس لیے مامون نے اس فدک کو اولاد فاطمہؑ کے حق میں اپنے فرمان مورخہ روز چہارشنبہ ۲؍ذی القعدہ ۲۱۰ ہجری (مطابق ۱۴؍فروری ۸۲۶ء) واپس کردیا۔ یہ مکمل فرمان ہم نے اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ دوم مین مع ترجمہ کے نقل کیا ہے۔ اور اس فرمان میں ہر ایک ضروری تفصیل درج ہے۔

اس ضمن میں علامہ ابن شہر آشوب اپنے مناقب مجلد الخامس کے صفحہ ۱۷ پر ہشام ابن معاذ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

هشام ابن معاذ فی حدیثه قال لما دخل المدینته عمر ابن عبدالعزیز قال منادیه من کان له مظلمتة اوظلامه فلیحضر فاتاه ابوجعفر الباقر علیه السلام فلما ر الا استقبله واقعده مقعده فقال علیه السلام انما الدنیا سوق من الاسواق یبتاع فیهاالناس ما ینفعهم وما یضرهم وکم قوم ابتاعوا ماضرهم فلم یصبحوا حتی اتا هم الموت فخو جو امن الدنیا ملومین لما لم یا خذ والم ینفعهم فی الاخرةفقسم ما جمعوالمن لم یحمد هم وصارو الی من لا یعذر هم فنحن و الله حقیقون ان تنظر الی تلك الاعمال التی کناتتخوف علیهم منها فکفّ عنها واتق الله

واجعل فی نفسك اثنتین انظر الی ماتحب ان یکون معك اذا قدمت علی ربك فقدّمة بین یدیك وانظره الی ماتکره ان یکون معك اذا قدمت علی ربك فارمه وراك ولا ترغبن فی سلعته بارت علے من کان قبلك فترجوا ان یجوز عنك وافتح الابوابو سهل الحجاب و انصف المظلوم وردالظالم ثلاثة من کن فیه استکمل الایمان بالله من اذارضی لم ید خلد رضاً فی باطل ومن اذا غضب لم یخرجه غضبه من الحق و من اذا قدر لم یتنا ول مالیس له فد عاعمر بد وات و بیضا وکتب بسم الله الرحمٰن الرحیم هذا ما ردّ عمر بن عبد العزیز ظلامته محمد ابن علی ابن الحسین بن علی ابی طالب بفدك۔

ترجمہ۔ ہشام ابن معاذ کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز داخل مدینہ ہوا تو اس کے منادی نے ندا کی کہ ہر وہ شخص جو داد و انصاف چاہتا ہے یا جس کے اوپر ظلم ہوئے ہیں۔ حاضر ہووے۔ پس جناب محمد الباقر علیہ السلام عمر ابن عبدالعزیز کے پاس آئے جب عمر ابن عبدالعزیز نے ان کو دیکھا تو ان کا استقبال کیا اور ان کو ان کی مناسب جگہ پر بٹھایا۔ پس جناب محمد الباقر علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا بازاروں میں سے ایک بازار ہے۔ جہاں لوگ وہ چیز بھی خریدتے ہیں جو ان کو نفع دیتی ہے اور وہ چیز بھی خریدتے ہیں جو ان کو نقصان دیتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو وہی چیز خریدتے ہیں جو ان کو نقصان دیتی ہے۔ لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے یہاں تک کہ ان کی موت آجاتی ہے۔ پس وہ دنیا سے یہ حسرت لے کر جاتے ہیں کہ کاش انھوں نے وہ چیز کیوں نہ لی جو ان کو آخرت میں نفع پہنچاتی پس ایسے لوگ بھی ہیں جو ان لوگوں کی طرف جمع ہو جاتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں جو نہ تو ان کی حفاظت کر سکیں اور نہ ان کو گناہ سے بچا سکیں۔ پس بخدا ہم اہل بیت رسولؐ ہی حقیقت میں ان کے اعمال کی طرف دیکھتے ہیں۔ جن کا ہم کو ان سے خوف تھا کہ وہ ان کے مرتکب ہوں گے۔ پس ایسے برے اعمال سے بچو۔ خدا سے ڈرو اور اپنے دل میں تم دو باتوں کا خیال رکھو ایک تو ان اعمال کی طرف نظر رکھو جن کو تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ ہوں۔ جب تم خدا کے سامنے پیش ہو۔ پس ایسے اعمال کو اپنے جانے سے پہلے خدا کے پاس بھیج دو اور دوسرے ان اعمال کی طرف نظر کرو جن کو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ نہ رہیں جب تم خدا کے سامنے پیش ہو۔ پس ایسے اعمال کو اپنے پس پشت ڈال دو یعنی ان کے مرتکب نہ ہو۔ اپنے مکان کے دروازوں کو کھول دو۔ تمہارے اردگرد جو حجاب ہیں انکو ہٹا دو۔ مظلوم کا انصاف کرو اور ظلم ظالم سے اس کی داد دلاؤ۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں گی اس کا ایمان کامل ہوگا۔ ایک یہ کہ اسکی خوشی اس چیز میں نہ ہو جو باطل ہو۔ یعنی باطل کے حصول میں اپنی خوشی کو نہ رکھے۔ دوسرے وہ کہ جب اسے غصہ آئے تو اس کا غصہ اس کو حق سے باہر نہ کر دے اور تیسرے وہ جس کو قدرت حاصل ہو ایسی شکو نہ لے جو اس کی نہ ہو۔ پس عمر ابن عبدالعزیز نے دوات کاغذ منگایا اور یہ لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بذریعہ اس تحریر کے عبدالعزیز واپس کرتا ہے محمد ابن علی ابن الحسین کو فدک جو ان سے بذریعہ ظلم لے لیا گیا تھا۔

قاضی نوراللہ شستری شہید ثالث اس ضمن میں کچھ زیادہ تفصیلات بیان کرتے ہیں۔
(دیکھو مجالس المومنین مطبوعہ ممبئی تقطیع کلاں صفحہ نمبر ۲۲۔۲۳)

جب خلافت عمر ابن عبدالعزیز کو پہنچی تو اس نے فدک اولاد فاطمہ کو رد کر دیا۔ بنو امیہ اور اہل شام نے کہا کہ تم نے فدک کو اس طرح واپس کرنے میں ابوبکر و عمر پر طعن کیا ہے کہ وہ غلطی پر تھے اور ظالم تھے۔ عمر ابن عبدالعزیز نے کہا کہ یہ تو ہم سب کے نزدیک امر مسلمہ ہے کہ فاطمہؑ دختر رسول تھیں، ان کے قبضہ میں فدک تھا۔ فدک چھننے کے بعد انھوں نے دعویٰ کیا۔ اور علیؑ و ام المین وام سلمہ کو گواہ گذارا۔ یہ ان کی شان سے بعید تھا کہ وہ جھوٹ بولتیں یا جھوٹا دعویٰ کرتیں۔ میرے نزدیک تو ان کا فقط دعویٰ کرنا ہی کافی تھا۔ گواہی کی ضرورت نہ تھی۔ اور میں نے فدک واپس کرنے میں انصاف کیا ہے اور امیدوار ہوں کہ فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ بروز قیامت میری شفاعت کریں گے۔ اور اگر میں ابوبکر و عمر کے بجائے ہوتا تو محض ان کے دعوے کو کافی سمجھتا اور گواہی طلب نہ کرتا۔ اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب عمر ابن عبدالعزیز نے فدک جناب محمد الباقرؑ کو واپس کر دیا تو بنو امیہ نے کہا کہ طعنت علی الشیخین یعنی تو نے شیخین پر طعن کیا۔ عمر ابن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ ایسا فعل کر کے خود شیخین نے اپنے تئیں مطعون بنالیا۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

القصّه ابن عبدالعزیز بر غم انف منافقاں فدك را بامام محمد باقر علیه السلام تسلیم نموده و درست ایشان بود تا عمرابن عبدالعزیز وفات یافت و بعد ازاں خلفائے بنی عباس آنهاکه فضیلتے و انصافے و معر فتے بحق اهلبیت علیهم السلام داشتند مانند مامون و معتصم و واثق فدك راباو حضرت فاطمه علیهاالسلام رونمودند و چون نوبت بر متوکل ناصبی رسید آنرا ازایشان گرفته حبجام خود دادو بعد ازان مقضدردو بعدازان معتضدر دآن نمود و مکتفی باز گرفت و مقتدر رونمود۔

یعنی القصہ عمر ابن عبدالعزیز نے منافقین کی ناک امیٹھ کر فدک کو جناب محمد الباقرؑ کو دے دیا۔ اور وہ ان کے پاس تھا یہاں تک کہ عمر ابن عبدالعزیز فوت ہو گیا۔ اس کے بعد بنو عباس کے ان بادشاہوں نے جو صاحب فضیلت تھے اور حب اہل بیت رکھتے تھے اور اہلبیت کا حق پہچانتے تھے، مثلاً مامون، معتصم و واثق، فدک کو اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا۔ اور جب متوکل ناصبی کی نوبت آئی تو ان نے فدک چھین کر اپنے حجام کو دیدیا۔ اس کے بعد معتضد نے واپس دیدیا مکتفی نے پھر لے لیا اور مقتدر نے واپس کر دیا۔

یہ بحث اتنی اہم نہیں ہے کہ اسکو زیادہ طول دیا جائے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ نہ تو علامہ شہر آشوب نے اور نہ علامہ قاضی نوراللہ شوستری شہد ثالث نے بلاذری کی فتوح البلدان کا ذکر کیا اور نہ بلاذری کی روایت پر تنقید کی اور نہ اپنی روایت ماخذ بتایا۔ اگر اس کی روایت صحیح مانی جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے فدک اولاد

فاطمہ کو واپس نہیں دیا بلکہ مروان کے ہبہ کو ہی جائز سمجھ کے موہوب الیہم کا حصہ خود لے لیا اور پھر سارا فدک اس حالت میں کر دیا جس میں کہ وہ ابو بکر و عمر کے زمانہ میں تھا اور جو خلوص ومحبت اسے اپنے نانا حضرت عمر سے تھی وہ بھی اس کی متقاضی ہے کہ اس نے ان کے کئے ہوئے کام کو رد نہ کیا ہوگا۔ ان کا کوئی لفظ ہم نے حضرات شیخین کے خلاف نہیں سنا اور حضرت شہید ثالث کی روایت میں ایک شبہ رہ جاتا ہے۔ وہ یہ کہ زید ابن حسن تو جناب محمد الباقر کے خلاف اوقاف علی کی نسبت مقدمہ کرتے رہے ہیں۔ ایسی خاموشی سے انھوں نے فدک جناب محمد الباقرؑ کے پاس کیوں جانے دیا۔ خود اولاد فاطمہ میں سے تھے اور فدک ورثۂ امام نہ تھا اور نہ امامت کے ساتھ منسلک تھا۔ حضرت علیؑ کی طرف سے نہیں آیا تھا۔ یہ تو جناب فاطمہؑ سے ورثہ آیا تھا۔ جناب فاطمہ کی رحلت کے وقت فدک تو موجود نہ تھا لیکن اپنے اوقاف کی نسبت جناب معصومہ نے یہ وصیت کی تھی کہ اول تو حضرت علیؑ متولی ہوں گے۔ پھر جناب امام حسنؑ۔ پھر امام حسینؑ اور پھر ان کے بعد جو میری اولاد میں سب سے بڑا ہوگا وہ متولی ہوگا۔ دیکھو ہماری کتاب سیرۃ فاطمہ الزہرا صفحہ ۲۵۴، ۲۶۳، اس اصول پر بھی زید ابن حسن کو متولی ہونا چاہیے تھا۔ بہر صورت حضرت شہید ثالث کی روایت کو بھی رد کرنے کو دل نہیں چاہتا اور عمر ابن عبدالعزیز کی موت کے بعد تو فدک چھین ہی لیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یزید کا عشق حبابہ

یزید ثانی کے زمانہ میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا۔ اسکی زندگی کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ اس کی ایک لونڈی تھی جس کا نام حبابہ تھا۔ یہ لونڈی اس نے سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ میں چار ہزار دینار میں مکہ میں عثمان بن سہل ابن حنیف سے خریدی تھی۔ سلیمان نے حسد سے یا کسی اور وجہ سے ارادہ کیا کہ یزید کے پاس حبابہ نہ رہے۔ جب یزید کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کو واپس کر دیا۔ اور ایک مصر کے باشندے نے اس کو خرید لیا۔ جب یزید خلیفہ ہوا تو اس کی ملکہ سعدہ نے کہا کہ اب بھی امیر المؤمنین کے دل میں کوئی دنیا کی آرزو باقی ہے۔ یزید نے جواب دیا کہ ہاں اور وہ حبابہ کی آرزو ہے۔ سعدہ نے ایک آدمی کے ذریعہ سے چار ہزار دینار دیکر حبابہ کو خرید کر بلوالیا اور سفر کی تھکان اترنے کے بعد اسے خوب آراستہ کر کے پس پردہ بٹھا دیا اور پھر یزید سے پوچھا کہ کیا امیر المؤمنین کے دل میں کوئی آرزو باقی ہے۔ یزید نے کہا کہ یہی سوال تم پہلے بھی کر چکی ہو اور میں نے اپنی تمنا بتا دی ہے۔ وہ ہی تمنا اب بھی باقی ہے۔ اب سعدہ نے پردہ اٹھایا اور کہا لیجئے یہ حبابہ موجود ہے۔ یہ کہہ کر ان کے کمرے سے نکل آئی اور حبابہ کو یزید کے پاس خلوت میں چھوڑ آئی۔ اس بات سے یزید کے دل میں سعدہ کی بہت جگہ ہوگئی۔ ایک دن حبابہ نے یہ شعر گایا

بین	التراقی	والھاۃ	حرارۃ
ماتطمئن	وما	تسوغ	فتبرد

ترجمہ۔ میرے سینہ اور حلق کے درمیان ایک ایسی سوزش ہے کہ جو نہ دبتی ہے اور نہ برداشت کی جاتی ہے کہ ٹھنڈی پڑ جائے۔

اس شعر کو سن کر یزید پر حالت وجد طاری ہوگئی اور کہنے لگا کہ مَیں تو اڑوں گا یعنی میری روح نکلنے والی ہے۔ حبابہ نے کہا نہیں ہمیں ابھی امیر المومنین کی ضرورت ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ چند دنوں کے بعد خود حبابہ بیمار پڑ گئی۔ یزید اس کے بستر مرض پر گیا اور پوچھا کہ حبابہ اب کیسی ہو۔ حبابہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھا۔

لئن تسئل عنك النفس او تذهل الهوى

فباليأس يسلو اللقلب لا بالتجله

یعنی اگر مجھے تمہاری جدائی میں صبر آجائے یا عشق ست پڑ جائے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ناامیدی سے دل کو تسلی ہوگئی۔ نہ یہ کہ میں خود تمہاری یاد کو فراموش کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے سنا کہ حبابہ کی ایک خادمہ یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

كفى حزناً بالهائم الصب أن يرىٰ

منازل من يهوى معطلةً قفرا

یعنی عاشق فریفتہ کے رنج وغم کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنی پیاری معشوقہ کے مکانات کو خالی دیکھے۔ یزید نے یہ شعر سنا اور حفظ کر لیا۔ حبابہ مرگئی اور اس کے رنج میں سات دن کے اندر یزید بھی مرگیا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب دنیا میں عشق حقیقی کرنے والے بھی موجود تھے اور عشق مجازی کرنے والے بھی تھے۔ وہ معشوق حقیقی میں فنا تھے۔ یہ معشوقۂ مجازی میں محو تھے۔ ایک اب موجودہ زمانہ ہے کہ دنیا عشق سے بالکلیہ خالی ہوگئی۔ عاشقان حقیقت تو عرصہ سے معدوم تھے۔ اب ہمارے دیکھتے دیکھتے ہی عاشقان مجاز بھی نہ رہے۔ عاشق ہونا تو دوسری بات ہے۔ یہ ہی نہیں جانتے کہ عشق کیا ہوتا ہے۔ عشق تو بڑی چیز ہے محبت ہی نہ رہی۔ یہ آخری درجہ معصیت کا ہے کہ جن رشتوں میں خدا نے فطرتاً محبت ودیعت کردی تھی اب ان میں بھی محبت نہ رہی۔ خداوند تعالیٰ کے عذاب دنیا میں مختلف صورت میں آتے رہے، کبھی صاعقہ، کبھی صیحہ، کبھی بادصرصر، کبھی طاعون، کبھی زلزلہ، کبھی طوفان آب وہ مقامی ہوا کرتے تھے اور ان کا اثر مقامی ہوتا تھا۔ جتنا قطعۂ زمین معصیت الٰہی سے پر ہوا اتنے ہی قطعہ پر عذاب الٰہی آگیا۔ دنیا کا بالکلیہ محبت ووفا سے خالی ہوجانا یہ اس زمانہ آخر کا عذاب ہے اور چونکہ ساری ہی دنیا معصیت الٰہی میں غرق ہے۔ یہ عذاب ساری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ یہی ایک عذاب نہیں ہے۔ بہت سے عذاب ہیں۔ اور یہ اجتماع عذاب ہا قہر الٰہی کا ثبوت دے رہا ہے۔ لیکن درجۂ معصیت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ صم بکم عمی کا آخری درجہ پہنچ گیا ہے۔ سامنے عذاب کھڑا ہوا ہے۔ لیکن نظر نہیں آتا۔ کہتے ہیں کہ یہ دنیاوی اتفاقات ہیں۔ دیکھو اب ہم ان

سب کا انتظام کئے لیتے ہیں خدا کا بھلا کیا کام۔ دنیا بھر کے قابل ترین دماغ مل کر بیٹھتے ہیں۔ سینکڑوں جتن کئے جاتے ہیں۔ لیکن دنیا کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ (H.G.wells) صحیح کہتا ہے۔ اسکی کتاب پر لوگوں نے اتنا غور نہیں کیا جس کی وہ حق دار ہے۔ انسان کا دماغ اپنے آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے۔ انسان منھ سے خواہ کچھ ہی کہتے لیکن اب یہ بے بس محض ہے۔ اگر موجودہ انسانوں کی نسل دوسرے اور بہتر انسانوں سے نہ بدلی گئی تو دنیا کا خاتمہ نزدیک ہے۔

زمانہ ہشام

اب ۱۰۵ھ مطابق ۷۲۴ء میں ہشام تخت پر بیٹھتا ہے۔ اس کے زمانہ میں بنو امیہ کی سلطنت کی وسعت اپنی آخری حد کو پہنچ گئی تھی، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں کی سلطنت کی حدود کبھی اس سے زیادہ نہیں بڑھیں۔ یورپ میں

ہسپانیہ، پرتگال،

جنوبی فرانس اور بحر الاوسط میں

جزائر آئی وکا (ivica)

کارسکا (corica)

سارڈینیا (sardinia)

قریطہ (crete)

روڈس (Rhodes)

قبرس (cyqrus)

میجوریکا (Magorica)

مائی نوریکا (Minorica)

اور ایک حصہ سسلی ان کے قبضہ میں تھا۔ شمالی افریقہ آبنائے جبل الطارق سے خاکنائے سوئز تک۔ ایشیا میں صحرائے سینا سے منگولیا تک یہ سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن بادشاہوں کے ظلم اور آپس کے رشک و حسد نے اس عظیم الشان سلطنت کو چشم زدن میں نیست و نابود کر دیا۔ تحریک بنی عباس یزید بن عبدالملک ہی کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی۔ اور اس سلطنت کو اندر ہی اندر گھن کھائے جا رہا تھا۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ ارشاد میں لکھتے ہیں کہ ایک سال ہشام حج کو مکہ میں آیا۔ اس سال جناب محمد الباقر بھی تشرف لے گئے۔ ہشام اپنے غلام سالم کے اوپر تکیہ کئے ہوئے مسجد الحرام میں آیا جناب محمد الباقر پہلے سے وہاں تشرف فرما تھے۔ آپ نے اسکی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ سالم غلام نے ہشام سے کہا کہ یہ محمد ابن علی ابن الحسین ہیں۔ ہشام نے پوچھا وہی محمد جن کے اہل عراق مفتون ہیں اس نے کہا کہ ہاں۔ ہشام نے کہا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ

حشر میں جب تک لوگوں کا حساب کتاب ختم ہو وہ کیا کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا حشر ایسے قطعہ پر ہوگا کہ جہاں نہریں جاری ہونگی اور لوگ وہاں پر کھائیں گے پئیں گے۔ یہاں تک کہ حساب سے فارغ ہوں۔ ہشام سمجھا کہ اب میں جنت گیا۔ کہا پھر جا کر پوچھو کہ کیا اکل وشرب سے زیادہ مشغول رکھنے والی کوئی اور چیز نہ ہوگی۔ مطلب یہ تھا کہ ایسے مصیبت کے وقت میں انھیں اکل وشرب و کیا کام۔ آپ نے فرمایا کہ جہنم میں ہونا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہے۔ لیکن قرآن مقصد کہتا ہے کہ جہنم میں وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر پانی ڈالو۔ اور جو خدا نے رزق تمہیں دیا ہے اس میں سے ہمیں دو۔ ہشام قائل ہو کر خاموش ہو رہا۔

دربار خلافت میں جناب صادقینؑ کی طلبی...... امام محمد باقرؑ کی تیر زنی

دلائل الامامت میں محمد ابن جیر الطبری جناب امام جعفر صادق کی زبانی یہ واقعہ لکھتا ہے کہ ایک سال ہشام حج کو آیا۔ جعفر الصادق اور حضرت محمد الباقر بھی وہاں موجود تھے۔ جناب جعفر الصادق نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے محمد کو نبوت سے سرفراز کیا اور ہم کو محمد کی وجہ سے فضیلت دی۔ ہم خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور اس کے خلفاء زمین میں ہیں۔ وہ سعید ہے کہ جس نے ہماری پیروی کی اور وہ شقی ہے کہ جس نے ہم سے عداوت کی امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ اس وقت تو ہشام ہم سے کچھ نہ بولا۔ لیکن دمشق پہنچ کر عامل مدینہ کو لکھا کہ ہمیں دمشق روانہ کر دے۔ چنانچہ میں اور میرے والد جناب محمد الباقرؑ دمشق پہنچے۔ تین دن تک ہمیں دربار میں آنے کی اجازت نہ ملی۔ چوتھے دن ہم کو اجازت ملی۔ ہم گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ہشام تخت سلطنت پر بیٹھا ہے اور اس کے لشکر کے آدمی اور خواص اسلحہ باندھے ہوئے اس کے پاس کھڑے ہیں اور وہاں وسط مکان میں ایک بڑا نشان کھڑا کیا ہوا ہے۔ جس پر اس کے آدمی شرطیہ تیر مارتے تھے۔ جب ہم داخل ہوئے تو ہشام نے کہا کہ اے محمد تم بھی ان لوگوں کے ساتھ اس نشان پر تیر مارو۔ میرے والد نے کہا کہ میں بڈھا ہو گیا ہوں مجھے معاف کر دو تو بہتر ہے۔ ہشام نے قسم کھائی کہ میں معاف نہ کرونگا اور ایک شخص سے کہا کہ آپ کو تیر و کمان دیدو۔ پس میرے والد نے کمان لے لی اور عین نشان کے بیچ میں تیر پیوست کر دیا۔ دوسرا تیر مارا جو پہلے تیر کے پیکان پر بیٹھا۔ اسی طرح نو تیر آپ نے مارے۔ ایک تیر دوسرے کی پیکان میں بیٹھتا تھا۔ یہ دیکھ کر ہشام بہت مضطرب ہوا۔ کیونکہ اس کی غرض تو آپ کی منقصت تھی اور یہاں یہ کمال ظاہر ہوا۔ سوائے آپ کی تعریف کرنے کے اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اور کہا کہ آپ تو عرب و عجم میں بہترین تیرانداز ہیں یہ آپ نے کیوں خیال کیا کہ آپ بڈھے ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ بہت نادم ہوا۔ اور دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔ امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد اسی طرح اس کے سامنے کھڑے رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو میرے والد کو بہت غصہ آیا۔ آپ کی عادت تھی کہ غصہ میں آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے۔ آثار غضب آپ کے چہرے سے نمایاں تھے۔

علم کا ورثہ اور منتقلی

جب ہشام نے یہ دیکھا تو جناب محمد الباقرؑ سے کہا کہ آپ میرے پاس تخت پر تشریف لے آئیں۔ پس انکو داہنی طرف اور مجھے بائیں طرف بٹھایا۔ میرے والد کو بھی گلے سے لگایا اور مجھے بھی گلے سے لگایا اور میرے والد کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اگر قبیلۂ قریش ہمیشہ عرب وعجم پر آپکی وجہ سے فخر کریں تو بجا ہے۔ مجھے آگاہ کریں کہ یہ فن تیراندازی آپ کو کس نے تعلیم کیا ہے۔ جناب امام محمد الباقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ ہنر اہل مدینہ میں عام ہے اور میں بھی ایام طفولیت میں یہ شغل کرتا تھا۔ ہشام نے کہا کہ میں نے کبھی ایسا عمدہ تیرانداز نہیں دیکھا اور میرا گمان ہے کہ تمام روئے زمین پر ایسا صحیح تیرانداز نہ ہوگا۔ کیا جعفر بھی ایسے ہی اچھے تیرانداز ہیں۔ جناب محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ تمام کمال اور علم ہر قسم جو خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی پر بھجوائے آیہ مبارکہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی نازل کیا ہے۔ ہم اہلبیت رسالت میں ایک دوسرے سے ورثہ میں پاتا ہے اور دنیا ہرگز ہم سے خالی نہیں رہتی ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک ایسا کامل امیں ہوتا ہے جو ہر امر میں ہر ایک آدمی سے افضل ہوتا ہے۔ جب ہشام نے یہ سنا تو غصہ سے اس کا چہرہ تمتما گیا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور پھر تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا۔ اور پھر کہا کہ کیا ہماری تمہاری نسبت کہ ہم سب عبد مناف کی اولاد ہیں ایک نہیں ہے۔ جناب محمد الباقرؑ نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے لیکن حق تعالےٰ نے ہم کو اپنے سرکنوں سے مخصوص کیا ہے۔ اور خاص علم عطا فرمایا ہے اور یہ مرتبہ کسی دوسرے کو نہیں دیا۔ ہشام نے کہا کہ کیا یہ نہیں ہے کہ خداوند تعالےٰ نے محمد مصطفیٰ کو خاندان عبد مناف میں سے تمام سرخ وسیاہ وسفید کی طرف مبعوث کیا ہے پس یہ میراث تمہارے لئے کیوں مخصوص ہو گئی۔ خداوند قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ للہ میراث السمٰوٰۃ والارض پس کس وجہ سے علم تمہارے ساتھ مخصوص ہوا۔ جناب محمدؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔ اور تم پیغمبر نہیں ہو۔ جناب محمد الباقرؑ نے جواب دیا کہ اس طرح ہمیں اپنے علم خاص سے مخصوص فرمایا کہ اپنے پیغمبر پر وحی بھیجی کہ: ولا تحرک بہ لسانک لتعجل۔ اور اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ ہمیں سارے علم سے مخصوص کر دیں اسی وجہ سے جناب محمد نے حضرت علیؑ کو سارے علم واسرار سے آگاہ ومخصوص کر دیا اور دیگر صحابہ پر وہ اسرار وعلوم مخفی رہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی کہ تعیھا اذن و اعیہ تو جناب رسول خدا نے فرمایا: کہ وہ تمہارے کان کو ایسا بنا دے۔ اور ایسا ہو گیا۔ اسی وجہ سے جناب علیؑ کہا کرتے تھے کہ مجھے جناب رسول خدا نے ہزار باب علم کے تعلیم کئے تھے اور ہر ایک باب سے ہزار باب علم کے اور کھل جاتے تھے۔ جس طرح تم لوگ اپنے راز اپنے مخصوص آدمیوں سے بیان کرتے ہو اور باقی آدمیوں سے چھپاتے ہو اسی طرح جناب رسول خدا اپنے راز جناب علی مرتضیٰ سے کہتے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو ان کا محرم نہیں بناتے تھے۔ اسی طرح جناب علی مرتضیٰ اپنے خاندان میں سے کسی کو جو ان رازوں کا اہل ہوتا تھا یہ راز بتا دیتے تھے۔ اس طرح وہ علم مخصوص ہم تک پہنچا۔ ہشام نے کہا کہ علی تو یہ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ وہ علم غیب رکھتے ہیں۔ حالانکہ علم غیب میں خدا نے کسی کو اپنا شریک نہیں بنایا

ہے۔ پس علیؑ یہ کیوں دعوے کرتے تھے۔ جناب محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول پر ایک کتاب نازل کی اور اس کتاب میں ہر اس چیز کا علم بیان فرمایا جو لذر چکی تھی یا اس وقت تھی اور جو آئیندہ تا قیامت ہو گی۔

چنانچہ فرماتا ہے: **نزّلنا علیك الکتٰب تبیانا لکل شیءٍ وموعظته للمتقین** ۔اور پھر فرماتا ھے **وکل شیءٍ احصینا ہ فی امام مبین** اور **فرطنافی الکتٰب من شیءٍ** پس وحی بھیجی خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر جو غیب کے اسرار ان پر آشکارا کر دیئے گئے ہیں وہ سب علیؑ کو بتا دو۔ اور جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ آنحضرت کے بعد قرآن کو جمع کریں اور متوجہ غسل و تکفین و تدفین ہوں۔ اور وقت غسل کوئی اور حاضر نہ ہوا اور اپنے اصحاب سے کہا کہ حرام ہے تم سب پر کہ میرے ستر کو دیکھو سوائے علیا بن ابی طالبؑ کے وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ میرا مال اس کا مال ہے۔ اور اس پر لازم ہے جو مجھ پر لازم ۔ وہ میرا قرض ادا کرنے والا ہے۔ اور میرے وعدوں کو پورا کنے والا ہے۔ پس آنحضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میرے بعد علیؑ منافقین سے تاویل قرآن پر قتال کرے گا جس طرح میں نے کافروں سے تنزیل قرآن پر قتال کیا ہے۔ اور صحابہ میں سے کسی کے پاس مکمل تاویل قرآن نہ تھی سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت نے فرمایا کہ سب سے زیادہ علم قضا جاننے والا علی ابن ابی طالب ہے۔ عمر ابن الخطاب بار بار کہتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ یہ جناب علیؑ کے علم پر گواہی ہے۔ اتنا سننے کے بعد ہشام نے سر جھکا لیا اور دیر تک اسی طرح رہا۔ پھر کہا کہ جو آپ کی حاجت ہو بیان فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اہل عیال بوجہ میرے یہاں آنے کے خوف زدہ ہیں۔ بس میں چاہتا ہوں کہ مجھے اجازت واپس جانے کی مل جائے۔ ہشام نے کہا کہ اچھا میں نے اجازت دی۔ آج ہی روانہ ہو جاؤ۔ پس جناب محمد باقر علیہ اسلام نے ہشام سے معانقہ کیا اور وداع کیا۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اسی طرح اسے وداع کیا۔ پس ہم باہر صحرا میں آئے۔ دیکھا کہ بہت لوگ جمع ہیں۔ میرے والد نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ ہشام کے حاجب نے کہا کہ یہ نصرانی رہبانوں اور قسیسیوں کی جماعت ہے جو اپنے ایک بہت بڑے عالم کی زیارت کو آئے ہیں۔ وہ اس پہاڑ میں رہتا ہے اور اس سے سوال کرتے ہیں اور جواب پاتے ہیں۔ میرے والد بھی ان میں شامل ہو گئے اور چہرہ چھپا لیا تا کہ کوئی شناخت نہ کرے۔ اور میں بھی ہمراہ گیا۔ ہم اس جماعت میں بیٹھ گئے۔ انھوں نے اپنے عالم کو ایک مسند پر بٹھایا۔ وہ بہت بڈھا تھا۔ اس کی بھنویں آنکھوں پر گر پڑی تھیں۔ اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اس کی نظر میرے والد پر پڑی تو پوچھا۔ کہ آپ ہم سے ہیں یا امت مرحومہ میں سے فرمایا کہ امت مرحومہ میں سے اس نے پوچھا کہ اس کے علماء میں سے یا جہال میں سے۔ جناب محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ جہال میں سے نہیں ہوں۔ وہ بہت مضطرب ہوا۔ اس نے کہا کہ میں سوال کروں یا آپ سوال کریں گے۔ جناب باقرؑ نے فرمایا کہ تو سوال کر۔

عالم نصرانی اور جناب امام محمد باقرؑ کا مکالمہ

سوال و جواب ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

عالم نصرانی۔ وہ کون سا وقت ہے جو نہ دن میں شامل ہے نہ رات میں۔

امام محمد باقر علیہ السلام۔ مابین صبح تا طلوع آفتاب

نصرانی۔ وہ کن اوقات میں سے ہے۔

امام۔ وہ بہشت کے اوقات میں سے ہے۔ اس وقت بیماروں کو ہوش آجاتا ہے۔ دریا ساکن ہو جاتے ہیں۔ اگر رات بھر نیند نہ آئی ہو تو اس وقت نیند آجاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس وقت کو عاقبت کی رغبت رکھنے والوں کے لیئے باعث رغبت بنایا ہے۔ نیک عمل کرنے والوں کے لئے یہ دلیل واضح ہے۔ عاقبت سے انکار کرنے والوں کے لئے یہ وقت حجت ہے۔

نصرانی۔ آپ نے درست فرمایا۔ تم مسلمان کہتے ہو کہ جنت میں لوگ کھانا کھائیں گے۔ پانی پئیں گے۔ لیکن بول و براز نہ ہوگا۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال بتایئے۔

امام۔ جنین در شکم مادر۔

نصرانی۔ آپ نے تو کہا تھا میں ان کے علماء میں سے نہیں ہوں۔

امام۔ میں نے کہا تھا کہ میں ان کے جہلاء میں سے نہیں ہوں۔

نصرانی۔ اچھا فرمایئے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ جنت کا میوہ کھانے سے کم نہیں ہوتا۔ پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ دنیا میں اس کی کوئی مثال بتایئے۔

امام۔ اسکی نظیر دنیا کا چراغ ہے کہ اس سے ہزاروں چراغ جلالو۔ اس کا نور کم نہ ہوگا۔

نصرانی۔ اچھا اب میں ایسا سوال کرتا ہوں کہ آپ جواب نہ دے سکیں گے۔

امام۔ اچھا سوال کرو۔

نصرانی۔ بتاؤ۔ ایک شخص نے اپنی عورت سے مجامعت کی وہ عورت حاملہ ہوئی۔ دو لڑکے توام پیدا ہوئے۔ اور ایک ہی وقت مرے لیکن ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی عمر یک صد پچاس سال کی ہوئی۔ یہ دونوں بھائی کون تھے۔

امام۔ یہ عزیر اور عزیز پیغمبر تھے۔ دونوں ساتھ پیدا ہوئے۔ دونوں تیس برس تک ساتھ رہے۔ پھر خدا نے عزیر کو مار ڈالا: اور سو برس بعد زندہ کیا اور وہ حضرت اپنے بھائی کے ساتھ بیس برس زندہ رہے اور پھر دونوں نے ایک ساتھ رحلت فرمائی۔

اس مکالے کے بعد وہ نصرانی مسلمان ہوگیا۔ دیکھو جلاء العیون ملا محمد باقر مجلسی صفحہ نمبر ۲۳۸، ۲۳۹

......☆......

باب ﴿۸﴾

زید ابن حسنؑ کی مخاصمت

اول تو گزرے ہوے واقعات کی چھان بین کر کے ان کو صحت کے ساتھ لکھنا یہ ہی کیا کم مشکل تھا کہ اسلامی تاریخ کے لکھنے والے کو ایک اس سے بھی زیادہ صعب وسخت مشکل سے دوچار ہونا پڑا۔ خلافت کے مسلہ پر شروع ہی سے اسلام میں دو فرقے ہو گئے۔ اور رسول خدا کی رحلت کے وقت جو کشمکش فوراً ایک فریق نے شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ وہ ہی ہوا جو ہمیشہ ایسی سیاسی تحریکات کا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جو فریق عرصہ سے تیاری کرتا رہتا ہے اور وقت پر دوسرے فریق کے سر پر اچانک آ پڑتا ہے وہ ہی دنیاوی لحاظ سے کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ ایک فریق کامیاب ہو گیا۔ اور قبل اس کے کہ رسول خداؐ دفن ہوں اس نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اپنے تیئں مستحکم بنانا اس کا فرض اولین تھا۔ جہاں اور تدبیریں اس غرض کے لیئے استعمال کی گئیں وہاں حدیث وسیر یعنی تاریخ پر قبضہ کرنا ایک نہایت موئثر تدبیر تھی۔ حدیث اور تاریخ دونوں کو حکومت نے اپنی نگاہ کے سامنے تیار کرایا۔ تفصیلات کے لیئے دیکھو ہمارا ضمیمہ البلاغ المبین جو البلاغ المبین حصہ اول طبع دوم کے ساتھ شامل ہے یہ ایک ایسا بدیہی امر تھا کہ جس سے مولوی شبلی جیسے مناظر بھی انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ وہ اقبال کرتے ہیں کہ وہ بڑی بڑی اسلامی تاریخ کی کتابیں جو دنیا میں سائع ہوئیں۔ سب سنیوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ (المامون حصہ اول صفحہ نمبر ۶۱) اب دل کھول کر تاریخ سے مناظرہ اور پروپاگنڈا کا کام لیا گیا۔ اور اس میں واقعات کو کئی جگہ غلط اور کئی جگہ توڑ مروڑ کر لکھا۔ جس سختی کے ساتھ مخالف رایوں کو دبایا جا رہا تھا اس کا ذکر ہم اس ضمیمہ میں کر چکے ہیں۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرا فریق اپنے زاویۂ نگاہ کو دنیا کے سامنے اپنے الفاظ میں نہ لا سکا۔ مجبوراً ایک ہی فریق کی لکھی ہوئی تاریخوں سے کام لینا پڑا۔ جس کی وجہ سے دنیا تو مغالطہ میں پڑ ہی گئی۔ لیکن بعض دفعہ جہاں احتیاط سے کام نہ لیا گیا تو خود بھی دھوکہ کھا گئے۔ فریق غالب کی بہت سی کوششوں میں سے ہم یہاں صرف ایک کوشش کا ذکر کرتے ہیں۔

فریق کثیر چونکہ امامت بالاختیار کا قائل تھا لہذا اسکی یہ کوشش رہی کہ اپنے فریق مخالف کے امامت بالنص کے نظریہ کو غلط ثابت کرے۔ اس غرض کے لئے کبھی تو یہ بیان ہوتا ہے کہ آنحضرت کے مرض اخیر میں عباس نے علی کو صلاح دی کہ ایسے میں لگتے ہاتھ رسول خدا سے یہ تو پوچھ لو کہ ان کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ یہ خلافت کس کا حق ہے۔ حضرت علی کی طرف یہ جواب منسوب کیا گیا ہے کہ اگر جناب رسول خدا نے کسی دوسرے کا نام لے دیا تو پھر ہمیں خلافت کبھی نہ ملے گی۔ مولوی شبلی اور دیگر مورخین نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں بہت نمایاں جگہ دی ہے

اور اس کے اوپر ایک اہم بحث کو مبنی کیا ہے۔ دیکھو الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۸ چونکہ یہ روایت نہایت اہم ہے لہذا اگر اس پر ذرا سی بحث کر لیں تو مناسب ہوگا۔ اس روایت سے مندرجۂ ذیل چار اہم نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔

الف۔ حضرت علیؑ خلافت کے لئے بہت حریص تھے اور اس کے لئے حق بات سننے سے گریز کرتے تھے۔

(ب) حضرت علی کا گمان تھا کہ جناب رسول خدا ان کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ مقرر کر دینگے۔

(ج) حضرت علی کو یہ بھی یقین تھا کہ اگر وہ خاموش رہے تو جناب رسول خدا اس امر کی طرف توجہ نہ کریں گے۔

(د) دونوں حضرات یعنی عباس اور حضرت علی کو یقین تھا کہ اگر ان سے آنحضرت نے کہہ دیا کہ یا علی تم میرے بعد خلیفہ ہو گے تو تمام امت اس بات کو تسلیم کر لے گی اور یقین کر لیگی کہ واقعی آنحضرت نے ایسا کہا ہوگا۔ لہذا ہم علی کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

اب ہم اس پر اصول روایت سے بحث کرتے ہیں۔ یہ روایت صرف بخاری میں ہے اور اس کے راویان یہ ہیں۔

روایان روایت

۱۔ اسحاق ابن محمد ابن اسمٰعیل ابن عبداللہ ابن ابی فروۃ۔ یہ ابوفروہ باپ تھا یعقوب الفروی کا جو حضرت عثمان کا غلام تھا۔ سنہ وفات اسحاق راوی کا ۱۲۶ ہجری ہے

۲۔ بشر بن شعیب ابن ابی حمزہ واسمہ دینار ابوالقاسم الاموی۔

۳۔ شعیب ابن ابی حمزہ واسمہ دینا الاموی سنہ وفات ۱۶۲ ہجری

۴۔ زہری۔

۵۔ عبداللہ ابن کعب ابن مالک۔

۶۔ عبداللہ ابن عباس۔

۱۔ **اسحاق**۔ یہ بنوامیہ کے غلام کے خاندان میں سے ہیں۔ عقیلی کہتے ہیں کہ اسحاق نے ایسی حدیثیں بیان کیں جن کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔ قابل پیروی نہیں ہیں۔ نسائی کہتے ہیں کہ ثقہ نہیں ہے اس پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ ضعیف ہیں۔ دیکھو میزان الاعتدال ذہبی۔ جلد اول صفحہ نمبر ۹۳ مطبوعہ دکن۔

۲۔ **بشر ابن شعیب**۔ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کو انھوں نے اپنے باپ سے سنا ذھبی کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ امام احمد ابن حنبل نے بشر بن شعیب سے پوچھا کہ تم نے سماع روایت اپنے باپ سے کیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تمہاری موجودگی میں تمہارے والد کے پاس احادیث بیان ہوتی تھیں۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ یہ قابل غور ہے۔ کیونکہ روایت متنازعہ کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود اس نے اپنے باپ سے اسکو سنا تھا۔

وہ اسکا انکار کرتا ہے اس روایت کی حقیقت کیا رہی۔ دیکھو میزان الاعتدال ذہبی صفحہ نمبر ۱۴۸۔ بخاری نے اس سے صرف ایک یہی حدیث روایت کی ہے۔ اور کوئی روایت نہیں لی۔ دیکھو کتاب الجمع بین کتابی ابی نصر وابی بکر الاصبہائی مطبوعہ دکن صفحہ ۵۳ جلد اول۔ یہ اموی تھے۔

۳۔ شعیب ابن حمزہ۔ زہری کے شاگرد تھے ۱۶۲ ہجری میں انتقال ہوا۔

۴۔ زہری سنہ ۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے ان کا تعلق دمشق کے دربار سے تھا ۸۰ ہجری میں وہاں گئے اور مقربین میں سے ہوگئے۔ بادشاہ کے حکم سے انھوں نے حدیث وتاریخ کی تدوین کی۔ بقول مولوی شبلی بادشاہ کے مقربین خاص میں سے تھے اور ہشام ابن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی ۱۲۴ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھو شبلی سیرۃ النبی تقطیع کلان جلد اول حصہ اول صفحہ ۱۵۔

۵۔ عبداللہ ابن کعب ابن مالک۔ خود عبداللہ کی تو کچھ صفت کہیں نہیں معلوم ہوئی۔ بخاری نے یہ روایت نقل کرتے وقت لکھا ہے کہ ان کے والد کعب ابن مالک ان تین گنہگاروں میں سے ایک تھے جن کی توبہ خدا نے قبول کی تھی، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ کعب ابن مالک نے ۷۷ سال کی عمر میں معاویہ کے زمانہ میں ۵۰ ہجری میں وفات پائی۔ اس حساب سے ان کی عمر بوقت رحلت رسول ۳۷ سال کی ہوگی۔ ان کے فرزند عبداللہ کی تاریخ پیدائش کا ہمیں پتہ نہ چلا۔ کعب ابن مالک کی ایک اور صفت بھی تھی۔ سقیفہ والے دن جب مہاجرین اور انصار میں انتخاب خلیفہ کی بحث ہو رہی تھی اور معاملہ کسی طرح فیصلہ نہیں ہوتا تھا۔ تو کعب ابن مالک نے مہاجرین کے حق میں لکچر دینا شروع کیا۔ اور حضرت ابوبکر سے سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں کعب ابن مالک تھے۔

۶۔ عبداللہ ابن عباس۔ یہ وہ نہیں بتاتے کہ انھوں نے کس سے سنا۔

اس روایت کے راویوں میں سے تین یعنی اسحاق، بشر و شعیب تو اموی تھے۔ اور دو یعنی زہری اور عبداللہ ابن کعب ابن مالک صاحبان سیاست اور طرفداران حکومت سقیفہ تھے اور یہ روایت امور سیاست میں حکومت سقیفہ کے لیئے بہت ہی مفید ہے۔ حکومت نے مشین روایت سازی پر مکمل قبضہ کر لیا تھا۔ اب جو اس روایت کی اصلیت و صداقت کا درجہ رہا وہ ظاہر ہے

عقلاً یہ روایت غلط ہے۔

یوں بھی عقلاً یہ روایت نہایت ہی غیر اغلب ہے۔

(الف) اگر حضرت علی خلافت کے لئے ایسے ہی حریص تھے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی خاطر حق بھی نہیں سننا چاہتے تھے تو پھر کونسا امر مانع تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں نہ تشریف لے گئے۔ جس طرح دیگر لوگ جسد اطہر رسول کو چھوڑ کر چلے گئے تھے یہ بھی چلے جاتے۔ مولوی شبلی نے جن کو غلطی سے لوگ مورخ سمجھے ہوئے ہیں لیکن جو نہایت چوکنے مناظر ہیں کوشش کی ہے کہ جناب علی مرتضٰی کی اس علو ھمت اور فرض شناسی پر پانی

پھیر دیں جوان کے جسد رسول کو چھوڑ کر سقیفہ میں حکومت کی طرف نہ دوڑنے میں پائی جاتی ہے۔لہذا وہ الفاروق میں اس طرح گہر افشاں ہوے۔

''سقیفہ میں حضرت علی کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت کے غم والم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پر درد موقع پر خلافت کا خیال نہ آسکا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین وانصار جمع تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی کے دعوے کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد ابن عبادہ تھے'' الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۹، ۷۰

اس عبارت کو کون کہے گا کہ یہ ایک دیانت دار مورخ کی تحریر ہے یہ تو ایک ضد مناظر کی بحث معلوم ہوتی ہے۔ یہ صفحہ ۶۹ کی تحریر ہے۔ اس ہی کتاب کے صفحہ ۶۸ پر یہی مولوی شبلی لکھتے ہیں۔ ''ان کو (علی کو) اپنے انتخاب کئے جانے پر بھروسہ تھا'' یہ اس موقعہ کی بحث ہے کہ علی نے عباس کی اس صلاح کو نہ مانا کہ مرتے وقت رسول سے پوچھ لو کہ کون آپ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ اس موقعہ کے لئے وہ بحث موزوں تھی۔ اور اب سقیفہ میں نہ جانے کی بحث میں اس کے برعکس بحث کی ضرورت ہوئی۔ وہ لکھدی۔ حق بات کہنے کا ارادہ ہوتا تو پھر یہ متضاد بحث نہ ہوتی معلوم ہوتا ہے کہ شبلی صاحب بھول گئے کہ پہلے کیا لکھ آئے ہیں۔ ایسی بھول کی نسبت فارسی کی ایک مثل ہے۔ جس کو ہم یہاں دوہرانا نہیں چاہتے۔ جو لوگ کہ حق اور امر واقعہ کے مطابق بحث نہیں کرتے بلکہ اپنی ضد کے مطابق بحث کرتے ہیں وہ اکثر بھول جایا کرتے ہیں کہ ہم نے پہلے کیا کہا تھا۔ اب ہم ان کی اس تحریر پر بحث کرتے ہیں۔

وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین وانصار جمع تھے۔'' مہاجرین میں صرف تین آدمی موجود تھے۔ یعنی حضرت ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح (تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۲۰۸ محب الدین طبری، ریاض النضرہ الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثالث بشر صفحہ ۱۶۵۔)

اور یہ چپکے سے آگئے تھے۔ باقی مہاجرین کو تو اس وقت سقیفہ سازی کا علم ہی نہ تھا۔ (مسند ابو یعلیٰ کی وہ عبارت جس کا حوالہ مولوی شبلی نے الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۶ میں دیا ہے۔)

ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علیؑ کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد ابن عبادہ تھے۔

دیکھا آپ نے جب کوئی شخص حق کو چھوڑ دیتا ہے او ضد و تعصب کی لپیٹ میں آجاتا ہے تو کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے۔ یہ تو مولوی شبلی نے نہ کہا اور نہ کہہ سکتے تھے کہ علی کا دعویٰ کمزور تھا۔ بلکہ وہ لوگ تائید نہ کرتے۔ کیوں تائید نہ کرتے۔ اس وجہ سے کہ ایک فریق نے حضرت ابوبکر کو پیشوا مان لیا تھا اور دوسرے فریق نے سعد بن عبادہ کو۔ لہذا شبلی صاحب کی بحث کے مطابق معلوم ہوا کہ سقیفہ والے ایسے ضدی اور عصبیت میں مخمور تھے کہ حق کو نہ دیکھتے اور نہ حق کی بنا پر انتخاب کرتے بلکہ اپنی ضد و تعصب کی بنا پر انتخاب کرتے۔ اور علیؑ کی تائید نہ کرتے۔ اگر

آپ یہ مانتے ہیں تو مان لیں ہم کو بھی عذر نہیں۔ کیونکہ ہوا تو ایسا ہی۔ سقیفہ میں حق کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور عصبیت کی بنا پر انتخاب ہوا۔ لیکن اس سے بھی مولوی شبلی کا دعویٰ تو ثابت نہ ہوا کہ کوئی علیؑ کی تائید نہ کرتا۔ آخر بحث ومباحثہ کے بعد انصار نے ابوبکر کو تسلیم کر لیا۔ اسی طرح وہ علیؑ کو تسلیم کر لیتے۔

سقیفہ میں کیا بحث ہوئی

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہاں کیا بحث ہوئی اور کس بحث کو تسلیم کر کے انصار نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ ہم نے اس پر مفصل ''کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام'' میں کی ہے۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں۔ وہ بحث یہ تھی۔

۱۔ مہاجرین اولین انصار سے پہلے ایمان لائے۔

۲۔ مہاجرین نے ہر حال میں رسول خدا کا ساتھ دیا۔

۳۔ حضرت عمر نے کہا۔ بخدا عرب اس بات کو نہیں مانیں گے کہ تم (انصار) ان پر حکومت کرو۔ جب کہ ان کے نبی تمہارے علاوہ دوسرے قبیلہ کے ہوں۔ ہاں عربوں کو اس قبیلہ کی حکومت تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا جس میں نبوت تھی اور اسی میں سے ان کے امیر ہونے چاہئیں۔ محمدؐ کی حکومت اور امارت میں کون ہم سے تنازعہ کر سکتا ہے۔ ہم ان کے ولی اور خاندان والے اس حکومت کے مستحق ہیں۔ جو گمراہ ہوگا وہی اس تجویز کی مخالف کرے گا۔

۴۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہم تینوں میں ابوبکر سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔ رفیق غار ہیں اور آخری مرض رسول میں امامت نماز کی ہے۔ اس بحث کے لئے دیکھو تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۰۔ اب دیکھئے اس بحث کے مطابق حضرت علیؑ بدرجۂ اتم اولیٰ تھے کہ ان کی بیعت کی جاتی۔ سب سے پہلے ایمان لائے۔ رسول کو کبھی نہیں چھوڑا۔ اور لوگ تو اکثر میدان جنگ میں رسول کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ علیؑ نے تو کبھی نہیں چھوڑا۔ خاندان میں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ سب سے زیادہ فضیلت والے تھے۔ حکومت ہی ان کی تلوار سے حاصل ہوئی تھی۔ شب ہجرت تنہا رسول کے بستر پر سوئے اور اپنی جان قربان کر دی۔ اور اس کے متعلق آیت نازل ہوئی۔ غار میں محفوظ بیٹھنا اس کے مقابلہ میں کیا ہوتا ہے۔ جہاد میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ زہد۔ ورع۔ تقوے میں یہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ کے دعوے کی تائید کیوں نہ ہوتی۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ امامت نماز کی روایت صرف حضرت عائشہ سے ہے۔ اس کی حقیقت ہم نے البلاغ المبین میں اچھی طرح نمایاں کی ہے اور پھر ان کی فقہ میں تو ہر دھنیے جولاہے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ امامت نماز کی کیا قدر رہی۔

(ب) کیا حضرت علیؑ کا یہ گمان ہو سکتا تھا کہ جناب رسول خدا ان کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ شروع دعوت تبلیغ کا دعوت ذی العشیرہ کا عہد انہیں یاد تھا۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ کون میرے ساتھ ہو کر اس بار گراں کو اٹھائیگا۔ تین دفعہ حضرت علیؑ نے اپنے تئیں پیش کیا۔ جب کسی اور کی ہمت نہ ہوئی تو آنحضرت نے

فرمایا کہ یہ علیؑ میرا وزیر وخلیفہ ہے۔ ابھی دو مہینے گزرے تھے کہ غدیر خم پر فرما چکے تھے کہ: من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ۔ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ۔ فرماتے رہتے تھے کہ: انت منّی بمنزلتہ ھارون من موسیٰ۔ امت کو بتا دیا تھا کہ علیؑ میرے شہر علم کا دروازہ ہے جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ علیؑ کے پاس آئے۔ اپنے رازہائے سربستہ بھی علیؑ کو بتاتے رہے تھے۔ علیؑ کو اب کس کا خوف ہوتا کہ بجائے میرے فلاں شخص کو خلیفہ مقرر کرنا ممکن ہے۔ مولوی شبلی کے پاس اس گمان کا کیا ثبوت ہے۔ یہ تو صرف شبلی صاحب کی قیاس آرائی ہے۔

(ج) یہ فرض تو آنحضرت کا تھا کہ اپنی جانشین کا انتظام کرتے۔ پوچھنے کی تو نوبت ہی نہ آنی چاہیئے۔ یہ سوال ناموزوں ونامناسب ہونے کے علاوہ گستاخانہ بھی ہوتا۔

(د) کیا حضرت عباس یا کوئی اور شخص جوان لوگوں سے واقف تھا یہ گمان کر سکتے تھے کہ علیؑ چپکے سے آنحضرتؐ سے پوچھکر جب امت سے کہیں گے کہ آنحضرت نے مجھے اپنا جانشین مقرر کیا ہے تو امت ٹھنڈے دل سے مان جائے گی۔ یہ تو ایک ایسا امر تھا کہ اعلان کی ضرورت تھی۔ روایت کے الفاظ سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ عباس نے علیؑ سے علحدہ جا کر کہا تھا۔ اور کہا تھا کہ ہم دونوں چل کر پوچھ لیں۔

ایک اور بات بھی ہے۔ واقعہ تو عباس وعلی کا ہے۔ بیان کر رہے ہیں عبداللہ ابن عباس اور وہ یہ نہیں کہتے کہ انھوں نے کیونکر سنا۔ یہ بھی وہ نہیں کہتے کہ میں موجود تھا اور یہ بھی نہیں کہتے کہ عباس نے ان سے کہا۔ درمیان کا راوی غائب ہے۔

نتیجہ نکلا کہ یہ روایت جھوٹی ہے۔ سیاسی امور کے لیئے بنوامیہ کے زیر اثر گڑھی گئی ہے۔ اور بہت سی ایسی ہی روایات ہیں۔ امامت کے متعلق ائمہ علیہم السلام کی اولاد میں آپس کے تنازعات دکھانا اس حضرات کا بہت پیارا مشغلہ رہا ہے۔ ایسے کئی جھگڑے کھڑے کیئے ہوئے ہیں۔ مثلاً محمد ابن الحنفیہ کا مفروضہ دعویٰ۔ زید ابن علی زین العابدین ابن حسین ابن ابی طالبؑ کا فرضی تنازعہ محمد الباقر سے حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت علی رضا کی اولاد کے تنازعات میں بیحد مبالغہ سب اس ہی ضمن میں اور ان ہی میں سے ایک زید ابن حسن کا مخاصمہ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے علماء نے جتنی توجہ حدیث وفقہ اور علم کلام پر دی۔ اتنی توجہ تاریخ کی طرف نہیں مبذول فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک قسم کی رطب ویابس تاریخی روایات ہمارے یہاں شائع ہوگئیں جن کے ماننے سے عقل سلیم انکار کرتی ہے۔

زید ابن حسن کی مخاصمت کی روایت

زید ابن حسن والی روایت ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب جلاء العیون میں درج کی ہے اور انھوں نے اس کو قطب راوندی کی کتاب الخرائج میں سے لیا ہے۔ بس یہی اس کتاب کا پہلا اور آخری ماخذ ہے۔ قطب راوندی کی کتاب الخرائج ہماری نظر سے نہیں گزری۔ معلوم نہیں اس میں اس روایت کے راویوں کا نام ہے یا نہیں۔ علامہ مجلسی

علیہ الرحمتہ نے تو راویوں کا نام نہیں لکھا۔ ہم جلاء العیون سے اس روایت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

قطب راوندی نے بسند معتبر جناب امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ زید ابن حسن نے میرے والد (امام محمد باقرؑ) سے جناب رسول خداؐ کے اوقاف کے متعلق تنازعہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ امام حسن بڑے بیٹے تھے۔ لہذا ان کا بیٹا بہ نسبت امام حسینؑ کے بیٹے کے اوقاف کے لئے اولیٰ ہے۔ ایک دن زید ابن حسن میرے چچا زید ابن علی زین العابدینؑ کو قاضی مدینہ کے پاس لے گئے اور اثناء خصومت میں میرے چچا سے کہنے لگے کہ اے پسر کنیز سندی میرے چچا نے یہ سن کر کہا کہ تف ہے ایسی خصومت پر اور اف ہے ایسی عداوت پر جسمیں نام مادراں لیا جائے۔ اب جب تک میں زندہ ہوں تم سے کلام نہ کروں گا یہ کہہ کر زید بن علی زین العابدینؑ میرے والد کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے بھائی میں نے قسم کھائی ہے کہ اب میں زید سے بات نہ کروں گا۔ آپ ہی پر مجھکو اعتماد ہے۔ آپ اس سے معترض نہ ہو جایئے گا تو میرا حق ضائع ہو جائے گا۔ جب زید ابن حسن کو خبر لگی کہ اب محمد باقر خود مجھ سے معترض ہوں گے تو وہ خوش ہوئے کہ اب محمد باقرؑ کو لوگوں میں بیقدر کرنے کا موقع ملے گا۔ یہ خیال کر کے زید ابن حسن امام محمد باقرؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آؤ ہم تم قاضی شہر کے پاس چلیں۔ جب میرے والد گھر سے باہر آئے تو انھوں نے زید کو نصیحت کرنی شروع کی اور فرمایا کہ اس دعوئے ناحق سے باز آؤ اور دوستان خدا سے بے سبب مخاصمہ نہ کرو۔ اگر تم چاہتے ہو تو معجزہ ظاہر کروں تا کہ تم پر حق آشکار ہو جائے۔ اچھا لو تمہارے پاس ایک چھری ہے جس کو تم مجھ سے پوشیدہ کئے ہوئے ہو۔ یہ چھری میرے حق پر گواہی دے گی۔ چنانچہ اس چھری نے گواہی دی۔ زید کے ہاتھ سے گر پڑی اور کہا کہ اے زید تو ستمگار ہے۔ اور حق محمد الباقرؑ کی طرف ہے۔ اگر تم اپنے اس دعوئی سے باز نہ آئے تو میں تم کو ہلاک کر دونگی۔ زید یہ دیکھکر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ میرے والد نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ اور فرمایا کہ اگر یہ پتھر جس پر ہم دونوں کھڑے ہیں گواہی دے تو تم مان لو گے زید نے کہا ہاں۔ پس وہ پتھر جس پر زید کھڑے تھے حرکت میں آیا۔ اور نزدیک تھا کہ شق ہوے۔ اور وہ حصہ پتھر جس پر والد کھڑے تھے حرکت میں نہ آیا اور بزبان فصیح کہا کہ اے زید تم ظلم کر رہے ہو۔ محمد الباقر حق پر ہیں۔ پس ان کی مخاصمت سے ہاتھ اٹھاؤ ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔ پھر زید بیہوش ہو گئے۔ پھر اسی طرح درخت سے گواہی دلوائی۔ زید بیہوش ہو جاتے تھے اور امام محمد باقر ان کو اٹھاتے تھے۔ اب زید ابن حسن نے کہا کہ آپ واقعی حق پر ہیں۔ میں اب آپ سے کبھی تنازعہ نہ کروں گا۔ میرے والد اپنے گھر میں آ گئے۔ لیکن اسی روز زید عبدالملک ابن مروان کے پاس دمشق چلے گئے اور اس کے دربار میں حاضر ہو کر کہا کہ میں تیرے یہاں ایک جادوگر دروغ گو کے پاس سے آیا ہوں۔ تیرے لیئے جائز نہیں کہ تو اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ زید نے دیکھا تھا وہ سب بیان کر دیا۔ پس عبدالملک نے والی مدینہ کو خط لکھا کہ تو محمد باقرؑ کو گرفتار کر کے قید کر کے میرے پاس بھیج دے اور زید سے کہا کہ اگر میں تمکو اس کے قتل کرنے پر مامور کروں تو تم قتل کر دو گے۔ زید نے کہا کہ ہاں کر دوں گا۔ جب وہ رقعہ والی مدینہ کے پاس پہنچا

تو ان نے عبدالملک کو جواب میں لکھا کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں یہ نافرمانی اور مخالفت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض نصیحت وخیر خواہی ہے۔ وہ شخص جس کی بابت تو نے لکھا ہے کہ میں اسکی اہانت کروں اور قید کر کے تیرے پاس بھیج دوں تو وہ ایسا شخص ہے کہ تمام روئے زمین پر زہد وورع وعبادت وعفت میں کوئی شخص اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور جب محراب عبادت میں تلاوت وقرأت قرآن مجید کرتا ہے تو وحشی و پرندے اس کو سننے کے لئے حاضر آتے ہیں۔ اس کی تلاوت مثل تلاوت داؤد ہے جب وہ زبور پڑھتے تھے۔ وہ شخص تو سب سے زیادہ دانا، نرم دل اور لوگوں کی بھلائی میں سعی کرنے والا ہے۔ تفرع وزاری میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ خلیفہ کے لئے مناسب نہیں کہ ایسے شخص سے معترض ہوئے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس شخص کو آسیب پہنچایا تو حق تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ کی عمر دولت پر گزند نہ آوے۔ جب یہ جواب عبدالملک کو پہنچا تو وہ والی مدینہ سے خوش ہوا۔ اور اس نے مضمون نامہ کو پسند کیا وہ رقعہ زید ابن حسن کو دکھایا تو انھوں نے کہا کہ محمد الباقر نے والی مدینہ کو خوش کر لیا ہے۔ عبدالملک نے کہا کہ تمہاری کیا تجویز ہے کہ جس سے محمد الباقرؑ کو نقصان پہنچا سکیں۔ زید نے کہا کہ تجویز یہ ہے کہ محمد الباقر کے پاس جناب رسول خداؐ کی شمشیر وعصا وانگشتری ودیگر اسلحہ ہیں تو ان تبرکات کو محمد الباقر سے مانگ وہ نہ دیں گے تو پھر تجھکو ان کے قتل کرنے کا بہانہ مل جائیگا۔ پس عبدالملک نے والی مدینہ کو لکھا کہ ہزار درہم محمد ابن علی زین العابدینؑ کو بھیج دے اور اسلحہ وزرہ رسولؐ کو ان سے طلب کر۔ پس والی مدینہ میرے والد کے گھر آیا اور عبدالملک کا خط ان کو پڑھ کر سنایا۔ میرے والد نے کہا مجھے چند دن کی مہلت دو۔ والی مدینہ راضی ہو گیا۔ پس میرے والد نے چند اشیاء اس قسم کی جو عبدالملک نے طلب کی تھیں، مثلاً شمشیر وعصا وانگشتری وزرہ وغیرہ مہیا کیں اور والی مدینہ کے پاس بھجوا دیں اور والی مدینہ نے عبدالملک کے پاس بھجوا دیں۔ عبدالملک ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ زید ابن حسنؑ کو طلب کیا اور وہ چیزیں ان کو دکھائیں۔ زید ابن حسن نے ان کو دیکھ کر کہا کہ محمد الباقرؑ نے تجھے دھوکہ دیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز بھی رسول خداؐ کی نہیں ہے، پس عبدالملک نے میرے والد کو لکھا کہ میرا مال تو آپ نے لے لیا اور جو میں نے طلب کیا تھا وہ نہ بھیجا۔ میرے والد نے اسکے جواب میں لکھا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ تیرے لیئے بھجوا دیا۔ خواہ یقین کر خواہ یقین نہ کر۔ پس ظاہر میں عبدالملک نے آنجناب کی تصدیق کی اہل شام کو بلایا اور ان چیزوں کو دکھا کر ان پر فخر کیا کہ یہ رسول خدا کی ہیں جو میرے لیئے بھیجی گئی ہیں۔ اور ظاہرداری میں زید کو پکڑ کر گرفتار کیا اور قید کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں نے نبی فاطمہ کے خون کو حرام کر لیا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو تجھے قتل کر دیتا۔ اور پھر میرے پدر بزرگوار کو ایک ایک رقعہ لکھا کہ میں زید ابن حسن کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں کہ آپ اسکی تادیب کریں اور ایک زین میں حضور کے لئے بھیجتا ہوں کہ اس پر سوار ہوں۔ جب زید ابن حسن جناب محمد الباقر کے سامنے آئے تو آپ نے نور امامت سے معلوم کر لیا کہ یہ سب مکر وحیلہ ہے اور اس ملعون نے زید کو بھیجا ہے کہ مجھے شہید کرے۔ اس کے بعد اس امام مظلوم نے زید سے کہا کہ یہ کیا امر عظیم ہے جس کا تو نے ارادہ کیا ہے۔ اور یہ کیا فعل شنیع ہے جو تیرے ہاتھ سے کرایا جا رہا

ہے کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں نہیں جانتا جو تیرا ارادہ ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ اس زین کی لکڑی کس درخت سے تراشی گئی ہے اور اس کے اندر کیا چیز بھری ہوئی ہے۔ لیکن یہ مقدر ہو چکا ہے کہ میری شہادت اسی طرح ہو۔ پس اس زین کو خلیفہ کے حکم سے گھوڑے پر کسا گیا۔ امام اس پر سوار ہوئے۔ چونکہ زین مسموم تھا سارا زہر بدن میں سرایت کر گیا۔

علامہ مجلسیؒ کی تنقید

قطب راوندی کی یہ روایت لکھنے کے بعد خود علامہ مجلسی اس روایت کی تنقید اس طرح کرتے ہیں:

''ابن بابویہ و دیگران ذکر کردہ اند کہ شہادت آن حضرت بامر ابراہیم ابن ولید واقع شدہ وآن حضرت رامسموم گردانید و بعضے ہشام ابن عبدالملک نیز گفتہ اند وانچہ قطب راوندی روایت کرد۔ شہادت آن حضرت بامر عبدالملک بود۔ مخالف اقوال مشہورہ وتواریخ مظبوط است شاید از ان روایت ہشام افتادہ باشد''۔ یعنی ابن بابویہ و دیگر محققین نے ذکر کیا ہے کہ آنجناب کی شہادت ابراہیم ابن ولید کے حکم سے ہوئی۔ اس نے آنجناب کو زہر دیا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ میں انتقال فرمایا۔ اور یہ جو قطب راوندی نے روایت کی ہے کہ آنجناب کی شہادت عبدالملک کے حکم سے ہوئی۔ یہ خلاف اقوال مشہورہ وتواریخ مظبوطہ ہے۔ شاید اس روایت میں ہشام کا لفظ قلم سے رہ گیا ہو۔

اس روایت پر تنقید

یہ حد درجہ کی خوش اعتقادی ہے کہ شاید غلطی سے ہشام کا لفظ رہ گیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس راوی کو جس پر قطب راوندی نے اعتبار کیا ہے اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ جس بادشاہ نے مسموم زین بھیجا تھا وہ کون تھا۔ عبدالملک یا ہشام، پھر ایسی رویت کا کیا اعتبار۔ اس روایت میں تو عبدالملک کا ذکر بار بار آیا ہے۔ کیا ہر دفعہ ہشام کا لفظ گر گیا۔ یہ ناممکن ہے۔ بلکہ نتیجہ نکلا کہ راوی ہی مجہول ہے۔ فقط یہ بات ہی اس روایت کو درجۂ اعتبار سے گرا دیتی ہے۔ لیکن ہمارے خان بہادر سید اولاد حیدر نے تو غضب ہی کر دیا۔ روایت میں جہاں جہاں عبدالملک کا لفظ تھا وہاں سے عبدالملک کو ہٹا کر اپنی طرف سے ہشام کا لفظ لکھ دیا ہے۔ یہ تاریخی شان سے بعید ہے۔ اور پھر اس کا نہ کوئی توضیحی نوٹ ہے۔ اور نہ اسکی معذرت اور نہ وجہ۔

اس روایت میں دیگر اندرونی نقائص ایسے ہیں کہ یہ درجۂ اعتبار سے گر جاتی ہے۔ مندرجۂ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) یہ واقعہ راوی نے عبدالملک سے منسوب کیا ہے۔ عبدالملک کا سنہ وفات ۸۶ ہجری ہے اور جناب محمد الباقر علیہ السلام کا سنہ شہادت ۱۱۴ ہجری ہے جو ایسا بیخبر راوی ہو اس کی کس بات کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ چونکہ

عبدالملک کا نام بار بار آتا ہے۔ لہذا یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ سہو قسم تھا۔

(۲) اس روایت کا سلسلہ رواۃ مفقود ہے۔

(۳) کسی مستند تاریخ کی کتاب میں یہ واقعہ درج نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے جناب رسالتمآب کے اوقاف کی فہرست زید ابن حسن سے مانگی کیونکہ عمر میں یہ سب سے بڑے تھے اور انھوں نے یہ جواب دیا کہ یہ فہرست میرے پاس نہیں ہے۔ محمد الباقرؑ کے پاس ہوگی۔ زہر خورانی یا مزید مخاصمت کا ذکر کسی تاریخ کی کتاب میں نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ذکر ہے کہ جناب محمد الباقرؑ کی شہادت زہر سے ہوئی۔ (تاریخ طبری عربی الجزء السابع صفحہ نمبر ۲۶۲) طبری نے زید ابن علی زین العابدین کی اس مقدمہ بازی کا تو ذکر کیا ہے جو ان کو اوقاف علی علیہ السلام کے متعلق عبداللہ ابن حسن ابن حسن ابن علی ابن ابی طالبؑ کے خلاف تھی۔ یہ مقدمہ والی مدینہ کے سامنے تھا اور اس میں کئی پیشیاں ہوئیں۔ ایک دوسرے کو سخت کلامی سے مخاطب کرتے تھے۔ اور آخر کاری دونوں سمجھ گئے کہ والی مدینہ ہی ہم کو جان کر لڑوا رہا ہے تاکہ بنو ہاشم کے بے عزتی اور جگ ہنسائی ہو۔ اور آپس میں صلح کر لی۔ اس میں زید ابن حسن کا ذکر تک نہیں آتا۔ اور نہ اس سندھی ماں کے طعنہ کا ذکر زید ابن حسن کی طرف منسوب ہے بلکہ یہ طعنہ عبداللہ ابن حسن

ابن حسن نے دیا تھا۔ اور پھر ان کی ہی ماں نے انھیں اس طعنہ پر ملامت کی اور کہا کہ زید کی ماں نہایت عمدہ عورت تھی۔ اس میں کہیں زید ابن حسن کا ذکر نہیں ہے۔

(۴) کافی میں مطلقاً اس کا ذکر نہیں ہے۔ یعقوب کلینی جامع کافی کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت تک اس روایت کا وجود نہ تھا۔ کافی کی شرح صافی علامہ ملا خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھی آخری جلد اس کی انھوں نے بروز بدھ بتاریخ ۲۵/ جمادی الآخر ۱۰۶۹ھ ہجری میں ختم کی تھی۔ جیسا وہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ ہم کو تو اس میں وہ روایت نہیں ملی۔ لیکن خان بہادر سید اولاد حیدر صاحب تحریر کرتے ہیں کہ صافی میں عمر ابن عبدالعزیز کا ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ میں زید ابن حسن سے فہرست اوقاف علی کا طلب کرنا مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن عبدالملک کے پاس جا کر ساحر و جادوگر کہنا اور پھر اس کے اشارہ سے امام علیہ السلام کو زہر دینا مطلقاً مذکور نہیں ہے۔ غرضکہ قطب راوندی واحد شخص ہیں جو یہ ذکر کرتے ہیں اور ان کے رواۃ کا علم نہیں ہے۔

(۵) زید ابن حسن کو علماء نے متقی، عابد زاہد اور ثقہ لکھا ہے جیسا ہم ابھی ذکر کریں گے۔ ان سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی ایک ایسی مشہور آیت کو بھول جائیں ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاؤہ جہنم۔ اور جہنم مول لیں۔ والی مدینہ جو ایک اموی تھا وہ تو امام محمد الباقرؑ کی قید کو برا سمجھے اور امام حسن کے فرزندان کے قتل کو مباح سمجھیں۔

(۶) بموجب اس روایت کے عبدالملک نے جناب رسول خداؐ کے چند تبرکات منگائے اور ان کے عوض

جناب محمد الباقرؑ کو روپیہ بھیجا۔ جناب محمد الباقرؑ نے روپیہ رکھ لیا لیکن تبرکات نہ بھیجے بلکہ ویسی ہی اور چیزیں بازار سے خرید کر بھیج دیں۔ یہ تو دھوکہ بازی ہے۔ اور امام کی شان سے بالکل بعید ہے۔ راوی کا مدعا ہے کہ اولاد حسن اور اولاد حسین دونوں کو ایک ہی روایت سے بدنام کردے۔ اور ظاہر کرے کہ خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ ہمارے خلیفہ تو بری الذمہ ہیں۔

(۷) زید ابن حسن کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ سے جناب امام جعفر صادقؑ نے اپنے فرزند اسحاق کا نکاح کیا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ اپنے باپ کے قاتل کی پوتی سے جناب امام جعفر صادق اپنے فرزند کا نکاح کرتے۔ جناب سیدہ نفیسہ ایسی پرہیز گار و عابدہ و زاہدہ تھیں کہ ان کا ثانی اس زمانہ میں نہ تھا۔ اس کا ذکر تفصیل سے ہم امام جعفر صادقؑ کے حالات میں کریں گے۔

علامہ محسن الامین العاملی نے اعیان الشیعہ میں زید ابن الحسن ابن علی ابن ابی طالبؑ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس میں شیخ مفید علیہ الرحمتہ کی کتاب الارشاد کی عبارت بجنسہ نقل کی ہے۔ ہم اس عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں اولاد حسن علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد اور زید ابن الحسن کو ان کی اولاد میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زید ابن الحسن جناب رسول اللہ کے صدقات کے متولی تھے اور بنو ہاشم میں سب سے بڑے تھے۔ جلیل القدر اور کریم الطبع اور پاکیزہ تھے۔ ان میں بہت سی خوبیاں تھیں اور لوگوں سے نیکیاں کرتے تھے۔ شعراء نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور لوگ دور دراز ممالک سے طلب فضل کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اصحاب السیر لکھتے ہیں کہ زید ابن الحسن جناب رسول خدا کے صدقات کا انتظام کرتے تھے۔ جب سلیمان ابن عبد الملک تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے اپنے مدینہ کے عامل کو لکھا کہ جب میرا یہ حکم تجھے ملے تو تو زید ابن الحسن کو صدقات جناب رسول خدا کی تولیت سے ہٹا کر اکی قوم کے فلاں ابن فلاں کو دے دینا اور ان کے انتظام میں اس شخص کی مدد کرنا۔ لیکن جب عمر ابن عبد العزیز تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس کا حکم پہنچا کہ زید ابن الحسن بنو ہاشم کے شرفاء میں سے ہیں اور عمر میں سب سے بڑے ہیں۔ پس تمام صدقات رسول اللہ ان کو واپس دیدو۔ ان کے متعلق محمد ابن بشیر الخارجی نے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں۔ ترجمہ اشعار چھوڑ دیا گیا۔

جناب زید نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ بہت سے شعراء نے ان کے مرثیے کہے اور ان کے فضائل و محامد کا ذکر کیا ہے۔ ان شعراء میں سے ایک قدامہ ابن موسیٰ ہیں۔ ان کے اشعار یہ ہیں۔

(ہم نے ترجمہ اشعار چھوڑ دیا۔)

ایسے ہی مدح کے بہت سے شعر ہیں۔ اگر سب کو جمع کریں تو ہماری کتاب کو بہت طول ہو جائیگا۔ اپنے دنیا سے چلے جانے کے وقت تک (یعنی اپنی رحلت تک) زید نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ان کے لئے اس

امامت کا دعویٰ شیعوں کی کسی جماعت نے کیا۔ شیعوں کے دو بڑے گروہ ہیں۔ امامیہ اور زیدیہ۔ امامیہ تو نص کے قائل ہیں اور وہ اولاد حسن میں معدوم ہے اور نہ ہی اولاد حسن میں سے کسی نے اپنے لیے امامت کا دعویٰ کیا کہ کچھ شبہ ہوتا۔ اور زیدیوں کے نزدیک امام علی و حسن و حسین کے بعد امامت کے لئے دعویٰ امامت و جہاد ضروری شرائط ہیں۔ زید ابن الحسن رحمتہ اللہ علیہ بنوامیہ کے ساتھ مصالحت کے ساتھ رہنا چاہتے تھے اور ان کے عمال کی اطاعت کرتے تھے۔ ان کی رائے میں دشمنوں سے تقیہ اور ان کی تالیف قلوب و مداراۃ ضروری ہے اور یہ امور جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا زیدیہ کے نزدیک علامات امامت نہیں ہیں۔ حشویہ تو بنوامیہ کی امامت کے قائل ہیں اور اولاد رسولؐ کی امامت کے منکر ہیں۔ معتدلہ اختیار شوریٰ کے قائل ہیں اور صرف ان کی امامت کے قائل ہیں جو اعتزال میں ان کے شریک ہیں اور زید ابن الحسن میں یہ شرائط نہ تھیں۔ اور خوارج اس شخص کی امامت کے قائل نہیں جو امیر المومنین علیؑ سے محبت رکھتا ہو۔ اور یہ امر مسلّمہ ہے کہ زید کو اپنے باپ حسن اور دادا علیؑ سے محبت تھی۔ ختم ہوئی عبارت ارشاد مفید علیہ الرحمتہ کی (اعیان الشیعہ الجزء الثانی والثلاثون صفحہ نمبر ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴۔)

عمدۃ الطالب صفحہ ۴۸ کے حوالہ سے علامہ محسن الامین العالی لکھتے ہیں کہ زید ابن الحسن جناب رسول خدا کے صدقات کے متولی تھے۔ اپنے عم جناب امام حسینؑ کے ساتھ عراق کی طرف جانے سے تخلف کیا۔ جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل کے بعد انھوں نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کر لی کیونکہ زید ابن الحسن کی بہن عبداللہ ابن زبیر کی بیوی تھیں۔ (اعیان الشیعہ الجزء الثانی والثلاثون ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴۔)

حالات امام محمد الباقر علیہما السلام کے ضمن میں علامہ محسن الامین العاملی نے قطب راوندی کی روایت کا بھی مثل علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ کے ذکر کر دیا ہے۔ لیکن اس کی تنقید بھی کی۔ فرماتے ہیں۔

ھاذا ینافی ما مرانہ توفی فی ملک ھشام ولعلہ کان ھشام بن عبدالملک فسقط من الرواۃ او النساخ...... قال الصدوق وابن طاؤس سمہ ابراھیم بن الولید (اقول) قد عرفت انہ توفی فی ملک ھشام ابن عبدالملک لافی ملک ابراھیم ابن الولید الا ان یراد ابراھیم سمہ فی ملک ھشام (اعیان الشیعہ الجزء الرابع قسم اول طبع دوم صفحہ نمبر ۸۵ لغایت ۸۷)

ترجمہ۔ یہ روایت (قطب راوندی والی) مخالف ہے اس کے کہ جیسا ہم نے کہا ہے کہ جناب محمد باقرؑ نے زمانہ ہشام میں انتقال کیا۔ ممکن ہے کہ ہشام کا لفظ راویان سے ذکر کرنے سے رہ گیا یا کاتب نے نہ لکھا..... صدوق رحمتہ اللہ علیہ اور ابن طاؤسؒ کہتے ہیں کہ جناب محمد الباقرؑ کو ابراہیم ابن ولید نے زہر دیا..... (میں کہتا ہوں کہ) جناب محمد الباقرؑ کا انتقال ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ میں ہوا نہ کہ ابراہیم ابن ولید کے زمانہ میں۔ ممکن ہے کہ علامہ صدوق و ابن طاؤس کا مطلب ہو کہ زمانہ ہشام میں ابراہیم ابن الولید نے آنجناب کو زہر دیا۔

اب غور کیجئے اگر زید ابن الحسن نے امام محمد الباقرؑ کو زہر سے شہید کیا ہوتا تو کیا شیخ مفید علیہ الرحمتہ ان کا ذکر اس طرح کرتے کہ جس طرح کیا ہے۔ وہ تو ان کے فضائل و محاسن کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ حضرت امام حسن

وحضرت علیؑ سے محبت رکھتے تھے۔ امامت کا کبھی زید نے دعویٰ نہیں کیا۔ شیخ مفید اور صاحب عمدۃ الطالب دونوں نے اس امر کو مانا ہے کہ جناب رسول خداؐ کے اوقات کے متولی وہ ہی تھے۔ امامت اور ہے تولیت اور ہے تولیت کا بھی تنازعہ نہ رہا تو پھر وجہ تنازعہ کیا تھی جس کے باعث وہ امام کے اتنے دشمن ہو جاتے کہ حاکم وقت کو ان کے قتل پر آمادہ کرتے اور خود زہر لا کر انھیں شہید کرتے۔ ہاں ان روایات سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا دار تھے، حکام کی خوشنودی کے طالب تھے۔ علامہ محسن الامین نے تو ان کی اس چاپلوسی وتملق کو تقیہ پر محمول کیا ہے اور ہمارے پاس کوئی وجوہات نہیں جن کی بنا پر ہم فیصلہ صادر کریں کہ یہ تقیہ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس تقیہ کے اعتقاد کی بنا پر امام وقت سے تخلف کرنا جائز نہ تھا۔ لیکن یہ بھی تو ہم کو معلوم نہیں کہ انھوں نے عمداً امام حسینؑ سے تخلف کیا۔ عبداللہ ابن عباس اور محمد ابن الحنفیہ بھی تو امام حسین کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

غرضکہ ہمارا مقصد تو یہ ثابت کرنا تھا کہ جناب زید ابن الحسن نے امام محمد باقرؑ کو ساحر وجادوگر نہیں کہا اور نہ زہر دیا۔ یہ روایت قطب راوندی کو غلط ہے اور یہ ہم نے ثابت کر دیا۔ کیا زید ابن الحسن کو ان کی عقل یہ بھی نہ بتا سکی کہ جس بنا پر وہ امام محمد باقرؑ کو ساحر وجادوگر بتا رہے ہیں اس ہی بنا پر اور اس ہی بحث کے مطابق وہ مجبور ہوں گے کہ جناب رسول خدا علی مرتضیٰؑ اور امام حسنؑ سب کو معاذ اللہ جادوگر کہیں جس طرح کافر کہتے تھے۔ جب زید مدعی امامت ہی نہ تھے تو ان معجزوں کی جناب امام محمد باقرؑ کو ضرورت کیا تھی۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس روایت میں وجہ تنازعہ تو یہ بتائی جا رہی ہے کہ جناب زید بوجہ اپنے سن کے تولیت صدقات چاہتے تھے۔ امام محمد باقرؑ انھیں معجزہ دکھا رہے ہیں۔ معجزہ تو ثبوت امامت ہو سکتا ہے۔ نہ کہ وجہ تولیت۔ امام کوئی ہو اور متولی خاندان کا کوئی اور بزرگ ہو سکتا ہے۔۔ شیخ مفید کی روایت سے ثابت ہو کہ تولیت جناب زید ہی کے پاس تھی تو وجہ تنازعہ ہی کوئی نہ رہی۔

ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ چھری نے، درخت نے پتھر نے کہا تھا کہ اے زید اگر تم باز نہ آئے تو اچھا نہ ہوگا۔ ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ بقول راوی قطب راوندی زید تو باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ امام کو خود مسموم زین لا کر قتل کر دیا۔ چھری۔ پتھر و درخت نے اپنی دھمکی کیوں نہ پوری کی۔ وہ معجزہ ہی پورا نہ ہوا۔

☆

باب ﴿۹﴾

نشر علوم

(۱) بذریعہ مکالمہ ومناظرہ ومباحثہ

(الف) محمد ابن مکندر سے مناظرہ

محمد ابن مکندر اس زمانہ کے بہت بڑے صوفیائے کرام میں سے تھے۔ مثل طاؤس یمانی وابراہیم ابن ادہم کے اپنا سارا وقت عبادت الٰہی میں صرف کرتے تھے اور ان کا سارا بوجھ لوگوں پر پڑا ہوا تھا۔ یعنی دوسرے لوگ ان کے رزق کے کفیل تھے۔ انھوں نے کسب رزق چھوڑ دیا تھا۔ ایک دن انھوں نے جناب محمد باقر علیہ السلام کو نواحی مدینہ میں دیکھا کہ بے انتہا گرمی پڑ رہی تھی اور آپ کے بدن سے پسینہ جاری تھا۔ آپ فربہ آدمی تھے۔ دو غلاموں کے اوپر تکیہ کیے ہوئے تھے۔ محمد ابن مکندر نے غالباً اپنی عبادت وزہد کے زعم پر جناب محمد الباقرؑ سے کہا کہ اس شدت گرما میں ایسے وقت طلب دنیا میں پھرنا جس طرح کہ اور قریش کے لوگ پھرتے ہیں مناسب نہیں۔ کیا ہو اگر اس وقت آپ کی موت آجائے اور آپ اس حالت میں ہوں۔ جناب محمد باقرؑ دونوں غلاموں سے الگ ہوگئے اور سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم بخدا اگر میری موت اس وقت اس حال میں آجائے تو وہ مجھے خدا کی عبادت میں سے ایک عبادت میں پائے گی۔ طلب رزق کرنے میں خدا کی عبادت کر رہا ہوں۔ اور اپنے نفس کو تم اور اور تم جیسے اور لوگوں پر ڈال دینے سے محفوظ کر رہا ہوں۔ کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ موت اس وقت آجائے گی تو مجھے معصیت الٰہی میں پائے گی۔ محمد ابن مکندر نے جواب دیا کہ میں آپ کو نصیحت کرنے آیا تھا۔ آپ نے مجھے نصیحت کردی۔ علامہ کلینی نے کافی میں امام جعفر صادق کا بھی ایسا ہی قول نقل کیا ہے اور امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص ملعون ہے۔ ملعون ہے جو اپنا سارا بوجھ لوگوں پر ڈال دیتا تھا۔

اتباع امام

وہ لوگ جو صوفیوں، درویشوں اور پیروں کی ہیئت اور لباس میں اپنا بوجھ لوگوں پر ڈال دیتے ہیں۔ غلطی کرتے ہیں۔ رزق حلال اپنے اور اپنے عیال کے لئے طلب کرنا بہت بڑی عبادت ہے لیکن طریقہ طلب رزق جائز ہونا چاہئے اور رزق بھی حلال ہو۔ لوگوں کو مکر وفریب دے کر ان سے مال لینا، یا یتیموں و بیوگان کا مال کھانا اور ایسے مال کے لئے کوشش کرنا یہ عبادت نہیں یہ تو گناہ ہے۔

ب۔ نافع بن الازرق رئیس خوارج سے احتجاج

نافع ابن الازرق خارجیوں کا بہت بڑا سردار تھا اور اس کی ہی نسبت سے خارجیوں کو ازارقہ کہتے ہیں۔ شیخ مفید الارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن نافع ابن الازرق جناب محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاں آپ درس دے رہے تھے وہاں آنکر بیٹھ گیا۔ اور حلال حرام کے چند مسائل دریافت کرنے لگا۔ دوران گفتگو میں جناب محمد الباقر علیہ السلام نے کہا کہ اگر اس جماعت مارقہ سے تم پوچھو کہ تم نے جناب امیر المومنین سے جدا ہونا کیوں حلال سمجھا حالانکہ ان کی اطاعت میں تم نے جہاد کیا تھا اور ان کی نصرت نے قربۃً الی اللہ کی تھی تو ہو جواب دیں گے کہ علی نے دین خدا میں حکم مقرر کئے۔ تم ان خوارج سے کہو کہ خداوند تعالی نے شریعت محمدیہ میں حکم مقرر کرنیکا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا، **فابعثوا حکمامن اھلہ وا حلکماً من اھلھا ان یریدا اصلا حاً یوقف اللہ بینھما۔** اور جناب رسول خدا نے بھی سعد ابن معاذ کو بنو قریظہ میں حکم بنایا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ امیر المؤمنین نے دونوں ثالثوں کو حکم دیا تھا کہ قرآن کی رو سے فیصلہ کریں اور اس کی حدود سے باہر نہ جائیں۔ اور یہ بھی شرط تھی کہ جو بات مخالف قرآن ہو وہ رد کر دی جائیگی۔ اور جب معترضین نے کہا کہ تم نے اپنے نفس کے اوپر اس کو ثالث بنایا جو تم پر حکم کرے۔ تو جناب امیر المومنین نے فرمایا کہ میں نے مخلوق کو حاکم نہیں بنایا ہے بلکہ کتاب اللہ کو ثالث بنایا ہے۔ پس یہ ایمان سے نکلنے والے (خوارج) اس میں حکم بالقرآن کے خلاف کیا پاتے ہیں۔ اور وہ کون سی شرط ہے جسمیں مخالفت قرآن کی رد نہیں ہے۔ کاش وہ اپنی اس بدعت میں بہتان پردازی نہ کرتے۔ یہ سن کر نافع بن ازرق نے کہا کہ واللہ یہ وہ کلام ہے جو اس سے پہلے میں نے نہیں سنا تھا اور نہ میرے دل میں گزرا تھا۔ اور یہ حق ہے۔

ج۔ عبداللہ ابن نافع ابن ازرق خارجی سے آپکا احتجاج

علامہ کلینی نے کافی میں اپنے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن نافع ابن ازرق یہ کہا کرتا تھا کہ اگر میں جانتا کہ اس ساری دنیا میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو مجھے بحث میں یہ ثابت کر دے کہ اہل نہروان کے قتل کرنے میں علی نے ظلم نہیں کیا تو میں اس کے پاس جاؤنگا لوگوں نے کہا کہ اگر وہ شخص اولاد علیؑ میں سے ہوگا تب بھی تو اس کے پاس جائے گا۔ اس نے جواب دیا کیا اولاد علیؑ میں بھی کوئی عالم ہے۔ وہ کون ہے۔ بتایا گیا کہ جناب محمد الباقرؑ ہیں۔ پس وہ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ آیا۔ در دولت پر حاضر ہوا لوگوں نے اس کے آنیکا سبب بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہ دو کہ کل آئے۔ وہ دوسرے دن آیا۔ آپ نے انصار و مہاجرین کو جمع کر لیا اور ان کی طرف تشریف لائے۔ اور ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو امیر المومنین علیؑ کے مناقب سے واقف ہے وہ بیان کرے۔ لوگوں نے حضرت علی کے مناقب بیان کرنے شروع کئے۔ عبداللہ ابن نافع نے کہا کہ میں ان مناقب کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن تحکیم حکمین کے بعد (معاذ اللہ) علیؑ کافر ہو گئے۔ لوگوں نے اور مناقب بیان کئے۔ یہاں تک کہ حدیث رایت (**لاعطینالرایتہ غداالحدیث**) بیان

ہوئی۔ جناب محمد باقرؑ نے عبداللہ ابن ازرق کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تو اس حدیث کی نسبت کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ حق ہے اس میں کچھ شک نہیں لیکن بعد میں ان سے کفر ظاہر ہوا۔ اس پر جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ جس دن خداوند تعالیٰ نے علیؑ کو محبوب کیا اور اس سے محبت کی۔ کیا اس دن خدا کو علم تھا یا نہیں کہ یہ اہل نہروان کو قتل کرے گا اگر تو یہ کہتا ہے کہ خدا نہیں جانتا تھا تو تو نے کفر کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں مانتا ہوں کہ اس دن خدا کو یہ علم تھا۔ جناب محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ خدا نے علیؑ سے اس وجہ سے محبت کی کہ علیؑ اس کی اطاعت کرے یا اس وجہ سے محبت کی کہ علیؑ اس کی معصیت کرے۔ اس نے جواب دیا کہ اس وجہ سے محبت کی کہ علیؑ اسکی اطاعت کرے۔ امام محمد باقرؑ نے کہا کہ بس اب جا بحث ختم ہوئی اور تو نے مان لیا۔ وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کن لوگوں میں ودیعت کرے۔

د۔ امام ابو حنیفہ سے مناظرہ

ابو حنیفہ اور امام محمد باقرؑ کی ایک ملاقات کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ صفحات نمبر مندرجہ کریں۔ علامہ شہر آشوب کتاب مناقب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن جناب محمد الباقرؑ مسجد میں کھڑے ہوئے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے آپ سے کہا کہ آپ بیٹھیں تا کہ میں آپ سے مسائل دریافت کروں۔ آپ نے جواب دیا کہ تم مشہور آدمی ہو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں بیٹھ کر تم کو مسائل سمجھاؤں۔ لیکن ابو حنیفہ نے کچھ آپ کے جواب کی طرف توجہ نہیں کی اور آپ سے پوچھا کہ کیا آپ امام ہیں۔ جواب دیا کہ نہیں۔ پوچھا کہ اہل کوفہ کا خیال ہے کہ آپ امام ہیں آپ نے جواب دیا کہ میں اسکا کیا علاج کروں۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ ان کو آپ لکھ کر بتا دیں کہ آپ امام نہیں ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر میں لکھوں تو وہ اس کی اطاعت نہ کریں گے۔ ہم معلوم سے غیر معلوم کا استنباط کرتے ہیں۔ ابھی دیکھو میں نے تم کو حکم دیا کہ درس کے لئے نہ بیٹھو۔ لیکن تم نے اطاعت نہ کی۔ اسی طرح اگر میں ان کو لکھوں گا تو وہ اطاعت نہ کریں گے۔ اب ابو حنیفہ کو قدرت نہ ہوئی کہ آپ سے مزید کلام کرتا۔ (مناقب ابن شہر آشوب المجلد الخامس)

تذکرۂ خواص الامت میں طبقات ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے کہا کہ کیا کبھی تم نے محمد الباقرؑ سے بھی ملاقات کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں اس سے ملا تھا۔ اور میں نے ان سے سوال کیا کہ کیا خدا معاصی کا ارادہ کرتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ کیا لوگ خدا پر غلبہ کر کے اسکی نافرمانی کرتے ہیں۔ میں نے اس سے بہتر خاموش کرنے والا جواب نہیں دیکھا۔

ان دونوں روایتوں پر غور کرو۔ امام نے ابو حنیفہ کو ٹال دیا جب کہا کہ میں امام نہیں ہوں ایسا کیوں کیا، یہ تو آگے چل کر واضح ہوگا کہ بعض دفعہ ان دونوں اماموں کے جوابات ایسے کیوں ہوا کرتے تھے یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ ابو حنیفہ نے بطور مخالف اور دشمن کے سوال کیا بطور معتقد اور مطیع کے نہیں۔ اگر امام محمد باقرؑ کہتے کہ میں امام ہوں تو فوراً حکومت کی مخالفت کا رخ اس طرف کر دیا جاتا۔ یہ نہیں کہ ابو حنیفہ ان کو امام تسلیم کر لیتے۔ ہاں کہنے سے ایک فتنہ پیدا ہوتا۔

اور خدا فرماتا ہے۔ الفتنۃ اشد من القتل۔ جب فتنہ قتل مومن سے بھی زیادہ برا ہو تو ایک دو معنی اور قابل تشریح جواب اس کو روک دے تو کیا حرج ہے۔

دوسرا سوال زیادہ دلچسپ ہے۔ ابوحنیفہ کی بحث تھی کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی شے کو معدوم کرنا چاہے تو ہو معدوم ہو سکتی ہے۔ دنیا میں خدا کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ یہ نافرمانیاں خدا کے حکم سے ہوئیں۔ جناب محمد الباقر کا جواب تھا جو کہ خود سوال کی صورت میں تھا کہ کیا خدا مجبور ہے کہ ان نافرمانیوں کا اجراء باقی ہے۔ اور لوگ اس کی نافرمانیاں کر رہے ہیں۔ ابوحنیفہ نے آگے جواب نہ دیا ورنہ بحث آگے چلتی۔ یہ مسئلہ بہت پرانا ہے اور دلچسپ ہے اور اس پر ہم آیندہ چل کر بحث کریں گے جہاں یونان و یورپ کے فلسفہ کا تقابل فلسفۂ اسلام سے کریں گے۔ یہاں چند الفاظ ضروری ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ دنیا میں ہر چیز خدا کے ارادہ سے ہوتی ہے اور اگر وہ چاہے تو وہ چیز بالکل واقع نہ ہو یا معدوم ہو جائے۔ خدا نے اردہ کیا کہ انسان اپنے فعل مین آزاد ہو۔ اگر مشیت الٰہی یہ نہ ہوتی تو آدم شجر ممنوعہ تک جا ہی نہ سکتے۔ شجر ممنوعہ کو قائم کرنا اور انسان کی جزا و سزا کے لئے جنت و دوزخ کو پیدا کرنا ثابت کرتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنے فعل میں آزاد رکھا ہے اگر وہ چاہتا تو آزاد نہ رکھتا بلکہ جکڑ دیتا۔ پھر اس صورت میں نہ دوزخ کی ضرورت ہوتی نہ جنت کی۔ میرے خیال میں انسان کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ فرشتے ہی کافی تھے۔ آزاد ہو کر انسان ارتکاب معاصی کی طرف گیا۔ خدا نے انسان کو ارتکاب معاصی کا حکم نہ دیا تھا۔ اگر چہ اسکو علم تھا کہ انسان ایسا کرے گا۔ لیکن علم و ارادہ میں فرق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس شخص کی بیماری اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ وہ کل مر جائیگا۔ وہ مر جاتا ہے۔ لیکن میں نے اسکو نہیں مارا۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ معاصی ارادہ و حکم خداوندی سے ہوتے ہیں۔ اگر چہ وہ اس کے علم میں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اگر وہ چاہے تو معاصی کا ارتکاب نہ ہو لیکن دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنے ہوے کہ اگر خدا چاہے تو انسان اپنے فعل میں آزاد نہ رہے۔ یہ اعترض معاصی کی موجودگی پر نہیں ہے۔ بلکہ اس مشیت الٰہی پر ہے۔ جس نے انسان کو اپنے فعل میں آزاد رکھا۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ خداوند تعالےٰ اپنی مشیت کے اجراء کرنے میں آزاد ہے۔ قرآن شریف میں فطرت انسانی کے متعلق کہا گیا ہے کہ فالھمھا فجورھا وتقواھا۔ خدا نے انسان کی فطرت میں خیر و شر کے ارتکاب کی طاقت و دیعت کردی ہے۔ اب معترض یہ کہے کہ شر کو خدا نے انسان کی فطرت میں داخل ہی کیوں کیا۔ اس کا جواب وہی ہے کہ انسان کو اپنے فعل میں آزاد رکھنا مطلوب تھا۔ اگر انسان کی فطرت میں برائی کی طرف جانے کی اہلیت ہی نہ ہوتی اور اس کو برائی کا علم ہی نہ ہوتا تو پھر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ انسان اپنے فعل میں آزاد ہے۔ وہ تو مجبور ہوتا کہ نیکی کرے۔ شر کا تو اس کو علم ہی نہیں اور نہ شر کی طرف راغب ہوتا لہٰذا مجبور بہ خیر ہوتا اور یہی جناب امام محمد باقرؑ کا مطلب تھا کہ خدا ان کی نافرمانیوں کو ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن انکو آزادی دے رکھی ہے کہ دیکھے وہ کیسا عمل کرتے ہیں۔

ہ۔قتادہ بن دعامۃ البصری سے مباحثہ

قتادہ بن دعامہ بصرہ کے بہت بڑے فقہا میں سے تھا۔یافعی نے مراۃ الجنان میں اس کا ذکر کیا ہے۔(الف۔مرآۃ الجنان یافعی جلد اول صفحہ نمبر ۲۵۱ ۷ے۱۱ ہجری)

ایک دن یہ امام محمد باقرؑ کے پاس مسجد میں آیا۔راوی کہتا ہے کہ میں بھی اس کے پاس بیٹھ گیا کہ ساری باتیں سن سکوں۔جناب امام محمد باقرؑ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ قتادہ بن دعامۃ۔آپ نے پوچھا کہ بصرہ کا فقیہ۔اس نے کہا کہ ہاں۔جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ جان تو کہ خداوند تعالیٰ نے ایک جماعت کو پیدا کیا اور اس کو لوگوں پر اپنی حجۃ قرار دیا پس وہ زمین کی میخیں ہیں۔خدا کے حکم سے وہ لوگ قائم ہیں۔اس کے علم رکھنے والے ہیں۔خدا نے انکو دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے منتخب کر کے اپنے عرش کے داہنی طرف قائم کیا۔قتادہ بہت دیر تک خاموش رہا۔پھر کہا کہ واللہ میں بڑے بڑے فقہاء کی خدمت میں بیٹھا ہوں۔مثلاً ابن عباس کے۔لیکن ان میں سے کسی کے سامنے میرا دل اتنا مضطرب نہیں ہوا جتنا آپ کے سامنے ہو رہا ہے۔پس جناب باقرؑ نے فرمایا کہ کیا تجھکو معلوم ہے کہ اس وقت تو اس شخص کے سامنے ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ بیوت اذن الله ان ترفع ویذکر فیهااسمه یسبح له فیها بالغدو والآصال رجال لا تلهیهم تهارة ولابیع عن ذکر الله واقام الصلوٰة وایتاالزکوٰة۔ اے قتادہ تو جان لے کہ وہ ہم لوگ ہیں جنکا ذکر اس آیت میں ہے۔قتادہ نے کہا کہ واقعی آپ سچ فرماتے ہیں۔پھر قتادہ نے کہا پنیر کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے وہ جائز ہے یا نہیں۔جناب باقرؑ نے فرمایا کہ اب تو مسائل میں ایسے مسئلہ پر اتر آیا کہ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ جائز ہے۔قتادہ نے کہا کہ اکثر یہ ممکن ہے کہ اس میں مردہ جانور کا دودھ ملا دیا گیا ہو جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ اس کا کچھ ہرج نہیں۔کیونکہ کوئی دودھ ہو اس میں خون،ہڈی،رگیں نہیں ہوتیں۔پھر آپ نے فرمایا کہ دودھ بمنزلہ مرغی کے انڈے کے ہے جو مردہ مرغی میں سے نکالا گیا ہو۔کیا تو اس بیضہ کو کھالے گا۔قتادہ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔آپ نے پوچھا کیوں۔اس نے کہا اس لئے کہ وہ مردے میں سے نکلا ہے۔آپ نے فرمایا کہ اگر اس انڈے کو مرغی کے نیچے بٹھا دو اور بچہ نکل آئے اور بڑھ جائے تو اسکو کھائیگا یا نہیں اس نے کہا کہ ہاں کھاؤں گا۔آپ نے فرمایا۔کس چیز نے انڈے کو تیرے اوپر حرام کیا اور بچے کو حلال کیا۔اسی طرح دودھ تو مثل بیضہ کے ہے پس تو مسلمانوں نے بازار میں جا کر نمازیوں کے ہاتھ سے پنیر خرید لے اور اس پنیر کے متعلق ان سے سوال کچھ نہ کر۔

و۔عبداللہ بن معمر سے متعہ پر بحث

کشف الغمہ میں ہے کہ عبداللہ بن معمر اللیثی نے جناب محمد الباقرؑ سے کہا کہ مجھے خبر لگی ہے کہ آپ متعہ کی جوازیت پر فتوٰی دیتے ہیں۔آپ نے جواب دیا کہ خداوند تعالےٰ نے اسے اپنی کتاب میں حلال کیا،جناب رسول خدا کی سنت ہے اور اصحاب رسول نے اس پر عمل کیا۔عبداللہ نے کہا کہ لیکن عمر نے اس سے لوگوں کو منع کیا ہے۔آپ نے

جواب دیا کہ تو اپنے دوست کے قول پر عمل کرتا ہے اور میں پیغمبر خداؐ کے قول پر عمل کرتا ہوں۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ آپ کی رشتہ دار عورتیں بھی ایسا کرنے لگیں۔ جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ عورتوں کے ذکر کا کیا موقعہ ہے۔ جس چیز کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے حلال کر دیا کیا وہ تیرے یا اس سے نہی کرنے والے کے کہنے سے متغیر ہو سکتا ہے۔ اگر تیرے محرمات (نزدیکی عورتوں) میں سے کوئی یثرب کے جولاہے سے شادی کر لے تو کیا وہ تجھ کو پسند آئے گا۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا تو اس چیز کو حرم کرتا ہے۔ جس کو خدا نے حلال کر دیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں حرام نہیں کرتا۔ لیکن جولاہا میرا ہم کفو نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تو جولاہے کے عمل سے خوش ہو کر حوران جنت سے تزویج کر دے گا اور تو اس شخص سے نفرت کرتا ہے۔ جن کی طرف خدا راغب ہے اور اس سے دور رہنا چاہتا ہے اور کبر غرور سے اسے اپنا ہم کفو نہیں سمجھتا جس کو حوران جنت کے لئے خدا نے ہم کفو قرار دیا۔ اب عبداللہ ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا کہ آپ لوگوں کے سینے درختان علم کے منبت ہیں۔ ان درختوں کے پھل آپ کو ملتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس کے پتے ملتے ہیں۔

ز۔ مشکل اور دقیق مسائل کے جواب

علامہ طبرسی نے احتجاج میں ابان بن تغلب سے روایت کی ہے کہ ایک دن طاؤس یمانی نے جناب محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ دنیا کے ایک تہائی لوگ کب مرے تھے۔ آپ نے کہا کہ یوں کہو کہ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی کب فوت ہوئی تھی۔ یہ اس وقت تھا جب دنیا میں محض آدم و حوا اور قابیل و ہابیل تھے۔ اور قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ پھر طاؤس یمانی نے دریافت کیا کہ سب سے پہلا جھوٹ کون سا تھا جو بولا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ابلیس کا جھوٹ۔ جب اس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے گواہی تو سچی دی لیکن پھر بھی گواہی دیتے وقت جھوٹے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ گواہی دینے والے منافق تھے اور گواہی سچی تھی۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **فانزل الله عزوجل اذاجائك المنافقون قالوا نشهدانك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهدان المنافقين لكاذبون**۔ پھر اس نے کہا وہ کون سا اڑنیوالا تھا جو صرف ایک دفعہ اڑا۔ نہ اس سے پہلے اڑا اور نہ اس کے بعد اڑے گا۔ اسور اس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ آپ نے فرمایا وہ طور سینا ہے۔ جس کو خداوند تعالےٰ نے اڑا کر بنی اسرائیل کے اوپر اٹھایا اور ان کو اپنے بازو کے اندر لے لیا جس میں بہت سے عذاب تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے توراۃ کو قبول کر لیا۔ جنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے **واذنتقنا الجبل فوقهم كانه ظلّة و ظنو انه واقع بهم الآية**۔ پھر طاؤس یمانی نے پوچھا کہ وہ کون سا رسول ہے جسکو خداوند تعالےٰ نے مبعوث کیا اور جو نہ جن ہے نہ انسان نہ فرشتہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کوا ہے جس کو خداوند تعالےٰ نے بھیجا تھا کہ قابیل کو قبر کھودنا اور اپنے بھائی کی لاش چھپانا بتائے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: **فبعث الله غرابا يبحث في الارض ليريه كيف يواري سواة اخيه**۔ پھر طاؤس یمانی نے پوچھا کہ وہ

کون ہے جس نے اپنی قوم کو ڈرایا جو نہ جن ہے نہ انسان ہے نہ فرشتہ ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن شریف میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ چیونٹی ہے جس نے کہا تھا کہ یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنودہ وھم لایشعرون۔ پھر اس نے کہا کہ وہ کون ہے جس کی تکذیب کی گئی ہے اور اسکو جھوٹا کہا گیا حالانکہ وہ سچا تھا۔ وہ نہ جن ہے نہ انس ہے نہ فرشتہ ہے۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھیڑیا ہے۔ جس پر برادران یوسف نے جھوٹا بہتان رکھا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ وہ کون سی شے ہے جس کا کم حلال اور کثیر حرام ہے اور جس کا ذکر قرآن شریف میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نہر طالوت ہے۔ جس کی نسبت خداوند تعالےٰ نے فرمایا الامن اغترف غرفتہ بیدہ۔ پھر طاؤس نے پوچھا کہ اچھا یہ بتائے کہ وہ کون سی صلوٰۃ فرض ہے جو بغیر وضو کے بھی ادا ہو سکتی ہے اور وہ کون سا روزہ ہے جس میں اکل وشرب جائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صلوٰۃ بغیر وضو تو صلوٰۃ علی النبی وآلہ ہے اور صوم وہ ہے۔ جس کا ذکر خداوند تعالےٰ نے کیا ہے۔ انی نذرت لرحمٰن صوماً فلن اکلم الیوم انسیا۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا بتایئے وہ کونسی چیز ہے جو بڑھتی بھی ہے اور گھٹتی بھی ہے اور وہ کون سی شے ہے جو بڑھتی ہے لیکن گھٹتی نہیں اور وہ کون کی شئے ہے جو گھٹتی ہے لیکن بڑھتی نہیں۔ جناب امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شے بڑھتی اور گھٹتی ہے وہ قمر ہے جو شے بڑھتی ہے لیکن گھٹتی نہیں وہ سمندر ہے اور جو شئے گھٹتی ہے لیکن بڑھتی نہیں وہ عمر ہے۔

اس قسم کے سوال وجواب پہلے زمانہ میں ہر مذہب ملت اور فلسفہ میں بہت رائج تھے۔ ان سے جواب دینے والے کی وسعت علم ومطالعہ ومشاہدہ کا امتحان نہایت اچھی طرح ہوتا تھا۔ اور سوال کرنے والے کے لئے بھی قابلیت کی ضرورت تھی۔

نافع ابن الازرق خارجی نے جناب ابوجعفر محمد الباقرؑ سے سوال کیا کہ خداوند تعالےٰ کب سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کب نہیں تھا جو میں کہوں کہ کب سے ہے۔

عبداللہ ابن سنان اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوجعفر محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ خوارج کا ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے ابوجعفر آپ کس کی عبادت کرتے ہیں۔ فرمایا خدا کی۔ اس نے کہا کیا آپ نے اسکو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے۔ ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دل نے دیکھا حقائق الایمان کے ذریعہ سے۔ خداوند تعالیٰ نہ تو قیاس سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور نہ حواس ظاہری سے اور نہ کسی انسان سے وہ مشابہ ہے بلکہ آیات اس کا وصف کرتی ہیں۔ دلائل سے اسکی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے احکام میں ظلم وجور نہیں کرتا۔ یہ ہے وہ خدا جس کے سوائے کوئی اور خدا نہیں ہے وہ خارجی یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالاتہ۔

محمد ابن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے جناب محمد الباقرؑ سے اس آیت کے معنے پوچھے کہ ونفخت فیہ من روحی۔ یہ نفخ روح کیسا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ روح ہوا (ریح) کی طرح متحرک ہے۔ یہ لفظ ریح سے مشتق ہے۔ روح اسکو اس

وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ مثل ریح کے ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات کی طرف اس وجہ سے نسبت دی کہ دیگر ارواح میں سے اس کو منتخب کر لیا تھا۔ جس طرح گھروں میں سے ایک گھر کو منتخب کر کے فرمایا بیتی۔ اور رسولؑ میں سے ایک رسول کی نسبت فرمایا کہ خلیلی۔ اور یہ سب خدا کے بنائے ہوئے مربوب و مدبر ہیں۔

محمد ابن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے جناب محمد باقرؑ سے عرض کی کہ روایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ صورت بھی حادث ہے۔ مخلوق ہے۔ خدا کی طرف اس وجہ سے نسبت دی گئی ہے کہ خدا نے اس صورت کی دیگر تمام صورتوں پر منتخب کر لیا۔ جس طرح روح و بیت کی اپنی طرف نسبت دی اور فرمایا روحی و بیتی۔

علامہ کلینی کافی میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ قریش کی ایک جماعت نے ایک جماعت کو جناب محمد الباقرؑ کی خدمت میں بھیجا کہ دریافت کرے کہ اکبر الکبائر (سب سے بڑا گناہ) کونسا ہے۔ آپ نے فرمائی کہ شراب پینا۔ قریش کی تسلی نہ ہوئی۔ پھر دوبارہ یہ ہی سوال کروایا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے کہہ دیا ہے کہ شراب پینا سب سے بڑا گناہ ہے کیوں کہ وہ شراب پنے والے کو زنا و سرقہ و خون ناحق اور شرک پر آمادہ کرتا ہے۔ شراب کے اثرات مقام گناہوں پر اس طرح چڑھ جاتے ہیں جس طرح اس کی بیل تمام درختوں پر چڑھ جاتی ہے۔

اس ہی کی تمثیل پر ہم کہتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں رحلت رسول کے دن اسلام پر سب سے بڑی مصیبت پڑی کیونکہ اس نے امت کا رخ ہادی دین کی طرف سے پھیر دیا اور بعد کی ساری خرابیاں اس ہی سے پیدا ہوئیں۔

.......☆.......

باب دہم

نشر علوم

(ب) بذریعہ درس وتدریس

جناب رسول خداؐ کے بعد پبلک درس وتدریس جناب امیر علیہ السلام کی اولیات میں سے ہے۔ انجناب کے بعد ان کی اولاد نے اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ جناب محمد الباقرؑ بھی مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں جوق در جوق لوگ آپ کی مواعظ سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ شاہان وقت اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ائمہ اہل بیت رسولؐ مرجع خلائق ہوں۔ حالانکہ ائمہ علیہم السلام نے سیاسیات میں حصہ کبھی نہیں لیا۔ جب سے امام حسن علیہ السلام نے اس لبادے، کو اتارا ہے۔ سلسلہ ائمہ میں سے پھر کسی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ لیکن تعلیم وترویج علوم وفقہ اسلامیہ تو ان کی زندگی کا مقصد تھا اس نے کیونکہ چھوڑ سکتے تھے۔ لہذا جب بادشاہوں کے کان ان کے اثر کے قصے سنتے سنتے تھک جاتے تھے اور کوئی بہانہ ان کے قتل کا نظر نہیں آتا تھا تو پھر زہر سے ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ جناب امام حسینؑ کے بعد تمام ائمہ کی زندگی اس طرح ختم ہوئی۔

جناب محمد الباقر علیہ السلام کے مندرجہ ذیل مواعظ ہم علامہ کلینی کی کافی سے نقل کرتے ہیں۔

عقل وجہل

جناب محمد الباقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب خداوند تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا کہ میں نے کوئی شے پیدا نہیں کی جو عقل سے زیادہ مجھکو محبوب ہو۔ اور میں عقل کو کامل کرتا ہوں اس شخص میں کہ جس کو میں محبوب رکھتا ہوں وہ لوگ انبیاء۔ اولاء اور مثل ان کے عقل کی پختگی کی صورت میں میں اور امر ونواہی صادر کرتا ہوں۔ یعنی عقل کے انسان مکلف نہ ہوتا اور نہ دوزخ ہوتا۔ نہ بہشت۔ گویا عقل ہی ثواب وعذاب کی باعث ہے۔

فرمایا جناب محمد الباقرؑ نے کہ روز قیامت خداوند تعالیٰ لوگوں کا حساب لے گا اور ان کی گرفت کرے گا۔ بقدر ان کے عقل کے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور دل میں شک گزرتا ہے کہ عقل تو ایک وبال جان ہوئی عقل کم ہوگی تو گرفت بھی کم ہوگی۔ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ اگر تم سنو کہ کوئی شخص بہت نماز پڑتا ہے۔ اور عبادت کرتا ہے تو دھوکہ نہ کھاؤ کیونکہ اس کو جزا اس کی عقل کے مطابق ملے گی۔ عبادت کے مطابق نہیں۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے عقل سے افضل شے اپنے بندوں کو نہیں دی۔ عاقل کی نیند جاہل کی عبادت سے۔ جس میں

جاگتا رہتا ہے بہتر ہے۔ کسی شہر میں ایک عاقل کا رہنا بہتر ہے جاہلوں کی بستی سے۔ خداوند تعالیٰ نے کسی نبی یا رسول کو مبعوث نہ کیا جب تک کہ اس کو عقل کامل عطا نہ کر لی۔ اور اس کی عقل تمام امتوں کی عقلوں سے بہتر ہوئی ہے۔

لیکن یہ فضیلت عقل سلیم کی ہے عقل سقیم تو باعث عذاب ہوتی ہے۔ عقل کامل کی پہلی علامت یہ ہے کہ اسے اپنے خالق کی معرفت حاصل ہو۔ اس شخص کی عقل جو بتوں یا نیچر کی طاقتوں کو اپنا خدا سمجھے۔ وہ کب کامل کہی جا سکتی ہے کیا ایسے شخص کو عقل کو کامل کہا جائے گا۔ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔ موت تو اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ لیکن وہ موت کو نہیں دیکھتا۔ طلب ثروت و وجاہت دنیاوی کے لئے آخرت کو بھول جائے۔ دوسروں کے حقوق چھینے، غیروں کے مال و جائیداد پر قبضہ کرے۔ معاملات میں اپنے اور غیروں کے درمیان انصاف نہ کرے۔ کذب وظلم پر خدا نے لعنت کی ہے کیا کاذب و ظالم کی عقل سلیم کہی جائے گی۔ سب سے زیادہ خطرناک وہ شخص ہے جس کی عقل ناقص وسقیم ہو۔ اور ہو اس کو کامل وسلیم سمجھے۔ ایسے میں نے دو قسم کے لوگ دیکھے ہیں۔ زمانہ ماضی کے یونانی حکماء اور زمانہ حال کے فرنگی سیاست داں، سقراط، افلاطون، وارسطو نے بھی عقل کو بہت اہمیت دی ہے۔ یہاں تک تو وہ درست تھے۔ لیکن انہوں نے پانے جیسے حکما کی عقل کو کامل سمجھ لیا۔ اور اپنے فلسفے کا دارومدار اس پر رکھا ہے اس سے جو نتیجہ نکالے گئے اور جو غلطیاں ہوئیں۔ ان کا ذکر ہم آئندہ چل کر کریں گے۔ جہاں یونانی و اسلامی فلسفے پر بحث کر کے بتائیں گے کہ یونانی فلسفہ کی کون کون سی غلطیوں کو اسلام نے درست کیا۔ اور زمانہ حال کے فرنگی سیاست دانوں کو عقل نے ملک کا نظم ونسق اکثریت کے حوالہ کر دیا ہے۔ اور اکثریت جو محض جہلا پر مشتمل ہے اپنی عقل کو کامل سمجھتی ہے یہ وہ عقل نہیں ہے جس کی تعریف خدا نے کی ہے۔ عقل کی سب سے بڑی عقلمندی یہ ہے کہ وہ سمجھ لے کہ کون کون سی چیزیں میرے احاطۂ ادراک سے باہر ہیں۔

عقل کی اکملیت وسلامت روی کے ساتھ اس کے لئے قوت بھی ضروری ہے۔ عقل اتنی قوی ہونی چاہئے کہ حسیات و جذبات پر حاوی ہو کر محرک عمل ہو سکے۔ اگر عقل محرک عمل نہ ہو سکی تو اس کی اکملیت اور سلامت روی بیکار ہے۔ ختم ہوا ہمارا نوٹ۔ جناب محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ:

زکوٰۃ علم

علم کی زکاۃ یہ ہے کہ بندگان خدا کو تعلیم دے۔

قیاس

جس نے اپنے قیاس پر عمل کیا وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور جس نے بغیر علم کے فتوے دیئے۔ درآنحالے کہ وہ یہی نہیں جانتا کہ ناسخ کون سی آیت ہے اور منسوخ کون سی ہے اور محکم کو متشابہ سے تمیز نہیں کرتا۔ وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔

جناب محمد الباقرؑ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب امیر المومنینؑ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا کہ اے لوگو! رسول خداؐ کے بعد اسلام میں فتنے پڑے۔ ان خواہشات نفسانی کی وجہ سے جن کی پیروی کی گئی اور ان احکام کی وجہ سے جو مخالف قرآن صادر کیے گئے۔ لوگوں نے اپنی رائے سے حاکم مقرر کر لئے۔ اگر باطل بالکل عریاں باطل رہتا تو ذی عقل لوگ اس کو معلوم کر لیتے اور اگر خالص حق رہتا تو کبھی اختلاف نہ ہوتا۔ لیکن ان لوگوں نے تو کچھ باطل میں سے لیا اور کچھ حق میں سے لیا اور دونوں کو ملا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ پس شیطان اپنے دوستوں پر غالب آ گیا لیکن چند آدمی ایسے بھی تھے جنہوں نے ان کی پیروی نہیں کی۔ راہ نجات پائی۔

جناب امیر کا یہ قول بالکل حق ہے اور بہت غور کے قابل ہے۔

اجل

ایک شخص نے جناب محمد باقرؑ سے اس آیت کی معنی پوچھے۔ قضی اجلا واجل مسمی عندہ۔ آپ نے فرمایا کہ اجلیں دو ہیں ایک تو اجل محتوم اور دوسری اجل موقوف۔ یعنی اجل محتوم تو وہ حتمی اجل ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ اور دوسری موقوف و مشروط چند امور سے ہوتی ہے۔

جناب محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے علم دو قسم کے ہیں ایک تو وہ علم مخزون جو خدا کے پاس محفوظ ہے خدا نے وہ علم اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اور دوسرا وہ علم ہے جو اس نے اپنے ملائکہ اور انبیاء و رسل کو عطا کیا ہے۔ اس موخر الذکر علم میں تو تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کے تغیر سے اپنے ملائکہ و رسل کی تکذیب لازم آتی ہے۔ علم مخزون میں تقدم و تاخر و تغیر ہوتا رہتا ہے۔ جناب امام ابو جعفر محمد باقرؑ نے فرمایا کہ چند امور خداوند تعالیٰ کے پاس ایسے ہیں جس میں وہ جیسا چاہتا ہے تقدم و تاخر کرتا رہتا ہے۔

خیر و شر

جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ:

ان فی بعض ماانزل اللہ من کتبہ ان انا اللہ لاالہ الا انا خلقت الخیر و خلقت الشر فطوبی لمن اجریت علی یدیہ الخیر وویل لمن اجریت علی یدیہ الشر وویل لمن یقول کیف ذا و کیف ذا۔

یعنی ان بعض کتابوں میں جو خداوند تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں یہ تحریر ہے کہ میں خدا ہوں، کوئی دوسرا خدا میرے سوا خدا نہیں میں نے خیر کو پیدا کیا اور میں نے شر کو پیدا کیا خوش ہیں وہ لوگ جن کے ہاتھ پر میں خیر کا اجراء کرتا ہوں اور بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ پر میں شر جاری کرتا ہوں۔ اور بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جو کہتے ہیں یہ کیوں اس طرح ہے۔

رسول و نبی و محدث

راوی نے جناب محمد الباقرؑ کے روبرو اس آیت کو اس طرح پڑھا۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث اور پوچھا کہ ان تینوں میں کیا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول تو وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر اور کلام کرے اور نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھے یعنی خواب کے ذریعہ سے وحی ہو۔ بسا اوقات نبوت ورسالت ایک جگہ جمع ہو جاتی ہے۔ اور محدث وہ ہے جو فرشتہ کی آواز سنے اور اسے دیکھ نہ سکے۔

امام

زرارہ سے اسی طرح مروی ہے۔ انہوں نے نبی ورسول کے ساتھ امام کی منزلت کی متعلق بھی سوال کر لیا۔ جناب محمد الباقر علیہ السلام نے فرمایا کہ امام کلام سنتا ہے لیکن فرشتہ کو دیکھ نہیں سکتا۔

معرفت امام

جناب رسول خداؐ کی یہ حدیث مسلمہ امت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جہالت کی موت مرا۔ یعنی کافر رہا۔ لہذا نبی کی طرح امام کا بھی فرض ہوا کہ لوگوں کی اپنی شناخت کرائے اور دعوے کرے کہ میں امام ہوں اپنی صفات وفضائل بھی بیان کرے۔ اگر ہوا ایسا نہ کرے گا تو لوگوں پر حجت نہ قائم ہوگی۔ لوگ کہیں گے کہ اس نے دعویٰ کب کیا تھا جو ہم اسے امام تسلیم کرتے۔ ہمیشہ دعوے پہلے ہوتا ہے۔ اقبال دعوے بعد میں آتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک امام نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ اور ببانگ دہل کیا ہے۔ یہی دعویٰ تھا جس کی وجہ سے اہل حکومت ہمیشہ ان سے بدظن رہے اور اس کی خلاف رہے لیکن انہوں نے یہ دعوے نہیں چھوڑا۔ جناب امام باقرؑ و امام جعفر صادقؑ ہمیشہ یہ دعویٰ کرتے رہے۔ آیہ مبارکہ جعلنا کم امة و سطاً لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیداً کی تفسیر میں جناب امام محمد الباقرؑ اور امام جعفر الصادقؑ فرمایا کہ وہ امت وسط اور شهید ہم ہیں۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے تمام اہل قبلہ مقصود ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ مسلمانوں میں تو ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کی شہادت ایک ساگ کی گڈی پر قبول نہیں کی جا سکتی یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمام امم سابقہ کی موجودگی میں پروردگار عالم امت کی شہادت قبول فرمائے۔ اور فرمایا محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ نے کہ قولہ تعالیٰ کونوا مع الصادقین میں آل محمدؐ صادقین سے مراد ہیں۔ اور آیۂ اسبغ علیکم نعمتة ظاهرة و باطنة میں نعمت ظاہرہ سے جناب رسول خدا اور نعمت باطنہ سے ہماری ولایت ومودت مراد ہے۔ آیۂ ام یحسدون الناس علی ما اتاهم الله من فضله میں الناس سے مراد ہم ہیں اور ہم ہی محسود ہیں۔ آیہ مبارکہ ما فرطت من جنب الله میں جنب اللہ سے ہم ائمہ آل محمدؐ مراد ہیں۔ دیکھو مناقب ابن شہر آشوب المجلد الخامس صفحہ نمبر ۲۔۳۔۴۔

کفرواسلام

ابوحمزہ الثمالی راوی ہیں کہ فرمایا جناب محمد الباقر علیہ السلام نے کہ خداوند تعالیٰ نے ہم کو اعلیٰ علیین سے بنایا۔اور ہمارے شیعون کے دل اس سے بنائے جس ہم کو بنایا تھا۔ ہمارے شیعوں کے بدن اس کے نیچے کے حصے سے بنائے۔ان کے دل ہمارے طرف جھکتے ہیں۔پھر یہ آیت پڑھی:.....

کلا ان کتب الابرار لفی علیین وما ادراك ما علیون کتاب مرقوم یشهده المقربون ۔

پھر آپ نے فرمائی کہ ہمارے دشمن سجین سے خلق کئے گئے ہیں اوران کے دوستوں کے دل اس سے بنائے گئے جس سے ہمارے دشمن بنا گئے ہیں اوران کے بدن اس کے علاوہ اور چیز کے ہیں۔پس ان کے دل ہمارے دشمنون کی طرف جھکتے ہیں کیونکہ وہ دونوں ایک ہی طینت کے ہیں۔پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

کلا ان کتاب الفجار لفی سجین و ماادراك ما سجین کتاب مر قوم ویل یو مئذللمکذبین الذین یکذبون بیو م الدین ۔

ارکان اسلام

جناب محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں یعنی نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور ولایت، یعنی امامت اوران میں سے کسی کی اتنی مشتہری نہیں کی گئی کہ جتنی ولایت کی۔ختم ہوا کلام امام۔وجہ اس کی ظاہری تھی۔لوگوں کے خواہشات نفس وحب وجاہت دینوی کے مقابلہ میں ان سب سے زیادہ ولایت ہی آئی۔کیونکہ ولایت کے ساتھ حکومت لگی ہوئی تھی۔یہ خیال رہے کہ جہاد اور خمس ولایت کے فروع ہیں۔

جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ اسلام کی جڑ نماز ہے، زکوۃ کی شاخ ہے۔اوراس کا مقام رفعت جہاد ہے۔پھر فرمایا کہ روزہ سپر ہے۔جو آتش جہنم سے بچاتا ہے۔صدقہ وخیرات سے خطائیں دور ہوتی ہیں۔اور قیام شب خدا کو یاددلاتا ہے۔پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔**تتجا فی جنوبهم عن المضاجع ۔**

فرق درمیان اسلام وایمان

فرمایا جناب محمد باقر علیہ السلانے کہ ایمان وہ ہے جو اندرون قلب میں قرار پکڑے۔اوراس کو خدا تک پہنچادے۔اوراس ایمان کوقوی وراست کرے عمل جو خدا کی اطاعت مین ہواور رضا بقضاء خداوندی اور اسلام وہ ہے جو محض ظاہری قول وفعل میں ہو۔مثلاً منہ سے کلمہ پڑھ لینا اور نماز پڑھ لینی روزہ رکھنا۔اسلام پر وہ سب فرقے ہیں جو شیعیان اہل بیتؑ کے علاوہ ہیں۔اوراس اسلام سے ان مسلمانوں کے خون بچے ہوئے ہیں۔میراث ان میں جاری ہوتی ہے۔نکاح ہوتا ہے اور وہ لوگ نماز وزکوۃ وصوم وحج پر جمع ہو گیے ہیں۔اس اسلام کی وجہ سے وہ کفر سے تو نکل آئے اور ایمان کی طرف نسبت دیے گیے۔اسلام ان تمام فضیلتوں میں شامل نہیں ہے جو ایمان میں ہیں

اورایمان ان تمام فضائل مین شامل ہے جو اسلام میں ہیں اور اس کے علاوہ اس کے اپنے زائد فضائل ہیں۔ اور وہ دونوں قول وفعل میں جمع ہو گئے ہیں۔ جس طرح کہ کعبہ میں مسجد کے بھی فضائل شامل ہیں۔ لیکن مسجد میں کعبہ کے فضائل شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنو ا و لکن قولوا اسلمنا و لما ید خل الایمان فی قلوبکم۔

ختم ہوا قول امام محمد الباقرؑ کا۔

نتیجہ نکلا کہ اس وقت تک کوئی مسلمان مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل کے اندر اسلام سرایت نہ کر جائے اور دل کے گہرائیوں میں جگہ نہ پکڑ لے۔ دل کی گہرائیوں کے اندر اسلام کے پختہ ہو جانے کی علامت کیا ہے جناب امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ وہ اعتقاد بالا مامت ہے گویا امامت محک الایمان ہے۔ یہ اصول تو قرآن شریف میں بتادیا گیا ہے کہ محض منہ سے کہنا کہ ہم مومن ہیں کافی نہیں اور نہ اس سے جنت ملتی ہے۔ امتحان لیا جانا ضروری ہے جو امتحان میں پورا اترا جنت اس کے لئے ہے۔ عام لوگوں کا تو کیا کہنا ہے۔ ملائکہ کا امتحان لیا گیا۔ انبیاء ورسل کا امتحان لیا گیا وہ آیت تو آپ کی یاد ہوگی۔ اذا ابتلیٰ ابراہیم ربہ بکلمات فاتمھن ۔ اس کے بعد ان کو امام بنایا گیا۔ لہذا اب اس بحث کے جواب دینے کی تو ضرورت نہیں کہ کیا امتحان کے بغیر خدا کو نہ معلوم ہوسکتا تھا کہ کون مومن ہے اور کس کے دل میں کفر باقی ہے۔ اب یہ سوال رہ گیا کہ امامت کو کیوں ذریعہ امتحان قرار دیا گیا۔ امتحان اعتقاد وہاں اور اس شے میں ہوتا ہے کہ جس جگہ اور جس کی بابت لغزش کا امکان ہو۔ چنانچہ مضامین امتحان قرآن میں بتادیئے گئے ہیں۔ خوف، جوع، نقص اموال والنفس وثمرات۔ کیونکہ ان میں لغزش کا امکان زیادہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون شخص رسول پر اور خدا پر ایمان لایا ہے۔ رسول نے دعویٰ کیا تھا کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول و نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھے خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ خدا نے اس قرآن میں جس کی بابت دعویٰ تھا کہ یہ کتاب اللہ ہے یہ فرمایا تھا کہ جو رسول کہے اس کی اطاعت کرو۔ ہر امر و نہی میں اس کی اطاعت کرو۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا جو وحی ہوتی ہے وہ بیان کرتا ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم کو یہ تسلیم ہے اور ہم اس کو مانتے ہیں۔ ان کے اس اعتقاد کا امتحان کس طرح ہوسکتا ہے۔ نماز و روزہ و حج سے تو امتحان نہیں ہوسکتا تھا۔ نماز پڑھتے ہیں۔ مگر دل میں معلوم نہیں کیا ہے۔ کس غرض سے حج کرتے ہیں، روزہ کیوں رکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ اب ہیں جو محض صحت کے لئے فاقہ کرتے ہیں۔ دل کا عالم الغیب خدا ہے۔ انسان کو کیسے معلوم ہو کہ یہ امتحان میں پورا اترا۔ اب بھی سینکڑوں فرقے مسلمانوں کے ہیں اور سب یہ ارکان اسلام بجالاتے ہیں۔ لیکن پھر تمام اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ان میں صرف ایک فرقہ ناجی ہے۔ کس طرح امتحان ہو کہ مسلمانوں نے رسولؐ کے اس دعوے کو دل سے مان لیا۔ یہ اس کی ہی صورت میں ہوسکتا تھا کہ جب اطاعت رسول و خدا کو ایک ایسی شے کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دیا جائے کہ جہاں لغزش یعنی نافرمانی کا امکان ہوسکتا تھا۔ وہ شئے وجاہت و دینوی بشکل

حکومت تھی، یہاں اپنی غرض آ گئی اور کامیابی کا موقعہ بھی مل گیا۔ اب لگے اطاعت کے پھندے سے بچنے۔ کہنے لگے حکومت اور ہے نبوت اور ہے۔ دیکھو رسول تو اپنے ہی خاندان میں حکومت کو رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر حکومت خاندان رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی وغیرہ وغیرہ۔ بس امتحان ہو گیا نتیجہ بھی نکل آیا تین ہی گھنٹہ کا تو پرچہ ہوتا ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی مشکل ہی سے تین گھنٹے لگے ہوں گے۔ اب معلوم ہوا کہ امامت کیوں محک امتحان رکھی گئی ہے۔

ارکان ایمان

جناب امام باقرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب امیر المومنینؑ نے کہ ایمان کے ارکان چار ہیں۔ توکل علی اللہ، تفویض الامر الی اللہ، رضا بالقضاء اللہ و تسلیم الامر اللہ۔ ختم ہوا قول جناب امیرؑ توکل، صبر، رضا، تسلیم، تفویض الامر، تقدیر، قسمت، ان الفاظ کا مفہوم اور نتیجہ ایک ہی ہے۔ اور وہ صفات ہیں جن کو عام مسلمانوں نے مطلق نہیں سمجھا۔ اور خاص لوگوں نے بھی بسا اوقات غلط معنی لئے ہیں۔ غیر مسلمانوں کو تو کیا غرض پڑی تھی جو ان غوامض پر غور کرتے ان کے کانوں تک عمر خیام و حافظ کے اشعار پہنچے جن سے انہوں نے نتیجہ نکالا کہ اسلام ایک Fatalistic Religion روز ازل کے مقدر کا سبق پڑھانے والا مذہب) ہے اور اپنے مقلدین کو کاہل و آرام طلب بناتا ہے جو ہر ایک امر کو تقدیر کے حوالے کر کے ہاتھ پر رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس کا نام توکل، صبر، تسلیم و رضا رکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے مشکل مسائل پر شعراء کا کام تو مستند ہو ہی نہیں سکتا۔ اگرچہ چاس سے عوام الناس کے مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ بہت سے فقہا بھی اس طرف گئے ہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہ قدریہ تھے اور مولوی شبلی ان کے اس اعتقاد کی حمایت بھی کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی خیال آتا ہے کہ اس اعتقال کی وجہ سے سزو جزا، و دوزخ و جنت سب بے معنی ہوئے جاتے ہیں۔ لہذا یہ کہکر قصہ ختم کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں اس اعتقاد کی تائید بھی ہوتی ہے اور تردید بھی۔ گویا قرآن شریف پر متضاد و احکام اقوال صادر کرنے کا الزام لگا کر جناب امام اعظم کی بریت کرتے ہیں افسوس یہ ہے کہ جس کو مولوی شبلی تضاد سمجھے ہیں وہ دراصل تشریح ہے۔ اس مین کچھ شک نہیں کہ قرآن شریف میں نیز تعلیم ائمہ میں توکل و صبر، رضا بالقضاء تسلیم پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ مقدر و تقدیر کا بھی ذکر آیا ہے۔ لوح محفوظ کا بھی ذکر ہے۔ لیکن یہ بھی اصول قائم کیا گیا ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ لوح محفوظ میں خداوند تعالیٰ جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے۔ جو چاہتا ہے اس کی میں سے مٹا دیتا ہے۔ مولوی شبلی اس کو تضاد و اختلاف سمجھتے ہین۔ پہلے تو دیکھو کہ روز ازل میں کیا تقسیم ہوا ہے۔ لوح محفوظ کیا ہے۔ کیا اس میں لکھا جاتا ہے اور کیا اس مین سے مٹایا جاتا ہے اور ان سوالوں کا جواب قرآن شریف و اقوال رسول وآل رسول سے لینا ہے۔ یونانی فلسفہ کی طرف ان مسائل کے حل کے لئے رجوع نہ کرنا چاہئے۔ خرابی یہ ہوئی ہے کہ بہت سے فقہائے اسلام نے اپنے اسلامی فقہ کو یونانی فلسفہ کی کسوٹی پر کسا ہے جو اس کے مطابق اترا وہ تو ٹھیک سمجھا گیا اور جو اس کے خلاف ہوا اس کی

تشریح وتوجیہ اتنی کی گئی کہ اس کو یونانی فلسفہ کے مطابق بنادیا ان مسائل پر مفصل بحث ہم اس کتاب کے دوسرے حصہ میں کریں گے۔ جہاں اسلام کے اوپر یونانی فلسفہ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ اس جگہ ہم صرف صبر وتوکل وتسلیم ورضا بالقضائے کے متعلق چند ضروری خیالات کا اظہار کرنا چاہئے۔۔ امر واقعہ ہے کہ صبر وتوکل، تسلیم ورضا، یہ سب اچھی صفات وعادات ہیں لیکن اپنے محل پر اپنے موقعہ پر۔ اس وقت جب ان کی ضرورت ہو۔ اسلام انسان کے عمل وطرز عمل کو درست کرتا ہے۔ اس درستی کے لئے یہ چند اصول ہیں۔ منجملہ دیگر اصول کے۔ ان دیگر اصول وقواعد میں سے ایک قاعدہ نہایت اہم ہے جو انسان کے ہر ایک طرز پر حاوی ہے۔ اور دنیا وعقبیٰ دونوں پر حاوی ہے۔ اور ان چار اصول، صبر وتوکل، تسلیم ورضا پر بھی حاوی ہے۔ وہ یہ ہے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ انسان کو دین بھی، دنیا بھی عاقبت بھی اس کی کوشش کے مطابق ملے گی۔ توکل وصبر کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب کوئی اور چارہ کار نظر نہ آئے۔ جب تک بیمار قابل علاج ہے اس کے مرض کے ازالہ کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ جب ہر ایک علاج و کوشش کے بعد بھی مرض کا ازالہ نہیں ہوتا اس وقت صبر کا موقع آتا ہے۔ صبر کی ضرورت پڑتی ہے۔ سعی کے بعد صبر وتوکل شروع ہوتے ہیں۔ سعی سے پہلے ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سعی کے بعد ان کا نہ ہونا مہلک ہے۔ کیوں کہ مہلک ہوتا ہے؟ اس کی وجہ سے کہ سعی کی ناکامیابی کے بعد انسان عام طور سے اضطراب، ناامیدی، بے چینی، کی طرف چلا جاتا ہے۔ خدا کا یقین کم ہونے لگتا ہے۔ دنیا کی زبردستیوں اور ظلموں کو دیکھ کر اس کے دل میں خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ اگر خدا ہوتا تو یہ ظلم نہ ہوتا۔ یورپ کے موجودہ زمانہ کے دہریوں کا یہ ایک بہت بڑا حربہ ہے کہ دیکھو دنیا ظلموں سے پر ہے۔ تم کہتے ہو کہ خدا عادل ہے۔ قادر مطلق ہے۔ حکیم مطلق ہے۔ اگر یہ سب کچھ ہے اور پھر بھی ظلم جاری رکھتا ہے تو یہ بھی کہو کہ (معاذ اللہ) وہ ظالم ہے۔ اگر ظالم نہیں ہے تو قادر مطلق نہیں ہے ہم اس فلسفہ پر اس کتاب کے حصہ دوم میں بحث کریں گے۔ یہاں تو یہ جتانا مقصود ہے کہ ان خیالات کے روکنے کے لئے امام علیہ السلام اور قرآن نے یہ حکم دیا کہ توکل وصبر کرو، خدا کی رضا پر سر تسلیم خم کردو۔

سعی بھی ایک حد ہے۔ سعی کی کامیابی کے بعد بھی ان خصائل کے ضرورت ہے اگر انسان سعی ہی میں منہمک ہوگیا اور ایک کامیابی کے بعد دوسری کے بعد تیسری کامیابی کی طرف جانے کی کوشش کی تب بھی ہو ہلک ہو جائے گا۔ نہ زندگی کی راحت اسے نصیب ہوگی اور نہ عاقبت کا امن۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس موقعہ کے لئے نہایت حکیمانہ قول ارشاد فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں کہ بقدر کفاف روزی پر راضی رہنا وہ دولت ہے جس سے فقرو فاقہ دور رہتا ہے۔ دیکھئے سعی کی بھی حد معلوم ہوگئی۔ آج کل جس نے دنیا کے امن وچین کو برباد کر کے بنی نوع انسان کو مکمل ہلاکت کے دروازہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ وہ اقتصادیات کی مشکلات ہیں اور وہ سب مشکلیں ان تین مسائل محدود ہیں کیپیٹل (Capital) یعنی سرمایہ (Labor) لیبر یعنی مزدوری اور ویجز (Wages) یعنی اجرت اور یہ تینوں مسائل وسعت بیجا سے نکلتے ہیں۔ ہم بتاتے ہیں کہ کس طرح اگر ایک شخص اپنے خاندان کے نزدیک افراد

سے مل کر محض اپنے ہاتھوں اور دماغوں کی مدد سے دولت پیدا کرتا ہے۔ خواہ وہ دولت کتنی ہی زیادہ ہو اس ممنوع کیپٹل یعنی سرمایہ کی تعریف میں نہیں آئے گی کیونکہ یہاں نہ کوئی مزدور ہے ورنہ اجرت۔ اپنے ہاتھوں سے کام کر رہے ہیں۔ نہ مزدور کے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور نہ اجرت کے۔ اگر ایک شخص نے اس طرح پر اپنے خاندان کے دس افراد کو بھی ملا لیا تو ہو بھی دس خاندان ہوئے۔ وہ دولت کبھی زیادہ ہو گی ہی نہیں۔ ایک آدمی اپنے ہاتھ کی محنت سے کتنا کمالیگا۔ یہی اسلام کہتا ہے۔ یہ امام علیہ السلام کہتے ہیں۔ بقدر کفاف کی اجازت ہے اس زیادہ نہیں۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا اعتراض پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم نے جو اپنے دماغ پر زور ڈالا تو صرف مندرجہ ذیل اعتراضات خیال میں آسکے۔

(ا) اسلام میں تو غلاموں سے کام لیا جاتا تھا۔ اب مزدور رکھ لئے تو کیا ہرج ہوا۔

(ب) اس اسکیم کے تحت بڑے بڑے کام (Big Indusytries) نہ ہوسکیں گے۔

(ج) ماہران فن تو بہر صورت ملازم رکھنے ہی پڑیں گے۔

جب کوئی جدید اسکیم خصوصاً اگر وہ مروجہ خیالات کے خلاف ہو معرض بحث میں لایا جاتا ہے تو عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ زیر عمل آ گیا تو پھر اس کا عجیب ہونا جاتا رہتا ہے۔ اور وہ ہی ایک قدرتی امر معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہی حال جناب امیرؑ کے اس مقولہ کا ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ جس سرعت کے ساتھ شروع کی فتوحات نے دولت و ثروت کا رخ مسلمانوں کی طرف کر دیا۔ اس نے تقریباً تمام مسلمانوں کو اس مقولہ کی طرف توجہ کرنے ہی نہ دی اور سوائے جناب امیر اور ان کے خاندان کے ائمہؑ کے اور کسی نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اور غالباً قابل عمل بھی نہ سمجھا۔ اگر اس پر عمل ہو جاتا تو دنیا بے شمار مصائب و آلام سے بچ جاتی۔ مندرجہ بالا باتیں اعتراضات ہی اس کی عمدگی کو ثابت کرتے ہیں۔

پہلے زمانہ میں غلام خاندان کے افراد سمجھے جاتے تھے۔ دو قسم کے غلام ہوا کرتے تھے ایک تو وہ جو گھر کی خدمت میں رہتے تھے۔ دوسرے وہ جو اپنی روزی کمانے میں آزاد تھے۔ ہنر والے لوگ تھے۔ اپنے آقا کو ماہواری رقم اپنے ہنر کی آمدنی میں سے دیتے تھے اور بس۔ رہے وہ غلام جو گھر کی خدمت کرتے تھے ان کے لئے یہ حکم تھا کہ ان کو پانی طرح رکھو۔ جیسا خود کھاؤ ویسا ان کو کھلاؤ۔ ویسی پوشاک دو۔ اور پھر ان میں بھی تو اسراف ممنوع تھا۔ اتنے ہی غلام رکھو جتنے گھر کے لئے ضرورت ہو۔ ہم اپنی کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہراءؑ میں ثابت کر چکے ہیں کہ اس زمانہ کی معاشرت کے لئے غلامی ایک ضروری شے تھی اور وہ غلاموں ہی کے فائدہ کے لئے تھی۔

اب رہا سوال (Big Industries) کا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ایک ہی شخص مثلاً فورڈ ایک بڑی صنعت کے ہر ایک شعبہ کا مالک ہو۔ ہر ایک بڑی صنعت میں کئی شعبے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ پہیا بنتا ہے۔ دوسرے شعبہ میں گیر بنتا ہے۔ تیسرے شعبہ میں باڈی بنتی ہے۔ چوتھے شعبے میں چھوٹے پرزے بنتے ہین۔ اسی طرح سینکڑوں شعبے ہوتے

ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ سب پر ایک ہی شخص حاوی ہو۔ اپنے شہر کے مختلف خاندانوں سے وہ یہ کام لے سکتا ہے۔ وہ اس کے مزدور نہ ہوں گے بلکہ مساوی سطح پر رہ کر اس کے ہاتھ یہ اشیاء فروخت کریں گے۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض ہو کہ ایک شخص کا دماغ کام کرتا ہے۔ اپنی تجویز کے مطابق وہ یہ پرزے انجن وغیرہ بنواتا ہے۔ جس طرح وہ اپنے شعبہ کے آدمیوں سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح وہ آزاد کاریگروں سے یہ کام لے سکتا ہے۔ ان سے اپنی تجویز کے مطابق پرزے بنوا سکتا ہے۔ غور کیجئے ملک کو کتنا فائدہ ہوگا۔ سینکڑوں آزاد خاندان فقط اس ایک صنعت کی وجہ سے معزز شہریوں کی فہرست میں آجائیں گے۔ ملک کی ساری دولت تقریباً مساوی مقدار میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور سب بڑی بات جو اس میں ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص خود اپنے ہاتھ سے کام کرے گا۔ دوسرے سے حکماً اپنا نوکر سمجھ کر کام نہیں کرا سکا۔ دولت کی بڑی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ وہ اپنے مالک میں رعونت پیدا کرتی ہے۔ اور محنت کی ایک خرابی یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کے دل میں تحقیر کے خیالات پیدا کرتی ہے۔ اس اسکیم کی خوبی یہ ہے کہ دولت سے رعونت اور محنت سے حقارت نکل جائے گی۔ اس طرح مالکان فن نوکر نہ ہوں گے بلکہ برابر کے حصہ داران خرید و فروخت ہوں گے۔

روزی بقدر کفاف کا یہ مطلب ہے کہ اس کی روزانہ زندگی مین جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے وہ سعی کر سکتا ہے۔ لیکن نہ تو اسراف کے لئے اور نہ روپیہ جمع کرنے کے لئے اور تنگدستی سے زندگی گذارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

حسن ظن باللہ

جناب امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی ایک کتاب ہمارے پاس ہے۔ جس میں وہ اپنے ہاتھ سے جناب رسول خداؐ کی وہ احادیث تحریر فرماتے تھے جو وہ خود آنحضرت سے سنتے تھے اس کتاب میں نے لکھا ہوا دیکھا کہ جناب رسول خدا نے بالائے منبر فرمایا کہ قسم اس خدا جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے کہ کوئی مومن دنیا و آخرت کی خیر نہیں پاتا لیکن اس خوش گمانی کی وجہ سے جو اس کو خداوند تعالیٰ سے ہوتی ہے اور اس امید کی وجہ سے جو اس کو خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم و رحمت سے ہے اور خدا کے بندوں سے حسن خلق سے اور لوگوں کی بدگوئی نہ کرنے سے اور قسم اس خدا کی جس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے خداوند تعالیٰ بعد استغفار و توبہ کے مومن کو عذاب نہیں کرتا لیکن اگر اس کو خدا سے سوء ظن ہے اور اس سے امید نہیں ہے، اور لوگوں سے بدخوئی سے پیش آتا ہے۔ اور ان کی بدگوئی اور غیبت کرتا ہے تو پھر وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا۔

صاف اردو میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو دنیا و آخرت میں خیر نہیں مل سکتی جب تک کہ اس میں یہ چار صفات نہ ہوں یعنی دنیا و آخرت کی خوبی حاصل کرنے کے لئے یہ چار صفات ہونی ضروری ہیں۔

(۱) خدا سے حسن ظن رکھے۔ یعنی یہ کہ وہ توبہ و استغفار میری قبول کرے گا اور مجھے عذاب نہ کرے گا۔

(۲) خدا کی رحمت سے ہمیشہ امید رکھے۔

(۳) لوگوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے۔

(۴) لوگوں کی برائیاں ان کی موجودگی اور غیر حاضری میں نہ کرے۔

اور خداوند تعالیٰ مومن کو باوجود توبہ واستغفار کرنے کے بھی معذب کرے گا۔ اگر اس میں مندرجہ ذیل چار صفات میں سے کوئی صفت ہے۔

(۱) خدا سے سوء ظن۔ یعنی خدا ضرور میرے اوپر عذاب کرے گا۔

(۲) خدا کی رحمت سے مایوسی۔

(۳) لوگوں کے ساتھ بد خلقی سے پیش آنا۔

(۴) لوگوں کی برائیاں کرنی۔

شیعیان اہل بیت

جناب محمد الباقرؑ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہمارے شیعہ صرف وہ ہیں جو احکام الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور فرمایا امام محمد باقرؑ نے کہ یہ کافی نہیں ہے کہ کوئی شخص محض اپنے منہ سے کہدے کہ میں اہلبیت رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ قسم بخدا کوئی ہمارا شیعہ نہیں ہے۔ سوائے اس شخص کے جو خدا کی اطاعت کرتا ہے۔ اور اس سے ڈرتا ہے (اور ہم سے محبت کرتا ہے) ہمارے شیعوں کی علامتیں یہ ہیں:۔

(۱) تواضع وفروتنی۔

(۲) خشوع۔

(۳) ترک خیانت۔

(۴) کثرت ذکر خدا

(۵) صوم

(۶) صلوٰۃ

(۷) والدین سے حسن سلوک

(۸) فقراء ومساکین، قرض داروں اور یتیموں کے ساتھ نیکی کرنا۔

(۹) قول کا سچا ہونا

(۱۰) تلاوت قرآن

(۱۱) لوگوں کی برائی سے اپنی زبان کو روکنا۔

(۱۲) دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان دیانت دار اور امین ہونا۔

فرمایا جناب محمد باقرؑ نے کی خدا کی قربت صرف اطاعت الٰہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے پس تم میں سے جو خداوند تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا پابند ہے اس کو ہی ہماری محبت فائدہ پہنچا سکتی ہے اور تم میں سے جو خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس کو ہماری محبت فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ دیکھو تم دھوکہ نہ کھاؤ۔ تم دھوکہ نہ کھاؤ،

وہ لوگ جو صرف شیعیان اہل بیت منہ سے کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں۔ اس پر غور کریں شیعیان اہلبیت کے اوصاف و حقوق تو بہت ہیں اور جنت ان کے لئے یقینی ہے لیکن شیعہ ہونے کی شرائط بھی تو پوری کریں۔

عفت

احکام خداوندی کی اطاعت میں حفاظت بطن و فرج بہترین عبادت ہے اور اس سے افضل کوئی عبادت نہیں ہے۔ عفت بطن و فرج سے مطلب پرہیز از اکل حرام و زنا ہے۔

میانہ روی در عبادت

فرمایا جناب امام محمد باقرؑ نے کہ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ دین اسلام بے تنگی و حرج ہے۔ پس لوگوں کی اس میں سہولت کے ساتھ داخل کرو اور عبادت کو سخت بنا کر بندگان خدا کو اس سے کراہیت نہ دلاؤ۔

صبر

فرمایا جناب محمد باقرؑ نے کہ جنت ڈھکی ہوئی ہے مکارہ و صبر سے اور جہنم ڈھکی ہوئی ہے لذات و شہوات سے۔ پس جس نے دنیا کے مکارہ پر صبر کیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے لذات و شہوات اختیار کیں وہ دوزخ میں داخل ہوا۔

فرمایا جناب امام محمد باقرؑ نے کہ جب میرے والد بزرگوار جناب علی ابن الحسینؑ کا وقت رحلت نزدیک پہنچا۔ تو انہوں نے مجھے بلایا گلے سے لگایا۔ اور فرمایا کہ میں تم کو وہ وصیت کرتا ہوں جو میرے والد نے بوقت رحلت مجھے کی تھی۔ وہ یہ تھی کہ اے بیٹے حق پر صبر کرو اگر چہ وہ کڑوا ہو فرمایا محمد باقرؑ نے کہ صبر دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو بوقت مصیبت کیا جاتا ہے اور یہ بہت اچھا صبر ہے۔ لیکن دوسرا صبر اس سے بھی افضل ہے اور وہ ورع عن المحارم ہے (ختم ہوا کلام امام) یعنی جو امور و اشیاء خداوند تعالیٰ نے حرام کر دیے ہیں ان سے پرہیز کرنا۔ اس میں بہت بڑے صبر کی ضرورت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپ کے ساتھیوں نے بددیانتی۔ چالاکی، خیانت، رشوت سے بہت مال جمع کر لیا۔ اور نہایت عیش کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں۔ لیکن آپ باوجود اپنی تنگ حالی کے ان کے ذرائع کو استعمال نہیں کرتے یہ صبر بہت بڑا صبر ہے۔

حسن خلق

فرمایا جناب امام محمد باقرؑ نے کہ اس شخص کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کا خلق سب سے زیادہ اچھا

ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فرمایا جناب علی ابن الحسین نے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ قیامت کے دن کسی شخص کے میزان عمل میں حسن خلق سے بہتر کوئی چیز نہیں ڈالی جائے گی۔

خندہ روئی وخندہ پیشانی

جناب امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ مجھے نصائح تعلیم کریں۔ ان نصائح میں سے جو آنحضرت نے اس شخص کو تعلیم کیں ایک یہ تھی کہ اپنے برادر مومن سے خوش روائی اور خندہ پیشانی سے ملو۔

عفو

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے مومن کی عزت خدا کے نزدیک زیادہ ہوتی ہے۔ معاف کرنا اس کو جس نے اس پر ظلم کیا ہو۔ بخشش کرنا اس کو جس نے اسے محروم کیا ہو۔ اور صلہ رحم کرنا اس کے ساتھ جس نے اس قطع رحم کیا ہو۔

کظم الغیظ۔ یعنی غصہ پی جانا

جناب امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ جو مومن غصہ کو پی جاتا ہے درآنحالے کہ وہ عقوبت کرنے قادر ہے۔ خداوند تعالیٰ روز قیامت اس کے دل کو نور ایمان سے پر کردے گا۔

خاموشی وحفاظت زبان

جناب امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیعہ گونگے ہوتے ہیں یعنی خاموش رہتے ہیں اور بغیر ضرورت کے سخن نہیں کرتے۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ مومن کی نجات زبان کی حفاظت میں ہے۔

رفق ومدارات

جناب امام جعفر صادق نے اپنے آباواجداد کے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ لوگوں کے ساتھ مداراۃ سے پیش آنا نصف ایمان ہے۔ ان سے نرمی وملائمت (رفق) کرنی نصف زندگی ہے۔ حافظ نے اس کو اس طرح نظم کیا ہے۔

آسائش دوگیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

جناب امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ جس کو رفق دیا جاتا ہے۔ اس کو ہی ایمان دیا جاتا ہے۔ اور جناب امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ رفق کوئی شے جسم رکھنے والی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ خدا نے اس سے

زیادہ حسین اور خوبصورت کوئی اور شے نہیں بنائی۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ خدا کی وجہ سے مومن کا محبت کرنا ایمان کی بہت بڑے درجوں میں سے ہے ۔دیکھو خبردار۔جس نے خدا کی وجہ سے محبت کی، خدا کی وجہ سے بغض کیا اور خدا کی وجہ سے لوگوں کو بخشش دی اور خدا کی وجہ سے لوگون کو نہ دیا تو ایسا شخص اصفیاء اللہ میں سے ہے۔

صلۂ رحم

جناب محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ رشتہ داروں سے نیکی کرنا اعمال کو صالح بناتا ہے مال کو زیادہ کرتا ہے۔ بلا کو عدور کرتا ہے۔ روز قیامت حساب کو سہل کرتا ہے اور موت میں دیر کرتا ہے یعنی زندگی بڑھاتا ہے۔

فرمایا جناب محمد باقرؑ نے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی امت میں سے ان کو موجود ہیں اور ان کو جو غائب ہیں اور ان کو جواب سے قیامت تک رحم مادر اور صلب پدر میں ہوں گے کہ اپنے رشتہ داروں سے نیکی کرو۔ اگر چہ رشتہ اتنا دور کا ہو کہ جیسے ایک سال کی مسافت کیونکہ رشتہ دارون سے نیکی کرنا واجبات دین سے ہے۔

والدین سے نیکی

فرمایا جناب امام محمد باقرؑ نے کہ تین چیزیں ہیں جن میں خداوند تعالیٰ نے انسان کو اجازت نہیں دی۔ یعنی کسی صورت میں ان کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اول تو امانتوں کو صاحبان امانت کو واپس دنیا، خواہ وہ فاجر ہوں۔ دوسرے اپنے وعدوں کو پورا کرنا خواہ ہو وعدہ نیک آدمی سے کیا خواہ فاجر سے۔ اور تیسرے اپنے والدین سے نیکی کرنا خواہ وہ نیک ہوں خواہ کافر ہوں۔

مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

فرمایا جناب امام محمد باقرؑ نے کہ مومن ایک دوسرے کے اسی طرح بھائی بھائی ہیں جس طرح ایک ماں و باپ کے بیٹے بھائی بھائی ہوتے ہیں۔

مومن کا حق اپنے مومن بھائی پر۔

فرمایا جناب امام محمد باقرؑ نے کہ مومن کا حق اپنے مومن بھائی پر یہ ہے کہ اگر وہ بھوکا ہے تو دوسرا اسے سیر کرے۔ اگر عریاں ہے تو وہ اسے پوشاک پہنائے اس کے غم کو دور کرے اور اس کے قرضوں کو ادا کرے۔ اور اگر

وہ مر جائے تو اس کا مومن بھائی اس کی اولاد کے نان ونفقہ کا ایسا ہے کفیل ہو کہ جیسا وہ تھا۔

معلیٰ بن خنیس کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ مسلمان کا مسلمان کے اوپر کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کے سات حقوق مسلمان پر ہیں اور وہ اس پر اس طرح واجب ہیں کہ اگر ان میں سے ایک حق کو چھوڑ دے گا تو وہ خداوند تعالیٰ کی محبت وفرمانبرداری سے باہر ہو جائے گا اور اس کی تمام عبادات باطل ہو جائیں گی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام سے پوچھا کہ وہ کیا سات حقوق ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ میں بیان کروں اور تو اس پر عمل نہ کرے تو خداوند تعالیٰ تیرے سات بہت سخت گیری کرے گا۔ معلیٰ ابن خنیس نے کہا کہ ہر ایک توفیق خدا سے ہے۔ یعنی ان پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ جناب امام فرمایا کہ:...

(۱) ان میں سے سب سے آسان حق یہ ہے کہ اس کے لئے بھی وہ ہی شے پسند کرے جو اپنے نفس کے لئے کرتا ہے اور اس کے لئے بھی اس ہی شے سے نفرت کرے، جس سے اپنے نفس کے لئے نفرت کرتا ہے۔

(۲) یہ کہ اس کے غصہ سے پرہیز کرے اور اس کی خوشی کی مدنظر رکھے، اس کے حکم کی اطاعت کرے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اپنے نفس سے اپنے مال سے اپنی زبان سے، اپنے ہاتھوں سے اور اپنے پیروں سے اس کی مدد کرے۔

(۴) چوتھے یہ کہ اسے چاہئے کہ اپنے مسلمان بھائی کی آنکھیں بن جائے، راہ نما ہو اور آئینہ بن جائے یعنی اپنے مقدور کے مطابق اسکی راہنمائی کرے اور نیک صلاح ومشورہ دے۔

(۵) پانچویں یہ کہ گروہ بھوکا ہے تو تو سیر نہ ہو اور اگر وہ پیاسا ہے تو تو سیراب نہ ہو۔ اور اگر وہ عریاں ہے تو تو جامہ نہ پہن یعنی پہلے اس کو سیر وسیراب کرے اور اس کی ضروریات کو پورا کرے پھر تو سیر وسیراب ہو اور اپنی ضروریا کی طرف متوجہ ہو۔

(۶) چھٹی یہ کہ اگر اس کے پاس کنیز نہیں ہے اور تیرے پاس کنیز ہے تو تو اپنی کنیز اس کے پاس بھیج دے تا کہ وہ اس کے کپڑوں کو دھوئے۔ کھانا پکائے اور اسکے کپڑوں کو درست کرے۔

(۷) ہفتم یہ کہ تو اسکے عہد وپیان کو پورا کرے۔ اسکی درخواستوں کو پورا کرے، اس کے مرض میں عیادت کرے، اسکے جنازے کیساتھ جائے۔ یعنی اس کے رشتہ دار مریضوں کی عیادت کرے اور اس کے مردوں کے جنازے کے ساتھ جائے۔ جب تجھکو معلوم ہو جائے کہ اس کو کوئی حاجت ہے تو فوراً اس کی حاجت کو پورا کر قبل اس کے کہ اس کو تجھ سے سوال کرنے کی نوبت آئے۔ جب تو یہ سب امور کرلے گا تو پھر تو نے اس کی دوستی کو اپنی دوستی کے ساتھ ضم کرلیا۔

ان ہدایات پر غور کرو، روس کا، بلکہ دنیا کا سوشلزم اور کمیونزم اس اصلی وحقیقی محبت کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ اور اس ہی قسم کی بہت سے ہدایات ہیں جن کو ہم نے بخوف طوالت نقل نہیں کیا۔

آپ نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ انسان کا بدترین اور سب سے خطرناک دشمن انسان ہے بنی نوع انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ انسان نہ خود کبھی چین سے بیٹھا اور نہ اپنے بھائی انسانوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔ انسان کی دشمنی و عداوت ایک دوسرے کے ساتھ اس کے ہر فعل سے ظاہر ہے۔ چھوٹے خاندانوں اور ان کے افراد کے آپس کے حسد و رقابت کے قصوں سے لے کر بڑی بڑی اقوام کے جنگہائے عظیم تک دیکھ لو۔ ایک دوسرے سے بدترین عداوت نظر آئے گی دنیا میں جتنے ظلم ہوئے ہیں جتنی غارتگریاں، چوریاں، ڈکیتیاں لوٹ مار ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ سب انسان ہی کے کرتوتوں کا اثر ہے اور یہ ہی سب سے بڑے رنج و آلام و تردد و تفکر کے باعث ہیں۔ امن عالم کے لئے کتنی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ کتنی انجمنیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں۔ لیکن بنی نوع انسان کو چین و آرام نہیں ملتا، وہ دماغ جو انسان کو ہوا میں اڑانے لگا جس نے آواز و گفتگو کے لئے مسافت کی دقتوں کی دور کر دیا۔ وہ انسان کے دل میں سے انسان کی عداوت کو نہ دور کر سکا۔ کاش جناب امام جعفر الصادقؑ کی نصیحت پر عمل کرتے تو سارے مصائب دور ہو جاتے۔

☆

باب ﴿۱۱﴾

نشر علوم

(ج) درر الکلم و جواہر الحکم

جناب محمد الباقرؑ کے اقوال حکیمانہ بہت سے کتابوں میں درج ہیں ان کا کچھ حصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:......

ماخوذ از حلیۃ الاولیاء مولفہ حافظ ابو نعیم الاصفہانی۔

یہ کتاب دس مجلدات میں ہے اور مطبعۃ السعادۃ بجوار مصر میں ۱۹۳۳ء میں طبع ہوئی ہے محمد الباقرؑ کا حال مجلد الثالث کے صفحہ نمبر ۱۸۰ سے شروع ہوتا ہے، وہ اقوال یہ ہیں۔

جناب امام محمد الباقرؑ فرماتے ہیں:.....

(۱) جب کسی آدمی کے دل میں کبر و غرور داخل ہوتا ہے۔ اس ہی وقت اس کی عقل میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور نقص عقل کی نسبت کبر و غرور کے درجہ سے ہوتی ہے یعنی جس قدر کبر داخل ہوتا ہے اسی قدر اسکی عقل کم ہو جاتی ہے۔

(۲) استغنا اور عزت مومن کے دل میں گھومتے رہتے ہیں۔ جس حصہ دل میں وہ توکل کو پاتے ہیں وہیں اپنا گھر بنا لیتے ہیں اور قایم ہو جاتے ہیں یعنی توکل سے استغنا و عزت حاصل ہوتی ہے۔

(۳) جابر الجعفی کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام محمد الباقرؑ کو محزون پایا۔ وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا اے جابر جو صاف دل سے دین خدا میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس کے سوا کسی اور سے تعلق نہیں رکھتا۔ اے جابر دنیا کیا ہے ایک سواری ہے کہ جس پر تو سوار ہوتا ہے۔ لباس ہے کہ تو پہنتا ہے۔ یا عورت ہے کہ جس تو صحبت رکھتا ہے۔ اے جابر مومنین دنیا میں اپنی بقا سے کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ اور آخرت سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ کتنی ہی دنیا مین فتنے پھیلے ہوئے ہوں وہ اپنے کانوں سے ان کو سنتے ہیں لیکن یہ حوادث ان کو فکر خدا سے باز نہیں رکھتے اور ان کو خدا کا نور دیکھنے سے دنیا کی زینتیں جن کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں روک نہیں سکتیں۔ پس ان کو نیک بندوں کا ثواب ملتا ہے۔ اہل التقوی دنیا کے لوگوں میں سے سب سے کم تکلیف دینے والے ہیں اور سب سے زیادہ تیری مدد کرتے ہیں تو ان کو بھول جائے لیکن وہ تجھکو یاد رکھتے ہیں۔ اگر تو ان کو یاد کرے تو وہ تیری اعانت کرتے ہیں۔ امر خدا کو قائم کرتے ہیں اپنی محبت کو خدا کی محبت کے مطابق بناتے ہیں۔ وہ خدا اور اس کی محبت کو دل سے دیکھتے ہیں۔ خدا کی اطاعت میں دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پس دنیا کو تو منزلت سے گرادے اور اس کی طرف سے منہ موڑے

کے جیسے کسی صفت یا کمال کا تو خواب دیکھے اور جب جاگے تو معلوم کرتا ہے کہ اس کی صفت یا کمال میں سے تیرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

لئیم وبدلوگوں کا سلام بدترین کلام ہوتا ہے۔

ہر ایک شے کے لئے آفت ہے اور علم کی آفت نسیان ہے۔

وہ عالم جو اپنے علم سے دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے ایک ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔

ابلیس کے نزدیک ایک عالم کی موت ستر عابدوں کی موت سے محبوب تر ہے۔

جناب امام محمد الباقرؑ نے اپنے صاحبزادے جعفر الصادقؑ سے کہا کہ اے بیٹے دیکھو تم کسل یعنی سستی اور بیقراری سے بچتے رہنا۔ کیونکہ۔ یہ دونوں ہر ایک برائی کی کنجیاں ہیں اگر تم نے سستی اور کسلمندی کی تو تم اپنے فرائض ادا نہ کرسکو گے۔ اور اگر بیقراری اختیار کی تو حق پر صبر نہ کرسکو گے۔ یعنی حق پر ہمیشہ قائم نہ رہو گے۔

تین اعمال سب سے زیادہ سخت و بزرگ ہیں۔ ایک تو ہر حال میں ذکر خدا کرنا۔ دوسرے اپنے نفس کے خلاف انصاف کرنا۔ اور تیسرے اپنے بھائی کو اپنے مال میں شریک کرنا۔

جناب امام محمد الباقرؑ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد علی ابن الحسینؑ نے نصیحت کی کہ پانچ قسم کے لوگوں سے کبھی صحبت نہ کرنا نہ ان سے کلام کرنا یہاں تک کہ راستے میں بھی نہ ملنا۔ وہ پانچ یہ ہیں:....

(۱) فاسق کیونکہ وہ تم کو ایک لقمہ یا اس سے کم عوض پر فروخت کردے گا۔ یعنی ذراسی منفعت یا محض خیالی منفعت پر تم کو چھوڑ دیگا۔

(۲) بخیل۔ کیوں کہ وہ تم کو اپنے مال کا حاجت مند بنا کر چھوڑ دے گا۔

(۳) کذاب۔ جھوٹا آدمی مثل سیراب کے ہے۔ قریب چیز کو تم سے دور کردیتا ہے۔ اور دور کو قریب۔

(۴) احمق۔ کیونکہ وہ چاہتا تو ہے کہ تم کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن نقصان پہنچاتا ہے۔

(۵) قاطع رحم۔ کیونکہ میں نے قرآن شریف میں تین جگہوں پر قاطع رحم کو ملعون پایا۔

جب تم قاری قرآن کو دیکھو کہ وہ امیروں کی محبت رکھتا ہے تو سمجھو کہ وہ صاحب دنیا یعنی دنیا کو چاہنے والا ہے۔ اور اگر دیکھو کہ وہ حکام کے ساتھ بغیر ضرورت وابستہ ہے تو سمجھو کہ وہ چور یعنی وہ دوسروں کے حقوق لینا چاہتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے ہمارے شیعوں کے دل میں رعب ڈال دیا ہے۔ پس جب ہمارا مہدی وقائم ظہور کرے گا تو ہمارا شیعہ شیر سے زیادہ بہادر اور سنان سے زیادہ کاری ہوگا۔

ہمارا شیعہ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے۔

دیکھو کسی سے خصومت نہ کرنا کیونکہ خصومت دل کو فاسد کردیتی ہے اور نفاق پیدا کرتی ہے۔

جو لوگ آیات اللہ میں نکتہ چینی اور بے جا فلسفیانہ بحث کرتے ہیں اور وہ اصحاب خصومت ہیں۔

جس شخص کو حسن خلق و مدارات کی صفات عطا کی گئی ہیں ان کو ساری نیکی دی گئی اور راحت و آرام اس دنیا و آخرت میں دیئے گئے۔

عبید اللہ ابن الولید کہتا ہے کہ ہم سے جناب محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم میں سے ایک دوسرے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر جو چاہے نکال سکتا ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ نہیں۔ جناب محمد باقر نے فرمایا کہ پھر تم آپس میں بھائی بھائی نہیں ہو سکتا جیسا کہ تمہیں گمان ہے۔ یعنی ایک کو دوسرے کے مال میں اس قدر تصرف ہونا چاہیے تب کہہ سکتے ہیں کہ بھائی بھائی ہیں۔

تیری محبت تیرے بھائی کے دل میں کتنی ہے۔ وہ اس محبت سے معلوم کیجاتی ہے جو اسکی تیرے دل میں ہے۔

ابوحمزۃ الثمالی کہتے ہیں کہ جناب محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اس سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں رکھتا کہ اس سے سوال کیا جائے۔ دعا سے قضا ٹل جاتی ہے۔ نیکی ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا ثواب بہت جلد حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ شر جو سب سے جلدی عقوبت کا باعث ہوتی ہے وہ نافرمانی خدا ہے۔ سب سے بڑا عیب انسان میں یہ ہے کہ اپنے نفس کے عیب اس سے پوشیدہ رہیں اور وہی عیوب وہ دوسروں میں دیکھے اور وہ دوسروں کو ان عیوب کے چھوڑنے کا حکم دے درانحالیکہ وہ خود ان عیوب کو نہیں چھوڑتا۔

ماخوذ از تحف العقول مولفہ حسن بن علی بن شعبۃ الحلبی

جناب امام محمد باقر نے جابر بن یزید الجعفی کو یہ وصیت کی تھی اے جابر اہل زمانہ سے یہ پانچ غنیمت سمجھو کہ جب تم ان کے درمیان ہو تو وہ تمہیں نہ پہچانیں۔ اگر تم غائب ہو تو وہ تمہاری تلاش نہ کریں اگر تم جانتے بھی ہو تو وہ تم سے مشورہ نہ کریں۔ اور اگر تم کہو تو وہ تمہارے قول کو قبول نہ کریں اور اگر کسی عورت سے نکاح کرنا چاہو تو وہ فوراً انکار کر دیں۔ اور پانچ باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تجھ پر ظلم کیا جائے تو تو ظلم نہ کرنا۔ اگر تیری خیانت کریں تو تو بدلے میں خیانت نہ کر۔ اگر تجھکو جھٹلائیں تو تو غصہ نہ کر اگر تیری تعریف کریں تو تو خوش نہ ہو اور اگر تیری مذمت کریں تو جزع نہ کر۔ اور تیرے متعلق جو کہا گیا ہے اس غور کر۔ اگر تو اپنے اندر وہ برائی پاتا ہے جو بیان کی گئی تو خداوند تعالیٰ کی نظر تیرا گرنا اور حقیر ہونا بڑی مصیبت ہے بہ نسبت لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونے کے اور اگر تجھ میں وہ برائی نہیں ہے جو بیان کی گئی ہے تو بس اس سے تجھکو بغیر ہاتھ ہلائے ثواب مل گیا۔ اور تو جان لے کہ تو ہمارا دوست اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک تیرے شہر والے جمع ہو کر تجھے برا نہ کہیں اور تجھے اس برا کہنے سے رنج نہ پہنچے۔ اور اگر وہ کہیں کہ یہ بہت اچھا شخص ہے تو یہ بات تجھکو خوش نہ کرے یعنی تو ہمارا دوست اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب تمام لوگوں کے برا کہنے سے تو رنجیدہ نہ ہو اور تمام لوگوں کے اچھا کہنے سے تو مسرور نہ ہو اور اپنے نفس کا امتحان قرآن شریف سے کر۔ اگر تو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والا ہے، اس کے احکام کے مطابق زہد اختیار کیا

ہوا ہے اور اس کی اچھی بتائی ہوئی باتوں کی طرف راغب ہے اس کی ان باتوں سے ڈرتا ہے جس سے وہ ڈراتا ہے تو بس قائم رہ اور خوش ہو کیونکہ جو بری بات تیرے متعلق کہی گئی ہے وہ تجھکو نقصان نہ پہنچائے گی۔

مومن وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے اور اس پر غالب آجائے۔ اکثر ایسا ہوگا کہ محبت خدا میں اسے اپنے نفس کی مخالفت کرنی پڑے گی۔ اور کبھی اس کا نفس اس سے مطالبہ کرے گا کہ وہ اس کی یعنی نفس کی پیروی کرے۔ اس کو چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرے۔ خداوند تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کرے گا۔ مومن کو چاہئے کہ خدا کا ذکر کرے اور اسے یاد کرتا رہے اور توبہ و استغفار کثرت سے کرے۔ خدا سے ڈرے جتنا وہ خدا سے ڈرے گا اتنی ہی اس کی بصیرت و معرفت بڑھے گی کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ **ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون**۔ یعنی جب پرہیزگاروں کو شیطان ستاتا ہے تو وہ خدا کی یاد کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کی بصیرت بڑھ جاتی ہے۔

اے جابر خدا سے کم رزق چاہنے کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کر اور خدا کا شکر کر۔ اس کو کثرت طاعت خدا پر آمادہ کر۔ اپنے گناہوں سے توبہ کر۔ اپنے نفس سے اس کی موجودہ شر کو دور کر بذریعہ اپنے اس علم کے جو تیرے پاس ہے علم حاضر کو عمل خالص میں استعمال کر۔ اور خالص عمل کو طاعت الٰہی میں بیدار رہ کر غفلت سے بچا اور بیداری کو خوف الٰہی سے جلا دے۔ اور ہوائے نفس کو اپنی عقل کی رہنمائی سے مغلوب کر اور جب تجھ پر خواہش نفس کا غلبہ ہو تو اپنے علم سے ہدایت حاصل کر۔ اپنے خلوص نیت سے کئے ہوئے اعمالوں کو روز جزا کے لئے بھیج دے اور حرص کے بڑے جذبہ کو قناعت سے دور کر۔ اپنی امیدیں کم رکھ تا کہ تجھے زہد کی حلاوت ملے۔ اسباب طمع کو ناامید کی چادر سے دور کر اور غرور و عجب کی راہ کو اپنے نفس کی معرفت سے مسدود کر دے۔ اپنے امور کو خدا کی طرف تفویض کر کے راحت نفس حاصل کر۔ خدا کا ذکر خلوت میں کثرت سے کر کے رقت قلب حاصل کر۔ نور قلب کو ہمیشہ غم کی چاشنی دے کر جلا دے۔ خدا سے خوف کے ذریعہ سے ابلیس کے مکروں سے محفوظ رہ۔ دیکھ امید کا ذب کبھی نہ رکھ کیوں کہ وہ حائل ہو جائے گی خوف صادق کے راستہ میں۔ دیکھ خبردار نیک کام میں تاخیر نہ کیا کر کیونکہ یہ تاخیر ایک سمندر ہے جس میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ خبردار کبھی غفلت کے عادی نہ ہونا کیونکہ اس سے قساوۃ قلب پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو لا پروائی اور کسالت جس کے لئے کوئی عذر نہ ہو ہرگز نہ کرنا کیونکہ اس سے نادم ہونا پڑتا ہے۔ اور اپنے گزشتہ گناہوں پر نادم ہو اور کثرت سے استغفار کرو۔ خداوند تعالیٰ سے رحمت وعفو کے خواہاں رہو۔ شکر سے اپنی نعمتوں کو زیادہ کرو۔ اپنی طمع کو مغلوب کر کے اپنی عزت کی بقاء کی طالب ہو۔ طمع کی ذلت کو استغناء سے دور کر دو اور استغناء کی عزت کو بلندی ہمت سے بڑھاؤ۔ دنیا میں اپنی امیدیں کم رکھو۔ جان تو کہ طلب سلامت (جان و ایمان) سے بہتر کوئی علم نہیں ہے۔ مخالفت ہوا و ہوس سے زیادہ کوئی عقل نہیں ہے۔ کوئی فقر دل کے فقر سے نہیں ہے۔ کوئی دولت دولت استغناء نفس سے بہتر نہیں ہے کوئی معرفت تیری اپنی نفس کی معرفت سے بہتر نہیں ہے کوئی

نعمت عافیت سے بہتر نہیں ہے اور کوئی عافیت مساعدت توفیق سے بہتر نہیں ہے۔ وہ انسان کی حالت کہ جس میں توفیق الٰہی کی مساعدت ہو بہترین عافیت ہے کوئی شرف بلند ہمتی سے بہتر نہیں ہے۔ کوئی زہد نا جائز امیدوں اور آرزوؤں کو منقطع کرنے سے بہتر نہیں۔ کوئی جور ہوا و ہوس کی تقلید سے زیادہ نہیں ہے۔ کوئی طاعت وعبادت ادائے فرض سے بہتر نہیں ہے۔ کوئی آفت عدم عقل سے زیادہ نہیں ہے۔ اور کوئی مصیبت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ بغیر جرم کئے تیری اہانت کی جائے اور پھر تجھ کو مجبور کیا جائے کہ تو اپنی اس حالت سے راضی رہ۔ جہاد سے بہتر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اپنی ہوا و ہوس سے مجاہدہ کرنے سے زیادہ کوئی جہاد نہیں ہے اپنے غیظ وغضب پر غالب ہو جانا سب سے بڑی قوت ہے۔ اور کوئی ذلت طمع سے زیادہ نہیں ہے۔ خبردار فرصت کے وقت کبھی تفریط نہ کرنا۔ یعنی تفریط کرنے کی طاقت ہونے کے باوجود کبھی تفریط نہ کرنا۔ کیونکہ وہ ایک ایسا میدان ہے جو خسران کی طرف لیجاتا ہے۔ اور جناب امام محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ نیک کلمہ جو بھی کہے اس سے یاد کرلو۔ اگر چہ وہ کہنے والا اس پر عمل نہ کرتا ہو۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئك الذین هداهم الله ۔

تو گناہوں کے چوروں میں سے ایک چور ہے۔ جب خواہش نفس وارتکاب گناہ اپنے تئیں تیرے سامنے پیش کرتے ہیں تو تو ان کی طرف جلدی سے لپکتا ہے اور اپنی جہل کی وجہ سے اقدام جرم پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کو کرتا ہے۔ گویا کہ تو خدا کی نظر کے سامنے نہیں ہے۔ یا خدا تجھے نہیں دیکھ رہا۔

یہ وہ عقل وحکمت کے موتی ہیں اور فلسفے کے باریک میں نکتے ہیں جن پر حکماء یونان وفرنگ نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں لیکن پھر بھی اس گہرائی کو نہیں پہنچے جہاں تک امام کی عقل رسا وعلم لدنی کی پہنچ تھی۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے اقوال حکمت روایات دیگر سے۔

یہ اقوال ہم اعیان الشیعہ سے نقل کرتے ہیں۔ فرمایا جناب امام محمد الباقرؑ نے کہ:

(۱) حلم وعلم کی مقارنت سے بہتر دنیا کی کوئی اور مقارنت نہیں۔ یعنی عالم کو چاہئے کہ حلیم وبردبار رہے۔ امر واقعی بھی یہ ہی ہے۔ جس شخص کو اشیاء کی حقائق اور امور دنیا کی غایت کا علم ہو جائے گا وہ کبھی بدمزاج، بد دماغ اور غصہ والا نہیں ہو سکتا۔ جب دوسروں کی کمزوریوں اور دنیا کے امور کی بے ثباتی کا علم ویقین ہے تو غصہ کیوں اور کس پر کرے۔

(۲) انسان کا کمال واقعی یہ ہے کہ امور دین کے حقائق سے آگاہ ہو مصائب پر صبر کرے اور ایک انداز سے اپنی زندگی گزارے۔ یعنی زندگی میں افراد وتفریط سے حذر کرے۔ اپنے رزق حلال کے مطابق اپنے اخراجات رکھے، اس کے اوپر جو فرائض ہیں وہ مصائب کے وقت نظر انداز نہ کردے۔ ہر ایک مصیبت کے وقت خدا کو عادل ومنصف سمجھے اور اضطراب نہ کرے۔

(۳) متکبر خدا سے اس کا لباس چھیننا چاہتا ہے۔ یعنی کبریائی (تکبر) محض خدا کے لئے ہے۔ اس میں بندہ کا حصہ نہیں جو بندہ تکبر کرتا ہے وہ گویا خدا کی صفت اس سے چھینتا ہے۔ دیگر صفات الٰہیہ میں سے انسان کو کچھ حصہ مل سکتا ہے۔ یعنی حلم، عدل، رحم وغیرہ۔ لیکن کبر انسان کے لئے نہیں ہے۔ اس کی حقیقت بھی کیا ہے ایک پانی کے قطرے کے لاکھویں حصہ سے بنا ہے۔ اور اس کی ساری زندگی کی کائنات ایک سانس کے آنے پر ہے پھر تکبر کے لئے گنجائش کہاں ہے۔

(۴) حق کو لے کر کھڑا ہو۔ جو تجھ کو فائدہ نہ پہنچائے اس کو چھوڑ دے اپنے دشمن سے پرہیز کر۔ اور اپنے دوست سے بھی ڈرتا رہ۔ فاجر سے صحبت نہ رکھ اور اپنے بھید سے اس کو آگاہ نہ کر۔ اپنے امور میں ان لوگوں سے مشورہ لے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ حکمت ان اقوال میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ فاجر شخص کبھی دوسرے کے بھید کی عزت وقدر نہ کرے گا۔ صرف وہ ہی لوگ اس کے راز کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اس سے دغا کی تو خدا ہم سے ناراض ہو جائے گا۔

(۵) ۲۰ سال کی صحبت باہمی رشتہ داری تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ اس وقت ہی ممکن ہے کہ جب وہ محبت اور ہمدردی کے ساتھ ہو۔ اگر آپس میں ایک دوسرے کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں تو امتداد زمانہ کے ساتھ یہ نفرت کی خلیج بڑھتی جائے گی۔

(۶) ''اگر ہو سکے تو معاملہ صرف ایسے شخص سے کر جس پر تجھ کو فضیلت حاصل ہے۔'' جتنا آپ اس مقولہ پر غور کریں گے اتنی ہی اس کی حقیقت آپ پر واضح ہوتی جائے گی۔ آج کل جتنی کمپنیاں اور شراکتیں بن رہی ہیں ان میں سے اکثر تنازعات باہمی کا باعث ہوتی ہیں اور مقدمات پیدا ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ امام کے اس مقولے کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ شراکت کے حصہ داروں میں ایک زیادہ عقل والا اور چالاک ہوتا ہے۔ اپنے شراکت کے فن میں زیادہ ماہر ہوتا ہے۔ دوسرا سیدھا سادھا آدمی ہوا شراکت کے فن سے علم نہ ہوا تو پہلا شخص اگر وہ خدا سے نہیں ڈرتا تو اپنے عقل وہنر کی وجہ سے اس سیدھے سادے آدمی کو ہر وقت دھوکہ دے گا۔ اور یہ آخر کتنا ہی سیدھا ہو وہ یہ تو سمجھ جائے گا کہ مجھے دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ بس تنازعات شروع ہو جائیں گے۔ اور یہ کمپنی یا شراکت بجائے اس کے کہ ملک کی ترقی کی باعث ہوتی ملک کے لئے مضر ثابت ہوگی۔

(۷) ''دنیا وآخرت کی بزرگی تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱) جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔

(۲) جو تم سے قطع رحم کرے تم اس سے صلہ رحم کرو۔

(۳) اور تم حلم سے کام لو۔ جب لوگ تمہارے ساتھ جاہلانہ برتاؤ کریں۔

آخرت میں تو یہ تینوں باتیں باعث ثواب ہیں ہی۔ لیکن دنیا میں بھی دشمن کو دوست بنانے کا طریقہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

(۸) "تین قسم کے ظلم ہیں۔ ایک تو وہ جس کو خدا معاف نہ کرے گا۔ دوسرے وہ جن کو خدا معاف کر دے گا اور تیسرے وہ جن کو خدا نظر انداز نہیں کرے گا۔ (لا یدعہ) وہ ظلم جس کو خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔ وہ شرک ہے۔ وہ ظلم جن کو خدا معاف کر دے گا وہ ہیں جو انسان نے اپنے نفس پر ان امور میں کیے ہیں جو خدا اور اس کے درمیان تھے۔ وہ ظلم جن کو خدا کبھی نظر انداز نہیں کرے گا وہ ہیں جو بندوں نے ایک دوسرے پر کیے ہیں۔"

رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جب حقوق عباد کا خیال آتا ہے۔ خدا سے ڈرنے والو! اور اس کی مغفرت کی امید رکھنے والو! بندوں کے حقوق سے ڈرو۔ مرتے وقت یہ نہ تم پر رہ جائیں۔ قبر میں جا کر تو تم لاچار ہو جاؤ گے بخشوا بھی نہ سکو گے۔ بالفرض محال اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کے حقوق تم پر تھے اور تم ادا نہ کر سکے۔ مثلاً والدین وغیرہ کے تم کو چاہئے کہ ان کے لئے توبہ واستغفار کرو۔ اور ان کے نام پر صدقہ دو۔ کہ یہ ایک نیکی ہے۔ اور **هل جزاء الاحسان الا الاحسان** ۔ شاید اس نیکی کے عوض وہ تمہیں معاف کر دیں۔

(۹) "کوئی شخص نہیں ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کی مدد نہیں کی اور اس کی حاجت پوری کرنے میں سعی نہیں کی خواہ وہ حاجت پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو جو خود بھی ایسی حاجت کی سعی میں نہ مبتلا ہو گیا ہو جس سے گناہ حاصل ہو اور کوئی اجر نہ ملے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنا مال ایسے کاموں میں جن سے خدا راضی ہوتا ہے۔ خرچ کر سکتا تھا اور اس نے خرچ نہیں کیا جو پھر اس سے دوگنا مال ایسے امور میں خرچ کر تے میں مبتلا نہ ہو گیا ہو جن سے خدا ناراض ہوتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک کاموں میں بغرض ثواب اپنا وہ مال خرچ نہیں کرتا جو وہ خرچ کر سکتا ہے تو پھر برے کاموں میں اس سے دوگنا مال خرچ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) "ہر ایک قضاء خداوندی میں مومن کے لئے خیر ہے۔"

(۱۱) "خداوند تعالیٰ کراہت کرتا ہے کہ لوگ اپنی حاجتوں کے لئے انسانوں کے سامنے الحاح وزاری کریں۔ لیکن اپنے نفس کے لئے وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اپنی حاجتیں اس سے الحاح کر کے مانگیں۔ خدا اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔"

(۱۲) "جس کو خدا نے اتنی توفیق نہیں دی کہ وہ اپنے نفس (ضمیر) ہی کو اپنا واعظ قرار دے تو پھر لوگوں کے مواعظ ونصائح اسے کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔"

عقل وحکمت حاصل کرنے کے لئے یہ سب سے پہلی شرط ہے کہ انسان خود اپنے تجربوں اور دنیا کے امور پر غور فکر کرے اور کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ پھر اس وقت لوگوں کے تجربوں کا ذکر یعنی پند و نصائح اس کے لئے مفید ہوں گے۔ اگر اس نے خود غور نہیں کیا تو لوگوں کے مواعظ و نصائح ایک کان سے سنے گا اور دوسرے کان سے نکال دے گا۔

(۱۳) ''اس شخص کا میزان عمل ہلکا ہے جس کا ظاہر اچھا ہے باطن سے۔'' قیامت کے دن میزان عمل ہلکا ہونے کی وجہ سے اسکو خفت اٹھانی پڑے گی۔

(۱۴) ''لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا تمہارے دشمن کو سرنگوں کرے حالانکہ ان کا دشمن خدا ہے''۔ کیونکہ وہ خدا کے نافرمان بندے ہیں۔

(۱۵) ''کوئی شخص عالم نہیں ہو سکتا جب تک وہ رشک و عزت کی نگاہ سے اس کو نہ دیکھے جو علم میں اس سے بڑھ کر ہے''۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے سے بڑے لوگوں پر حسد کرو اور اپنے سے کم لوگوں کو حقیر سمجھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کا شوق انسان کے دل میں اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ عالم کی نظیر اس کے سامنے ہو اور اس عالم کی اتنی عزت اس کے دل میں ہو کہ وہ کہے کہ کاش میں بھی عالم ہوتا اور جاہل بھی اس کے سامنے ہو اور وہ جہل کو نہایت حقیر شئے سمجھے۔ دراصل رشک و حقارت عالم اور جاہل سے نہیں بلکہ علم اور جہل سے مقصود ہے۔

(۱۶) ''نئے امیروں کی طرف حاجت لے جانا ایسا ہی ہے جیسا افعی کے منہ میں درہم۔ تو چاہتا بھی ہے کہ درہم حاصل کرے۔ لیکن تجھے اس سے خطرہ بھی ہے۔''

کسی محتاج کی حاجت کو حقارت کے ساتھ رد کرنے کو افعی کے کاٹنے سے تشبیہ دی ہے نئے امیر اکثر محتاجوں کو جھڑک دیتے ہیں۔ اور ان سے بدکلامی سے پیش آتے ہیں۔

(۱۷) ''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جن کا وبال اپنے مرنے سے پہلے ان خصلتوں کا رکھنے والا دیکھ لیتا ہے۔ نافرمانی، قطع رحم، جھوٹی قسم جو خدا کے سامنے کھائی جائے۔''

(۱۸) ''وہ عبادت جس کا ثواب جلد ملجاتا ہے صلہ رحم ہے۔ فاجر قوم بھی اگر صلہ رحم کرے گی تو اس کا مال بڑھیگا اور صاحب ثروت ہو جائیں گے۔ جھوٹی قسم اور قطع رحم مکانوں کو ان کے رہنے والوں سے خالی کر دیتے ہیں۔'' یعنی جھوٹی قسم اور قطع رحم سے گھر اجڑ جاتے ہیں۔

(۱۹) ''کوئی عمل بغیر معرفت کے اور معرفت بغیر عمل کے قبول نہ ہوں گے۔ معرفت انسان کو عمل کی طرف لے جاتی ہے۔ جس کو معرفت حاصل نہیں اس کا کوئی عمل نہیں۔''

(۲۰) ''قسم بخدا کوئی ہمارا شیعہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ جو خدا سے ڈرتا ہے اور اسکی اطاعت کرتا ہے۔
ہمارے شیعہ پہچانے جاتے ہیں تواضع، خشوع، ادائے امانت، وکثرت ذکر خدا وصوم وصلوٰۃ، نیکی بوالدین، غریب ومسکین، محتاج ویتیم ہمسایوں کی نگہداشت وخبر گیری، صدق زبان وتلاوۃ قرآن اپنی زبان کو لوگوں کی بدگوئی سے روکنے سے۔ اور وہ امین ہوتے ہیں اپنے رشتہ داروں کے۔''
جب اتنی صفات حاصل کرلو تب اپنے تئیں شیعہ اہل بیت کہہ سکتے ہو۔ اگر یہ صفات کماحقہا حاصل نہ کرسکو تو صدق نیت سے ان کے حاصل کرنے کی کوشش تو کرو۔

(۲۱) ''نیکی کے چار خزانے ہیں۔ حاجت کو چھپانا، صدقہ کو چھپانا، اپنے درد کو چھپانا، اور مصیبت کو چھپانا۔''

(۲۲) ''صدق زبان سے عمل پاک وطاہر ہوتا ہے۔ حسن نیت سے رزق بڑھتا ہے۔ اپنے اہل وعیال کے ساتھ نیکی کرنے سے عمر بڑھتی ہے۔''

(۲۳) ''جس شخص نے صرف خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائی کو ایمان باللہ اور وفاء عہد بہ براورایمانی کی تعلیم دی اس نے نور خدا کی شعاع حاصل کی، عذاب خدا سے امان حاصل کی اور روز قیامت کے لئے اسے فلاح حاصل کرنے کی ایک حجت مل گئی اور عزت باقی کرلی اور ایسا ذکر حاصل کرلیا جو بڑھتا ہی رہیگا۔''

(۲۴) ''تواضع یہ ہے کہ اپنی خوشی سے اپنے درجہ سے کمتر جگہ پر بیٹھے، جو ملے پہلے خود اسے سلام کرے اور دوسرے کے خاطر اپنے خوشگوار طعام کو چھوڑ دے۔''

(۲۵) ''ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ لہذا نہ اس کی برائی کرنے نہ اسے چھوڑے۔ اور نہ اس سے سوء ظن رکھے۔''

(۲۶) ''خدا نے انسان کے جسم وقلب کے لئے عقوبتیں مقرر کی ہیں، اور وہ یہ ہیں۔ تنگی رزق سستی در عبادت، اور قساوت قلب سے سخت تر کوئی عقوبت نہیں ہے۔''

(۲۷) ''خداوند تعالےٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے ابن آدم جو شئے میں نے تیرے اوپر حرام کی ہے وہ تو چھوڑ دے تاکہ سب زیادہ زہد والا ہو جائے۔''

(۲۸) ''سب سے افضل عبادت بطن وشرمگاہ کی عفت ہے۔'' یعنی رزق حرام وزنا سے بچنا۔

(۲۹) ''بشاش وخندہ مکھ چہرے سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قرب خدا حاصل ہوتا ہے۔ سرکہ جبیں وترشروئی نفرت اور خدا سے دوری حاصل ہوئی ہے۔''

(۳۰) ''حیاء وایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ جب ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ چلا جاتا ہے۔''

(۳۱) ''جس نے لوگوں کو ہدایت کی باتیں سکھائیں تو اسکو ہدایت پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا اور ان کے اجر

میں سے کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے لوگوں کو بدی کی باتیں سکھائیں تو اس پر ضلالت پر چلنے والوں کا بوجھ ہوگا۔اور ضلالت پر چلنے والوں کے بوجھ میں سے کچھ کمی نہ ہوگی۔"

(۳۲) "مومن کے لئے تملق (بے جا خوشامد) وحسد بری چیزیں ہیں۔لیکن یہ طلب علم کے لئے جائز ہیں۔"

(۳۳) "جناب محمد باقر نے فرمایا کہ کیا میں تمکو ایسی شئے بتلاؤں جو تم سے شر شیطان وسلطان کو دور کرے۔ابوحمزہ نے عرض کیا کہ ارشاد ہو۔آپ نے فرمایا کہ صبح سب سے پہلے صدقہ دو کیونکہ اس سے ابلیس کو رنج ہوتا ہے اور سلطان جابر کی شر ٹوٹ جاتی ہے۔خدا سے محبت کرو اور ایک دوسرے کو عمل صالح کی تربیت دو کیونکہ اس سے شیطان وسلطان کا غلبہ ٹوٹ جاتا ہے۔اور خدا سے استغفار کرو کیونکہ اس سے گناہ محو ہوتے ہیں۔"

(۳۴) "انسان کی زبان خیر وشر کی کنجی ہے۔مومن کو چاہیئے کہ اپنی زبان پر اسی طرح مہر لگادے جس طرح وہ اپنے سونا چاندی پر مہر لگاتا ہے۔کیونکہ جناب رسول خدا نے فرمایا ہے کہ خدا رحم کرے اس مومن پر جو اپنی زبان کو ہر ایک شر سے روکتا ہے کیونکہ یہ خیرات ہے اس کے نفس کی۔ پھر آں حضرت نے فرمایا کہ کوئی شخص گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جب تک وہ اپنی زبان کو غیبت سے نہیں روکتا۔یعنی اپنے بھائی کے وہ عیوب ظاہر کرتا ہے جو خدا نے چھپائے ہیں اور جب تک اپنی زبان کو بہتان سے نہیں بچاتا یعنی اپنے بھائی میں وہ برائی بیان کرتا ہے جو اس میں نہیں ہوتی۔"

(۳۵) "تم کو چاہیے کہ زہد، اجتہاد اور صدق زبانی کو اختیار کرو۔اور ادائے امانت کرو۔ اسکو جس نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے خواہ وہ امانت رکھنے والا فاجر ہو یا نیک آدمی ہو۔اگر میرے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب کا قاتل بھی میرے پاس امانت رکھوائے تو میں اسکو ہی واپس کرونگا۔"

(۳۶) صلہ رحم اعمال کو پاک کرتا ہے،اموال کو بڑھاتا ہے۔بلا کو دور کرتا ہے۔روز قیامت کے حساب کو آسان کرتا ہے اور اجل میں تاخیر ہو جاتی ہے۔

(۳۷) "ہمارے جڑیں تو چلی گئیں۔ہم تو شاخ ہیں۔شاخ کو جڑ کے بعد کیا بقا ہو سکتی ہے۔کہاں ہیں وہ لوگ جن کی عمریں تم سے بہت بڑی تھیں اور جن کی امیدیں تم سے نسبتاً بہت لمبی چوڑی تھیں۔اے ابن آدم تیرے پاس وہ آرہا ہے جس کو تو ٹال نہ سکے گا اور تجھ سے وہ چلا گیا ہے جو پھر واپس نہ آئے گا۔"

(۳۸) "جو نیکی تو دوسروں کے ساتھ کرتا ہے وہ تیری ہی نفس کے لئے ہے۔پس اس کی نکی کے شکر کا دوسروں سے متمنی نہ ہو کیونکہ اس کی نیکی کا فائدہ تیرے نفس کو پہنچا ہے اور تیری آبرو بڑھی ہے۔جان لے کہ جس نے تجھ سے اپنی حاجت بیان کی اس نے اپنی آبرو نہیں بڑھائی پس تو اپنی آبرو اسکی حاجت کو پورا کر کے بڑھا۔"

(۳۹) "شیعیان علی ہماری ولایت ومحبت میں مستغرق ہوتے ہیں دین کے زندہ کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔جب غصہ ہوتے ہیں تو ظلم نہیں کرتے اور جب راضی ہوتے ہیں تو اسرف نہیں کرتے۔اپنے

ہمسایوں کے لئے برکت ہیں اور جن سے ملتے ہیں اور اختلاط کرتے ہیں ان کے لئے آشتی وصلح ہیں۔''

(۴۰) ''کسل یعنی سستی دین ودنیا کے لئے مضر ہے۔''

(۴۱) ''اگر سائل جانتا کہ سوال کرنے میں کیا خرابی ہے تو کوئی کسی سے سوال نہ کرتا۔ اور اگر وہ شخص جسے سوال کیا گیا ہے جانتا کہ سوال کے رد کرنے میں کیا برائی ہے تو کبھی سوال رد نہ کرتا۔''

(۴۲) ''خداوند تعالیٰ کے ایسے بھی نیک بندے ہیں جو زندگی بسر کرتے ہیں جیسا کہ زندگی بسر کرنے کا حق ہے۔ اور لوگ ان کے سایہ میں رہتے ہیں اور وہ خدا کے بندوں کے درمیان مثل قطر کے ہیں اور ایسے بھی خدا ملعون بندے ہیں جو نہ خود زندگی بسر کرنا جانیں نہ لوگ ان کے پاس رہ سکیں۔ اور وہ خدا کے بندوں کے درمیان ایسے ہیں جیسے کہ ٹڈیاں، جس پر گرتے ہیں اجاڑ دیتے ہیں۔''

(۴۳) ''لوگوں سے اس طرح خوش خلقی سے گفتگو کرو کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے خوش خلقی سے گفتگو کریں۔ کیونکہ خدا گالیاں دینے والوں، مومنین کو طعنہ دینے والوں، فاحش اور چمٹ کر سوال کرنے والوں پر غضبناک ہوتا ہے۔ خدا پسند کرتا ہے۔ حیادار، حلیم اور منصف کو۔''

(۴۴) جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ مروۃ یہ ہے کہ تو طمع نہ کرتا کہ ذلیل نہ ہو، سوال نہ کرتا کہ ہلکا نہ ہووے۔ بخل نہ کر تا کہ لوگ تجھے برا نہ کہیں، جاہل نہ رہ تا کہ لوگ تجھ سے مخاصمت نہ کریں۔

(۴۵) آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ خدایا ہم کو تو اپنی مخلوق سے مستغنی کردے۔ جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ یوں نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ خداوند تو ہم کو اپنی مخلوق کے اشرار سے مستغنی کردے۔ اللھم اغننا من شرار خلقك

(۴۶) امام محمد باقرؑ نے اپنے صاحبزادے امام جعفر الصادقؑ سے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔ اپنی رضا کو اپنی عبادت میں۔ پس عبادت کے کسی حصہ کو کم نہ سمجھو شاید خدا کی رضا اس مین ہو۔ اپنی ناراضگی کو اپنی معصیت میں پس کسی معصیت کو حقیر نہ سمجھو۔ شاید اس میں ہی خدا کی ناراضگی ہو۔ اپنے دوستوں کو اپنی مخلوق میں۔ پس مخلوق خدا میں سے کسی کو حقیر نہ سمجھو شاید وہی خدا کا ولی ہے۔

اقوال جناب محمد باقرؑ از کتاب البیان والتبیین للجاحظ

ابو عثمان الجاحظ اپنی کتاب البیان والتبیین میں کہتے ہیں کہ قسم بخدا امام محمد باقرؑ نے دنیا کی ساری حالت کی ساری اصلاح کو ان دو کلموں میں بیان کر دیا ہے:

صلاح شان جمیع التعائش والتعاشر مل مکیال ثلثاه فطنته و ثلثه تغافل

یعنی معیشت ومعاشرت کی نیکی واصلاح ایک پیمانہ بھر ہے۔ جس کا دو ثلث فطنت (زیرکی، ذہانت) ہے اور ایک ثلث تغافل ہے۔

جناب محمد باقرؑ اپنے آباؤاجداد کے سلسلہ سے جناب رسول خداؐ کی حدیث بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ جب میری امت سے یہ پندرہ امور سرزد ہوں گے۔ تب ان پر بلا نازل ہوگی۔

(۱) جب چند آدمی مل کر آپس میں لوگوں کا مال کھائیں گے۔

(۲) جب امانت کو وہ اپنا مال غنیمت سمجھیں گے۔

(۳) جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھیں گے۔

(۴) جب خاوند اپنی زوجہ کی اطاعت کرے گا۔

(۵) جب اپنی ماں کو چھوڑ دے گا۔

(۶) اپنے دوست سے نیکی کریگا۔

(۷) اپنے والد پر جفا کرے گا۔

(۸) مسجد میں آوازیں بلند ہوں گی۔

(۹) جب کسی کی عزت اس کی شر سے بچنے کے لئے کی جائے گی۔

(۱۰) سردار قوم ذلیل ہوگا۔

(۱۱) جب ریشمی لباس پہنے جائیں گے۔

(۱۲) شراب پی جائے گی۔

(۱۳،۱۴) جب آلات قتل کو لوگ اختیار کرلیں گے۔

(۱۵) جب آخر امت اول امت کو برا کہے گی۔ اس کے بعد تین قسم کے عذابوں کے منتظر رہو۔ سرخ آندھیاں آنا، مسخ ہوجانا اور زمین کا دھنس جانا۔ (البیان والتبیین الجزء الثانی صفحہ نمبر ۲۶۸)

جب جناب محمد باقرؑ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھتے تھے تو چپکے سے خدا سے پناہ مانگتے تھے۔ ان کے گھر میں سائل سے کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ جاؤ برکت ہے اور نہ یہ کہا گیا کہ یہ لے سوال کرنے والے۔ آپ نے فرمایا کرتے تھے کہ سائلوں کو اچھے الفاظ سے پکارا کرو۔ (البیان والتبیین الجزء الثالث صفحہ نمبر ۱۴۲)

جناب محمد باقرؑ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ نقصان میں کون شخص ہے فرمایا کہ جو فانی کو باقی کے بدلے خریدتا ہے۔ پھر پوچھا گیا سے زیادہ قدر والا کون شخص ہے۔ فرمایا وہ جس کی آنکھ میں دنیا کی قدر نہیں ہے۔

(البیان والتبیین الجزء الثالث صفحہ نمبر ۱۴۲)

جناب محمد باقرؑ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم اعنی علی الدنیا بالغنیٰ وعلی الآخرۃ با لتقویٰ۔

یا اللہ اس دنیا میں میری مدد غنا (دولت بقدر کفاف) کے ساتھ کر اور آخرت میں تقویٰ کے ساتھ۔ یعنی مجھے

اس دنیا کے لئے غنا اور آخرت کے لئے تقویٰ عنایت کر۔ (البیان والتبیین الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۳۲)

جناب محمد باقرؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا۔ اے پسر جب خدا کی طرف سے کوئی نعمت تمہیں ملے تو کہو الحمد للہ۔ اور جب کسی امر میں سختی پیش آئے تو کہو لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور اگر رزق میں کمی یا تاخیر ہو تو استغفر اللہ۔ (البیان والتبیین الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۳۸) شارح نے نوٹ میں غلط محمد بن علی بن عبداللہ ابن عباس لکھا ہے۔ کیوں کہ فہرست میں اس کو صاف طور سے محمد ابن علی ابن الحسین کی طرف منسوب کیا ہے۔

(نوٹ) ''صفحہ نمبر ۷۱، ۷۲، ۸۴ متن کتاب میں محمد بن علی تحریر ہے۔ لیکن شارح نے خطوط وحدانی میں بن عبداللہ بن عباس لکھ دیا ہے لیکن یہ شارح کی غلطی ہے کیونکہ فہرست کتاب میں واضح طور سے محمد بن علی بن الحسین بن علی ابن ابیطالب اس موقعہ پر لکھا ہے۔ کافی وغیرہ میں بھی یہ اقوال جناب محمد باقرؑ کی طرف منسوب ہیں اور یہ شان محمد بن علی بن عبداللہ ابن عباس کی نہ تھی کہ سائل اس کے گھر سے خالی ہاتھ نہ جاتا ہو بلکہ وہ تو بخیل و کنجوس مشہور تھا۔''

جناب محمد باقرؑ نے بسلسلہ اپنے آباواجداد کے جناب رسول خداؐ کی حدیث بیان فرمائی۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ جب تم خدا سے سوال کرو تو ہاتھ کی ہتھیلی اپنی طرف کر کے کرو اور جب اس سے پناہ مانگو تو ہاتھ کی پشت اپنی طرف کر کے۔ (البیان والتبیین الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۴۵)

جناب محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبك من بطر الغنی و ذلة الفقر۔

(البیان والتبیین الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۴۵)

فرمایا جناب محمد الباقرؑ نے کہ سب سے پہلے عربی زبان حضرت اسمٰعیل نے بولی تھی اور اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے میں نے جنگ فجار میں شرکت کی اور اس وقت میری عمر ۱۴ سال کی تھی۔

.......☆.......

باب ﴿۱۲﴾

نشرعلوم

(۱) تفسیر قرآن

جناب محمد باقرؑ اور جناب امام جعفر الصادقؑ سے تفسیر قرآن کا بہت بڑا حصہ منقول ہے۔ کافی، کلینی، تفسیر برہان، تفسیر عیاشی، تفسیر قمی، تفسیر مجمع البیان وغیرہ ہم کتب تفاسیر اہل شیعہ سے یہ امر واضح ہے۔ ہم تو یہاں تبرکاً تھوڑا سا لکھتے ہیں۔ (منقول از حلیۃ الاولیاء الجزء الثالث صفحہ نمبر ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۹۰، ۱۹۲)

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ (۱۲:۲۴)

عراق سے چند لوگ جناب امام محمد الباقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ عراق کے فقہا اس آیت میں "برہان" کے کیا معنی لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے انگوٹھے پر کٹا ہوا نشان دیکھا تھا وہ "برہان" ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں میرے آباواجداد نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے۔ فرمایا حضرت علیؑ نے کہ حضرت یوسف نے ارادہ کی کہ آزار بند کھولیں۔ زلیخا اٹھی اور ایک بڑے بت پر جو جواہرات سے مرصع تھا سفید کپڑا ڈال دیا اور اس کو ڈھک دیا۔ نے پوچھا کہ تو نے کیوں کیا۔ اس نے کہ کہ مجھے اپنے خدا سے شرم آئی وہ مجھے اس حالت میں دیکھے۔ حضرت یوسف نے کہا کہ تو تو ایک بت سے شرم کرتی ہے جو بیجان ہے۔ نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ اور میں اپنے اس خدا سے شرم نہ کروں جو ہر ایک شخص کے افعال کو دیکھتا ہے۔ قسم بخدا میں یہ کام نہ کروں گا۔ یہ تھی وہ برہان جو یوسف نے دیکھی۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا (۲۵:۷۵)

آپ نے فرمای کہ فقر پر دنیا میں جو انہوں نے صبر کیا اس کی جزاء دی جائے گی۔

وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا (۷۶:۱۲)

آپ نے فرمایا بما صبروا علی الفقر و مصائب الدنیا۔ یعنی ان لوگوں نے اپنے فقر و مصائب دنیا پر جو صبر کیا اس کی جزاء میں جنت و حریر ملیں گے۔

لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (۵۰:۲۲)

جناب محمد باقرؑ سے اسناد کے ساتھ روایت ہے کہ جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ ابن آدم غافل ہے اس چیز سے کہ جس سے خدا نے اس کو پیدا کیا۔ جب خداوند تعالیٰ اپنے بندے کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک

فرشتہ سے فرماتا ہے۔ کہ اس کا رزق واثر واجل کو لکھ اور یہ بھی لکھ کہ شقی ہے یا سعید۔ یہ فرشتہ اتنا کام کر کے چلا جاتا ہے۔ پھر۔ اس کے پاس دوسرا فرشتہ آتا ہے۔ اور وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درجہ استدراک کو پہنچتا ہے۔ پھر خداوند تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے جو اس کی نیکیاں و برائیاں لکھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی موت آتی ہے۔ اس وقت یہ دونوں فرشتے چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آتا اور اس کی روح قبض کرتا ہے۔ جب اس مردہ کو قبر میں داخل کرتے ہیں تو اسکی روح اس کے جسم میں واپس آتی ہے اس وقت ملک الموت واپس چلا جاتا ہے۔ پھر قبر میں دو فرشتے آتے ہیں جو امتحان لیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ جب قیامت ہو گی تو نیکی و بدی کے فرشتے آن کر اس کے گلے میں وہ لکھی ہوئی کتاب ڈال دیں گے اور دونوں اس کے ساتھ جائیں گے۔ ایک سے ہنکاتا ہوا لے جائے گا۔ اور دوسرا گواہ ہو گا۔ اس وقت خداوند تعالیٰ فرمائے گا:

لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (۵۰:۲۲)

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ (۸۴:۱۹)

اس کے معنی ہیں ایک حال کے بعد دوسرا حال۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ ہمارا خدا کے سامنے آنا ایک امر عظیم ہے پس خدا سے مدد مانگو۔ (ختم ہوئی نقل از حلیۃ الاولیاء)

علامہ شیخ مفید اربعلیہ میں لکھتے ہیں کہ عمرو بن عبید جناب امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بغرض امتحان پوچھا کی آیت کریمہ اولم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما میں رتق و فتق سے کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کانت السماء رتقاً یعنی آسمان سے قطرۂ آب نہیں گرتا تھا۔ اور کانت الارض رتقاً۔ زمین سے سبزہ نہیں اگتا تھا۔ عمرو یہ سن کر چلا گیا کیونکہ اس کے اعتراض کا جواب مل گیا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر واپس آیا اور عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس آیت کریمہ کے معنی ارشاد فرمایئے:

وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ (۲۰:۸۱)

خدا کا غضب کیا ہے۔ جناب محمد باقرؑ نے فرمایا کہ اے عمرو کا غضب اس کا عذاب ہے۔ جس نے یہ گمان کی کہ کوئی شئے خدا کی حالت میں تغیر پیدا کر سکتی ہے وہ کافر ہوا۔

.......☆.......

باب ﴿۱۳﴾

نشر علوم

(ہ) مولفات امام محمد باقرؑ

(۱) کتاب التفسیر۔ جناب محمد الباقرؑ کی ایک کتاب تفسیر قرآن ہے جسکا ذکر ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں زیر عنوان کتب تفسیر ان الفاظ میں کیا ہے: کتاب محمد الباقرؑ بن علی بن الحسینؑ رواہ عنہ ابوالجارود زیادہ بن المنذر یعنی کتاب التفسیر جناب امام محمد باقرؑ کی۔ جس سے جارو زیاد ابن المنذر رئیس جارودیہ نے روایت کی ہے۔ علامہ محسن الامین کہتے ہیں کہ اس کتاب سے علی بن ابراہیم بن ہاشم نے اپنی تفسیر میں روایت لی ہے۔ (۲) رسالہ جو آپ نے سعد الخیر کو لکھا۔ (۳) دوسرا رسالہ بھی جو آپ نے سعد الخیر کو لکھا۔ ان دونوں رسالوں کو کلینی نے کافی میں نقل کیا ہے۔

باب ﴿۱۴﴾

کیفیت وفات ووصیت

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ امامت کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ امام کو اپنے رحلت کے وقت اور دن کی اطلاع پہلے سے ہو جاتی ہے۔ امام جعفر الصادقؑ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امام محمد باقرؑ ایسے سخت علیل ہوئے کہ کسی کو ان کے بچنے کی امید نہیں رہی تھی۔ اور اب ہم ان کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگے۔ انھوں نے آنکھیں کھول کر ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ رنجیدہ نہ ہو۔ میں اس بیماری سے نہیں مروں گا۔ بلکہ فلاں دن اور وقت رحلت کروں گا۔ چنانچہ اس بیماری سے صحت پائی اور اس ہی دن اور وقت انتقال ہوا کہ جب آپ نے فرمایا تھا۔ (اعیان الشیعہ الجزء الرابع القسم الثانی صفحہ نمبر ۸۱)

علامہ کلینی نے کافی میں جناب جعفر الصادقؑ سے روات کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس دن میرے والد محمد باقرؑ کا انتقال ہوا میں ان کے پاس تھا۔ انھوں نے اپنے غسل وکفن اور قبر میں داخل کرنے کے متعلق کئی وصیتیں فرمائیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو آج آپ کو سب دنوں سے بہتر پاتا ہوں۔ موت کے کوئی آثار تو نہیں ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اے فرزند کیا تم نے نہیں سنا کہ دیوار کے پیچھے سے میرے والد علی ابن الحسینؑ نے مجھے ندا دی تھی کہ اے محمد جلدی کرو ہمارے پاس آنے میں۔ (کافی نولکشوری کتاب الحجہ صفحہ نمبر ۵۹)

جناب امام جعفر الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس رات کو آپ کا انتقال ہوا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب محمد باقر علیہ السلام ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے۔ مجھے اشارہ کیا کہ وہیں ٹھہر جاؤ۔ جب مناجاۃ کر

چکے تو میں ان کے پاس گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اے پسر آج رات کو میرا انتقال ہو جائیگا۔ اور اس ہی رات کو جناب رسول خدا کا انتقال ہوا تھا۔ (اعیان الشیعہ الجزء الرابع قسم الثانی صفحہ نمبر ۸۲)

علامہ کلینی کافی میں روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ آپ کے والد بزرگوار جناب محمد باقر علیہ السلام نے تبرکات رسول یعنی کتب، سلاح، آثار الانبیاء وغیرہ میرے پاس امانت رکھوائے تھے۔ جب وقت رحلت نزدیک ہوا تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ چار گواہوں کو بلاؤ۔ میں چار آدمی لے گیا جن میں سے ایک نافع حضرت عبداللہ ابن عمر کا غلام تھا۔ آپ نے فرمایا کہ لکھو۔ یہ وہ وصیت ہے جو یعقوب نبی اللہ نے کی تھی کہ اے بیٹے خدا نے تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا ہے۔ پس تم مسلمان ہی مرنا۔ اور یہ ہی وہ وصیت ہے جو محمد بن علی اپنے بیٹے جعفر ابن محمد کو کرتا ہے اور پھر حکم دیا کہ اس رداء میں مجھے کفن دینا جو میں نماز جمعہ کے وقت اوڑھا کرتا تھا اور ایک عمامہ بھی باندھا جائے۔ قبر چوڑی کھودی جاوے۔ پھر گواہوں سے کہا کہ چلے جائیں۔ میں نے عرض کی کہ ان امور کے لئے گواہوں کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں بھی تو معلوم ہو جائے کہ تم میرے وصی اور جانشین ہو۔ اور میرے بعد امام ہو۔ (اعیان الشیعہ الجزء الرابع قسم الثانی صفحہ نمبر ۸۲)

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ جناب جعفر صادق نے فرمایا کہ میرے باپ نے مجھے وصیت کی کہ جب میں رحلت کر جاؤں تو تمہارے سوا کوئی اور نہ مجھے غسل دے کیوں کہ امام کو امام ہی غسل دیتا ہے۔ اور تمہارا بھائی عبداللہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے گا یعنی امامت کا دعویٰ کرے گا۔ تو تم اس کے اس حال پر ہی چھوڑ دینا کیوں کہ اس کے عمر کم ہے۔ جناب امام جعفر الصادق فرماتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ (اعیان الشیعہ الجزء الرابع قسم الثانی صفحہ نمبر ۸۲)

کافی میں علامہ کلینی روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ میرے والد جناب امام محمد باقر نے وصیت میں لکھا کہ میں ان کو تین کپڑوں میں کفن دوں جن میں سے ایک وہ ردا تھی جو آپ نماز جمعہ میں پہنتے تھے اور ایک اور کپڑا تھا اور ایک قمیص تھی۔ میں نے عرض کی کہ آپ یہ تحریر میں کیوں لاتے ہیں۔ فرمایا۔ اس لئے کہ شاید لوگ تمہیں مجبور کریں کہ چار یا پانچ کپڑوں میں کفن دو۔ لیکن ایسا نہ کرنا اور عمامہ بھی باندھ دینا۔ لیکن وہ عمامہ کفن کا جزو نہ ہوگا۔ (اعیان الشیعہ الجزء الرابع قسم الثانی صفحہ نمبر ۸۲)

فرمایا جناب امام جعفر الصادق نے کہ بوقت وفات میرے والد نے مجھے وصیت کی کہ ایسے ایسے کپڑوں میں کفن دینا۔ عمدہ چادر اور عمدہ عمامہ اسکے لئے خریدنا کیونکہ مردے اپنے کفنوں پر فخر کرتے ہیں۔ (اعیان الشیعہ الجزء الرابع قسم الثانی صفحہ نمبر ۸۲)

اعیان الشیعہ میں کافی کی یہ روایت درج ہے کہ جناب جناب ابو جعفر محمد الباقرؑ نے وصیت فرمائی کہ ۸۰۰ درہم آپ کے ماتم میں خرچ کئے جائیں۔ جناب امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ جعفرؑ میرے مال میں سے اتنا خرچ کر دینا کہ دس سال تک بمقام منیٰ نوحہ گر میرے اوپر رویا کریں۔ ☆

باب ﴿۱۵﴾

ولادت ووفات ومدت عمر

جناب امام جعفر الصادقؑ کی تاریخ پیدائش میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ ۱۷ر ماہ ربیع الاول ۸۰ ہجری مطابق ۲۴ر مئی ۶۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ۱۷ر ربیع الاول ۸۳ ہجری مطابق ۲۱ر اپریل ۷۰۲ء بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ علامہ محسن الامین نے تاریخ اول کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن شیخ مفید وکلینی علیہما الرحمۃ نے قول دوم کو مرجح خیال کیا ہے۔ سنہ وفات بلا اختلاف آپ کا ۱۴۸ ہجری مطابق ۱۵ر دسمبر یا ۸ر ستمبر ۷۶۵ء ہے۔ مہینہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۱۵ر شوال تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ۱۵ر رجب تھا۔ اگر سن پیدائش ۸۰ ہجری ہے تو سن شریف ۶۵ سال ہوا۔ ائمہؑ میں سے اتنی عمر کسی نے نہیں پائی۔ اپنے دادا جناب علی ابن الحسینؑ کے ساتھ ۱۲ سال یا ۱۵ سال اور اپنے دادا کے بعد اپنے والد کے ہمراہ ۱۹ سال رہے اور اپنے والد بزرگوار کے بعد ۳۴ سال مدت امامت ہے۔ منصور عباسی نے انگوروں میں زہر دے کر شہید کیا۔ بقیع میں اپنے والد محمد باقر و دادا علی ابن الحسین اور ان کے چچا حسن علیہم السلام کے پاس دفن ہوئے۔

باب ﴿۱۶﴾

والدین

جناب امام جعفر صادقؑ کے والد جناب محمد الباقر ابن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں۔ آپ کی والدہ ام فروہ بن القاسم بن محمد بن ابن بکر ہیں۔ خاندان حضرت ابوبکر کو اسماء بنت عمیس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ جن کی وجہ سے ان کے خاندان کو یہ شرف ملا کہ ان کے یہاں کی لڑکی ایک امام کی زوجہ اور دوسرے کی ماں ہوئی۔ جناب اسماء بنت عمیس پہلے جعفر بن ابیطالب کی زوجہ تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد اسماء بنت عمیس نے حضرت ابوبکر سے شادی کر لی اور ان سے محمد بن ابی بکر ذی قعدہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے سال میں سال پیدا ہوئے۔ جناب اسماء بنت عمیس کو خاندان رسالت سے بہت محبت تھی۔ جناب فاطمہ زہراؑ کی تیمارداری آپ نے کی اور جنازے کی تیاری آپ کے زیر نگرانی ہوئی۔ حضرت ابوبکر کے مرنے کے بعد آپ نے جناب امیر المومنین سے عقد کر لیا۔ گویا ساڑھے تین سال کی عمر سے محمد بن ابی بکر نے حضرت علی کے سایہ میں پرورش پائی اور ربیب علی کہلائے۔ جنگ ہائے جمل وصفین میں یہ حضرت علی کے ہمراہ تھے۔ ۳۸ ہجری میں حضرت علی نے ان کو والی مصر مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں معاویہ کے لشکر سے لڑائی ہوئی جس میں محمد بن ابی بکر کو شکست ہوئی۔ بعد

میں سالار لشکر معاویہ بن خدیج نے ان کو گدھے کی کھال میں بند کر کے جلوا دیا۔ محمد بن ابی بکر اس لشکر میں تھے جنہوں نے حضرت عثمان سے دادخواہی چاہی تھی اور جب بات بڑھی تو لشکریوں نے حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ لیکن محمد ابن ابی بکر ان کے قتل کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ (ابن عبدالبر الاستیعاب جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۲۴۳)

ام فروہ کے والد قاسم بن محمد بن ابی بکر شیعیان علی ابن ابی طالبؑ میں اور جناب علی ابن الحسینؑ کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ جناب امام زین العابدینؑ کے تین خاص معتمدان مذکور ہیں۔

سعید بن المسیب و قاسم بن محمد اور ابو خالد کابلی۔ جناب قاسم کی والدہ یزدجرد شاہ ایران کی صاحبزادی تھیں۔ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں جابر بن حریث نے جو اطراف شرقی کا حاکم تھا یہ دو لڑکیاں آپ کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ ایک کا نام شہربانو یا شاہ زماں تھا۔ جناب امام حسینؑ کو دیدی گئیں۔ ان سے حضرت علی ابن الحسینؑ پیدا ہوئے اور دوسری جن کا نام گیہان بانو تھا محمد بن ابی بکر کو حضرت علی نے دیدی اور ان سے یہ قاسم پیدا ہوئے۔ وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے قاسم مذکور کو جناب علی ابن الحسینؑ کا خالہ زاد بھائی لکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قاسم کا نکاح اسما بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے ہوگئی اور ان سے ام فروہ والدہ امام جعفرؑ پیدا ہوئیں۔

......☆......

حصه دوم

باب ﴿۱۷﴾

کنیت، القاب، نقش خاتم و دربان و شاعر

کنیت

سب سے مشہور کنیت ابوعبداللہ ہے اور کافی میں اس ہی کنیت سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے، ابواسمٰعیل بھی آپ کی کنیت تھی۔

القاب

سب سے زیادہ مشہور لقب آپ کا صادقؑ ہے۔ صابر، فاضل، طاہر بھی آپ کے لقب تھے۔

نقش خاتم

پہلے زمانے میں مہروں اور انگوٹھی کے نقشوں کو ہر ایک ملک میں بہت اہمیت دی جاتی تھی، بغیر مہر کے حکومت کا کوئی فرمان جائز نہیں مانا جاتا تھا۔ اس تخیل کا کچھ بقایا اب بھی پایا جاتا ہے۔ عدالتوں کی اور دفتروں کی مہر اب بھی باقی ہے۔ لیکن جس طرح سے مہر کا استعمال اب ہوتا ہے وہ نہایت بے معنی ہے۔ ہر ایک کلرک کے پاس مہر ہوتی ہے اور وہ چپراسیوں کو دیدیتا ہے۔ جہاں اور جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ یہ بیسویں صدی کی بے معنی عقلمندی ملاحظہ ہو۔ پہلے زمانہ میں مہر بردار بہت بڑا عہدہ ہوتا تھا۔ مہر کی بہت حفاظت کی جاتی تھی۔ جناب رسول خداؐ کے زمانہ میں بسا اوقات انگوٹھی ہی سے مہر کا کام لیا جاتا تھا اور وہ خاص آپ کے قبضہ میں رہتی تھی دیکھیے حضرت سلیمان انگوٹھی ہی کی طاقت پر حکومت کرتے تھے۔ ان کی انگوٹھی کے نقش کے اثر سے جن و پری ان کے مطیع تھے اور شیطان ان سے ڈرتے تھے جب وہ کھوئی گئی تو ان کی حکومت بھی جاتی رہی۔ ساحرون اور عاملان مسمریزم نے بھی انگوٹھی کو اختیار کرلیا۔ انگوٹھی کے نقش خاص پر ٹکٹکی جمانا معمول کا پہلا فرض ہوتا ہے اور ساحران کہتے ہیں کہ ایسی انگوٹھی بنائی جاسکتی ہے جس کے پہننے والا خود تو سب کو دیکھے لیکن اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ فقہ شیعہ میں انگوٹھی کو بہت اہمیت دی گئی ہے غرض کہ انگوٹھی کی اہمیت ان معدودے چند حقائق میں سے ہے جو اٹل ہیں۔ مختلف راویوں نے مختلف اوقات پر جناب جعفر صادقؑ کی انگلیوں میں انگوٹھیاں دیکھیں۔

لہٰذا مختلف نقش بیان ہوئے ہیں جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

(۱) اللہ ولی وعصمتی من خلقه

(۲) ما شاء اللہ لا قوة الا باللہ استغفر اللہ

(۳) الله خالق كل شى

(۴) انت ثقتى فاعصمنى من خلقك

(۵) يا ثقتى قنى شر جميع خلقك

(۶) اللهم ثقتى فقنى شر خلقك

(۷) انت ثقتى فاعصمنى من الناس

(۸) الله عونى وعصمتى من الناس

(۹) ربى عصمنى من خلقه

دربان

فصول المہمہ میں دربان کا نام المفضل بن عمر ہے اور مناقب ابن شہر آشوب میں محمد بن سنان

شاعران بارگاہ

السید الحمیری، الکمیت، ابو ہریرۃ الآبار، اشجع السلمی العبدی، جعفر بن عفان۔

......☆......

باب ﴿۱۸﴾

اولاد وازواج

جناب امام جعفر الصادق علیہ السلام

جناب امام جعفر صادق کی صرف ایک بیوی تھیں جن کا نام فاطمہ تھا جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ تو فرماتے ہیں کہ وہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن الحسین بن علی علیہم السلام تھیں اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حافظ عبدالعزیز ابن الاخضر الجنابذی کہتے ہیں کہ وہ فاطمہ بن الحسین الاثرم بن حسن بن علی بن ابی طالب تھیں۔ اثرم اس کو کہتے ہیں کہ جس کے آگے کے دانت گر گئے ہوں۔ یہ بہت تندمزاج تھیں اور رشک نسوانی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ یہ گوارہ نہ تھا کہ ان کے شوہر کسی اور کنیز سے بھی مقاربت کریں۔ غالباً اسی وجہ سے کوئی اور زوجہ جناب ام جعفر صادق کی نہ تھیں اور کنیزیں بھی کم ہی تھیں۔ آپ کی دس اولادیں تھیں۔ سات لڑکے اور تین لڑکیاں جن کے نام یہ ہیں:

(۱) اسماعیل امین

(۲) عبداللہ

(۳) ام فروہ

تینوں ایک والدہ یعنی فاطمہ بنت الحسین الاصغر سے ہیں

(۴) موسیٰ کاظم

(۵) اسحاق

(۶) محمد

یہ تینوں ایک والدہ سے تھے جن کا اسم گرامی حمیدہ خاتون تھا۔ یہ بربریہ تھیں اور امام محمد باقرؑ نے ان کو ستر دینار میں خرید کر جناب امام جعفرؑ کو دیدیا تھا۔

(۷) عباس

(۸) علی

(۹) اسماء

(۱۰) فاطمہ صغریٰ

یہ سب مختلف ماؤں سے تھے جو بقول ابن شہر آشوب سب ام ولد یعنی کنیز تھیں۔

ان سب کا مختصر حال ہم ذیل میں قلمبند کرتے ہیں:

(۱) حضرت اسماعیل

یہ نہایت ذکی وذہین عابد وزاہد تھے۔ جناب امام جعفرؑ کی ساری اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ اپنے والد سے تقریباً بیس سال قبل بمقام عریض وفات پائی۔ یہ مقام مدینہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں سے ان کی لاش لوگوں کے کندھوں پر مدینہ لائی گئی۔ جناب امام جعفر صادقؑ کو ان کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔ لاش کو کندھا دینے میں شریک تھے۔ راستے میں اکثر ان کا منہ کھول کر دیکھتے تھے اور لوگوں کو بھی دکھاتے تھے۔ مقام بقیع میں دفن کئے گئے۔ چونکہ اولاد اکبر تھے اور ان کے ولد کو ان سے بہت محبت تھی۔ لہٰذا ان شیعوں کا جو مدینہ دور رہتے تھے یہ گمان ہوا کہ وہ جناب جعفر صادقؑ کے مقرر کردہ جانشین تھے جناب جعفر صادقؑ کی رحلت پر شیعہ تین گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک تو وہ جو جناب جعفر صادقؑ کے امام بعد امام موسیٰ کاظمؑ کو ان کا جانشین اور اپنا امام مانتے تھے۔ دوسرے وہ جو حضرت اسماعیل کی موت کے قائل تھے لیکن ان کے فرزند محمد کو جانشین جعفر صادقؑ سمجھتے تھے۔ تیسرے وہ جو حضرت اسماعیل کی موت کے قائل نہ تھے۔ لیکن یہ فرقہ بہت جلد ختم ہوگیا۔ یہ روایت کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے حضرت اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ لیکن بعد میں حضرت اسماعیل نے شراب پی لی تو امام جعفر صادقؑ نے ان کی بجائے حضرت موسیٰ کاظمؑ کو جانشین مقرر کردیا بالکل غلط ہے۔ حضرت اسماعیل نہایت پرہیزگار آدمی تھے۔ انہوں نے ہرگز شراب نہیں پی۔ جناب امام جعفر صادق نے ان کے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔ پہلے قبر میں خود اتر گئے پھر اسماعیل کو اتارا اور فرمایا کہ اسی طرح جناب رسول خدا نے کیا تھا۔ روایت ہے کہ آپ ہمیشہ دو رکعت نماز اسماعیل کیلئے پڑھتے تھے۔ اپنے شیعوں میں سے ایک شخص کو کچھ درہم دے کر اسمٰعیل کی طرف سے حج کرایا تھا۔

عبداللہ

جناب اسمٰعیل کے بعد ساری اولاد سے بڑے تھے۔ لیکن جناب امام جعفر صادقؑ کو بوجہ ان کے عقائد کے خراب ہونے کے ان سے انس نہ تھا۔ جناب امام جعفر صادق کے بعد انہوں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے خلاف امامت کا دعویٰ کیا کچھ لوگ ان کے پیرو ہوگئے۔ افطحیہ کہلائے کیوں کہ عبداللہ افطح کہلاتے تھے۔ افطح اس کو کہتے ہیں جس کے دونوں پیروں کے درمیان کشادگی ہو۔ ایک شخص عبداللہ بن افطح ان کی طرف سیان کا نائب دعوت خلائق پر مامور تھا۔ اس وجہ سے بھی اس جماعت کا نام افطحیہ پڑ گیا۔ روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے حضرت موسیٰ کاظمؑ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تمہارے مقابلہ میں عبداللہ امامت کا دعویٰ کرے گا۔ لیکن تم درگزر کرنا اور معترض نہ ہونا کیونکہ وہ بہت جلد فوت ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جناب امام جعفر صادقؑ کے بعد وہ صرف سترہ دن زندہ رہے۔

اسحاق ابن جعفر و حالات حضرت نفیسہ

یہ نہایت متقی پرہیزگار صاحب فضل و اجتہاد تھے۔ اپنے بھائی حضرت موسیٰ کی امامت کے قائل تھے۔ شکل وصورت میں جناب رسول خداؐ کے مشابہ تھے۔ علامہ شبلنجی مصری اپنی کتاب نورالابصار مطبوعہ مصر صفحہ نمبر ۱۷۰ میں لکھتے ہیں کہ ان کا نکاح نفیسہ بنت حسن الانور بن زید بن حسن بن علی ابن ابیطالبؑ سے ہوا تھا جس سے قاسم وام کلثوم پیدا ہوئے۔ سیدہ نفیسہ مکہ میں ۱۴۵ ہجری میں پیدا ہوئیں اور پرورش مدینہ میں ہوئی۔ عبادت و زہد میں مشغول رہتی تھیں دن کو روزہ رکھتی تھی۔ رات کو عبادت الٰہی میں کھڑی رہتی تھیں۔ حرم نبی کو نہیں چھوڑتی تھیں تیس حج کئے تھے اور اکثر ان میں سے پیدل کئے تھے۔ اکثر خوف الٰہی سے گریہ وزاری کرتی رہتی تھیں۔ پردہ کعبہ کو پکڑ کر الحاح وزاری کے ساتھ کہا کرتی تھیں۔ الٰھی و سید ی و مولائی متعنی و فرحنی برضاك عنی فلا سبب لی اتسبب به یحجبك عنی۔ سیدہ نفیسہ کے بھائی یحییٰ کی بیٹی زینب نے چالیس سال تک اپنی پھوپھی نفیسہ کی خدمت کی تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ راتوں کو نفیسہ سوئی ہوں یا دن کو کھانا کھایا ہو تین دن میں ایک لقمہ کھاتی تھیں۔ زینب کہتی ہیں کہ سیدہ نفیسہ کے مصلے کے آگے ایک برتن لٹکا رہتا تھا۔ جب کبھی کسی چیز کی ان کو خواہش ہوتی تھی تو اس برتن میں ان کو مل جاتی تھی اور ان کے پاس ایسی چیزیں میں دیکھتی تھی کہ جن کا گمان بھی میرے دل میں نہیں گزرتا تھا اور میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں سے آتی تھیں۔ مجھے تعجب ہوا تو سیدہ نفیسہ نے فرمایا کہ جو خداوند تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو اور اس کی عبادت کی تو دنیا اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ بغیر اپنے خاوند کے وہ نہیں کھاتی تھیں۔ قرآن اور اس کی تفسیر حفظ کرتی تھیں اور قرآن شریف کے پڑھتے وقت گریہ وزاری کرتی تھیں اور کہتی تھیں۔ الٰھی و سید ی یسرلی زیارۃ خلیلك ابراھیم علیه السلام اپنے خاوند کے ہمراہ حج خانہ کعبہ کیا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کی قبر کی زیارت کی اور اس کے بعد دونوں مصر چلے آئے اور مصوصہ میں اقامت اختیار کی۔ وہاں ان کے ہمسایہ میں ایک یہودی کا گھر تھا جس کی لڑکی کو ٹانگوں کی بیماری تھی اور وہ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک دن اس لڑکی کی ماں نے کہا میں تو باہر حمام میں جا رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ تیرا کیا انتظام کروں۔ کیا میں تجھ کو اٹھا کر لے چلوں۔ لڑکی نے کہا مجھ میں تو اپنی بھی طاقت نہیں ہے تو اس کی ماں نے کہا کہ کیا تو گھر میں اکیلی ٹھہری رہے گی۔ جب تک میں واپس نہ آؤں۔ اس نے کہا کہ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو اس شریف عورت کے گھر میں لے چل۔ اس کی ماں نے سیدہ نفیسہ کی اجازت سے اس لڑکی کو لے جا کر گھر کے ایک کونہ میں ال دیا اور چلی گئی ظہر کا جب وقت ہوا تو سیدہ نفیسہ نے پانی لے کر وہاں وضو کیا پانی کے کچھ چھینٹے اس لڑکی پر پڑے فوراً وہ لڑکی تندرست ہوگئی اور اپنے پیروں سے چلنے لگی جب اس کی ماں آئی اور اس نے یہ دیکھا تو اسے بہت تعجب ہوا اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔ لوگوں میں آپ کی شہرت ہو گئی اور آپ مرجع خلائق بن گئیں۔ علامہ شبلنجی نے ان کی بہت سی کرامات لکھی ہیں۔

محمد ابن جعفر

ظاہری و باطنی حسن و جمال سے آراستہ تھے۔ کمال حسن کی وجہ سے ان کو محمد دیباج کہتے تھے، حضرت اسماعیل کا لقب امین، اسحاق ابن جعفر کا موتمن اور محمد ابن جعفر کا ماموں تھا۔ ان ہی القاب کے تتبع میں ہارون رشید نے بھی اپنے بیٹوں محمد، عبداللہ اور قاسم کے القاب علی الترتیب امین، ماموں اور موتمن رکھے تھے۔ محمد ابن جعفر کی زوجہ خدیجہ بنت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ تھیں۔ وہ ان کے خیرات کا حال بتاتی ہیں کہ جب کبھی نیا کپڑا پہن کر باہر جاتے تھے تو اسکو خیرات کر دیتے تھے۔ ہر روز ایک بکرا اپنے مہمانوں کے واسطے ذبح کر کے انہیں کھانا کھلاتے تھے تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول پر انہوں نے بھی عمل کر کے ماموں کے عہد میں سلطنت کی مخالفت کی اسکا مفصل تذکرہ ہم علیحدہ باب میں کریں گے۔ شکست کھا کر ماموں سے صلح کر لی اور خراسان میں رہنے لگے۔ نہایت تخی عابد وزاہد تھے۔ ان کا انتقال ۲۰۳ ہجری مطابق ۸۱۸ء میں ہوا تھا۔

علی ابن جعفر

معروف بہ علی عریضی کنیت ابوالحسن مذہب کے بڑے پابند بڑے متقی و پرہیز گار تھے۔ اپنے برادر عالی قدر جناب امام موسیٰ کاظمؑ کے مطیع تھے اور اخذ علوم ان ہی سے کیا تھا ان کے بعد جناب امام علی رضاؑ اور پھر جناب محمد تقی کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ علماء شیعہ نے بہت سے اخبار و احادیث ان سے نقل کی ہیں۔ اپنے امام وقت کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ امام محمد تقی کی جوان کے رشتہ میں پوتے تھے ایسی تعظیم و تکریم کرتے تھے کہ لوگ حیران ہوتے تھے ۲۱۰ھ مطابق ۸۲۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

عباس ابن جعفر

عالم و فاضل تھے ان کے حالات زیادہ نہیں ملے۔

عباس موسیٰ کاظم ابن جعفر

حضرت امامیہ اثناء عشریہ کے اعتقاد کے بموجب آپ ساتویں امام ہیں۔ آپ کے فضائل و محاسن احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ ان کے تذکرہ کے لئے علیحدہ رسالہ چاہئے۔ منصور خلیفہ ان کا بہت دشمن تھا۔ مدینہ میں جاسوس چھوڑے ہوئے تھے کہ معلوم کریں کہ شیعوں کا امام کون ہے اور کس پر ہو مجتمع ہوئے ہیں تا کہ انہیں پکڑ کر قتل کرے لہٰذا اکثر آپ کو بحالت تقیہ رہنا پڑتا تھا۔

دختران: ان کا حال اس سے زیادہ نہیں معلوم ہوا جتنا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔

......☆......

باب ﴿۱۹﴾
حلیہ

اعیان الشیعہ، مناقب ابن شہر آشوب، جلاء العیون اور کشف الحقائق فی احوال جعفر الصادق مرتبہ سید مظہر حسن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قد درمیانہ مائل بہ فربہی تھا، چہرہ درخشاں تھا۔ بال بہت سیاہ اور گھونگروالے تھے۔ ناک دراز و باریک اس کا استخوان قدرے درمیان سے ابھرا ہوا تھا۔ سر کے آگے کے بال نہ تھے۔ رخسارہ پر خال سیاہ تھا۔ جسم مبارک پر دو ڈورے سرخی کے تھے۔ ریش مبارک گھنی اور مدور تھی۔ لبیں زیادہ لیتے تھے۔ فصل المہمہ میں لکھا ہے کہ رنگ گندم گوں تھا۔ ریش و بروت پر حنا کا خضاب کرتے تھے۔

حلیہ ولباس

جناب امام جعفر علیہ السلام عمدہ نفیس ولطیف لباس زیب بدن فرمایا کرتے تھے۔ لباس و آرائش کے متعلق آپ کے خیالات جو کافی وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتے ہیں یہ تھے:۔

"خداوند تعالیٰ جمال و تجمل کو پسند کرتا ہے اور تختی و اظہار غربت وکم مائیگی سے ناراض ہوتا ہے۔ جب خداوند تعالیٰ کسی شخص پر نعمت نازل کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ اس نعمت یعنی دولت کو ظاہر کرے۔ خدا جمیل ہے اور جمال پسند کرتا ہے میں اس شخص سے کراہت کرتا ہوں جس پر خدا نے اپنا فضل وانعام کیا ہو، اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے۔ عمدہ لباس پہنو کیونکہ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مال حلال کا ہو۔ شیخ طوسی نے تہذیب میں اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا جمیل ہے اور تنگی و فکر گداؤں کی سی صورت بنائے رکھنے کو پسند نہیں کرتا۔ جب خداوند تعالیٰ کسی شخص پر اپنی نعمت (دولت) نازل کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے اثر کو اپنے اوپر ظاہر کرے عرض کہ اسے کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ نفیس لباس پہنے، خوشبو لگائے، اپنے گھر کو پختہ بنائے اور آراستہ کرے، اپنی عیب دار چیزوں کو ڈھانکے یہاں تک کہ قبل غروب سورج چراغ جلانا غریبی کو دور کرتا ہے اور رزق کو کشادہ کرتا ہے۔"

ختم ہوا کلام جناب امام جعفر صادق۔ علامہ کلینی نے کافی میں جناب امام جعفر صادق سے یہ روایت اپنے اسناد کے ساتھ نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم طواف بیت اللہ میں مشغول تھے کہ عباد بن کثیر نے میرے لباس کو پکڑا اور کہا کہ اے جعفر تم ایسا عمدہ لباس پہنتے ہو حالانکہ تمہارا یہ درجہ امامت ہے اور تم علی سے قرابت رکھتے ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ علی تو ادنیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ لباس مین نے ایک دینار میں خریدا ہے اور علی ایسے زمانے میں تھے کہ جب جیسا بھی لباس پہن لیا جاتا مناسب ہوتا۔ اگر میں ویسا

لباس اس زمانہ میں پہنوں تو لوگ کہیں کہ دیکھو یہ اپنی عبادت و زہد کا مظاہرہ اس طرح کرنا چاہتا ہے۔

ایک اور روایت میں اس ہی قسم کی ہے کہ جب آپ مرد کا عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ عباد بن کثیر نے اعتراض کیا اور کہا کہ آپ تو خاندان نبوت سے ہیں اور ایسا عمدہ لباس آپ کے والد بھی نہیں پہنتے تھے امام جعفر صادقؑ نے جواب دیا کہ اے عباد خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے یہ زینت کب حرام کی ہے۔ یہ زینت اور طیبات رزق تو خدا کی نعمت ہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ جب میں اپنا فضل کسی پر کروں تو اس کو چاہئے کہ اس کو ظاہر کرے۔ ایسے لباس کا کچھ ہرج نہیں ہے۔ اے عباد میں رسول خداؐ کے جگر کا ٹکڑا ہوں تو مجھے ایذا نہ دے۔ اس وقت عباد کا مزاج بوجہ مرض کے سخت تھا۔ ایک روایت کلینی نے بیان کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے آپ کے لباس پر اعتراض کیا اور کہا کہ علی ابن ابی طالبؑ تو ایسا لباس پہنتے تھے۔ چار درہم کی ایک قمیص ہوتی تھی اور تم ایسا اعلیٰ لباس پہنے ہوئے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ اپنے زمانہ کے مطابق لباس پہنتے تھے۔ اگر آج وہ یہ لباس پہنتے تو مشہور ہو جاتے۔ بہترین لباس وہ ہے اہل زمانہ کے لباس کے مطابق ہو۔ کافی میں ایک اور روایت ہے کہ ایک دفعہ سفیان ثوری جناب جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ نہایت قیمتی لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں انہوں نے اعتراض کیا کہ ایسا اچھا لباس آپ کے لئے بموزوں نہیں ہے۔ جناب امام جعفر صادق نے کہا کہ سن جو میں کہتا ہوں اور گرہ میں باندھ لے۔ اگر تو سنت رسول پر ہے اور سنت پر تیری موت واقع ہوتی ہے اور تو نے کوئی بدعت نہیں کی تو اس دنیا کی اچھی چیزیں بھی تیرے لئے ہیں اور آخرت کے عمدہ چیزیں بھی تیرے لئے ہیں۔ جناب رسول خداؐ غریبی کے زمانے میں تھے۔ جب دنیا اپنی اقبال مندی پیش کرتی ہے تو اس کے نیک بندے بہ نسبت برے بندوں کے زیادہ حقدار ہیں۔ جو مومن زیادہ حق دار ہیں نہ کہ منافق، مسلمان زیادہ حق دار ہیں نہ کہ کفار اور میرے مال میں اے ثوریؒ خدا کا حق ہے اور میں اس کو اسی طرح خرچ کرتا ہوں۔ جس طرح خدا نے حکم دیا ہے۔ علامہ کشی نے کتاب الرجال میں روایت لکھی ہے کہ سفیان بن عینہ نے جناب امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ علی بن ابی طالبؑ ودرشت لباس پہنا کرتے تھے اور آپ تو نہایت اعلیٰ ونفیس لباس پہنتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وائے ہو تیرے اوپر علیؑ تو تندگی کے زمانے میں تھے جب زمانہ کشادہ ہو جائے تو اس زمانہ کے نیک آدمی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ علامہ کلینی نے کافی میں روایت کی ہے کہ سفیان الثوری مسجد الحرام میں آیا اور حضرت امام جعفر صادقؑ کو دیکھا کہ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں۔ سفیان نے کہا کہ یابن رسول اللہ نہ تو جناب رسول خداؐ نے اور نہ حضرت علیؑ نے کبھی ایسا لباس استعمال کیا۔ جناب جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ کا زمانہ اور تھا اور اس وقت اتنی دولت نہ تھی۔ اس کے بعد دنیا نے دوسرا رخ بدل لیا ہے اور اب دولت ہو گئی ہے۔ پس اس دولت کے لئے اس کے نیک بندے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا یہ آیت پڑھی "من حرم زینۃ اللہ" ہم اس کشادگی رزق کے زیادہ حقدار ہیں۔ اے سفیان یہ اوپر کا لباس جو دیکھتا ہے۔ یہ لوگوں کے لئے

میں نے پہنا ہے۔ پھر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے لباس کو اٹھا کر اس کے نیچے کی پوشاک دکھائی۔ وہ سخت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سخت لباس تو میں نے اپنے نفس کے لئے پہنا ہے اور اوپر کا لباس عمدہ میں نے لوگوں کے لئے پہنا ہے۔ پھر آپ نے سفیان ثوری کا لباس اٹھا کر دیکھا اوپر کا لباس تو درویشانہ سخت تھا لیکن نیچے کا لباس جو بدن کو لگتا تھا وہ نرم و ملائم تھا آپ نے فرمایا کہ تو نے یہ درویشانہ سخت لباس تو لوگوں کے لئے پہنا ہے اور نرم لباس اپنے نفس کے حظ کے لئے پہنا ہے۔ حافظ ابونعیم اصفہانی نے ایسی ہی ایک روایت لکھی ہے۔ ان کے روایان اور ہیں اور علامہ کشی کے راویان اور ہیں لیکن روایت تقریباً ایک سی ہی ہے اس سے ثابت ہوا کہ کئی راویوں نے اس کو دیکھا اور روایت کیا یہ اس روایت کی صحت کا ثبوت ہے۔

وہ روایت یہ ہے کہ سفیان الثوری کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ نہایت قیمتی عبا اور ردا پہنے ہوئے ہیں۔ میں تعجب سے ان کی طرف سے دیکھنے لگا آپ نے فرمایا کہ اے ثوری کیا دیکھتے ہو۔ شاید اس لباس سے تم کو تعجب ہوتا ہے میں نے کہا یا ابن رسول اللہ یہ لباس آپ کے لئے مناسب نہیں اور نہ یہ آپ کے آباؤ اجداد کا لباس تھا آپ نے فرمایا کہ اے ثوری وہ زمانہ غربت کا تھا اور اس کے مطابق ہی ہمارے بزرگ عمل کرتے تھے اب زمانہ فراخی کا آگیا ہے اور ہر شے عمدہ ہوگئی ہے پھر آپ نے اوپر کی جبہ کو اٹھایا تو اندر نہایت معمولی اور سخت لباس تھا پھر فرمایا اے ثوری یہ اندر کا لباس ہم نے خدا کے لئے پہنا ہے اور اوپر کا لباس تمہارے لئے پہنا ہے۔ جو خدا کے لئے پہنا ہے اس کو ہم نے خفیہ رکھا جو تمہارے لئے تھا اور ہم نے ظاہر کیا۔ (حلیۃ اولیاء الجلد الثالث مطبوعہ مصر صفحہ نمبر ۱۹۳)

جناب امام محمد جعفر الصادق کے ان اقوال پر پوری طرح بحث نہ ہو سکے گی جب تک ہم ایک اور امر واقعہ کا ذکر نہ کریں۔ حافظ ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں:

کان جعفر ابن محمد یعطم حتی لا یبقیٰ لعیالہ شی۔ (حلیۃ الالیاء الجلد الثالث مطبوعہ مصر صفحہ نمبر ۱۹۴)

یعنی جناب امام جعفر الصادق غربا کو اتنا کھلاتے تھے کہ بسا اوقات ان کے عیال کے لئے باقی نہیں رہتا تھا۔

بہت ممکن ہے کہ جن لوگوں کو اپنے معاملات کی وجہ سے زیادہ غور و خوض کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ان کو ان روایات کے صحیح معانی سمجھنے میں مغالطہ ہو۔ زینت و دولت دنیا کا صحیح اندازہ کرنے میں تو بہت لوگوں نے غلطی کی ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے تین نہایت اہم اصول بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) اسلاف یہاں تک کہ انبیا علیہم السلام کے اقوال و افعال کے صحیح اندازہ کے لئے اس زمانہ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے کہ جس میں وہ بزرگوار تھے اور پھر اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے ان اقوال و افعال کو اپنے زمانہ کے

لحاظ سے دیکھنا چاہئے۔ اس اصول کو اکثر نظر انداز کیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ اس کی نمایاں مثال جناب علی علیہ السلام کا طرز عمل ہے۔ شیعہ قوم میں نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی ہے جو شیعوں کی علیحدہ ہستی کو مٹانا چاہتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان مسلمان سب برابر شیعہ سنی کیسوال کو چھوڑو کوئی ایسی بات نہ کہو اور نہ کرو جس سے دوسروں کو اعتراض پیدا ہو۔ مجالس سے انہیں اعتراض پیدا ہوتا ہے لہٰذا مجالس چھوڑ دو۔ علموں کو وہ برا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان کو چھوڑ دو علیؑ کو وصی رسول اللہ نہیں سننا چاہتیاس کو چھوڑ دو۔ صحابہ کی تعریف سے وہ لوگ خوش ہوتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ کی خوب تعریف کیا کرو دیکھو حضرت علیؑ بھی تو ان میں اسی طرح رہے۔ اگر یہی منطق ہمارے اسلاف کی بھی ہوتی جیسی کہ ان برخورداروں کی ہے تو شیعہ مذہب تو کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔

خوش لباسی کی ضرورت و مصلحت

(۲) اتنا قیمتی لباس پہننا چاہئے جس سے عزت ہو۔ اگر باوجود استطاعت کے کوئی شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے گا تو اس کا یا تو بخیل کہیں گے یا ریا کار۔ ان روایات سے لباس کی اعلیٰ قیمت کی جوازیت نکلتی ہے نہ کہ اس کے طرز کی۔ اگر لباس کے وضع قطع یا طرز میں کوئی شے حرام ہے تو وہ مطلقاً جائز نہیں مثلاً انگریزی لباس کی ٹائی قطعاً حرام ہے کیونکہ یہ صلیب کا نمونہ ہے اور عیسائی پادریوں کی ایجاد ہے۔

(۳) دنیا اور دنیا کی زینت بذات خود بری چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن شریف میں دولت کو تو فضل اللہ کہا ہے اور مفلسی و ناداری باعث ذلت ہیں۔ لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں :

(ا) حلال طریقہ سے دولت و زینت حاصل کی گئی ہو۔

(ب) اس کا استعمال و خرچ صحیح و درست ہو۔ حرام امور پر خرچ نہ ہو۔ اسراف نہ ہو۔

(ج) دولت کا ذخیرہ نہ جمع کیا جائے۔ دولت کو بند کر کے رکھنا اسلام میں بہت برا سمجھا گیا ہے۔ ہمارے ائمہ نیا و عمدہ کپڑا زیادہ سے زیادہ ایک موسم میں پہنتے تھے دوسرے موسم کے لئے اس کو اٹھا نہیں رکھتے تھے بلکہ غربا کو دیدیتے تھے۔ اس طرح وہ لوگ بھی دولت کا مزہ چکھ لیتے تھے۔

کسی امام کے پاس دولت جمع ہو کر نہیں رہی۔ اس معنی میں تو وہ غریب تھے لیکن وہ ناداری نہ تھی جو باعث ذلت ہو کبھی کسی سے مانگا نہیں۔ ہمیشہ دوسروں کو دیتے ہی رہے۔ کسی سے لیا نہیں۔ وہ ہی لیا جو جائز تھا اور باعث ننگ نہ تھا۔ دیکھئے ابو نعیم اصفہانی کیا کہتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ اتنا غربا کو کھلاتے تھے کہ ان کے عیال کے لئے بھی نہیں رہتا تھا۔

☆

باب ﴿۲۰﴾

اشہر اصحاب امام جعفر صادقؑ

جناب امام جعفر صادقؑ کے اصحاب کی تعداد جن میں آپ کے شاگرد اور راویان شامل ہیں۔ تقریباً چار ہزار تھی۔ اتنی تعداد کسی اور امام کے اصحاب کی نہیں ہے۔ سب سے زیادہ مشہور اصحاب جو علم و فضل میں تمام اصحاب پر فوقیت رکھتے تھے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ابان ابن تغلب الکوفی (۲) اسحاق بن عمار الصیر فی الکوفی (۳) ابو القاسم برید بن معاویہ العجلی (۴) ثابت بن دینار (۵) ابوحمزہ الثمالی (۶) حریز بن عبداللہ البجستانی (۷) حمران بن اعین الشیبانی (۸) زرارہ بن اعین الشیبانی (۹) ابومحمد صفوان بن مہران الجمال الکوفی (۱۰) عبداللہ بن ابی یعفور (۱۱) عمران ابن عیسیٰ بن سعد الاشعری القمی (۱۲) عبداللہ ابن عیسیٰ بن سعد الاشعری القمی (۱۳) مفضل بن عمرو (۱۴) جابر ابن حیان کوفی مشہور فلسفی اور ماہر علم کیمیا (۱۵) ہشام بن الحکم۔

باب ﴿۲۱﴾

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے فضائل و مناقب

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام ائمہ ہر ایک صفت و خصلت حمیدہ و شرائط امامت میں آپس میں مساوی تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان صفات کا اظہار ضروریات زمانۂ امام پر منحصر تھا۔ چونکہ وہ زمانے اور ضروریات مختلف تھے۔ لہٰذا ہر ایک امام کی صفت کے اظہار کے انواع بھی مختلف تھے۔ مثلاً اگر ضرورت ہوتی تو امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ بھی حضرت علیؑ کی طرح اظہار شجاعت کرتے اور پھر اگر خیبر ہوتو در خیبر بھی اکھاڑتے۔ اگر ویسی ہی ضرورت ہوتی تو یہ بھی امام حسینؑ کی طرح اپنا گھر بار راہ خدا میں لٹا دیتے۔ اب یہاں دو اعتراضات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ فقط اعتقادی اعتقاد ہے اس کا ثبوت نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس طرح حضرت علیؑ کو کچھ فضیلت امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادقؑ پر نہ ہوئی سب برابر ہوئے۔

اعتراض اول و دوم

جواب یہ ہے کہ شجاعت کو لو یہ تین شرائط پر مبنی ہے:

(۱) موت سے نہ ڈرنا۔

(۲) جس امر کے لئے لڑ رہے ہیں اس کی صداقت و حقانیت کا یقین کامل ہونا۔

(۳) اس امر کا بھی اعتقاد کامل رکھنا کہ ہم خدا کی راہ میں خدا کے حکم سے لڑ رہے ہیں۔ اگر ہم لڑتے لڑتے شہید بھی ہو گئے تو خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی اگر جہاد سے فرار کیا تو عذاب الٰہی کے مستوجب ہوں گے۔ اب ہر ایک امام کے سوانح حیات دیکھ لو۔ ان کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک امام میں یہ تینوں شرائط یا صفات بدرجہ اتم موجود تھے۔ امام زین العابدینؑ کے بے دھڑک خطبے یزید کے سامنے اس شجاعت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ امام محمد باقرؑ نے باوجود تشدد شاہی کے کبھی ناحق کے سامنے سر نیچا نہیں کیا۔ منصور عباسی کے چہرے پر ایک مکھی بار بار بیٹھ جاتی تھی وہ ہٹاتا تھا اڑ کر پھر چہرہ پر آبیٹھتی تھی۔ امام جعفر صادقؑ موجود تھے۔ اس نے جھلا کر آپؑ سے پوچھا کہ خدا نے مکھیوں کو کیوں پیدا کیا ہے؟ یہ خدا پر اعتراض تھا۔ آپ نے بے دھڑک جواب دیا کہ مکھیوں کو خدا نے جابرہ کو ذلیل و حقیر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ منصور وہ تھا کہ جو امام موصوف کا دشمن جانی تھا اور آخر کار اس نے آپ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کیا۔ یہ ائمہ علیہم السلام بادشاہوں کے دربار سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ ورنہ یہ ممکن تھا کہ جس طرح اور لوگوں نے ان کی زلہ ربائی کر کے ان بادشاہوں کی خوشنودی حاصل کر لی یہ بھی کر لیتے۔ زمانہ حال کے معترضین کی بہ نسبت ان ائمہ کے زمانہ کے سلاطین بنی امیہ و بنی عباس ان کی شجاعت سے بہتر واقف تھے۔ ان میں کسی نے پھر یہ جرأت نہ کی کہ ان ائمہ سے بیعت طلب کرتے جانتے تھے کہ اگر بیعت طلب کی تو پھر ایک کربلا واقع ہو جائیگی اور جو یزید کا حشر ہوا وہ ہمارا ہوگا۔ امام زین العابدین یزید کے سامنے پیش ہوئے اس کو ظالم و ملعون خدا کہا اس کے تحقیر کی اس نے قتل کا ارادہ تو کیا لیکن بیعت کو سوال منہ سینہ نکلا جانتا تھا کہ اگر بیعت طلب کی تو یہ تو ضرور انکار کر دیں گے پھر میرے (اسکے) اوپر واجب ہوگا کہ ان کے قتل کا حکم دوں۔ اگر اس بات پر قتل کرایا تو دمشق میں بغاوت ہو جائے گی۔ حسینؑ ہی کی شہادت سے ایک تہلکہ مچ گیا ہے۔ یہ مزید فتنہ پیدا ہو جائیگا اور اس کے بعد بھی پھر کبھی کسی بادشاہ کو یہ جرأت نہ ہوئی ثابت ہوا کہ یہ لوگ بھی وہی کرتے جو حسینؑ نے کیا گر حالات ویسے ہو جاتے ممکن ہے کہ کہا جائے کہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بادشاہ وقت امام جعفر الصادق کو بلاتا تھا تو اس کی شر سے بچنے کے لئے دعائیں پڑھتے تھے۔ دعائیں پڑھنا بزدلی نہیں ہے ہر ایک شخص شر شیطان سے بچنے کی دعائیں مانگتا ہے اور بے فائدہ تو یہ جان دینی بھی نہیں چاہتے تھے ان پر اپنی جان کی حفاظت کا بھی فرض تھا۔ یہ تو اپنی جان کو اس وقت قربان کرتے کہ جب دین پر خطرہ ہوتا اور ان کی شہادت سے وہ خطرہ ٹل سکتا۔ منصور کا امام جعفرؑ کو اپنے دربار میں بلا کر قتل کر دینے سے کسی مقصد دینی کی تکمیل نہ ہوتی اور نہ کوئی خطرہ اس پر سے ٹلتا۔

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم اصفہانی جناب امام جعفر صادقؑ کو ان صفات سے یاد کرتے ہیں۔

امام الناطق ذو الزمام السابق ابوعبداللہ جعفر بن محمد الصادق اقبل علی العبادت والخضوع و آثر العزلة والخشوع ،نھی عن الریاسة والجموع یعنی امام جعفرؑ صادق، سوالقات کے رکھنے والے، عبادت و خضوع میں ہر وقت مشغول رہتے تھے عزت و خشوع کو پسند کرتے تھے، ریاست اور

کروفر سے نفرت تھی۔ (المجلد الثالث صفحہ نمبر ۱۹۲۔ ترجمہ نمبر ۲۳۶)

علامہ عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ لیپزک (ZicLeip) پر امام جعفر صادق کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وهو ذوعلم غزير فی الدين و ادب كامل فی الحكمتو زهدبا لغ فی الدنيا و ورع تام عن الشهوات و قداقام بالمدينة مدة يفيدالشيعه المنتمين اليه ويفيض علی الموالين له اسرالعلوم ثم دخل العراق و اقام بها مد؟ ما تعرض للامامة قط ولا نا زع احدا فی الخلافة ومن غرق فی بحر المعرفة لم يطمع فی شط ومن تعلیٰ الیٰ ذروة الحقيقة لم يخف من حط و قيل من انس بالله توحش عن النا س و من استانس بغير الله نهبه الوسواس۔

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ دین و حکمت میں کامل و کثیر علم رکھتے تھے۔ زہد بالغ امور دنیا میں تھا شہوات نفسانی سے پرہیز کلی حاصل تھا۔ مدت تک مدینہ میں رہے وہاں آپ کی تعلیم سے آپ کے شیعہ مستفیض ہوتے تھے۔ آپ کے پاس بہت سے علوم کے اسرار تھے پھر آپ عراق تشریف لے آئے اور مدت تک وہاں رہے۔ آپ کو امامت سے کچھ تعرض نہ تھا جس کا جی چاہے اپنے تئیں امام کہے اور نہ خلافت سے کچھ سروکار تھا کیونکہ جو بحر معرفت میں غرق ہو جاتا ہے اسے چھوٹے چھوٹے دریاؤں کے کنارے کی پرواہ نہیں رہتی اور جو کنگرہ حقیقت پر پہنچ جاتا ہے۔ اسے گرنے کا ڈر نہیں ہوتا ہے۔ یہ سچ کہا گیا ہے کہ جس نے خدا سے انس پکڑا تو وہ لوگوں سے وحشت کرنے لگتا ہے اور جس نے غیر خدا سے انس پکڑا اس کو وسواس غارت کر دیتا ہے۔

ہم جناب امام جعفر صادقؑ کی تعریف کے لئے دوسروں کے اقوال کے محتاج نہیں خود آپ کے سوانح حیات اور آپ کے کام کا بیان ہی آپ کی بہترین تعریف ہے۔ لہٰذا اس کتاب کے دیگر بلکہ ہر باب میں آپ کے فضائل ملیں گے۔

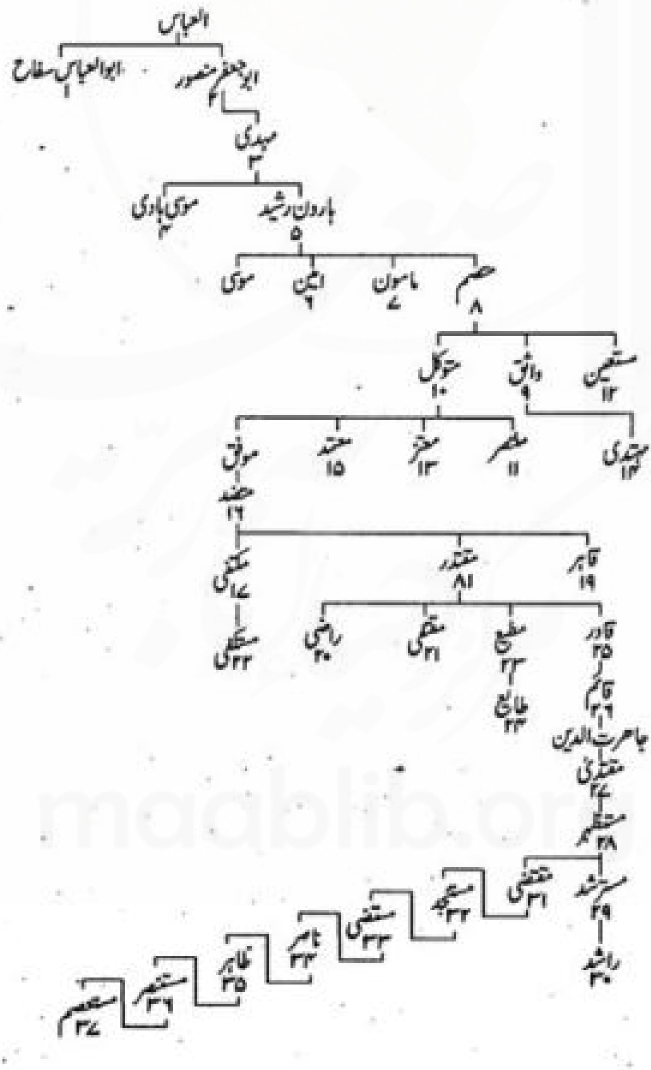
.......☆.......

باب ﴿۲۲﴾

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

جناب امام جعفر صادق سن پیدائش سنہ ۸۰ یا ۸۳ ہجری مطابق ۶۹۹ یا ۷۰۲ء ہے زمانہ امامت آپ کا ۱۱۴ ہجری مطابق ۷۳۲ء سے شروع ہوتا ہے ۱۴۸ ہجری مطابق ۷۶۵ء سن وفات ہے۔ اس زمانہ میں بنوامیہ کے بہت سے بادشاہان اور دو بادشاہ بنوعباس کے گذرے ہیں۔ ان دونوں خاندانوں کا شجرہ نسب معلوم کرنا ضروری ہے۔ سلاطین بنوامیہ کا نقشہ ہم اس کتاب کے صفحہ ۷۰ پر دے چکے ہیں۔

شجرہ سلاطین بنو عباس



خلفائے عباسیہ کا زمانہ حکومت

عیسوی	ہجری	عیسوی	ہجری
سنہ ۷۵۰ء لغایت سنہ ۱۲۵۸ء	سنہ ۱۳۲ لغایت سنہ ۶۵۶ھ	سنہ ۷۵۰ء سفاح	سنہ ۱۳۲ھ
سنہ ۷۵۴ء منصور	سنہ ۱۳۶ھ	سنہ ۷۷۵ء مہدی	سنہ ۱۵۸ھ
سنہ ۷۸۵ء ہادی	سنہ ۱۶۹ھ	سنہ ۷۸۶ء رشید	سنہ ۱۷۰ھ
سنہ ۸۰۹ء امین	سنہ ۱۹۳ھ	سنہ ۸۱۳ء مامون	سنہ ۱۹۸ھ
سنہ ۳۳۸ء معتصم	سنہ ۲۱۸ھ	سنہ ۸۴۲ء واثق	سنہ ۲۲۷ھ
سنہ ۸۴۷ء متوکل	سنہ ۲۳۲ھ	سنہ ۸۶۱ء منتصر	سنہ ۲۴۷ھ
سنہ ۸۶۲ء مستعین	سنہ ۲۴۸ھ	سنہ ۸۶۶ء معتز	سنہ ۲۵۱ھ
سنہ ۸۶۹ء مہتدی	سنہ ۲۵۵ھ	سنہ ۸۷۰ء معتمد	سنہ ۲۵۶ھ
سنہ ۸۹۲ء معتضد	سنہ ۲۷۹ھ	سنہ ۹۰۲ء مکتفی	سنہ ۲۸۹ھ
سنہ ۹۰۸ء مقتدر	سنہ ۲۹۵ھ	سنہ ۹۳۲ء قاہر	سنہ ۳۲۰ھ
سنہ ۹۳۴ء راضی	سنہ ۳۲۲ھ	سنہ ۹۴۰ء متقی	سنہ ۳۲۹ھ
سنہ ۹۴۴ء مستکفی	سنہ ۳۳۳ھ	سنہ ۹۴۶ء مطیع	سنہ ۳۳۳ھ
سنہ ۹۷۴ء طائع	سنہ ۳۶۳ھ	سنہ ۹۹۱ء قادر	سنہ ۳۸۱ھ
سنہ ۱۰۳۱ء قائم	سنہ ۴۲۲ھ	سنہ ۱۰۷۵ء مقتدی	سنہ ۴۶۷ھ
سنہ ۱۰۹۴ء مستظہر	سنہ ۴۸۶ھ	سنہ ۱۱۱۸ء مسترشد	سنہ ۵۱۲ھ
سنہ ۱۱۳۵ء راشد	سنہ ۵۲۹ھ	سنہ ۱۱۳۶ء مقتفی	سنہ ۵۳۰ھ
سنہ ۱۱۶۰ء مستنجد	سنہ ۵۵۵ھ	سنہ ۱۱۷۰ء مستضی	سنہ ۵۶۶ھ
سنہ ۱۱۸۰ء ناصر	سنہ ۵۷۵ھ	سنہ ۱۲۲۵ء ظاہر	سنہ ۶۲۲ھ
سنہ ۱۲۲۶ء مستنصر	سنہ ۶۲۳ھ	سنہ ۱۲۴۲ء مستعصم	سنہ ۶۴۰ھ

سلاطین بنوامیہ و بنوعباس کے ہمعصر ائمہ اہل بیت علیہم السلام

سن عیسوی	سن ہجری	سن عیسوی	سن ہجری
سنہ ۶۳۲ء حضرت علیؑ	سنہ ۱۱ھ	نومبر سنہ ۷۶۵ء امام موسیٰ کاظم	سنہ ۱۴۸ھ
سنہ ۶۶۱ء امام حسنؑ	سنہ ۴۰ھ	سنہ ۷۹۹ء امام علی رضاؑ	سنہ ۱۸۳ھ
سنہ ۶۷۰ء امام حسینؑ	سنہ ۵۰ھ	سنہ ۸۱۹ء محمد تقی	سنہ ۲۰۳ھ
سنہ ۶۸۰ء امام زین العابدینؑ	سنہ ۶۱ھ	سنہ ۸۳۵ء امام علی نقی	سنہ ۲۲۰ھ
سنہ ۷۱۳ء امام محمد باقرؑ	سنہ ۹۵ھ	سنہ ۸۶۸ء امام حسن عسکریؑ	سنہ ۲۵۴ھ
سنہ ۷۳۲ء یا جنوری ۷۳۳ء امام جعفر صادق	سنہ ۱۱۴ھ	سنہ ۸۷۴ء حضرت حجۃ القائم	سنہ ۲۶۰ھ

حضرت علیؑ کا زمانہ امامت خلیفہ اول و دوم و سوم و معاویہ کے زمانہ میں گزرا، حجرت امام حسنؑ کا زمانہ معاویہ کے عہد میں گزرا۔ امام حسینؑ کا زمانہ امامت معاویہ و یزید کے عہد مین گزرا۔ امام علی زین العابدینؑ کا زمانہ امامت، یزید، معاویہ ابن یزید۔ مروان اول عبد الملک و ولید کے زمانہ میں گزرا۔ امام محمد باقرؑ کا زمانہ امامت سلیمان، عمر ابن عبد العزیز یزید ثانی اور ھشام کے زمانہ میں گزرا۔ امام جعفر صادقؑ از زمانہ امامت ہشام، ولید ثانی یزید ثالث، ابراہم، مروان ثانی اموبین اور سفاح و منصور عباسین کے عہد میں گزرا۔ امام موسی کاظم علیہ السلام کا زمانہ امامت بہ عہد منصور، مہدی، ہادی، ہارون الرشید گزرا۔ امام علی رضاؑ کا زمانہ امامت ہارون الرشید، امین اور مامون کے عہد میں گزرا۔ امام محمد تقیؑ کا زمانہ امامت بہ عہد مامون و معتصم گزرا امام علی نقی زمانہ امامت بہ عہد معتصم، واثق، متوکل منصر، مستعین، اور معتز گزرا۔ امام حسن عسکریؑ کا زمانہ معتز، مہدی اور معتمد کے عہد حکومت میں گزرا۔

اسپین پر مسلمانوں کا حملہ

عبد الملک اموی کے زمانہ میں مسلمانوں نے اسپین پر حملہ کرنا شروع کیا۔ جولائی ۷۱۰ء میں طارف چار سو پیدل اور ایک صد سوار لے کر اسپین کے آکر جنوبی کونہ پر اترا۔ یہ طارف موسی ابن نصیر گورنر افریقہ کا غلام تھا جس مقام پر وہ اترا تھا اب تک اس کے نام پر جزیرہ طارف کہلاتا ہے۔ یہ سب بربری مسلمان تھے۔ اس زمانہ میں اسپین کے حالت نہایت خراب تھی۔ آپس میں خانہ جنگی تھی۔ اور حکومت کی طاقت بہت کچھ زائل ہو چکی تھی۔ ان پانچ صد آدمیوں کو بھی ایک سلطنت نہ نکال سکی۔ اس سے موسیٰ ابن نصیر کی ہمت بڑھی اور ۷۱۱ء میں اس نے سات ہزار آدمی جن میں زیادہ تر بربری شامل تھے طارق ابن زیاد کی ماتحتی میں اسپین بھیجے۔ طارق ایک پہاڑی چٹان پر اترا یہاں سمندر صرف ۱۳ میل چوڑا ہے۔ یہ پہاڑی چٹان اب تک جبر الٹر یعنی جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے۔ وادی

River Bate Dar میں بحیرہ Janda کے پاس طارق کی فوج کا مقابلہ سپین کے گوتھ بادشاہ لرزیق Redetike سے ہوا۔اس فوج اگر چہ مسلمانوں کی فوج سے تعداد میں بہت زیادہ تھی۔لیکن لرزیق کو شکست فاش ہوئی۔اور اس کے بعد لرزیق Roderlike کا نام سننے میں نہیں آیا۔یہ لڑائی ۱۹ رجنوری ۷۱۱ء کو ہوئی تھی۔اب طارق شہروں کو فتح کرتا چلا گیا۔یہاں تک کہ گوتھ کی دارالسلطنت طلیطلہ Toledo کی طرف بڑھا۔قرطبہ Gordova کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور آخر کا طلیطلہ بھی فتح ہو گیا۔اس طرح ایک مکمل سلطنت کا خاتمہ چند مہینوں کے اندر ہو گیا۔

موسیٰ گورنر افریقیہ نے طارق پر حسد

لیکن ان فتوحات کے خبرون نے موسیٰ ابن نصیر گورنر کے دل میں بجائے خوشی کے حسد پیدا کر دیا اور وہ طارق کا دشمن ہو گیا اس نے طارق کو لکھا کہ آگے مت بڑھو اور خود جون ۷۱۲ء میں لشکر لے کر اسپین میں آ گیا۔طلیطلہ میں طارق اس سے ملا۔موسیٰ نے طارق کے کوڑے پٹوائے اور اس کو قید کر لیا لیکن فتوحات اسی طرح جاری رہیں۔ اس کا ادارہ تھا کہ اس طرح شہر کے بعد شہر فتح کرتا ہوا تمام یورپ کو فتح کر کے قسطنطیہ کے راستے سے اپنے خلیفہ سے جا ملے۔لیکن جس حسد نے اس سے طارق کو پٹوایا تھا اور ذلیل کیا تھا اس حسد نے اب ولید خلیفہ دمشق کو اس کی تذلیل پر آمادہ کیا۔ولید نے حکم بھیجا کہ آگے مت بڑھو اور میرے پاس چلے آؤ۔موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو افریقہ میں اپنا نائب و گورنر مقرر کیا اور خود خشکی صد گوتھ شاہزادے ہزار ہا غلام اور کئی ارب روپیہ کی قیمت مال تھا۔موسی کا یہ شاہانہ و فاتحانہ جلوس پرانے رومن جنرلوں کی جلوس کی یاد تازہ کرتا تھا اس کی خبر دمشق تک پہنچی۔ولید بیمار تھا اس کا بھائی اور جانشین سلیمان اس کی نیابت کر رہا تھا۔اس نے حکم بھیجا کہ ابھی دمشق میں داخل نہ ہونا۔غالباً اس کا خیال ہو کہ ولید مر جائے۔اور میں اس جلوس کو اپنے دربار مین باریابی دوں۔ بہر صورت فروری ۷۱۵ء میں موسیٰ دمشق میں داخل ہوا۔نہایت پر شوکت وجلا دربار آراستہ کیا گیا۔ولید کی بیماری میں تخفیف ہو گئی تھی۔اس نے ہی یہ دربار آراستہ کرایا۔چار صد سے زائد یورپ کے شہزادے اور ہزارون غلام اس کے سامنے پیش کیے گئے جنہوں نے نہایت زرق برق پوشاکین زیب تن کی ہوئی تھی۔ان کو ایک لائن میں کھڑا کیا گیا اور وہ سب کورنش بجالائے۔موسیٰ نے خلیفہ کی خدمت میں ایک نہایت قیمتی میز پیش کی اس کی نسبت بیان کیا جاتا تھا کہ اس کو ان جنون نے جو حضرت سلیمان کی خدمت پر مامور تھے بنایا تھا جرو شلم سے رومن اپنے شہر روم کو لے گئے۔اب یہ میز طلیطلہ Toede میں ایک بشپ کے پاس تھی جب بشپ بھاگنے لگا تو اس سے طارق نے چھینی اور طارق سے موسیٰ نے لے لی اور اب اپنے اپنی کارکردگی کے ثبوت میں اس کو تحفہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔لیکن اس کا ایک پیر غائب تھا خلیفہ نے پوچھا کہ چوتھا یہ کیا ہوا اگر وہ ہوتا تو میز بہت اچھی ہوتی۔موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکا لیکن اب وہ چوتھا پیر طارق نے اپنے قبضہ سے پیش کر دیا تا کہ بادشاہ کو معلوم ہو کہ یہ میز اس نے حاصل کی تھی نہ کی موسیٰ نے بہر صورت دربار ختم ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ولید مر گیا۔

موسیٰ ایک روٹی کی بھیک

ولید کے بعد سلیمان تخت نشین ہوا۔ اس نے موسیٰ کی بہت تحقیر و تذلیل کی۔ پورے دن سورج میں ننگا کھڑا رکھا۔ اس کی ساری جائیداد چھین لی۔ اور سب مناسب اس سے لے لئے۔ اب جو اس کا ذکر سننے میں آتا ہے تو وہ یہ ہے کہ حجاز کے گاؤں وادی القریٰ میں بھیک مانگتا ہوا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ ہے کوئی جو ہسپانیہ کے فاتح کو ایک روٹی دے۔ ایڈورڈ گبن Edward Gibbon روم کے قیصروں کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہوں کا حسد اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ ان کے جنرل ملکوں کو فتح کریں اور بجائے انعام دینے کے وہ فاتح جنرلوں کی پیشوائی دار و رسن سے کرتے ہیں۔ دنیائے قدیم کا مورخ اعظم Tacitus کہتا ہے کہ فوجی کامیابی محض بادشاہ کا حق ہے۔ تمام سلطنتوں میں اسی طرح ہوتا آیا ہے۔

Germanicus Paulinus Agricole Suetonius کیسے بہادر جنرل تھے۔ شہروں کے شہر فتح کرتے چلے جاتے تھے۔ لیکن ان کے زمانہ کے قیصر نے ان کو عین فتح کے درمیان میں روک دیا۔ Belisurius کو دیکھئے۔ اس نے اپنی قیصر Justinion کے لئے افریقہ، اٹلی و روم فتح کیے۔ قسطنطنیہ کو بچالیا جب کہ وہ شکست اور تباہی کے کنارے پر کھڑی تھی۔ اس کا صلہ Justinion نے کیا دیا۔ تحقیر، ذلت اور مفلسی۔ اس کا سارا مال ضبط کر لیا۔ اور آخر کار وہ بھی موسیٰ کی طرح شہر کی گلیوں میں روٹیوں کو محتاج بھیک مانگتا پھرتا تھا اور آواز لگاتا تھا کہ ہے کوئی جو Belisarius کو ایک روٹی دے گا اور آخر کار اسی گداگری کی حالت میں مرگیا۔ ۱۶۵ء دنیاوی سیاست کا یہ ایک مسلمہ گر ہے اور اس کی بنیاد خود غرضی ناشکر گزاری بے انصاف اور ظلم پر مبنی ہے اور ملک کے فوائد کے بہت ہی خلاف ہے۔

مسلمانوں نے دنیا کو فتح کرنے کا موقعہ کھو دیا

قوام کی زندگی میں جس طرح کہ افراد کی زندگی میں خوش قسمتی کیا یک لہر آیا کرتی ہے اگر اسوقت پر اس کو پکڑ لیا اور اس سے فائدہ اٹھایا تو عروج کی سیڑھی کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتے ہیں اگر وہ موقعہ کھو دیا تو وہیں سے تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی دنیاوی سلطنت و عظمت کے عروج کا یہ زمانہ تھا کہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت قسمت نے یہ موقعہ دیا تھا کہ اس وقت کی تمام دنیا کو فتح کر لیں۔ یہ امر واقعہ ہیکہ اگر ولید اور موسیٰ کے دلوں میں حسد کام کرتا اور واقعی اسلام کو توسیع ان کیدلوں کا اصلی مقصد ہوتا تو تمام یورپ کو فتح کر لینا آسان تھا اب رہ کون گیا تھا فرانس، اٹلی اور قسطنطنیہ یہ سب لڑ رہے تھے۔ اور اگر ادھر سے خلیفہ کی فوجیں اور ادھر سے موسیٰ و طارق کی فوجیں آگے بڑھتیں تو پھر کس کی ہمت تھی جوان کو روک سکتا۔ سارا گوسا Saragoosa تو فتح ہو ہی چکا تھا۔ فرانس اور اسپین کے درمیان یہ ہی ایک آخری رکاوٹ رہ گئی تھی جو جاتی رہی۔ افسروں کے حسد نے سپاہیوں کے دلوں

سے شوق ٹھنڈا کر دیا۔ خلیفہ نے حسد تو کیا کہ میرا جنرل آگے نہ بڑھے لیکن خود اس میں اتنی ہمت و جرأت نہ تھی کہ جنرل کی جگہ لے کر اس کے کام کو آگے بڑھاتا۔ موسیٰ نے لئے تو ایسا کیا۔ طارق کو ہٹا کر خود میدان میں آ گیا۔ لیکن سلیمان کی عیش پرستی نے اس کی اجازت نہ دی فتوحات کی بھی ایک لہر ہوتی ہے۔ سپاہیوں کے دل بڑھے ہوئے ہو تے ہیں۔ ایک شہر کے بعد دوسرا فتح کرتے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ منزل مقصود پر پہنچ کر دم لیں گے۔ لیکن جب یہ لہر رکی تو رکی۔ دوبارہ اس کا واپس آنا مشکل ہوتا ہے۔ چارلس مارٹل نے مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگیوں سے اور مسلمان فوجی اور افسروں کی تحقیر و ذلت سے فائدہ اٹھا کر جنگ ٹورزTours میں جو اکتوبر ۷۳۲ء میں واقع ہوئی مسلمانوں کو شکست دی اور ان کا آگے بڑھنا ہمیشہ کیلئے رک گیا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اگر یہاں مسلمانوں کی شکست نہ ہوتی تو آج کو یورپ پر بلکہ ساری دنیا پر اسلام کا پرچم لہراتا ہوتا اس کے بعد مسلمانوں نے قسطنطنیہ بھی فتح کی اور تیمور نے ماسکو کی دیواروں پر اپنا پرچم بھی لہرایا لیکن وہ ستارہ عروج جس نے مسلمانوں کو جنگ ٹورز میں چھوڑا تھا، پھر دوبارہ اپنے راستہ پر واپس نہ آیا۔

(یہ واقعات ہم نے تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ ابن الاثیر، تاریخ طبری، تاریخ ابی الفدا سے لئے ہیں تاریخ ابن خلدون کا اردو ترجمہ ہمارے زیر نظر ہے۔ دیکھو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحات ۲۱۱ لغایت ۲۳۶ نیز ملاحظہ ہو History of the Arabs by Philip K.Hitti Part iv chapter xxiv page 493 to 504)

ان واقعات سے صاف ظاہر ہیکہ مسلمانوں کی یہ جنگ آرائیاں اسلام کے مفاد کے لئے نہ تھیں اور نہ اسلامی مفاد ان کا مطمع نظر تھا۔ یہ تو اپنے دنیاوی مفاد کیلئے لڑ رہے تھے اور وہ بھی بدویوں کی مشہور حماقت کے ساتھ۔ یہ بھی اخلاقی جرأت ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے تاریخی کارناموں کو ان کی سچی حالت اور اصلی لباس میں پیش کریں۔ کسی ملک کی تاریخ ہو وہ تمام دنیا کے لئے ہوتی ہے اگر ہم نے اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے تاریخی واقعات کو خوشنما رنگ دیکر پیش کیا جو اصلیت اور حقیقت سے دور رہے تو دنیا ہرگز قبول نہ کریگی۔ ہاں ہمارے لئے وہ ایک خوشنما کھلونا ہوگا۔

یہ امر واقعہ ہیکہ مسلمانوں نے دو نہایت گرانقدر موقع کھو دیئے۔ ایک میں دنیا گئی اور دوسرے میں دین گیا۔ دنیاوی جاہ و جلال کا تو یہ موقعہ تھا جس کا ذکر ہوا۔ روحانی اور دینی عروج کا وہ موقعہ تھا سقیفہ بنی ساعدہ میں کھو یا گیا۔ اگر حضرت علیؑ کو شروع ہی سے حکومت کو موقعہ مل جاتا تو پھر دنیا میں اصلی اسلام ترقی کرتا۔ بلکہ اس پر حکومت کرتا۔ اسپین والوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر ہم دمشق کی طرف رخ کرتے ہیں۔

دمشق کے حالات

مسٹر امیر علی لکھتے ہیں کہ جب اسپین میں مسلمان خانہ جنگی میں مشغول تھے اور دشمنوں کو اپنے اوپر غالب آنے کا موقعہ دے رہے تھے گھر میں (دمشق) کی بھی حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ خلیفہ ہشام کی ابتدائی خلافت

حکومت عراق پر خالد متعین تھا اس نے صوبہ میں انصاف و طاقت کی صحیح حکومت چلائی۔ لیکن چونکہ وہ بنو ہاشم پر اتنی سختی نہیں کرتا تھا جتنا کہ بنو امیہ چاہتے تھے۔ اس کے متعدد دشمن ہوئے۔ جنہوں نے اس کے خلاف ہشام کے کان بھرے۔ ایک تو یہ وجہ ہوئی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کی دولت پر ہشام کی للچائی ہوئی نظریں پڑنے لگیں۔ ۱۲۰ ہجری میں جناب امام جعفر صادقؑ کی امامت کچھ سال بعد ہشام نے خالد کو عراق کی حکومت سے معزول کر کے اس کی جگہ یوسف ابن عمر کو مقرر کر دیا۔ جس کی فطرت میں ظلم و مکر بھرے ہوئے تھے۔ خالد کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی اور اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ (تاریخ طبری الجزو الثامن صفحہ ۲۲۹ تا ۲۵۶)

اس کے صرف دو اسباب تھے۔ (۱) خالد کا دولت مند ہونا (۲) بنو ہاشم سے نرمی کرنا۔ اس کی حکومت میں کوئی قصور نہ تھا۔ (Ameer Ali History of the Saracens, P.155.Ed1899)

یوسف بن عمر نے بنو ہاشم پر بہت سختیاں کیں اور ہشام نے باوجود علم کے مطلقاً مداخلت نہ کی بلکہ اپنے طرز عمل سے اس کو اور اس ظلم پر زیادہ آمادہ کیا۔ (Ameer Ali History of the Saracens, P155.Ed 1899)

جس طرح یوسف و ہشام نے زید ابن علی ابن الحسین پر سختیاں کر کیا اور ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کر کے انہیں خروج پر مجبور کیا ہم آئندہ باب میں بتائیں گے۔ یہ واقعہ ۱۲۱ء کا ہے۔

سلطنت بنی امیہ کا خاتمہ

اگر خاندان بنو عباس کی کارکردگیوں کو چند الفاظ میں کہنا ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ قصر سلطنت بنی عباس کے ارکان واقعہ کربلا اور مکر و ظلم ابو مسلم پر کھڑے کئے گئے تھے اور اس عمارت کو بنو ہاشم کے خون سے تعمیر کیا گیا تھا۔ سانحہ کربلا دفعتاً ہو گیا۔ قبل اس کے کہ عام لوگوں کو اس کا علم ہو اور وہ اس کے اہمیت و نتائج پر غور کر سکیں۔ امام حسینؑ نے عمداً اس امر کیپروپیگنڈہ سیاحتراز کیا۔ یہاں تک کہ موسم حج کے اجتماع سے پہلے ہی مکہ معظمہ کو چھوڑ دیا۔ آپ کا مدعا یہ تھا کہ کوئی فعل ایسا نہ کیا جائے کہ جس کے ذراسے شائبہ کی بنا پر بھی یہ کہا جا سکے کہ حسینؑ نے یزید پر چڑھائی کی۔ لیکن یزید کے کرتوتوں سے دنیا کو واقف کرنا بھی ضروری تھا یہ کام آپ کی بہنوں جناب زینبؑ و ام کلثوم اور آپ کے فرزند امام زین العابدینؑ نے کیا کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک کے سفر میں اور پھر خود یزید کیدربار میں نہایت فصاحت و بلاغت و دلیری سے بنو امیہ کے کفر کو عریاں کر کے دکھایا گیا۔ نتیجہ اس سرعت و کامیابی کے ساتھ مترتب ہوا جس کا یہ واقعہ مستحق تھا۔ یزید کی رعایا نے، یزید کی بیوی و بیٹے نے اس کو لعن طعن کی۔ کہتے ہیں کہ یزید کسی مرض سے مر گیا لیکن وہ مرض نہیں بتایا جاتا، کیا تھا ہمارا یقین ہیکہ کسی شخص نے حسینؑ کے خون کے انتقام میں اس کو مار ڈالا۔ بہر صورت سلطنت کے چاروں کونوں میں خون حسین کا غلغلہ ہو گیا اور تمام لوگوں کے جذبات بنو امیہ کے خلاف بھڑک اٹھے اور سب نے یک زبان ہو کر کہا بنو فاطمہ کو ان کا حق دینا چاہئے یہ خیال جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ لیکن ائمہ اہلبیت رسول کی وصیت پر کار بند تھے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اے علی

جب دنیا کی لوگ دنیا کی تلاش میں نکلیں اور دنیا کی طرف جائیں تو تم دن کو اختیار کرنا۔ یہ وصیت سینہ بسینہ آخری امام تک پہنچی اور وہ اس پر کاربند رہے۔ اس طرز عمل میں سیاسی عقلمندی بھی مضمر تھی۔

لوگوں میں بے دینی اتنی سرایت کرگئی تھی کہ اگرچہ فوری جوش کے تحت میں وہ سب کچھ وعدیکر لیتے تھے۔ لیکن جب بھی کسی طرف سے دنیا کی جھلک دیکھی اسی طرف چلے جاتے تھے۔ زید ابن علی ابن الحسینؑ کے واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان کو ہم ابھی آگے چل کر بیان کریں گے۔ ان لوگوں سے وہی شخص کام لے سکتا تھا جس کی فطرت میں ان کی ہی طرح مکرو کذب اور ظلم کی آمیزش ہو۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی فطرت ان باتوں سے بہت ارفع واعلیٰ تھی۔ لہذا وہ تو گوشہ عافیت میں جا بیٹھے اور اس پر آشوب زمانہ میں ان کی جان ہی بچ جانی ایک معجزہ تھا۔ لیکن امام حسینؑ کی شہادت سے جو محبت لوگوں کے دلوں میں بنی فاطمہ سے پیدا ہوگئی تھی اور جو ہمدردی انہیں خاندان رسولؐ سے ہوگئی تھی اس کا فائدہ بدرجہ اتم بنو عباس نے اٹھایا انہوں نے اپنی سرگرمیوں کی ابتدا اس قول سے کی تھی کہ ہم تو بنو فاطمہ کیلئے یہ سب کچھ کررہے ہیں۔

وہی اس کے اہل ہیں اور ان ہی پر ظلم ہوا۔ یہ حق ہی ان کا ہے۔ یہاں تک کہ جب سلطنت بنوامیہ کے پیر لرزنے لگے اور ان کا چراغ گل ہوتا ہوا نظر آیا تو تمام بنو ہاشم نے جن میں بنو عباس شامل تھے۔ مدینہ میں ایک جلسہ کیا اور اس میں سب نے محمد نفس الزکیہ کا خلیفہ منتخب کرلیا۔ اور سب نے یہاں تک کہا ابو جعفر عبداللہ بھی جو بعد میں منصور کے لقب سے خلیفہ ہوا ان کی بیعت کرلی۔ اس فریب کو انہوں نے اتنا نبھایا کہ آخر وقت تک جب ابو سلمہ نے لوگوں کو مسجد میں خلیفہ کا اعلان سننے کا لئے بلایا ہے تو سب یہی سمجھ رہے تھے کہ بنو فاطمہ میں سے کوئی ہوگا اور شاید وہ علی ابن الحسین ہوں۔

اب ہم اس قصہ کو شروع سے بیان کرتے ہیں۔ امام حسینؑ کی شہادت سے اپنے لئے فائدہ اٹھانے کا خیال سب سے پہلے محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس نے قائم کیا یہ ایک گمنام چھوٹی جگہ حمیمہ میں رہتا تھا۔ بہ ظاہر تو یہ جگہ بالکل علیحدہ تھی۔ لیکن شام کے حاجیوں کے راستہ پر ہونے کی وجہ سے اس کو نہایت اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ یہاں سے یہ لوگ نہایت اچھی طرح اپنا پروپیگنڈہ کرسکتے تھے۔ اور کیا اپنے ایلچیوں کا جال تمام مملکت میں پھیلا دیا۔ خصوصاً خراسان وکوفہ میں۔ محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس کو یہ نہایت دانش مندی تھی۔ کہ اس نیا اس کام کیلئے خراسان کو منتخب کیا۔ کئی وضوہا تھ سیوہ نہایت مناسب جگہ تھی۔

(۱) وہ نئے مسلمانوں کا ملک تھا

(۲) عربوں کا سلوک ان نئے مسلمون سے نہایت خراب تھا۔ وہ ان کو موالیوں کی حیثیت دیتے تھے نہ کہ بھائی مسلمانوں کی۔

(۳) حکومت میں ان کی کوئی دسترس نہ تھی۔

(۴) اہل خراسان ہی کو یہ شرف حاصل ہیکہ سب سے پہلے اہلبیت رسول کے عقائد کو انہوں نیا ختیار کیا۔ اوران کی مدد و ہمدردی کو اپنا فرض سمجھا اوراس کو اپنا شعار بنایا۔

(۵) دارالسلطنت سے دور ہونیکی وجہ پر اپا گندہ بہت اچھی طرح چل سکتا تھا۔

(۶) زید ابن علی ابن الحسین اوران کے فرزند یحییٰ کے قتل نے اہل خراسان کو بہت مشتعل کردیا۔ کیونکہ یحییٰ نے خراسان میں جا کر پناہ لی تھیاور حکومت نے یحییٰ کو قتل کرکے اس کے جسم کو سولی پر لٹکا دیا۔

امیر علی لکھتے ہیں کہ یحییٰ کے قتل نے خراسانیوں کو بہت مشتعل کردیا تھا۔ تمام۔ ملک نے اس کا ماتم کیا۔ ہر ایک زینہ بچہ کا نام جو یحییٰ کے قتل والے دن پیدا ہوا تھا۔ یحییٰ رکھا گیا۔ یحییٰ کے قتل نے بنوامیہ کے سقوط میں بہت سرعت پیدا کردی۔ امیر علی صفحہ نمبر ۱۶۰

ان وجوہات کی بنا پر خراسان اس تحریک کیلئے بہترین جگہ تھی۔ اس تحریک کو خود مخالفین یعنی بنوامیہ کے طرز عمل نے مدددی۔ بجائے اس کے کہ اپنی ناراض رعایا کو خوش کرتے انہوں نیان کے جذبات کی پرواہ نہ کرکے اور زیادہ ان کو بھڑ کانا شروع کی خالد سابق گورنر عراق نے دمشق میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ولید ثانی نے اس کو اس کے دشمن یوسف موجود حاکم عراق کے حوالہ کردیا جس نے اس کو قتل کردیا (امیر علی صفحہ نمبر ۱۶۰ اش)

ولید ثانی کیر و یہ نے لوگوں کی رہی سہی ہمدردری کو زائل کردیا۔ یہ شخص بالکل بے دین، عیاش، پرلے درجیکا شرابی، زناکار، امور سلطنت سے لاپرواہ، ظالم تھا۔ (امیر علی صفحہ نمبر ۱۵۹)

ابومسلم

حسن اتفاق یہ ہوا کہ محمد ابن علی ابن عبداللہ عباس کو نہایت وفادار کارکن ابو مسلم مل گیا۔ اس میں وہ تمام صفات موجود تھیں۔ جو اس موقعہ پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک شخص میں ضروری تھیں۔ یہ خود عرب نہیں تھا۔ موالیوں میں سے تھا۔ اور عربوں سے نفرت کرتا تھا۔ اس میں انتظامی قابلیت بہت تھی۔ مذہبی اصول کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ چالاکی اور بے ایمانی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنے مقصد کے حصول میں نیک وبد اچھے برے، اخلاقی بداخلاقی کو کچھ خیال نہیں کرتا تھا۔ محمد یا اس کے بیٹے ابراہیم نے اس کو خراسان بھیجا کہ وہاں جا کر اس کی تحریک کی رہنمائی کرے۔

ولید ثانی جمادی الآخر ۱۲۶ھ مطابق اپریل ۷۴۴ء میں اپنے ہی محل میں قتل کردیا گیا۔ اوران باغیوں کے سردار یزید ثالث نے تخت پر قبضہ کرلیا۔ لیکن چھ مہینہ سلطنت کرکے ۱۲۶ھ ہجری کیا خر میں یہ بھی مرگیا۔ اس وقت تو اس کے بھائی ابراہیم نے حکومت سنبھال لی۔ لیکن۔ لیکن بہت جلد مروان نے اس کی مخالفت کرکے جنگ عین الجار پر اس کی سلطنت کا خاتمہ کردیا۔ ابراہیم بھاگا اور بھاگتے وقت ولید کے لڑکوں کو قتل کرتا گیا۔ ولید کے ہمدردوں نے ابراہیم کے دوستوں اور نوکروں کے قتل کرنا شروع کردیا۔ یزید ثالث کی لاش کو قبر سے نکال کر شہر کے دروازے پر سولی لٹکا

دیا۔ دمشق اب بالکل فتنہ وفساد کے قبضہ میں تھا کہ اتنے میں مروان داخل ہوا اور تخت پر قبضہ کر کے نظام قائم کیا۔ مروان عقلمند، سمجھدار، متین، بہادر اور منتظم آدمی تھا اور اگر ابو مسلم نہ ہوتا تو یہ خراسان کی مخالفت پر بھی قابو پا جاتا۔

تحریک بنو عباس کے حالات

اپنی موت سے پہلے جو ۱۲۵ ہجری میں واقع ہوئی محمد نے اپنے دونوں بیٹوں ابراہیم عبداللہ ابو العباس اور عبداللہ ابو جعفر کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین اور اس تحریک کا سردار اور مقرر کر دیا اور یہ تحریک اس ہی جوش اور اس ہی فریب کیساتھ جاری رہی جس طرح محمد کی حیات میں جاری تھی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ خراسان میں قبیلہ مضر اور قبیلہ حمیر کے درمیان نہایت خطرناک جنگ واقع ہوگئی۔ خراسان کا حاکم نصر ابن سیار خود مضر تھا۔ اور اس کے خلاف ایک نہایت زبردست پارٹی قائم ہوگئی۔ مورخین کہتے ہیں کہ ان دونوں قبائل کو ایسے واقعات کی حد تک لانا ابو مسلم کی سازش کا کام تھا۔ بہر صورت اس کا ہاتھ اس میں بہت نمایاں تھا اور اس خانہ جنگی سے اس کی تحریک کو بہت فائدہ پہنچا۔ ابو مسلم کے اخلاق واطوار کا نقشہ پروفیسر نولڈ یکی نے بھی اچھا کھینچا ہے وہ کہتے ہیں کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ابو مسلم نہایت ذلیل وظالمانہ ذرائع استعمال کرتا تھا۔ نہایت اچھا اور ہوشیار جنرل تھا۔ (نولڈ یکی صفحہ نمبر ۱۱۱)

نصر ابن سیار کو شکست ہوئی اور وہ بہت جلد نومبر ۷۴۸ میں مرگیا۔ اب خراسانیوں نے ابو مسلم کی ماتحتی میں آگے بڑھنا شروع کی۔ بنو امیہ سے پورا مقابلہ شروع ہوگیا۔ عبداللہ ابن معاویہ ابن عبداللہ بن جعفر نے اہل کوفہ کے وعدہ امداد کی بنا پر کوفہ میں خروج کیا۔ عبداللہ ابن عمر حاکم کوفہ کو پہلے تو شکست ہوئی۔ پھر وہ عبداللہ ابن معاویہ پر اہل کوفہ کی دغا وبے وفائی کی وجہ سے غالب آگیا اور عبداللہ ابن معاویہ معہ اپنے چند دوستوں کے مدائین چلے گئے جب کچھ آدمی جمع ہوگئے تو جبال کی طرف جا کر حلوان، قومس، رے اور اصفہان پر قبضہ کر لیا اور اصفہان میں قیام کیا ۱۲۸ ہجری میں محارب بن موسیٰ نے دار الامارہ اصطخر میں پہنچ کر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے گورنر کو وہاں سے نکال دیا۔ عبداللہ بن عمر عبدالعزیز خلیفہ شام کی طرف سے عراق کا والی تھا اور محارب بن موسیٰ عبداللہ بن معاویہ کے مددگار و ہوا خواہ تھا۔ اس کے بعد محارب ابن موسیٰ نے سالم بن مسیّب پر جو عبداللہ بن عبدالعزیز کی طرف سے عامل شیراز تھا۔ چڑھائی کردی۔ اور ۱۲۸ ہجری میں اس کو قتل کر دیا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر اصفہان گیا۔ وہاں سے عبداللہ ابن معاویہ کو اصطخر میں لے آیا۔ اور ان کے بھائی حسن بن معاویہ کو جبال پر مامور کیا۔ اب محارب ابن موسیٰ کے پاس شیعیان علی آنے لگے۔ یہاں تک کہ ابو جعفر المنصور جو (بعد میں خلیفہ ہوا) عبداللہ وعیسیٰ پسران علی بن عبداللہ عباس بھی اس کے پاس آگئے۔ یزید بن عمر بن ہبیرہ والی عراق نے بناتہ بن حنظلہ کو عبداللہ ابن معاویہ سے جنگ کرنے کیلئے اہواز کی طرف بھیج دیا وہاں سلیمان بن حبیب موجود تھا۔ اس نے بناتہ بن حنظلہ کی روک تھام کے لئے داؤد ابن حاتم کو بھیجا لیکن اسے شکست ہوئی۔ اور سلیمان بن حبیب بھاگ کر نیشاپور آگیا۔ وہاں اکراد کی مدد سے سلیمان ابن حبیب نے نباتہ بن حنظلہ کو شکست دی اور لوگوں نے عبداللہ بن معاویہ کی بیعت کر لی۔ عبداللہ

بن معاویہ نے اپنے بھائی یزید بن معاویہ کو نیشاپور بھیج دیا۔

ان واقعات کے بعد محارب بن موسیٰ اور عبداللہ بن معاویہ سے آپس میں ان بن ہو گئی۔ محارب بن موسیٰ نے نیشاپور پر حملہ کیا۔ لیکن یزید بن معاویہ نے محارب کو شکست دی اور وہ بھاگ کر کرمان میں محمد بن اشعث کے پاس چلا گیا۔ چندے آپس میں موافقت رہی لیکن بعد میں کشیدگی ہو گئی۔ محمد ابن اشعث نے اس کو معہ اس کے چوبیس لڑکوں کے قتل کر ڈالا۔

پھر یزید بن عمر بن ہبیرہ والئی عراق نے اپنے لڑکے داؤد کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ عبداللہ بن معاویہ کے مقابلہ کو بھیجا۔ لڑائی ہوئی۔ عبداللہ بن معاویہ کو شکست ہوئی۔ اور وہ خراسان چلے گئے عبداللہ بن معاویہ کے ہمراہی گرفتار ہو گئے۔ ان میں سے عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس ایک تھے ان کو داؤد ابن ضبارہ نے رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد وہ عبداللہ بن معاویہ کے خلاف ہو گئے اور ان کے مصائب و مثالب بیان کرنے لگے غالباً اس سے ان کا مقصد اپنے آقاؤں کو خوش کرنا ہو گا وہ یزید بن عمر بن ہبیرہ کے پاس بھیج دیئے گئے۔ داؤد بن ضبارہ اب عبداللہ بن معاویہ کی تلاش میں نکلا وہ معہ اپنے بھائیوں کے خراسان ابو مسلم کی حفاظت میں چلے گئے۔ رفتہ رفتہ وہاں سے عبداللہ بن معاویہ ہرات گئے۔ ہرات کا والی ابو نصر مالک بن ہیثم خزاعی تھا۔ اس نے ان کا حسب و نسب پوچھا۔ انہوں نے بتایا۔ اس نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ عبداللہ و جعفر تو آل رسول کے اسمائی سے ہیں لیکن ان کا نام معاویہ تو نہیں ہو سکتا عبداللہ بن معاویہ نے جواب دیا کہ جن دنوں میرے دادا عبداللہ بن جعفر شام میں معاویہ کے پاس رہتے تھے۔ میرے باپ پیدا ہوئے۔ معاویہ نے ایک لاکھ درہم اس تقریب سعید میں بھیجے مگر شرط یہ کی کہ مولود کو میرے نام پر موسوم کرنا۔ مالک بولا کہ چونکہ تم لوگوں نے اسمائی خبیثہ کو نہایت ذلیل و کم قیمت پر خرید لیا ہے۔ لہٰذا تمہارا کوئی حق ہم پر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر انہیں قید کر دیا۔ اور ابو مسلم کو ان کے آنے کی اطلاع دی۔ اس نے کہا کہ سب کو قید کر لو۔ پھر چند دنوں کے بعد حکم بھیجا کہ حسن و یزید برادران عبداللہ ابن معاویہ کو تو رہا کر دو اور عبداللہ بن معاویہ کو قتل کر دو۔ چنانچہ مالک بن ہیثم خزاعی والئی ہرات نے ایسا ہی کیا۔ یہ عبداللہ بن معاویہ کے خروج کا خاتمہ ہے۔ اس کے قطعی ثبوت ملتا ہے۔ کہ ابو مسلم شروع ہی سے اہل بیت رسالت کے خلاف تھا اگرچہ بظاہر منھ سے بنو فاطمہ اور آل علی کے حقوق کے ذکر کرتا تھا۔ لیکن دل سے بنو عباس کے لئے کوشش کر رہا تھا۔

۱۳۰ ہجری میں عباسی امام ابراہیم نے قحطبہ بن سبیب کو ابو مسلم کے پاس بھیجا ابو مسلم نے اس کو تمام افواج کا سردار بنا دیا اور اس نے بلاد اسلامیہ، سمرقند، طخارستان طبسین پر اپنے اعمال مامور کر دیئے۔ قحطبہ کو طوس کی طرف بھیجا۔ اہل طوس کو شکست ہوئی۔

قحطبہ نے بہت بے رحمی سے ان سب کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ابو مسلم نے اس کو لکھا کہ تمیم بن نصر سے سوذقان میں جنگ کرے۔ قحطبہ نے ایسا ہی کیا۔ لڑائی ہوئی۔ تمیم بن نصر مع تیس ہزار آدمیوں کے میدان جنگ میں

مارا گیا۔ قحطبہ براہ سرنگ شہر میں داخل ہوا اور وہاں بہت ہی خونریزی کی۔ خالد بن برمک جو اس کے ہمراہ تھا۔ اس کو مال جمع کرنے پر مامور کیا۔ پھر نیشاپور کی طرف بڑھا۔ نصر بن سیار وہاں سے بھاگ کر نباتہ بن حنظلہ کے پاس جرجان میں آ گیا۔ قحطبہ نے رمضان وشوال نیشاپور میں گزارے۔ ذوالقعدہ میں جرجان کی طرف بڑھا۔ نباتہ بن حنظلہ کے ہمراہ شام کا لشکر بھی تھا۔ لیکن اسے شکست ہوئی اور خود نباتہ بن حنظلہ میدان جنگ میں مارا گیا یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۳۰ ہجری مطابق اگست ۷۴۸ء کا ہے۔ قحطبہ نے جرجان پر قبضہ کر لیا پھر قحطبہ کو خیال پیدا ہوا کہ اہل جرجان بغاوت پر آمادہ ہیں اس نے تقریباً تیس ہزار آدمیوں کو قتل کرا دیا۔

قحطبہ نے اب اپنے لڑکے حسن کو خوار الرے کی طرف ۱۳۱ھ میں نصر کے محاصرہ کے لئے روانہ کیا۔ اول اول تو حسن کے لشکر کو شکست ہوئی۔ لیکن پھر حسن نے رے پر قبضہ کر لیا قحطبہ بھی وہیں آ گیا یہ صفر ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱ ہجری کو نصر نے بمقام سادہ انتقال کیا۔ اب قحطبہ اور اس کے لڑکے نے یلغار شروع کر دی اور اصفہان نہاوند اور شہرزور کو فتح کر لیا۔ نہاوند شوال ۱۳۱ھ میں فتح ہوا۔ (ابن خلدون جلد ششم صفحہ نمبر ۶۰)

اب یزید بن عمر بن ہبیرہ والی عراق ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ قحطبہ کے مقابلے کو نکلا اور مروان حاکم دمشق نے اس کے پاس کمک بھیجی۔ یزید و قحطبہ دونوں نے کوفہ کا رُخ کیا دریائے فرات پر کربلا کے میدان میں اور اس کے نزدیک دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ شامیوں کو شکست ہوئی۔ لیکن قحطبہ مارا گیا۔ حسن ابن قحطبہ نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور یزید کو اپنا کیمپ چھوڑنا پڑا۔ وہ تو واسط چلا گیا۔ اور حسن بن قحطبہ نے کوفہ پر قبضہ کر لیا اس شکست نے مروان حاکم دمشق کے ہوش و حواس گم کر دیے۔ عباسیوں کے امام ابراہیم مروان کی قید میں تھے۔ مروان نے ان کو بہت بری طرح قتل کیا۔ ایک بوری میں چونہ بھروا دیا اور اس کے اندر ابراہیم کا سر ٹھوس دیا۔ اور قیدیوں کو بھی قتل کرا دیا۔ ابھی تک لوگوں کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اس عظیم الشان تحریک کا جس نے کل ایران کو بنوامیہ کے ہاتھوں سے چھین لیا تھا مقصد کیا تھا۔ اور کس کیلئے یہ تحریک کی جا رہی تھی۔ ہاں اتنا ضرور بتایا تھا کہ یہ تحریک اہلبیت پر جو ظلم ہوئے ہیں ان کا بدلہ لینے کے لئے ہی اور ان کے ہی حق میں کی جا رہی ہے۔ ان گومگو الفاظ نے بنو فاطمہ کو دھوکہ میں ڈال دیا اگر ان تمام مسلمانوں میں کوئی دھوکہ میں نہیں آیا تو وہ امام محمد باقرؑ و امام محمد جعفر صادقؑ اور انکے چند خاص مصاحبین تھیں اور وہ لوگوں کے دلوں کی حالت سے بالکل واقف ہو گئے تھے کہ یہ آخر تک حق کا ساتھ نہ دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے اس تحریک میں حصہ ہی نہ لیا۔ ابو سلمہ جعفر بن سلیمان خلال نے اپنے تئیں بنو فاطمہ کا وزیر بغیر امام محمد باقرؑ یا جعفر صادقؑ کی اجازت کے ظاہر کر دیا تھا جب حسن ابن قحطبہ کوفہ میں آیا تو وہاں یہ ابو سلمہ بھی اُس سے آن کر ملا۔ حسن ابن قحطبہ نے اس کی ظاہری بہت تعظیم و تکریم کی۔ اسکے ہاتھ چومے اور کہا کہ ابو مسلم کا حکم ہے کہ آپ کے سب احکام کی اطاعت کی جائے۔ اب کیا تھا ابو سلمہ خوشامد سے پھول گئے اور اسی طرح بے وقوف بنائے گئے کہ جس طرح ابو موسیٰ اشعری کو عمرو ابن العاص نے دومۃ الجندل کی ثالثی میں بے وقوف بنایا تھا ایک

مشترکہ اعلان ابوسلمہ اور حسن بن قحطبہ کے ناموں سے جاری ہوا جس میں لوگوں کو دعوت دی تھی کہ مقررہ دن پر لوگ جوق در جوق مسجد میں اس غرض کے لئے آنے شروع ہوئے ابوسلمہ برخلاف اپنا خلیفہ مسجد میں آ کر منتخب کریں۔میں توقع عامہ کے کالے لباس میں جو عباسیوں کی نشانی تھی داخل ہوا سوائے ابولعباس کے صرف چند آدمیوں کو معلوم تھا کہ ابوسلمہ کس طرح اپنے تئیں عباسیوں کے ہاتھ فروخت کرنے آیا ہے۔نماز پڑھانے کے بعد ابوسلمہ ممبر پر گیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ ابومسلم حامی دین اسلام اور معین اہلبیت نے نبوامیہ کو ان کے گناہوں کی پاداش میں تخت سے اُتار دیا ہے۔اب ضروری ہے کہ ہم خلیفہ مقرر کریں۔میری رائے میں ابوالعباس عبداللہ سے بہتر کوئی آدمی خلیفہ بننے کے لائق نہیں ہے امیر علی کہتے ہیں کہ خود ابوسلمہ اور عباسیوں کو شک تھا کہ معلوم نہیں ان کی اس دغابازی کو جو انھوں نے نبوفاطمہ سے کی تھی کوفہ کے لوگ کس نظر سے دیکھیں گے لیکن اس موقعہ پر بھی کوفیوں نے اپنی فطرت کا وہی ثبوت دیا جو پہلے دے چکے تھے۔انھوں نے حق اور نبوفاطمہ سے ہمیشہ غداری کی تھی اور اس موقعہ پر بھی وہی کیا۔کوفیوں نے خوشی کے نعرہ ہائے تکبیر سے اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔ابوالعباس وہاں بلایا گیا اور لوگ اس سے بیعت کرنے میں ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اس طرح ۱۳ ربیع الاخر ۱۳۲ ہجری مطابق ۲۵ نومبر ۷۴۹ء کو ابولعباس عبداللہ خلیفہ مسلمین ہوگیا۔مسٹر امیر علی نے خوب کہا ہے کہ نبوعباس کی حکومت نبوفاطمہ کی ہر دلعزیزی کے اوپر قائم ہوئی جس کا بدلہ اُنھوں نے نبوفاطمہ کو ایک مختلف ہی سکہ میں ادا کیا۔امیر علی ص ۱۷۹) اس کے بعد مقابلہ زیادہ نہیں ہوا۔ابومسلم کے سپہ سالار ابوعیون نے مروان کے لڑکے کو شہر زور پر شکست دی۔اب مروان نے آخری کوشش کی دریائے زاب پر مروان کے افواج کا ابوعیون اور عبداللہ بن علی کی فوجوں سے مقابلہ ہوا۔عبداللہ ابن علی سفاح کا چچا تھا۔مروانکو شکست ہوئی۔یہ لڑائی ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۲ ہجری مطابق ۲۵ جنوری ۷۵۰ء کو ہوئی۔مروان موصل کی طرف بھاگا۔موصل نے اپنا دروازہ بند کر لیا مروان ہرران میں آیا۔وہاں سے حمص اور حمص سے دمشق کو گیا۔عبداللہ بن علی اس کے پیچھے شکاری کتے کی طرح لگا ہوا تھا۔دمشق بھی فتح ہوگیا۔دمشق کا عامل جو مروان کا داماد تھا مارا گیا۔عباسیوں کا کالا جھنڈا قصر بنی امیہ پر لہرنے لگا یہ ۵ رمضان ۱۳۲ھ مطابق مارچ ۷۵۰ء کا واقعہ ہے۔مروان فلسطین کی طرف بھاگا۔عبداللہ ابن علی اُس کے تعاقب میں تھا فسطاط پر ابوعیوں نے مروان کو جالیا۔وہاں سے بھی مروان بھاگا آخر کار تعاقب کنندگان نے بسیر Bysiris کے مقام پر ایک عیسائیوں کی گرجا میں پایا۔مروان ان کو دیکھ کر تلوار لیکر ان کی طرف دوڑا ایک نیزہ سینے میں ایسا لگا کہ جس سے یہ آخری تاجدار خاندان بنی اُمیہ زمین پر گرا اور پردیس میں اپنے اباؤ اجداد کے گناہوں کی گود میں ہمیشہ کے لئے سوگیا۔

نبوعباس نے نبوفاطمہ کو انکے احسانوں کا بدلہ کس طرح دیا آئندہ کے باب میں ملاحظہ ہو۔

......☆......

باب ﴿۲۳﴾

آلِ عباس کا سلوک آلِ محمد سے

بآیات	زبور	ونغمہ	داؤد	نفرد شم
بیان	دردناک	ونعرۂ	مستانہ	خودرا

جس طرح محمد مصطفیؐ کو اپنی امت سے اپنی رسالت ونبوت کا اجر باوجود آیہ مودۃ القربیٰ ہوتے ہوئے ملا ہے۔ ایسا اجر اپنی امت سے کسی نبی کو نہیں ملا۔ حلانکہ اُن کے یہاں کوئی آیہ مودۃ القربیٰ نہ تھی یہ کیا اجر تھا اور کس طرح ملا ہے سقیفہ کے دیواروں سے پوچھو جناب فاطمہ صدیقہ کے گھر کے دورواز وں سے پوچھو۔ کربلا کے میدانوں سے پوچھو کوفہ ودمشق کے بازاروں سے پوچھو۔ بغداد ومشق کے جیل خانوں سے پوچھواور اس پر دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ مومن ہیں۔ مومن ہی نہیں۔ بلکہ آیت سورہ بقرۃ کے مفہوم ہم ہی وہ امت وسط ہیں جو لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ رسول خدا نے دو ہی ثقلین چھوڑے تھے عترت اور قرآن عترت کو تو تلوار قتل کیا اور قرآن کو اس کی غلط تفسیریں کر کے زبان سے قتل کیا۔ یہ امت وسط یعنی امت عادل ملاحظہ ہو۔ کیا اچھا عدل کیا ہے سقیفہ میں۔ وہ بھی ایک فعل عدل تھا کہ آگ لیکر خانہ فاطمہؑ کو جلانے چلے تھے پھر کربلا میں بہت بڑا عدل ہوا۔ تاریخ حکومت اسلامیہ پڑھو چاروں طرف ایوسا ہی عدل نظر آتا ہے بیس برس تک حجاج ابن یوسف یہی عدل ہی کرتا۔ ہا۔ اپنے کرتوت تو ایسے دعویٰ یہ کہ ہم لوگوں کے افعال کے گواہ خدا کے سامنے ہونگے گویا بے حیائی روز قیامت تک ساتھ رہے گی۔ یہاں تو اولاد رسول کے ساتھ یہ سلوک کرلیا۔ اب آخرت میں اُس ہی رسول کے سامنے جا کر کھڑے ہو جائیں گے کہ ہم آپ کی امت کے لوگوں کے افعال کی گواہی دینے آئے ہیں اور اگر یہ گواہی بھی فرقہ بندی پر مبنی ہوئی تو پھر فرمزے آئیں گے حجاج ابن یوسف خود اپنا گواہ اور اپنے دوستوں کا گواہ سب جلادوں کو ساتھ لیکر جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یا ہے اس آیت کی تفسیر جو حضرات علماء اکثریت فرماتے ہیں۔ خیر تو یہ جملہ معترضہ تھا۔ ہم امت کے سلوک کا ذکر کر رہے تھے۔ اب تک تو ہماری انگلیاں غیروں کے ظلموں کو تحریر کرتے کرتے خونچکان ہو گئیں اب اپنوں کی باری آتی ہے عباس آخر جناب رسول خدا کے چچا ہی تو تھے۔ جنگ بدر میں کفار کی طرف تھے۔ گرفتار ہوئے مشکیں کسی گئیں۔ سخت تھیں۔ کراہنے لگے جناب رسول خدا کو ایسا رنج ہوا کی نیند نہ آئی لوگوں نے وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ عباس کے کراہنے سے مجھے رنج ہوتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر مشکیں کھول دیں۔ ایک تو یہ صلہ رحم کی مثال ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ عباس کی اولاد نے کسی طرح رحم ادا کیا۔

علویین حکومت

ان لوگوں کے وکیل اکبر یعنی جناب ولوی شبلی ان کی وکالت اس طرح کرتے ہیں کہ علویین نے پے در پے شورشیں کر کے عباسیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا وہ بے چارے انھیں سزا نہ دیتے تو کیا کرتے۔ حوالہ میں وہ اپنی کتابیں پیش کرتے ہیں۔ اگر چہ کتابیں تو آپ کی ہیں انشاء اللہ ہم انھیں سے ثابت کرینگے کہ معاملہ کچھ اور تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب علویین کو قتل کرنے کو جی چاہتا تھا تو بہانہ کی تلاش ہوتی تھی وہ بہانہ اس طرح پیدا کیا جاتا تھا کہ علویین پر بے انتہا ظلم اور سختیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ ان کی تذلیل و توہین کی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ خودکشی کی موت و بزدلی ہے۔ ظالم سے مقابلہ پر تل جاتے تھے یہ جانتے ہوئے کہ ہم قتل ہونگے اور پھر قتل ہو جاتے تھے معصوم نہ تھے صبر کا مادہ بہت زیادہ نہ تھا۔ حسینؑ نے سر دے دیا حضرت موسیٰ کاظم حضرت حسن عسکریؑ نے تقریباً ساری عمر جیل خانہ میں کاٹی اور اف نہ کی۔ قید ہی میں مر گئے یہ تو معصوموں کا صبر تھا۔ باقی نبو ہاشم کا درجہ صبر میں اتنا نہ تھا۔ وہ تنگ آمدی جنگ آمد پر عمل کرتے تھے ظالم حاکمان کے قتل کا بہانہ ڈھونڈتے تھے اور ظلم کر کے اس کو پاتے تھے یہ لوگ عزت کی موت کا بہانہ ڈھونڈھتے تھے اور اسے میدان جنگ میں پاتے تھے۔

یہ باب ہم نے نبو عباس کے سلوک کے بیان کے لئے مختص کر دیا ہے۔ کیونکہ ان سے پہلے کی حکومتوں کے سلوک کا ذکر ہم اپنی کتب ہائے سابقہ میں کر چکے ہیں۔ لیکن سلسلہ بیان قائم رکھنے کے لئے اور نیز اس وجہ سے کہ شہادت زید ابن علی ابن الحسینؑ جناب امام جعفر صادق کی زمانہ امامت میں ہوئی۔ ہم زید ابن علی ابن الحسینؑ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

واقعات زید ابن علی

یہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے نہایت متقی و پرہیزگار تھے اور درجہ امامت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے کبھی اپنے بھائی امام محمد باقرؑ اور اپنے بھتیجے امام جعفر صادق سے امامت کے متعلق تنازعہ نہیں کیا۔ انکا تنازعہ اولاد امام حسنؑ سے اوقاف کی تولیت کے متعلق تھا۔ ہم انکے حالات مندرجہ ذیل کتب سے لکھتے ہیں۔

مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی مطبوعہ دار الاحیاء لکتب العربیہ ۱۹۴۹ء صفحہ ۱۲۷ الغایۃ ۱۵۱۔

تاریخ طبری عربی، ترجمہ اردو تاریخ الکامل۔ مسٹر امیر علی۔ تاریخ سیراسنز۔

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون۔

زید کی والدہ ام ولد تھیں جو مختار بن ابی عبیدہ نے تیس ہزار درہم میں خرید کر جناب علی ابن الحسینؑ کو ہبہ کی

تھیں۔ اُن سے چار اولاد ہوئیں۔ زید، عمر، علی، اور خدیجہ۔ ان میں سے زید سب سے بڑے تھے۔ انکے چہرے سے ایک نور ساطع رہتا تھا، کثرت عبادت وزہد میں بڑا درجہ تھا۔ سجدہ کا نشان جبین سے آشکار تھا۔ آپ خود کہا کرتے تھے کہ جب سے مجھے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے تمیز کرنے کا شعور پیدا ہوا ہے میں نے کبھی خداوند تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی امام جعفر صادق ان کی رکاب پکڑ کر گھوڑے پر سوار کراتے تھے اور جب یہ زین پر بیٹھ جاتے تھے تو وہ ان کی پوشاک کو درست کرتے تھے۔ مدینہ کے قاضی کے پاس ان کا مقدمہ اوقاف کے متعلق عبداللہ ابن الحسن کے خلاف تھا۔ قاضی کے سامنے تو دونوں خوب بحث کرتے تھے لیکن جب باہر نکلتے تھے تو راوی کہتا ہے کہ عبداللہ ابن الحسن دوڑ کر انکے گھوڑے کی رکاب پکڑتے تھے۔ مدینہ کے لوگ ان کو حلیف القرآن کہتے تھے۔ (مقاتل الطالبین میں صفحہ نمبر ۱۳۰)

حضرت ابوجعفر باقر علیہ السلام سے رویت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے امام حسینؑ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارے صلب سے ایک بیٹا پیدا ہوگا وہ اور اس کے اصحاب جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ آں حضرت نے ایک اور روایت ہے کہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص صلیب پر چڑھایا جائیگا۔ وہ آنکھ کبھی جنت کو نہ دیکھے گی جس نے اس کے ستر کو دیکھا ہوگا۔

راوی کہتا ہے کہ میں جناب علی ابن الحسین کی خدمت میں حاضر تھا جناب علی ابن الحسین نے اپنے بیٹے زید کو بلایا۔ آپ ان کی پیشانی سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ یہ زید ہو جو کناسہ میں سولی دیا جائے گا۔ ایک اور راوی کہتا ہے کہ میں دیکھا کہ جناب محمد باقر نے زید کو گلے سے لگایا اور فرمایا کہ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مصلوب کناسہ ہو۔

سبب خروج

یوسف بن عمر بن محمد بن الحکم عراق کا حاکم ہشام کی طرف سے تھا وہ اولاد علی پر بہت ظلم اور ان کی تحقیر وتوہین کیا کرتا تھا۔ اُس نے ہشام کو لکھ دیا کہ زید ابن علی ابن الحسین و محمد بن عمر بن علی ابن ابیطالب اور داؤد ابن علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس خالد بن عبداللہ القسری کا دس ہزار روپیہ ہے وہ نہیں دیتے۔ جب یوسف کا خط ہشام کو ملا تو اُس نے کو بلایا۔ یہ گئے۔ اس سے انکار کیا۔ ہشام نے کہا میں تم کو یوسف بن عمر والئی عراق کے پاس بھیجے دیتا ہوں۔ وہ تمھارا فیصلہ کرادیگا زید نے کہا وہ ہمیں بہت تنگ کریگا ہماری تذلیل و تحقیر کرتا ہے ہم وہاں نہیں جانا چاہتے ل۔ لیکن ہشام نہ مانا اور یہ سب یوسف ابن عمر کے سامنے پیش ہوئے یوسف نے بتایا کہ خالد کا دعوے ہی کہ اس نے تمھارے پاس دس ہزار روپیہ امانت رکھوایا تھا وہ اب تم واپس نہیں کرتے۔ زید نے کہا کہ نہیں خالد ایسا نہیں کہہ سکتا وہ میرے آباؤ اجداد کو تو علیٰ رؤس الاشہاد گالیاں دیتا ہے وہ میرے پاس امانت کیونکر رکھے گا یوسف نے خالد کو بلایا اور اس سے کہا کہ زید تو تمھارے روپیہ سے انکار کرتے ہیں۔ خالد نے یوسف سے کہا کہ چاہتے ہو کہ تم اپنے گناہوں پر

ایک اور کا اضافہ کروں میں زید کے آباؤ اجداد کو بُرا بھلا کہتا ہوں۔ ان کے پاس امانت کیوں کر رکھواؤں گا۔ زید نے خالد سے کہا کہ بھئی جب یہ بات تھی تو تم نے دعویٰ ہی کیوں کر دیا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ پر سختی شدت کے ساتھ کی گئی تو مجبوراً میں نے دعویٰ کر دیا۔ (دیکھو اردو ترجمہ تاریخ کامل لابن الاثیر حصہ دوم صفحہ نمبر ۴۳۸)

زید کا تنازعہ اولاد امام حسنؑ سے حضرت علیؑ کے وقف کے متعلق تھا پہلے اولاد حسنؑ کی طرف سے جعفر بن حسن بن حسن بن علی ابن حسن ابن ابیطالبؑ پیروی کر رہے تھے اُنکے انتقال کے بعد اُنکے بھائی عبداللہ ابن حسن ابن علی ابن ابیطالب پیروی کرنے لگے۔ ان کا مقدمہ حاکم مدینہ خالد بن عبدالملک کے رو برو تھا۔ وہ ان کو آپس میں لڑا کر تماشہ دیکھتا تھا۔ ایک دن خالد نے منادی کر دی کہ یہ دونوں فریقین اُس کے سامنے حاضر ہوں اور اگر میں ان کے مقدمے کا فیصلہ نہ کروں تو میں اپنے باپ کا بیٹا نہیں اور تمام لوگوں کو حاضر ہونے کی دعوت دی صبح ہوتے ہی مسجد میں لوگ جمع ہو گئے۔ خالد نے ان دونوں کو بلایا اور کوشش کی کہ دونوں میں گالی گلوچ ہو جائے۔ لیکن زید اس کے ارادہ کو بھانپ گئے۔ عبداللہ نے بحث شروع کی۔ زید نے ان کو تو روک دیا اور خالد سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو نے ہماری تذلیل و تحقیر کے لئے ہمیں اور لوگوں کو جمع کیا ہے۔ قسم بخدا یہ وہ امر ہے جس کی ابوبکر و عمر کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ خالد نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کیا ہے تم میں کوئی بہادر ہو جو اس شخص کو ٹھیک کر دے۔ ایک انصاری اُٹھ کھڑا ہوا اور جناب زید کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا و (اردو ترجمہ تاریخ کامل حصہ دوم خلافت نبو اُمیہ صفحہ نمبر ۴۴۳)

اس کے بعد زید دمشق میں ہشام کے پاس گئے لیکن اس نے ان کو ملاقات کیا اجازت نہ دی جب یہ پرچہ بھیجتے تھے تو وہ نیچے لکھ دیتا تھا کہ تم مدینہ واپس جاؤ۔ آخر کار جب ہشام مجبور ہو گیا اس نے باریابی کی اجازت دی اور اثنائے گفتگو میں ان کی بہت ہی تحقیر و تذلیل کی اور لونڈی کے بطن سے ہونیکا طعنہ دیا۔ جناب زید نے جواب دیا کہ حضرت اسمٰعیل بھی تو لونڈی کے بطن سے تھے ہشام نے کہا تم نکل جاؤ میرے سامنے سے یہ کوفہ چلے آئے۔ وہاں محمد بن عمر بن علی بن ابیطالب نے سمجھایا کہ تم کوفیوں پر بھروسہ کرو۔ اور حکومت سے لڑائی نہ کرو حضرت زید نے نہ مانا اور جواب دیا کہ ہم لوگ بلا جرم قید کر کے حجاز سے شام بھیجے گئے۔ اور وہاں سے جزیرہ اور جزیرہ سے عراق میں نوشگفتکے سرداروں کے پاس بھیجے گئے آپ نے چند اشعار بھی پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

کوفیوں کے وعدوں پر بھروسہ کر کے جناب زید نے اعلان خروج کر دیا پہلے تو بہت لوگوں نے بیعت کر لی۔ لیکن رفتہ رفتہ سب چھوڑ کر چلے گئے یہاں تک کہ آخری لڑائی میں جو کربلا کے پاس ہوئی۔ زید کے چند ساتھی باقی رہ گئے۔ زید نہایت بہادری سے لڑے۔ ایک تیر پیشانی پر آ کر لگا اس سے یہ بے بس ہو گئے۔ اور جب وہ تیر نکالا گیا تو آپ نے انتقال فرمایا یہ ۱۲۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کے جسم کو ایک پوشیدہ مقام پر دفن

کر دیا۔ آپ کا سندھی غلام موجود تھا اور اس کو مقام قبر کا علم تھا۔ اس نے بنو امیہ کو خبر کر دی۔ جنہوں نے جسم کو نکلوایا اور مقام کناسہ پر صلیب پر لٹکا دیا۔ یہ جسم اسی طرح لٹکا رہتا۔ آنکہ ۱۲۵ ہجری میں ہشام کا انتقال ہوا جب ولید تخت نشین ہوتو اس نے جسم کو اتروا کر جلوا دیا۔ آپ کا سر یوسف سے پاس بھیجد یا گیا۔ اس نے دمشق میں ہشام کے پاس بھیج دیا۔ اور ہشام نے دمشق کے دروازہ پر وہ سر لٹکوا دیا اور پھر چند دنوں کے بعد وہ سر مدینہ میں بھیج دیا گیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے جناب زید کو خروج سے منع کیا تھا اور انکے انجام کی پشین گوئی کی تھی۔

ہم کو مسٹر امیر علی کی رائے سے بالکل اتفاق ہے اور واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ زید اور ان کے لڑکے یحیٰی کو بنو امیہ کے مظالم نے تلوار سے اپنی حفاظت کرنے پر آمادہ کیا۔ بنو حسن اور نبو حسین مدینہ میں نہایت قلیل آمدنی پر گوشہ تنہائی میں گزارہ کرتے تھے۔ سیاسیات میں مطلقاً حصہ نہیں لیتے تھے۔ لیکن انکے علم و فضل اور زہد و عبادت کی وجہ سے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے، جس کی وجہ سے بنو امیہ اور نبو عباس ان کے مخالف تھے اور انھیں طرح طرح سے اذیت دیتے تھے اور قتل کرتے تھے اس طرح بعض ان میں سے محض حفاظت خود اختیاری کے اصول پر تلوار اٹھا لیتے تھے۔۔ دیکھو Amer ali"s Histery of the saracens chuft xx p.219.220

حضرت یحیٰی بن زید کی شہادت

حضرت زید کے بیٹے یحیٰی اپنے باپ کے قتل کے بعد خراسان چلے گئے۔ یوسف والئی عراق کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوا اور ان کی تلاش میں اپنے لوگ چاروں طرف دوڑا دیئے آخر کار وہ مل گئے۔ اُن کے ساتھ صرف ستر آدمی تھے اور ان کے مخالف عمر بن زرارہ حاکم نیشا پور کے پاس دس ہزار کی جمعیت تھی لڑائی ہوئی۔ یحیٰی ابن زید کو فتح ہوئی اور عمر بن زرارہ مارا گیا۔ یحیٰی پھر ہرات کی طرف گئے۔ وہاں کسی نے مقابلہ نہ کیا یہ آگے چلے گئے۔ سالم ابن احوزان کی تلاش میں مع فوج کے نکلا تھا جوز جان پر فریقین کا مقابلہ ہوا۔ خوب لڑائی ہوئی اتفاق ایک تیر یحیٰی کی پیشانی پر آن لگا جس سے وہ گر کر شہید ہو گئے۔ ان کے اصحاب بھی ہارے گئے انکی لاش جوز جان میں لٹکائی گئی سنہ ۱۲۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ یہ لاش اسیطرح وہاں لٹکی رہی۔ جب تک خراسان میں ابو مسلم کا غلبہ نہ ہوا۔ ان نے اسے اتار کر اسپر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کرا دیا۔۔ اردو ترجمہ تاریخ کامل حصہ دوم۔ خلافت بنی امیہ صفحہ نمبر ۳۸۱)

نبو امیہ کی یہ عادت تھی کہ اگر بہانہ نہیں بھی ملتا تھا تو بغیر بہانہ ہی کے اولاد علی کو قتل کر دیتے تھے چنانچہ ابولفرج اصفہانی اموی اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد الباقر ابن علی ابن الحسین علیہ السلام برادر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا گزر نبو امیہ کے ایک شخص پر ہوا۔ اُس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ عبداللہ نے اسے خدا کا واسطہ دیا کہ قتل نہ کرے لیکن اُس نے ایک نہ سنی اور ان زہر دے کر قتل کر دیا ۹۳، مقاتل الطالبین مطبوعہ ۱۹۳۹ء صفحہ نمبر ۱۵۹

منصور کے مظالم آل حسن پر

ابوالعباس سفاح کا زمانہ تو علویین پر ظلم کرنے کے منصوبوں کی تیاری میں گزر گیا لیکن ابو جعفر منصور دوانیقی کے زمانہ میں یہ شجر بہت اچھی طرح بار آور ہوا جب نبوامیہ کی سلطنت پر زوال آگیا اور یہ موت کی جانکنی میں تھی اور بنو ہاشم کی تحریک طاقت پکڑ چکی تھی تو نبو ہاشم مدینہ میں خلیفہ کے انتخاب کیلئے اکٹھے ہوئے اس مجلس میں ابو جعفر منصور بھی تھا ان سب کی نظر انتخاب محمد ابن عبداللہ ابن حسن مثنیٰ ابن حسنؑ پر پڑی۔ ان کا باپ اس زمانہ میں زندہ تھا لیکن یہ پرہیزگاری۔ عبادت فضائل حسنہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے سب میں ممتاز تھے اور نفس الزکیہ کہلاتے تھے۔ سب نے ان سے بیعت کی اور ابو جعفر بھی بیعت کرنے والوں میں تھا۔ پس ان کا قصور فقط اتنا تھا کہ وہ نیک و عابد زاہد تھے۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ یہ تحریک تو نبو فاطمہ کی ہمدردی میں شروع ہوئی تھی لیکن نبو عباس نے کس طرح دھوکا دیکر خود تخت حکومت کو سنبھال لیا۔ یہ واقعہ بیعت منصور کو کھٹکتا رہا۔ یہ قابل غور ہی کہ جناب نفس الزکیہ نے اس بیعت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی اور نہ سفاح یا منصور کی تخت نشینی میں کچھ مزاحمت کی۔ بلکہ یزید ابن معاویہ کی طرح جس نے امام حسینؑ کو ستانا شروع کیا تھا۔ منصور ہی نے ان پر ظلم و تعدی کرنی شروع کر دی۔ ۹۳۔

Amer ali"s Histery of the saracens

ثبوت زبیر و طلحہ حضرت علیؑ کے دشمن

ابن الاثیر اپنی تاریخ الکامل میں لکھتے ہیں جب منصور خلیفہ ہوا تو اس کو کوئی چیز فکر میں ڈالنے والی سوائے محمد کے معاملہ اور ان کے دریافت حال کے نہ تھی۔ آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ جب ۱۴۰ ہجری میں منصور حج کے لئے آیا تو اس نے آل ابیطالب میں بہت مال تقسیم کیا۔ لیکن محمد و ابراہیم پسران عبداللہ ابن حسن ابن حسن نہ آئے۔ اس نے ان کے والد عبداللہ کو بلا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھے علم نہیں۔ اس پر منصور نے ان کو ماں کی گالی دی بات بڑھ گئی۔ لیکن لوگوں نے بیچ بچائی کر دیا۔ محمد اور ابراہیم نے بھی حج کیا۔ وہاں انکے شیعہ موجود تھے۔ اُنھوں نے ارادہ کیا کہ منصور کو چھپ کر قتل کر دیں۔ لیکن محمد نفس الزکیہ نے کہا کہ تمھیں خدا کی قسم میں اس کو دھوکہ سے قتل نہ کروں گا۔ منصور نے زیاد بن عبیداللہ عامل مدینہ پر زور دیا کہ محمد و ابراہیم پسران عبداللہ بن الحسن بن حسن کو قتل کرادے لیکن زیاد بن عبیداللہ نے اُن سے کہا کہ تم اب مدینہ میں نہ رہو۔ خدا کے ملک میں جہاں چاہو نکل جاؤ، محمد پھر چھپ گئے۔ جب منصور کو یہ معلوم ہوا کہ زیاد بن عبیداللہ سختی نہیں کرتا تو اس کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن خالد ابن عبداللہ القسری کو عامل مدینہ مقرر کیا وہ رجب ۱۴۱ ہجری میں مدینہ آیا۔ منصور نے اسے حکم دیا محمد ابن عبداللہ کو کسی نہ کسی طرح گرفتار کرے۔ اور اس میں جتنا روپیہ خرچ کرنا ہو خرچ کر دے۔ لیکن یہ بھی گرفتار نہ کر سکا اور خرچ کے نام سے روپیہ بہت لے لیا۔ جب منصور نے لوگوں سے مشورہ کیا تو اُنھوں نے کہا کہ زبیر یا طلحہ کی

اولاد سے کسی کو عامل مدینہ بتاؤ کیونکہ ان کی اور علوئیں کی خاندانی دشمنی ہے اور وہ تلاش کرلے گا۔ لیکن منصور نے کہا کہ میں خاندانی دشمنوں سے مدنہ لوں گا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ زبیر و طلحہ حضرت علیؑ کے دشمن تھے۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت عمر نے انہیں شوریٰ میں داخل کیا تھا اب منصور نے رمضان ۱۴۴ھ میں ریاح ابن عثمان بن حیان المری کو عامل مدینہ مقرر کیا۔ کیونکہ اس نے ذمہ لیا تھا کہ وہ محمد ابن عبداللہ بن الحسن نفس الزکیہ کو تلاش کر کے نکالیگا۔ مدینہ میں آکر اسنے محمد ابن عبداللہ نفس الزکیہ کی تلاش میں بہت کوشش کی۔ اسکو خبر دی گئی کہ وہ جبل جہینہ گھاٹیوں میں سے ایک میں ہیں اور وہ پیغ عمل داری ہے۔ منصور نے وہاں کے عامل کو محمد کی تلاش کی تاکید کی۔ محمد یہ خبر سن کر وہاں سے پاپیادہ بھاگے اور بچ نکلے۔ ان کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا جوان کی خوف کی حالت میں پیدا ہوا تھا وہ انکی ایک لونڈی کے پاس تھا۔ اس جلدی وخوف کی حالت میں وہ بچہ پہاڑ پر سے گرا اور ہمیشہ لے لئے اپنے باپ سے جدا ہو گیا آپ نے اس کی موت پر کئی شعر کہے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

والموت حتم فی رقاب العباد قد کان فی الموت للذراحت

یعنی ان کے لئے موت میں راحت تھی اور موت تو بندوں کی گردنوں میں یقیناً پڑی ہوئی ہے۔

۱۴۴ھ ہجری حج کے موسم میں منصور آیا اور عبداللہ ابن حسن ابن حسن کو حکم دیا کہ وہ محمد کو پیش کریں۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھے اس کا پتہ معلوم نہیں۔ المنصور نے چند عرب غلام خریدے اور ان سے بہت سے وعدہ کر کے انھیں محمد عبداللہ ابن حسن نفس الزکیہ کی تلاش پر مامور کیا۔ ان کے علاوہ اسنے ایک خاص جاسوس مقرر کیا جس کو ایک فرضی خط ایک شیعہ کی طرف سے محمد کے نام دیا۔ اور بہت سا مال وہدیہ تحفہ دینے کے لئے ساتھ بھیجے۔ وہ اُنکے والد عبداللہ بن الحسن بن حسن کے پاس گیا پہلے تو اُنھوں نے ڈانٹ دیا اُسکے بہت اصرار پر اُنھوں نے اُسے بتا دیا کہ وہ جبل جہینہ میں ہیں۔ منصور کا ایک کاتب راز تھا وہ شیعہ تھا اس نے اس جاسوس کا حال عبداللہ بن حسن کو لکھا۔ وہ پریشان ہو گئے اُنھوں نے ابو ہبار کو محمد کے پاس یہ خبر دے کر بھیجا جب ابو ہبار انکے پاس پہنچا تو اس جاسوس کو انکے پاس اُنکے اصحاب کے ساتھ پایا۔ ابو ہبار کو دیکھ کر وہ جاسوس گھبرا گیا۔ ابو ہبار نے محمد کو بلا کر سارا حال ان سے کہا اور اجازت چاہی کی وہ اس جاسوس کو قتل کر دے۔ حضرت محمد نفس الزکیہ نے اس خونریزی کی اجازت نہ دی جب وہ واپس آئے تو جاسوس کو وہاں نہ پایا۔ وہ بھاگ چکا تھا اس نے جا کر سارا حال منصور سے کہدیا لیکن وہ ابو ہبار کا نام بھول گیا۔ اسے دبار نام یاد رہا منصور نے دوباہ المری کو بلا کر محمد نفس الزکیہ اور انکے بھائی ابراہیم اس عرصہ یں بصرہ چلے گئے۔ وہاں سے عدن گئے پھر سندھ میں آئے۔ اس کے بعد کوفہ گئے اور وہاں سے مدینہ آگئے

آل حسن کی گرفتاری وان کے مصائب

یہاں منصور کے حکم سے ریاح نے اولاد حسنؑ کو قید کر دیا۔ قیدیوں میں یہ بزرگوار تھے

(۱) عبداللہ بن حسن بن حسن علی ابن ابی طالب والد محمد وابراہیم

(۲) حسن پسران حسن بن حسن بن علی ابی طالب عم محمد ابراہیم

(۳) ابراہیم

(۴) جعفر بن حسن بن حسن بن علی ابی طالب عم محمد وابراہیم

(۵) سلیمان پسران داؤد بن حسن بن حسن بن علی ابی طالب

(۶) عبداللہ

(۷) محمد

(۸) اسمٰعیل پسران ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب

(۹) اسحاق

(۱۰) عباس بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب عم محمد نفس الزکیہ

(۱۱) موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی ابی طالبؑ برادر محمد نفس الزکیہ

(۱۲) علی بن حسن بن حسن بن علی۔

جب حضرت محمد نفس الزکیہ خوف کی آخری حد تک پہنچ گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ منصور ان کو قتل کے بغیر چین نہ لے گا تو مجبوراً انھوں نے پنے دوستوں کو اپنی حفاظت کے لیئے طلب کیا۔ اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے اُنھوں نے اپنے بیٹے علی کو مصر بھیجا کہ وہاں لوگوں کو انکی نصرت کی دعوت دیں۔ لیکن عامل کو مصر قید کر دیا اور رہا نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ قید ہی میں مر گئے یا مار ڈالے گئے۔

امام جعفر صادقؑ کا گریہ

اولاد حسن کو قید کرا کر منصور حج کو گیا جب واپس ہوا تو مدینہ میں نہ داخل ہوا بلکہ اسکے نزدیک زبذہ میں چلا گیا۔ وہاں ریاح والئی مدینہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ منصور نے اسے حکم دیا کہ اولاد حسن کو جو قید تھے اس کے پاس ربذہ میں لدے۔ ان قیدیوں میں محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن حفان بھی تھے۔ یہ عبداللہ بن حسن ابن حسن کے اخیافی بھائی تھے۔ کیونکہ ان دونوں کی ولادہ ایک تھیں۔ ریاح واپس اور ان تمام قیدیوں کو اپنے ساتھ ربذہ اس حالت میں لے گیا کہ اُن کے پیروں میں اور انکی گردنوں میں بیڑیاں اور زنجیریں تھیں اور انھیں محملوں میں بغیر بچھونے کے سوار کیا۔ جب ریاح ان کو مدینۃ النبی سے لیکر نکلا تو جناب امام جعفر صادقؑ ایک پردے کے پیچھے کھڑے ہوئے کو دیکھ رہے تھے اور یہ لوگ انکو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جناب امام جعفر صادقؑ زار و قطار رو رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آپ کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور آپ خدا سے دعا کرتے جاتے تھے کہ واللہ ان کے بعد خدا اپنے حرموں کی حفاظت نہ کرے گا۔ جب یہ قیدی چلے تو محمد اور ابراہیم پسران عبداللہ ابن الحسن ابن حسن بدو عربوں کے لباس میں ان سے ملے اور اپنے والد کے ساتھ ساتھ چلتے رہے وہ ان سے خروج کی اجازت

مانگتے تھے لیکن انکے والد عبداللہ کہتے تھے کہ جلدی نہ کروحتی کہ تم اس پر قادر ہو جائی۔ہاں اگر منصور تم دونوں کو عزت کے ساتھ زندہ نہ رہنے دے تو پھر تمہیں عزت کے ساتھ مرجانے سے کوئی چیز نہ روکے۔راستہ میں محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کا اونٹ کے بگڑنے سے محمد گرے۔ان کے گلے کی زنجیر محمل میں اُٹک گئی اور وہ معلق لٹکے رہ گئے۔ان کو دیکھ کر عبداللہ بن حسن بن حسن زاروقطار رونے لگے۔جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو سب سے پہلے محمد بن عبداللہ عثمان منصور کے سامنے لائے گئے انکے جسم پر ایک مہین قمیض اور ازار تھی۔جب وہ اسکے سامنے کھڑے ہوئے تو منصور نے کہا کہ پھر تیری بیٹی رقیہ کس سے حاملہ ہوئی۔(یہ رقیہ ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن بن حسن کے نکاح میں تھیں تونے تو مجھ سے قسم کھائی علی کہ تو مجھے۔دھوکہ نہ دیگا اور میرے خلاف کسی دشمن کی مدد نہ کریگا تو دیکھتا ہے کہ تیری بیٹی حاملہ ہے اور اس کا شوہر غائب ہے۔بس دو میں سے ایک ہی یا تو قسم توڑنے والا ہے یا دیوث ہے ۔اُنھوں نے بہت نرم جواب دیا کہ قسم کی ذمہ داری تو میرے (صفحہ ۱۹۴ اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم ۶۳)۔تاریخ طبری الجزالتاسع صفحہ نمبر ۱۹۴۔نیز ملاحظہ ہو اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصو اول صفحہ ۱۹۴۔عربی تاریخ طبری الجزالتاسع صفحہ نمبر ۱۹۶ واقعات ۱۴۴ ہجری۔)

محمد بن عبداللہ عثمانی پر منصوبہ کا عتاب

اوپر ہے اور یہ لڑکی اولاد رسول سے ہی میرے علم کے بغیر اس کا خاندان اس کے پاس آیا ہوگا منصور غضبناک ہوا اور ان کی قمیض اور ازار پھاڑ دی اور وہ ننگے ہو گئے پھر اس نے حکم دیا کہ انکے ڈیڑھ سو کوڑے مارو چنانچہ جلاد نے کوڑے مارنے شروع کئے ان کا بہت برا حال ہو گیا ایک کوڑا منہ پر لگا تو محمد بن عبداللہ العثمانی نے کہا کہ تیرا برا ہو۔میرے چہرے کو تو چھوڑ دے صرف اتنا کہنا منصور کو بُرا معلوم ہوا۔اور اس نے حکمدیا کہ انکے سر پر کوڑے مارو تقریباً تیس کوڑے ان کے سر پر لگے۔ایک کوڑا ان کی آنکھ پر لگا اور وہ بہہ گئی۔اس کے بعد ان کو باہر نکال دیا گیا۔اس مار کی وجہ سے ان کی بڑی حالت ہو گی۔پہچانے نہیں جاتے تھے زنگیوں کی طرح چہرہ اور بدن ہو گیا۔حالانکہ وہ حسین ترین مردن تھے اور اپنے حسن کی وجہ سے دیباج کہلاتے تھے۔جب وہ باہر نکلے تو ان کے غلام نے کہا کہ میں اپنی چادر آپ کے اوپر ڈال دوں یہ عریاں بدن تھے۔آزار پھٹ چلی تھی اُنھوں نے کہا ہاں خدا تیرا بھلا کرے۔خدا کی قسم تو محبوب ہے یہ آن کو اپنے بھائی عبداللہ بن الحسن کے برابر کھڑے ہو گئے۔زخمو سے پیاس بہت لگ آتی تھی اُنھوں نے بیقرار ہو کر پانی مانگا اور کہا۔العطش العطش لیکن مسلمانوں کے بھرے دربار میں کسی نے انھیں پانی نہ دیا۔ان کے بھائی عبداللہ بن الحسن سے ضبط نہ ہو سکا وہ رونے لگے اور حالت گریہ میں ندا دے رہے تھے کہ ہے کوئی جو اپنے رسول کے بیٹے کو پانی پلائے۔دربار میں سے کسی کو جرائت نہ ہوئی کہ انکو پانی پلاتا۔آخر کار ایک خراسانی نے پانی پلایا۔(تاریخ طبری الجزالتاسع صفحہ نمبر ۱۹۶)

یہ واقعہ ربذا کا ہے۔جہاں قیدی منصور کے سامنے پیش ہوئے تھے وہاں سے ان قیدیوں کو اسی طرح

پابزنجیر دگلو بہ طوق ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر منصور اپنے ساتھ کوفہ میں لے گیا اور وہاں قصر ابن ہبیرہ میں ڈال دیا۔

کوفہ میں جب منصور آیا تو اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اس فاسق خاندان فسق والے سے نجات پاؤں۔ عربی کا جملہ یہ ہے ماشتفی من ھذہ الفاسق من اھل بیت ھنق (تاریخ طبری الجزء التاسع صفحہ نمبر ۱۹۸ اردو ترجمہ جلد سوم حصہ اول صفحہ ۱۶۷!)

اُس کا اشارہ محمد نفس الزکیہ کی طرف تھا اور ان کا خاندان خانداں رسالت تھا کیا اب بھی کوئی احمق ہے جو ان بادشاہوں کو مسلمان کہے گا۔ (۹۵ تاریخ طبری الجزء التاسع صفحہ نمبر ۱۹۵)

منصور کا اہل خراسان سے دھوکہ

خراسان کے والی نے لکھا کہ اہل خراسان محمد بن عبداللہ بن الحسن تنازعہ کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے ہم سے منحرف ہو رہے ہیں۔ منصور نے محمد بن عبداللہ بن عمر عثمانی کو قید خانہ سے نکال کر ان کا سر کاٹ کر خراسان معہ اپنے بیان حلفی کے بھیجا کہ یہ سر محمد بن عبداللہ بن الحسن کا ہے۔ اُس کے ساتھ وہ آدمی بھی بھیجے جنھوں نے اہل خراسان کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ یہ سر محمد ابن عبداللہ ابن الحسن کا ہے۔ اس شاہانہ عدل کی ماہیت اور اچھی طرح معلوم ہو جائیگی۔ جب ہم مورخین کے اس بیان پر نظر ڈالیں گے کہ منصور کو محمد ابن عبداللہ بن عمر العثمان کی بے گناہی کا یقین تھا۔ (تاریخ طبری عربی الجزء التاسع صفحہ نمبر ۱۹۸۔ اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۶۷)

ایک دن یہ قیدی پر منصور کے سامنے پیش کیے گئے۔ اس کی نظر محمد بن ابراہیم بن الحسن پر پڑی۔ یہ نہایت ہی حسین تھے۔ لوگ دور دور سے ان کا حسن دیکھنے آیا کرتے تھے نوجوان عنفوان شباب میں تھے۔

محمد ابراہیم ستون کے اندر زندہ چنے گئے

ان کو دیکھ کر منصور نے کہا کہ تو ہی ہے کہ جس کو لوگ دیباج اصغر کہتے ہیں انھوں نے کہا ہاں۔ منصور نے کہا کہ میں تجھ کو اس بے رحمی سے قتل کروں گا کہ جس طرح دنیا میں کوئی آج تک قتل نہیں ہوا۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ ایک پتھر کا ستون لایا جائے۔ عمارت کا بڑا ستون آیا۔ اس کو بیچ میں سے دو ٹکڑے کرا کر محمد بن ابراہیم بن الحسن کو اس کے اندر رکھ دیا اور زندہ اس کے اندر ان کو چن دیا۔

(تاریخ طبری عربی الجزء التاسع صفحہ نمبر ۱۹۰۔ اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ ۱۶۶۔)

اردو ترجمہ تاریخ الکامل لابن الاثیر جلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۹۹ تعایت ۱۱۴۔)

ذبیحہ کو تڑپنے سے بوڑا سکون آجاتا ہے وہ بھی ان کو نصیب نہ ہوا پھر عبداللہ ابن الحسن کو قتل کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے سب قیدی قتل کر دیئے گئے۔ اُس وقت تو پانچ ان میں سے بچ گئے تھے۔ جب محمد و ابراہیم پسران عبداللہ ابن الحسن نے خروج کیا۔ اور شکست کھا کر قتل ہوئے تو ان کے بعد ان پانچ بچے ہوئے قیدیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔

سلطنت بنی عباس سے استحکام کا بانی یہ منصور ہی کیا جاتا ہے۔ خلافت نے یہ رنگ اختیار کر لیا تھا۔ یہ تھی وہ حکومت جس کو اصلی جانشین رسولؐ امام حسنؑ نے چھوڑا تھا۔

مسٹر علی کا مغالطہ

یہاں ایک غلط فہمی کا رفع کرنا ضروری ہے۔ مسٹر امیر علی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں وہ جب ابراہیم کا سر منصور کے پاس پہنچا تو اس نے وہ سر ان کے والد عبداللہ ابن الحسن کے پاس بھجوا دیا۔ اُنھوں نے قاصد سے کہا کہ اپنے آقا سے جا کر کہدو کہ ہم دونوں کے ایام۔ ہمارے رنج وآلام کے اور اس کے عیش عشرت کے نہایت تیزی کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ عنقریب ہم اور منصور ایک ایسے حاکم عدال کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں جو اپنے فیصلوں میں غلطی نہیں کرتا۔ وہ فیصلہ کرے گا کہ ہم میں سے کون حق پر تھا اور کون ناحق پر، کون مظلوم تھا کون، ظالم راوی کہتا ہے کہ یہ جواب سن کر منصور نے سر جھکا لیا اور دیر تک سوچتا رہا۔ اسدنسے زیادہ کبھی منصور کو مغموم نہیں دیکھا گیا۔ Amir ali histry of the saracans chaft xv p.223.

یہ مسٹر امیر علی کو مغالطہ ہو گیا ہے۔ عبداللہ ابن الحسن تو اپنے بیٹوں محمد و ابراہیم کے خروج سے پہلے ہی قتل کر دیئے گئے تھے ۱۴۴ ہجری میں اور محمد ابراہیم کا خروج ۱۴۵ ہجری میں ہوا۔ دیکھو تارخ طبری، تاریخ الکامل اور تاریخ ابن خلدون جیسا کہ منصور نے اہل خراسان کے ساتھ کیا۔ ویسا ہی عبداللہ ابن الحسن کے ساتھ کیا۔ ابھی یہ قیدی ہی میں تھے یا قید بھگت رہے تھے۔ اس سے پہلے ہی منصور نے جھوٹی خبر عبداللہ ابن الحسن کے پاس پہنچا دی کہ تمہارے دونوں بیٹوں نے خروج کیا اور وہ قتل کر دیئے گئے۔ اس وقت عبداللہ بن الحسن نے یہ فقرے کہے تھے۔ (تاریخ طبری عربی۔ الجزاالتاسع صفحہ نمبر ۱۹۹)

نفس الزکیہ کے حالات

اب ہم محمد نفس الزکیہ کے حالات بیان کرتے ہیں۔ ریاح والئی مدینہ نے محمد نفس الزکیہ کی بہت تلاش کی اور ہر طرح سے اُنھیں تنگ کرنے کی کوشش کی۔ ہر طرف آدمی دوڑا دیئے۔ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ کس طرح خوف کی حالت میں پہاڑوں سے بھاگتے ہوئے اُن کا چھوٹا بچہ گود سے گر کر مر گیا۔ یہ تفتیش یہاں تک تیز ہو گئی تھی کہ ایک دفعہ اُنھیں ڈول کے ذریعہ سے اندر کنویں میں اُتر کر بھی چھپنا پڑا۔ جب یہ تلاش بہت شدید ہو گئی اور زندگی تلخ ہو گئی تو تنگ آمد جنگ آمد کے اصول پر جناب محمد نے ۲۸ رمہ۔ جمادی الآخر ۱۴۵ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲ ےکو ظہور فرمایا۔ فوراً ہی آپ کی رفتار فتوحات بہت تیز ہو گئی بہت جلد تمام حجاز و یمن پر قبضہ ہو گیا اور اُنھوں نے اپنے گورنران مقامات پر بھیج دیئے۔ منصور ڈر گیا۔ تمام لوگوں نے محمد نفس الزکیہ کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا۔ اور ان کی بیعت عام ہو گئی۔ ریاح حاکم مدینہ جس نے اتنے ظلم آپ پر اور آپ کے خاندان پر کیے تھے اور آپ کی تلاش میں کوئی دقیقہ

فردگزاشت نہ کیا تھا۔ گرفتار ہوکر ان کے سامنے لایا گیا۔کوئی اور ہوتا تو فوراً قتل کا حکم دیتا انھوں نے محض اس کی قید پر اکتفا کی۔حکومتکے ساتھ چلنے والے فقہاء نے بھی منصور کی نکث بیعت اور نفس الزکیہ کی بیعت کا فتوے دیدیا۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے بھی نفس الزکیہ کی بیعت کرلی۔ان کی فتح اتنی یقینی ہوگئی تھی۔

(تاریخ اسلام جلد اول مولفہ ماسٹر ذاکر حسین مطبوعہ ۱۹۱۸ صفحہ نمبر ۵۴۔)

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم صفحہ نمبر ۲۶۶)

اردو ترجمہ تاریخ الکامل مجلد پنجم حصہ اول ۱۱۷)

عیسٰی بن موسٰی و محمد نفس الزکیہ کی جنگ

منصور نے عیسٰی بن موسٰی بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو ایک نہات زبردست فوج کے ساتھ محمد نفس الزکیہ پر حملہ کرنے کی غرج سے مدینہ بھیجا اور بہت سے خط اپنے دستخطوں کے عمائد مدینہ کے پاس بھیجے جن میں اُنھیں نفس الزکیہ کو چھوڑ دینے کی ترغیب دی تھی عیسٰی بن موسٰی نے خود بھی بہت سے خطوت اس مضمون کے آبی طالب کے پاس بھیجے۔منصور نے عیسٰی بن موسٰی کو لکھا کہ آل ابیطالب میں سے جو شخص تم سے ملنے آئے تم اس کا نام مجھے لکھ بھیجو اور جو نہ آئے اس کی املاک ضبط کرلو۔جناب امام جعفر صادق اس سے ملنے نہیں گئے اور انکی جائداد ضبط کرلی گئی۔عیسٰی بن موسٰی جب مدینہ کے بہت قریب مقام اعوص پر آگیا اور محمد نفس الزکیہ نے اس کی طاقت اور اس کے خطوط کا اثر ملاخط کیا تو آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں بیان کیا کہ میں تو منصور سے اسلام کی خاطر لڑ رہا ہوں اور شہد ہونے سے نہیں ڈرتا۔لیکن تم کو اختیار دیتا ہوں کہ تم ہمیں چھوڑ کر جاسکتے ہو۔اس بیان کا سننا اکہ ان سے ساتھی ان کو چھوڑ کر چلے گے یہ صرف تین سو ۳۰۰ آدمیوں کی معیت میں رہ گئے ان لوگون نے بہت شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور خوب لڑے۔یہ لڑائی مقام جرف حوالی مدینہ میں ہوئی۔جب محمد کے آدمیوں نے دیکھا کہ عیسٰی نے اپنے آدمی مدینہ کے اندر بھیج دیئے ہیں تو اُن کا دل ٹوٹ گیا۔لڑتے لڑتے محمد کے ایک تیر آن کرلگا اور یہ گر پڑے۔یہ واقعہ ۱۵ ماہ رمضان ۱۴۵ ہجری مطابق ۶ دسمبر ۷۶۲ء کا ہے۔محمد اور ان کے ساتھیوں کے سر منصور کے پاس بھیج دئے گئے اور انکے جسموں کو سولی پر چڑھا دیا گیال۔

نفس الزکیہ کی شکست وشہادت ابراھیم کی شکست وشہادت

محمد نے اپنے بھائی ابراہیم کو کوفہ کی طرف بھیج کر یہ کہا تھا کہ تم بھی اسی دن خروج کرنا جس دن میں خروج کروں۔اور اپنے خروج کرنے کا دن ان کو بتادیا تھا۔لیکن چند مجبوریوں کی وجہ سے محمد نے قبل از وقت مقررہ خروج کردیا۔جبکہ ابراہیم تیار نہ تھے۔لیکن پھر بھی خون حیدری رگوں میں دوڑ رہا تھا۔خلیفہ کی فوج کو کوفہ کے پاس شکست دی۔یہ خبر منصور کو ملی تو وہ کوفہ چھوڑ کر بھاگنے پر تیار ہوگیا۔اب اس نے پھر اُسی عیسٰی بن ہوئے کو ایک بڑی فوج دیکر

ابراہیم کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ کوفہ کے متصل دریائے فرات پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ عیسیٰ اور اسکی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب ابراہیم کو مشورہ دہ دیا گیا کہ ان کا تعاقب کریں۔ اگر تعاقب کرتے تو فتح کامل یقینی تھی۔ لیکن یہ لوگ حکومت کے لئے نہیں بلکہ حق کے لئے لڑ رہے تھے اور کوئی ناحق بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ کا قول ہے کہ بھاگتے ہوئے دشمن پر حملہ نہ کرو عیسیٰ اور اسکی فوج نے دیکھا کہ تعاقب نہیں ہوا۔ المرء یقیس علی نفسہ۔ انھوں نے سمجھا کہ عدم تعاقب کمزوری کا ثبوت ہے۔ پلٹ پڑے اب جو لڑائی ہوئی تو عین لڑائی میں ابراہیم کے ایک تیر لگا جس سے وہ گر پڑے اور انتقال کر گئے۔ ان کی فوج میں ابتری پھیل گئی اور وہ متفرق ہو گئے۔ یہ واقعہ ۲۴ رذی قعدہ ۱۴۵ ہجری مطابق ۱۴ رفروری ۷۶۳ء کا ہے۔

نفس الزکیہ کے مددگار بنو ہاشم

بنو ہاشم میں سے نفس الزکیہ کے ہمراہ مندرجہ ذیل بزرگ تھے موسیٰ برادر نفس الزکیہ حسین و علی پسران زید ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب حمزہ عبداللہ بن عبداللہ بن محمد بن الحسین

علی و زید پسران حسن بن زید بن علی ابی طالب وان دونوں کے والد حسن بن زید منصور کے پاس تھے۔

حسن و یزید و صالح پسران معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب قاسم بن اسحٰق بن عبداللہ بن جعفر بن ابو طالبؑ (ان کے والد اسحٰق بھی منصور کے ساتھ تھے۔ (اردو ترجمہ تاریخ الکامل لابن کثیر مجلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۳۸)

طبری نے فطرت انسانی کے گرنے کی ایک عجیب مثال لکھی ہے۔ علاوہ ان اشخاص کے اس نے المرجی علی بن جعفر بن اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کو بھی لکھا ہے کہ یہ محمد کے ساتھ شریک تھے اور ان کے باپ جعفر بن اسحاق منصور کی طرف تھے۔ منصور نے پوچھا کہ یہ المرجی علی کون ہے۔ خدا اسے برباد کرے۔ جعفر بن اسحٰق بول اُٹھے حضور یہ میرا بیٹا ہے۔ حکم ہو تو خدا کی قسم میں اسے اپنا بیٹا ہی تسلیم نہ کروں۔ بجائے اس کے کہ اپنے اثر و رسوخ سے اپنے بیٹے کی سفارش کرتے۔ گل افشانی کی تو یہ کی۔ (تاریخ طبری عربی الجزالتاسع صفحہ نمبر ۲۳۲)

حسن بن زید سے منصور نے ایک دفعہ کہا کہ گویا میں تمھارے دونوں بیٹوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تلواریں لئے قبائیں پہنے محمد کے سامنے کھڑے ہیں۔ حسن بن زید نے کہا کہ اے امیر المومنین میں تو انکی سرتابی اور سرکشی کی ہمیشہ آپ سے شکایت ہی کیا کرتا تھا اس میں میرا کیا قصور ہے۔ منصور نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے تمہاری مرضی کے خلاف محمد کا ساتھ دیا۔ (تاریخ طبری عربی الجزالتاسع صفحہ نمبر ۲۳۲)

ابن الاثیر کہتا ہے کہ محمد اور ان کے ساتھیوں کے سر عیسیٰ بن موسیٰ نے محمد ابن ابی الکرام بن عبداللہ بن علی بن عبداللہ جعفر بن طالبؑ کے ہاتھ منصور کے پاس بھیجے۔ اور فتح کا مژدہ قاسم بن زید بن الحسن علی ابی طالب کے ہاتھو منصور کے پاس بھیجا۔ (اردو ترجمہ تاریخ الکامل مجلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۳۶، ۱۳۷)

ان میں سے ایک حضرت جعفر طیار کی اولاد میں سے تھے اور دوسرے حضرت علی بن ابی طالبؑ کی اولاد

میں سے تھے۔ اور جب یہ سر اور یہ مژدہ فتح منصور کے پاس پہنچے تو اس وقت اسکے پاس قاسم کے والد حسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب بیٹھے ہوئے تھے سروں کو دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ وہاں کے لڑکوں نے ان کے منھ میں تھوک دیا اور منصور کے حکم سے سزا کے طور پر ان کی ناک توڑی گئی۔ (اردو ترجمہ تاریخ الکامل مجلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۳۶، ۱۳۷)

یہ سب واقعات ہم اس وجہ سے لکھ رہے ہیں تاکہ ناظرین کو جناب ائمہ علیہم السلام کی مشکلات کا اندازہ ہو جائے کہ محض شمع علم کو فروزاں رکھنے کے لئے انھیں کتنی وقت در پیش آئی تھی۔ دشمن نے خود ان کے خاندان میں سے لوگوں کو اپنی طرف ملا لیا تھا دوسرے رشتہ داروں ایسے تھے کہ دشمن کے ظلم کی طاقت صبر نہ رکھتے ہوئے اس سے لڑ پڑتے تھے۔ دشمن کا شبہ ان پر ضرور ہوتا ہوا۔ گھر میں جاسوس اور چغل خوروں کا بھی ڈر تھا۔ غرضکہ رسول خداؐ کی حدیث میں جو بارہ اماموں کا ذکر تھا۔ وہ بارہ کی تعداد پوری تو ہوئی لیکن بڑی مشکل سے۔

اب منصور نے اپنا کینہ مدینہ اور بصرہ پر نکالا۔ محمد ابراہیم کے دوستوں اور ساتھیوں کو پکڑوا کر سب کو سولی دیدی۔ اُن کے مکانات منہدم کرا دیئے۔ اُن کے کھجوروں کے باغوں کو برباد کر دیا۔ حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کی اولاد کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ مدینہ کو جو سہولتیں ملی ہوئی تھیں وہ ختم کر دیں مصر سے غلہ اور دیگر اشیاء جو آتی تھیں وہ بند کرا دیں امام جعفر صادقؑ نے اپنی جائداد یہ کہہ کر واپس مانگی کہ میں اس تحریک میں شریک نہ تھا جواب ملا کہ اگر تم بولے تو تم کو بھی قتل کرا دوں گا۔ جتنے قیدی قصر ہبیرہ میں باقی تھے ان سب کو قتل کرا دیا۔

(Amir Ali history of the saracens chapi xv p 223)

عیسیٰ بن موسیٰ کا بدانجام

محمد ابراہیم دونوں کو عیسیٰ ابن موسیٰ نے شکست دیکر قتل کیا۔ یہ عیسیٰ بن موسیٰ وصیت کے بموجب منصور کا ولیعہد تھا۔ یا تو اس نے حق ولی عہدی ادا کیا۔ یا یہ سمجھا کہ اگر ان کو راستہ میں سے ہٹا دوں گا تو مجھے بھی آرام ملے گا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ امید ہی بر نہ آئی۔ اور منصور نے اس کو ولیعہد سے معزول کر کے اپنے بیٹے عہدی کو اپنا ولیعہد و جانشین مقرر کر دیا۔ اس کے حالا دلچسپ ہیں۔ لہٰذا ہم ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں

۱۴۷ ہجری مطابق ۷۶۴ء میں عیسیٰ بن ہوئے بن محمد بن علی کو منصور نے ولیعہد سے برطرف کر کے اپنے بیٹے مہدی کو اپنا ولیعہد مقرر کیا۔ سفاح کے زمانہ سے اب تک برابر عیسیٰ بن موسیٰ ولایت عہد و امارت کوفہ پر مقرر رہا۔ مہدی بڑا ہوا اور منصور نے اس کے لئے بیعت کا عزم کیا تو اُس نے عیسیٰ بن موسیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ تم اپنے تئیں اس عہدے سے الگ کر لو۔ لیکن عیسیٰ بن موسیٰ نے صاف انکار کر دیا جب سے منصور اس کو برابر ستانے لگا۔ دربار میں اس کی عزت گھٹا دی اور مہدی کو اس سے پہلے کر دیا۔ پھر اُس کے ہی گھر میں چھت پر سے سوراخ کر کے مٹی ڈلوانے لگا۔ اگر کبھی کپڑوں پر سے مٹی صاف کرنی رہ جاتی اور عیسیٰ دربار میں جاتا تو اس پر

بہت خفا ہوتا تھا۔ پھر منصور نے اپنے چچا عیسیٰ ابن علی کو اس کے پاس بھیجا۔ لیکن عیسیٰ بن موسیٰ نے کسی طور سے ولی عہدے سے برخواست ہونا منظور نہ کیا۔ پھر اُسے خفیہ زہر دیدیا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے پیٹ میں تکلیف محسوس کی۔ بیمار ہوگیا اور اجازت لیکر اپنے گھر الکوفہ میں چل دیا۔ علاج کرنے سے اچھا ہوگیا۔ عیسیٰ ابن علی نے منصور سے کہا کہ دراصل عیسیٰ ابن موسیٰ اپنے بیٹے موسیٰ کی وجہ سے ولی عہدی نہیں چھوڑتا۔ منصور نے کہا کہ موسیٰ اُس کے بیٹے کو ڈراؤ۔ موسیٰ ڈر گیا اپنے باپ عیسیٰ بن موسیٰ سے درخواست کی کہ وہ ولی عہدی چھوڑ دے۔ لیکن وہ نہ مانا ایک دن دربار میں جب موسیٰ اور عیسیٰ بن موسیٰ دونوں موجود تھے تو منصور نے اپنے حاجب ربیع سے کہا کہ جا اور موسیٰ کا گلا گھونٹ کر مار ڈال۔ ربیع آیا اور موسیٰ کا گلا پکڑ کر گھونٹنے لگا اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ اسے مار ڈالے گا۔ لیکن دراصل اُس نے روز نہ لگایا۔ موسیٰ غل مچانے لگا کہ اللہ اللہ اے امیر المومنین میری جان بچایئے اور منصور کہتا جاتا تھا کہ اے ربیع اس کا گلا گھونٹ دے۔ عیسیٰ ابن موسیٰ نے جو اپنے بیٹے کا کا یہ حال دیکھا تو گھبرا گیا اور کہا واللہ اے امیر المومنین مجھے خیال نہ تھا کہ آپ اس بات کو یہاں تک پہنچادیں گے۔ اب آپ اس کو چھوڑ دیجئے۔ یہ مرا ہاتھ المہدی کی بیعت کے لیے موجود ہے۔ میں آپ سے قسم کھاتا ہوں، اب المہدی ولی عہد ہو گیا۔ عیسیٰ ابن موسیٰ برطرف کردیا گیا۔

منصور بانی سلطنت عباسیہ کا ایک اور کارنامہ ملاحظہ ہو۔ جب عیسیٰ بن موسیٰ دست بردار ہوگیا تو منصور نے اپنے چچا عبداللہ ابن علی کو اُس کے سپرد کر کے کہا اسکو قتل کردینا۔ خبردار اس امر میں کمزوری نہ دکھانا۔ ورنہ تو میرے اُس امر کو بگاڑ دیگا جس کی میں نے تدبیر کی ہے پھر منصور مکہ چلا گیا راستہ سے عیسیٰ ابن موسیٰ کو لکھا کہ تو نے میرے اس کام کو جو میں نے حکم دیا تھا کیا عیسیٰ بن موسیٰ نے جواب میں لکھ کہ ہاں میں نے وہ کام کردیا ہے۔ منصور کو یقین ہوگیا کہ عبداللہ ابن علی قتل ہوگیا لیکن جب عیسیٰ بن موسیٰ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ دراصل تیرے قتل کا ہی پیش خیمہ ہے وہ مکہ سے واپس آکر تجھ سے اپنے چچا کو واپس مانگے گا اور اگر تو کہے گا کہ میں نے اُسے تیرے حکم سے قتل کردیا تو وہ نہ مانے گا اور اپنے چچا کے قصاص میں تجھے قتل کریگا۔ لہٰذا عیسیٰ نے اُسے قتل نہ کیا۔ جب منصور واپس آیا تو اُس نے عیسیٰ ابن موسیٰ سے اپنے چچا عبداللہ ابن علی کو واپس مانگا۔ عیسیٰ نے کہا کہ میں نے تو آپ کے حکم سے اُسے قتل کردیا اور آپ کو اطلاع بھی دیدی۔ منصور نے کہا کہ تو غلط کہتا ہے اور پھر اپنے چچاؤں سے مخاطب ہوکر کہا کہ اب تم عیسیٰ کو اپنے بھائی کے قصاص میں قتل کرڈالو وہ اس کو قتل کرنے کیلئے چلے۔ راستہ میں عیسیٰ نے کہا کیا تم واقعی مجھے قتل کروگے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ اُس نے کہا مجھے پھر امیر المومنین کے پاس واپس لے چلو۔ وہ واپس لے آئے تو عیسیٰ نے کہا کہ یہ ترکیب آپ نے میرے قتل کے لیے کی تھی۔ آپ کا چچا عبداللہ ابن عباس موجود ہے۔ اسنے کہا کہ پیش کرو۔ عیسیٰ نے پیش کردیا۔ منصور نے کہا اچھا اب میں اس کو اپنے سامنے بنیادیں نمک پر تھیں اور اُس کی بنیاد میں پانی چھوڑ دیا۔ کمرہ عبداللہ ابن علی پر گر گیا اور وہ مرگیا یہ ہے وہ

خلافت جو جناب رسول خداؐ کی جانشینی کہلاتی ہے۔ (اردو ترجمہ تاریخ الکامل مجلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۹)

اب ہم کچھ حال ان قیدیوں کا اور اس قید خانہ کا ابو الفرج اصفہانی اموی کے مقاتل الطالبین سے سناتے ہیں۔ (مقاتل الطالبین مطبوعہ ۱۹۴۹ء بدا یا احیاء الکتب العربیہ صفحہ نمبر ۹۷ انعایہ ۱۰۴)

مندرجہ ذیل بزرگ وار اس قید خانہ میں قتل کیے گئے یا دوسری طرح مار دیے گئے

(۱) عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی ابن بی طالب

۷۵ برس کی عمر میں ۱۴۵ھ میں قید خانہ میں قتل کر دیے گئے۔

(۲) حسن بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب

قید خانہ میں ۶۸ برس کی عمر میں ذی قعدہ ۱۴۵ھ فوت ہوئے۔

(۳) ابراہیم بن الحسنؑ بن الحسنؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ

سب سے پہلے یہ قید خانہ میں فوت ہوئے۔ انکی عمر ۶۷ سال کی تھی۔

قیدیان آل حسن کی شہادت

ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت الحسینؑ تھیں۔ جب ان کے والد حسنؑ یعنی شوہر فاطمہ کا انتقال ہونے لگا تو اُنھوں نے بہت جزع وفزع کی۔ لوگوں نے کہا آپ کیوں موت سے اتنا ڈرتے ہیں۔ آپ تو خاندار سالت سے ہیں اُنھوں نے کہا کہ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ اس بات سے صرتا ہوں کہ میرے بعد میری زوجہ سے عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان نکاح کریگا۔ جناب فاطمہ کو یہ سنکر بہت رنج ہوا اور کہا کہ میں تمھارے بعد کبھی دوسرا شوہر نہ کروں گی اور اگر کروں تو میرے تمام غلام ولونڈیاں آزاد ہو جائیں۔ حسن کو یہ سننے سے سکون ہوا۔ ایسا سکون کہ پھر آنکھ نہ کھولی اور انتقال کر گئے۔ زمانہ عدت کے بعد عبداللہ بن عمرو نے پیغام نکاح بھیجا۔ فاطمہ نے انکار کیا لیکن فاطمہ کی ماں نے اصرار کیا کہ نکاح کرلیں اور دھوپ میں جا کر کھڑی ہوگئیں کہ میں یہاں سے کبھی نہ ٹلوں گی جب تک تو نکاح کی رضامندی نہ دیگی۔ مجبوراً اُنھوں نے رضامندی دیدی۔ نکاح ہوا۔ عبداللہ عمرو نے قسم پوری کی اور اُن سے محمد بن عبداللہ بن عمرو پیدا ہوئے۔ جنھوں نے عبداللہ بن الحسن بن الحسنؑ اپنے بھائی کا حق وفا ادا کیا۔ اُن کے ساتھ ہی قید ہوئے۔ اور سب سے پہلے قتل کر دیے گئے۔

(۴) علی بن الحسن بن حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ

یہ ۴۵ سال کی عمر میں قید خانہ ہی میں محرم ۱۴۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ انکا تھوڑا سا حال ہم ابھی سناتے ہیں۔

(۵) عبداللہ حسنؑ بن حسنؑ بن الحسنؑ بن علیؑ بن بیطالبؑ

۴۶ سال کی عمر میں قید خانہ میں ذی الحجہ ۱۴۵ء میں فوت ہوئے۔

(۶) عباس بن حسنؑ بن حسنؑ بن الحسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ

جب ان کو منصور کے جلاد قید کرنے آئے تو یہ اپنے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے۔ جب ان کی والدہ کو خبر ہوئی تو وہ روتی ہوئی آئیں اور کہا کہ ان کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دو تا کہ میں اسکو گلے سے تو لگا لوں۔ اُن جلادوں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ جب تک تو اس دنیا میں زندہ ہے۔ کبھی اس کو گلے سے نہیں لگا سکے گی۔ یہ نہایت خوب صورت تو جوان تھے۔ قید خانہ ہی میں ۳۵ سال کی عمر میں ۲۳ / ماہ رمضان ۱۴۵ ہجری میں انتقال کر گیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب قیدی قتل ہی کے ارادہ سے لے جائے گئے تھے جب ہی تو جلادوں نے کہا کہ تو اب ان سے نہ مل سکے گی جب تک زندہ ہے۔ قید خانہ بھی ایسا ہی تھا کہ اس میں کوئی زیادہ عرصہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا تھا۔

(۷) اسماعیل بن ابراہیم بن الحسنؑ بن الحسنؑ بن علیؑ ابن بیطالبؑ

(۸) محمد بن ابراہیم بن الحسنؑ بن الحسنؑ علی ابن ابی طالبؑ

نہایت حسین تھے۔ اپنی خوب صورتی کی وجہ سے دیباج الاصغر کہلاتے تھے۔ جب منصور نے ان کو دیکھا تو کہا کہ تجھ ہی کو لوگ دیباج الاصغر کہتے ہیں انھوں نے کہا ہاں۔ منصور نے کہا کہ میں تجھ کو اس طرح قتل کراؤ گا کہ اس طرح تیرے اہلبیتؑ میں سے کوئی اور قتل نہیں ہوا پھر اس نے ایک بڑا پتھر کا ستون منگوایا۔ اس کو بیچ میں سے توڑا۔ دونوں حصوں کے درمیان اس نوجوان مظلوم کو زندہ رکھکر ستون کو چنوا دیا۔ اسواقعہ کو ابن الاثیر وطبری نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ طبری کہتا ہے کہ یہ ایسے حسین تھے کہ لوگ ان کو دیکھنے آیا کرتے تھے۔

(اردو ترجمہ تاریخ الکامل لابن الاثیر مجلد پنجم عہد بنی العباس حصہ اول صفحہ نمبر ۱۳)

یہاں تک کہا ابن خلدون جیسا متعصب مورخ اس ظلم کے تعبال پر مجبور ہو گیا۔

(اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم صفحہ نمبر ۲۶۴)

ستون میں چنے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد ابن خلدون کہتا ہی کہ بعد از ان عبداللہ بن حسن اور پھر علی بن حسنؑ نے وفات پائی۔ منصور کے حکم سے یہ لوگ شہید کیے گئے۔ ان مین بحز سلیمان وعبداللہ پسران داؤد اسحاق واسمٰعیل پسران ابراہیم اور جعفرؑ بن حسنؑ کے اور کوئی جانبر نہیں ہوا۔ یکے سب کمال بے کسی سے منصور کے پنجہ ظلم کے نذر ہو گئے۔ اور بچو بچے وہ بھی بعد میں قتل کر دیئے گئے۔

(۹) علی بن محمد بن عبداللہ بن الحسنؑ ابن الحسنؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ

یہ محمد نفس الزکیہ کے صاحبزادے تھے ان کو انکے والد نے مصر بھیجا وہاں گرفتار کر لئے گئے۔ منصور کے پاس بھیج دیے گئے۔ منصور نے ان کو اس ہی قید خانہ میں ڈال دیا اور وہیں مر گئے۔

(۱۰) محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان

یہ بنی حسن میں سے نہ تھے۔ لیکن انکے ساتھ قید کردیے گئے تھے کیونکہ یہ بنو حسن کے رشتہ دار اور ہمدرد تھے۔ انکا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ان کی بیٹی رقیہ تھیں جنکا عقد ابراہیم ابن عبداللہ ابن الحسنؑ ابن الحسنؑ برادر محمد نفس الزکیہ سے ہوا تھا ان قیدیوں میں موسیٰ ابن عبداللہ الحسنؑ برادر محمد نفس الزکیہ تھے لیکن چونکہ وہ بعد میں قید سے نکل گئے۔ لہٰذا ابوالفرج نے ان کا ذکر مقاتل الطالبین میں نہیں کیا۔ ان کا حصہ یہ ہے راور یہ روایت خود ان کی زبانی ہے۔ کہ منصور نے ان کے باپ عبداللہ بن الحسنؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم ایک آدمی کو میرے پاس بھیج دو لیکن یہ یاد رکھو کہ وہ واپس تمھارے پاس نہیں آئے گا۔ اس پر عبداللہ ابن الحسنؑ کے بہت سے بھتیجوں نے اس قربانی کے لئے اپنی تیئں پیش کیا لیکن عبداللہ ابن الحسنؑ نے کہا کہ میں اپنے بچوں کی خاطر اپنے بھتیجوں کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ چنانچہ اُنھوں نے موسیٰ کو منصور کے پاس بھیجا۔ یہ بہت کم سن تھے۔ موسیٰ کہتے ہیں کہ جب میں دربار میں پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی منصور نے حکم دیا کہ اس کو کوڑے مارو۔ چنانچہ مجھے اتنی کوڑے مارے گئے کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ جب مار ختم ہوہوئی اور مجھے ہوش آیا تو منصور نے میرے خونکا ایک ڈول بھروایا اور وہ مجھے زبردستی پلایا یا۔ پھر اُس نے کہا تم جاؤ اور اپنی بھائیو محمد وابراہیم کو لاؤ مجھے خط دیکر مدینہ بھیج دیا۔ اس طرح قید سے رہائی ہوئی لیاح نے شکایت کی کہ وہ محمد لوتلاش نہیں کرتا۔ پھر انکو منصور کے پاس بھیجدیا۔ طبری نے نہیں لکھا کہ منصور نے پھر ان کے ساتھ کیا کیا۔ (تاریخ طبری عربی الجزالتاسع صفحہ نمبر ۱۹۶)

معلوم نہیں جبراً کسی کو اپنا خون پینے پر مجبور کرنا شریعت اسلامی کے کس قاعدہ کے ہو جب ہے۔ غالباً ہلاکو خان نے اپنی حالت کفر میں ان اسلامی بادشاہوں کی یہ روایات سنکر انسانوں کے خون پینے کو مباح کیا تھا۔ لیکن وہ دشمنوں کا خون پیتے تھے۔ کسی شخص کو اپنے ہی خون پینے پر مجبور کرنا ظلم کی وہ نوع تھی جس کی تقلید وحشیوں نے بھی نہ کی۔

علی بن الحسنؑ بن الحسنؑ ابن الحسن بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا حال

اب ہم اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں اور علی بن الحسنؑ بن الحسنؑ ابنالحسن بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا حال لکھتے ہیں۔ نہایت عابد وزاہد تھے۔ ان کی زوجہ زینب بنت عبداللہ بن الحسن بھی ایسی ہی عابدہ وزاہدہ تھیں۔ ایک دفعہ مکہ کی کسی سڑک پُرہ نماز پڑھ رہی تھی ایک افعی دامن کے نیچے سے ان کی پوشاک میں داخل ہوگیا۔ اور قمیص کے گریبانسے نکل کیا لوگوں نے غل مچایا کہ آپ کے پوشاک میں سانپ ہی۔ یہ رجو عقلب کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اسی طرح نماز میں مشغول رہے اور نماز کو منقطع نہ کیا سانپ پوشاک پر سے ہو کر گذر گیا آپ کا انتقال ۴۵ سال کی عمر میں قید خانہ میں ۲۲ محرم ۱۴۶ ہجری کو ہوا۔

جب بنو حسن کو گرفتار کر کے زنجیریں پہنائی گئی ہیں تو وہ بہت بھاری اور تکلیف دینے والی تھیں جس شخص کے

پاس ہولا نیجاتی تھیں۔ ان کو دیکھ کر غل وشور کرتا تھا۔ یہ اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہا تم لوگوں نے کتنی جزع وفزع کرر کھی ہے۔ یہ تو ابھی شروع ہی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا پاؤں بڑھایا اور اس میں زنجیریں ڈالی دی گئی۔

حسن ابن جعفرؒ کہتے ہیں کہ جب ہم قید ہورے تو ہمارے ساتھ علی ابن الحسن بھی تھے ہمارے گلے کے طوق ذراڈھیلے تھے۔ ہم ان کو آتا دیتے تھے اور جب محافظ کے آنے کا خوف ہوتا تھا تو پہن لیتے تھے لیکن علی ابن الحسن یہ نہیں کرتے تھے۔ ان کے چچا نے اُن سے کہا کہ اے بیٹے تم بھی ایسا کیوں نہیں کر لیتے۔ انھوں نےجواب دیا کہ نہیں میں ہرگز نہ اتاروں گا۔ یہانتک کہ میں اور منصور خدا کے پاس جمع ہوں اور خدا ان سے پوچھے کہ علی ابن الحسنؑ کو کس جرم میں قید کیا تھا۔

وہ قید خانہ جس میں نبوحسن قید کیے گئے تھے ایسا تنگ وتاریک تھا کہ اس میں دن ورات کی تمیز نہ ہوتی تھی اوروقت نماز صرف علی ابن الحسنؑ کی تسبیح سے معلوم ہوا کرتا تھا۔ (طبری عربی الجزء التاسع صفحہ نمبر ۱۹۹)

اور وہ اس میں ۶۰ راتوں تک مجبور رہے۔ ایک دن عبداللہ ابنا الحسنؑ بن الحسنؑ ولاد محمد نفس الزکیہ اس قید سے بہت تنگ آگئے اور علیؑ ابن الحسنؑ سے کہا کہ خدا سے دعا کرو کہ ہم سے اس بلا کو دور کرے۔ علیؑ ابن الحسنؑ نے نہایت اچھا جواب دیا۔ فرمایا کہ اے چچا اس مصیبت کی وجہ سے ہمیں جنتمیں وہ فرجہ آعلی ملے گا جو بغیر اس بلا کے نہ ملتا۔ اوراسی طرح منصور کے لئے دوزخ مین وہ فرجہ ہے۔ جس حد تک وہ نہ پہنچا بغیر اس ظلم کے۔ بس اب یا تو آپ صبر کریں یہاں تک کہ ہم مرجائیں اور اس غم سے نجات پائیں۔ گویا وہ کبھی تھا ہی نہیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو خدا سے دعا کریں کہ وہ ہم کو اس بلا سے نجات دے اور منصور کے لئے آگ کے اس درجہ کو کم کردے۔ اس پر عبداللہ ابن الحسنؑ نے جواب دیا کہ نہیں ہم صبر کریں گے۔ اس کے تین دن بعد ہی وہ سب گئے یا قتل کر دیے گئے

زید ابن علیؑ، محمد وابرہیم پسران عبداللہ ابن الحسنؑ اور نبوالحسن کے واقعات پر غور کرنے کے بعد مسئلے اپنے تئیں بغرض حل پیش کرتے ہیں اور کئی تاریخ واقعات ثابت ہوتے ہیں۔

واقعات جو ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) نہ تو زید نے اور نہ محمد وابرہیم نے دراصل حکومت کا تختہ اُلٹنے کی تجویز کی تھی۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ اب عزت کی زندگی ناممکن ہے اور جس سختی سے ہماری تلاش کی جارہی ہے اس کا آخری نتیجہ ہمارا قتل ہوگا اور جس حکومت کے خلاف ہم کھڑے ہوتے ہیں وہ اسلام کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ حفاظت خوداختیاری خروج کرنا چاہیے۔

(۲) امام علیؑ ابن الحسینؑ امام محمد باقرؑ وامام جعفر صادق علیہما السلام نے ان تحریکات میں مطلق حصہ نہیں لیا اور خروج کرنے والوں کو ان کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

(۳) اولاد امام حسنؑ جو قید کی گئی اور بعد میں قتل کی گئی بالکل بے گناہ تھی۔ اُنھوں نے خروج کرنے والوں کی نہ مدد کی۔ نہ ان کو اس پر آمادہ کیا اور نہ ان سے سروکار رکھا محض ان کے رشتہ دار تھے اور رشتہ داری پر ان کا اختیار نہ تھا۔

(۴) نفس الزکیہ منصور کے گنہگار نہ تھے بلکہ منصور ان کا گنہگار تھا۔ کیونکہ اس نے نفس الزکیہ کی بیعت کر کے نکث بیعت کیا۔ نفس الزکیہ نے کبھی اس بیعت نہیں کی۔

(۵) زید ابن علی اور نفس الزکیہ دونوں دھوکہ، فریب اچانک قتل اور معاہدہ شکنی سے احتراز کیا جس طرح حضرت علیؑ نے کیا تھا۔ اگر وہ یہ طریقے استعمال کرتے تو ان کی دنیاوی کامیابی یقینی تھی۔ برخلاف اس کے منصور نے جناب محمد کے ساتھ ہر وقت دھوکہ کیا اور دھوکہ ہی کی وجہ سے ان کو قبل از وقت معینہ و مقررہ خروج کرنا پڑا جو ان کی دنیاوی شکست کا موجب ہوا۔

(۶) لاش کو عرصہ تک سولی پر لٹکانا اور دفن نہ کرنا، زندہ آدمی کو ستون میں چنون ایسے قید خانہ میں قید کرنا جس میں ہوا اور روشنی نہ آسکے اور اوقات نماز معلوم ہوسکیں، یہ سب امور خلاف شریعت ہیں۔

اعتراض جو ان واقعات سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) زاید ابن علی اور نفس الزکیہ پر تھے یا ناحق پر تھے۔ اگر وہ ناحق پر تھے تو ان کے زمانہ کے بادشاہوں کا ان کو قتل کرنا جائز تھا۔ اگر وہ حق پر تھے تو حق کی مدد کرنا ہر ایک کا فرض ہے خصوصاً امامؑ کا۔ امام محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ نے کیوں ان کی مدد نہ کی۔

(۲) رشتہ دار یکے بعد دیگرے قتل ہوتے رہے۔ قید کئے گئے۔ یہ ائمہ ان کو بیٹھے دیکھا کئے اور خود گوشہ عافیت مین رہے بہلکہ جو جائداد حکومت نے ضبط کر لی تھی اس کو بھی یہ کہہ کر طلب کیا کہ ہم نے تو اس تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ کیا یہ طرز عمل بزدلی، خذلان اقربا و بیجا زندگی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) خداوند تعالیٰ حق کی مدد کرتا ہے۔ مومنین کو بچاتا ہے۔ قرآن شریف میں فرماتا ہے: کذالك ننجی المومنین

(۴) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ دنیا کی عمدہ چیزوں پر پہلا حق مومن کا ہے۔ منصور تو ان نعمائے دنیا سے متمتع ہو اور بنو حسن اس قید خانہ مین ہیں۔ یہ کیا وجہ؟

اب ہم ان سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ جواب مسئلات نمبر ۱، ۲

زید ابن علی نفس الزکیہ اور بنو حسن قطعاً حق پر تھے۔ حضرت امامین علیہما السلام کی مدد کے سلسلہ میں سب سے پہلا سوال جو نظر کے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ وہ کیا موثر طریقہ سے ایسی مدد کر سکتے تھے جو آخر کار کامیابی پر منتج

ہوتی۔ظاہر ہے کہ وہ ایسی مدد نہیں کر سکتے تھے نہ ان کے پاس فوج تھی نہ روپیہ تھا نہ آدمی جوان کے خاطر اپنے تئیں خطرے میں ڈالتے اندریں صورت فقط اخلاقی وخیالی مدد ہوتی۔تو وہ اب بھی تھی۔واقعات نے یہ بتادیا کہ ان آئمہ کا یہ نتیجہ نکالنا کہ زید ابن علی ومحمد وابراہیم پسران عبداللہ ابن الحسن اپنی تجاویز میں کامیاب نہ ہوں گے واقعات کے صحیح اندازہ پر مبنی تھا۔یہ تو ثابت ہے کہ محمد الباقرؑ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ زید خروج کرینگے اور کامیاب نہ ہونگے اور جناب جعفر صادق نے محمد نفس الزکیہ کو خروج کرنے سے منع کیا تھا۔ہم کہتے ہیں کہ یہ پیشن گوئی تھی جوان کی امامت کی دلیل ہے۔وہ لوگ جوان کی امامت کے قائل نہیں اتنا تو ماننے پر مجبور ہیں کہ ان کی عقل سلیم اور واقعات کے مطالعہ نے ان کو صحیح نتیجہ پر پہنچادیا تھا۔(اردو ترجمہ تاریخ الکامل لابن الاثیر مجلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۳۹)

اب یہ سوال پیدا ہے کہ حق کی مدد کرنا فعل مستحسن ہے اور وہ خود کا ثواب ہے نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو۔حق کی مدد کرتے وقت اس منطق پر جانا کہ کامیابی ہوگی یا نہ ہوگی درست نہیں۔اگر یہ درست ہے تو ہر ایک شخص اپنے تئیں یہ کہہ کر معذور ثابت کر سکتا ہے کہ میں نے سوچا اور دیکھا کہ میری مدد سے کچھ فائدہ ہوگا۔لہٰذا میں نے حق کی مدد نہ کی۔قبل اس کے کہ ہم اس پر بحث کریں یہ ضروری ہے کہ ہم معلوم کریں کہ اگر یہ دونوں امامین مدد کرتے تو کیا ہوتا آپ نے دیکھا کہ منصور کس ذہنیت کا شخص تھا۔حق و ناحق وخوف خدا، یہ امور مسائل اسکے دل سے کوسوں دور تھے۔صرف رشتہداری کی بنا پر اس نے بنو حسن کو کتنی سخت سزئیں دیں۔وہ فوراً اور قطعاً اس نتیجہ پر پہنچتا کہ اس نسل ہی کا خاتمہ کردو جس سے ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں اور تکلیف دیتے ہیں۔تاریخ اپنے تئیں اکثر دوہرایا کرتی ہے۔پہلے زمانہ کے بادشاہوں نے بھی ایسا کیا۔فرعون وموسیٰ کی مثال قرآن سے ثابت ہے کہ جس نسل سے خوف ہو اس کو منقطع کردیتے ہیں۔اولاد ذکور کو زندہ ہی نہیں رہنے دیتے۔منصور یہ کرتا کہ ان کے سب بچوں کو قتل کردیتا۔تلوار سے، زہر سے یا زہریلے مجلس میں بند کر کے۔ان آئمہ کو اپنی باپ دادا سے جو وصیت ملی تھی وہ یہ تھی کہ ابھی تمہاری اولاد کو آگے چلنا ہے۔تم فلاں فلاں کو اپنا جانشین نامزد کرتے جانا۔بغیر ان آئمہ کی آخری تعداد کے اسلام مکمل نہ ہوگا ڈوصیت جو جناب رسول خداؐ نے حضرت علی کو کی تھی اور انھوں نے اپنے جانشینوں تک پہنچائی تھی۔اس کی پابندی ضروری تھی وہ وصیت یہ تھی کہ اے علی جب دیکھو کہ لوگ دنیا کی طرف جارہے ہیں تو تم دین کی طرف جانا۔اس ہی مجبور کرنے والی وصیت کی طرف جناب عبداللہ بن الحسنؑ ابن الحسن علیہما السلام نے اشارہ کیا تھا۔جب قید کی حالت میں نجف سے گزرتے ہوئے فرمایا تھا کہ دیکھو۔اس گاؤں میں وہ شخص آرام کر رہا ہے۔جس کی وجہ سے ہم اس ظالم کے خلاف کارروائی کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔

(اردو ترجمہ تاریخ طبری، جلد سوم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۲۶۔لیکن مجھے اس ترجمہ کی صحت میں چک ہے۔کیونکہ اصل تاریخ طبری عربی والجزء التاسع صفحہ نمبر ۱۹۰ کی عبارت یہ ہے۔ **اماتدون فی ھذہ القریتہ من یمنعنہ من ھذہ اللطاغیہ** جس کا میرے نزدیک صحیح ترجمہ یہ ہے کیا تم گاؤں میں کسی کو دیکھتے ہو جو ہمیں اس سرکش سے

بچا سکے سیاق کلام بھی میرے ترجمہ کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد لکھا ہے کہ حسن ورعلی ان کے وہ بھتیجے ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہم حاضر ہیں جس کو آپ کہیں ہم قتل کرے کو تیار ہیں۔)

جناب رسول خدا کو جانشینوں میں بارہ کی خصوصیات کیوں

بہر صورت عبداللہ بن الحسن نے یہ کہا ہو یا نہ کہا ہو یہ وصیت ثابت ہی اور یہ بھی ثابت ہی کہ حضرت علیؑ نے اوران کے بعد ہر ایک امام نے اس پر عمل کیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ منجملہ دیگر فرائض کے امام وقت کا اب یہ بھی ایک فرض تھا کہ اپنی بھی حفاظت کرے اور اپنے جانشین کی جان کی بھی حفاظت کرے تا کہ یہ دور امامت مکمل ہو کر ظاہراً ملتوی ہو جائے آپ نے دیکھا کہ جب امام حسن عسکریؑ ایسے وقت شہید ہو گئے کہ اپنے فرزند حضرت مہدیؑ منتظر حجۃ القائم علیہا السلام کی دنیاوی ذرائع سے حفاظت نہیں کر سکتے تھے اور حکومت وقت اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ آپ کا کوئی جانشین زندہ نہیں چھوڑنا ہی تو خدا نے خود ان کی حفاظت کی اور ان کو لوگوں کی آنکھوں سے غائب کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بھی اسی طرح حفاظت کی تھی۔ یہ اعتراض ہوسکتا ہی کہ اگر بوقت امام جعفر صادق حق کی مدد کرتے ہوئے شہید ہو جاتے تو خدا اسی ح ان کے جانشین کو بچالیتا لیکن مشیت ایزدی صادر ہو چکی تھی کہ اثنا عشر امام ہوں اور اسکی اخبر جناب رسول خدا دیے چکے تھے۔ جیسا کہ فریقین کی احادیث میں درج ہے۔ اگر کوئی خدا اعتراض کرے کہ بارہ کے عدد میں کیا خصوصیت تھی۔ کیوں چودہ نہ ہوئے یا کیوں سات نہ ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خدائے بیچون سے چون وچرا کرنی ہے تو خود کرلو۔ ہم تو حکم کے پابند ہیں اتنا ہم جانتے ہیں کہ بسا اوقات یہ مشیت مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ جہاں تک ہم نے سوچا اس بارہ میں مصلحت یہ تھی کہ انکے زمانہ تک دنیا الحاد، بے دینی وکفر کی ہر وہ صورت وحالت جو وہ اختیار کر سکتی ہے کر چکی تھی۔ اب یہ قیامت تک نئی صورت نہ پیدا ہوگی۔ دنیا جو صورت اختیار کرتی تھی۔ اس کے مقابلہ کے لئے امام موجود تھا اور اپنے قول وعمل سے امت کو سکھاتا تھا کہ اس خاص صورت حالت کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اس میں تمھارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے غور کرلو۔ اب ان بارہ ائمہ کے بعد قیامت تک کوئی ایسی صورت وحالت نہ پیدا ہوگی جو ان بارہ اماموں میں سے کسی امام کے امامہ میں نہ رہی ہو۔ جیسا کہ علامہ مودودی نے لکھا ہے۔ شروع ہی کفر نے قصر اسلام پر حملہ کرنا شروع کردیا اور اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ شروع شروع میں اسلام کا جامہ پہن کر قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ یہ بہت خطرناک صورت حالت تھی پہلے تین آئمہ کی کوششیں اس جامہ کو چاک کرنے میں صرف ہوئیں اور انھوں نے اس کو بالکل عریاں کردیا۔ اب ساری امت یہ تسلیم کرتی ہے کہ بنو امیہ وبنو عباس کی حکومت خلافت نہ تھی۔ بلکہ دنیاوی بادشاہت تھی۔ جب ادھر سے ناکامیابی ہوئی تو کفر نے یونانی فلسفہ کی مدد لیکر اسلام پر حملہ کیا۔ اور خیر وشر مشیت وار، وہ الٰہی قسمت تقدیر جبر واختیار سزا وجزا، حیات بعد ممات، صورت نشہ وکیفیت حشر وممکن وناممکن کے مسائل میں مسلمانوں کے دماغ کو الجھا دیا تا کہ ان کا یقین چک اور چک انکار سے مبدل ہو جائے۔ امام زین العابدینؑ

سے امام موسیٰ کاظم تک کے آئمہ نے اس حالت کا مقابلہ کیا اور اپنی تعلیم وعمل سے شیطانی تعلیم کے اثر کو دور کرنا چاہا ۔ چونکہ کفر نے تلوار پر قبضہ کر لیا تھا۔ لہٰذا طاقت کا مظاہرہ تو کفر نے ہر زمانہ میں کیا۔ امام موسیٰ کاظم سے لیکر آخر تک یہ مظاہرہ کسی نہ کسی صورت میں ہو گیا۔ حتیٰ کہ بظاہر کفر نے محض قوت جسمانی سے اسلام پر غلبہ حاصل کرایا۔ اس وقت بھی یہ آئمہ موجود تھے اور امت کو بتاتے رہے کہ اب کیا کرنا چاہیئے ۔ جب کفر مسلمانوں میں اتنا سرایت کر گیا کہ انھیں حق کی بات سننے اور اہل حق کی مدد کرنے کے بالکل ناقبل بنادیا تو تبلیغ ظاہری کی آخری منزل ختم ہوگئی اور ائمہ ظاہر کی ضرورت جنہ رہی جتنا ان کو بتانا تھا بتایا جا چکا، جتنا ان کو سمجھانا تھا سمجھایا جا چکا۔ اب دنیا پر کوئی ایسی حالت نہ آئے گی جس میں سے وہ پہلے نہیں گزر چکی۔ اور جن حالتوں میں سے دنیا گزر رہی ہے اس مین ہر ایک حالت کے نے آئمہ کی تعلیم موجود ہے۔ اس کو تلاش کرو اور اس پر عمل کرو۔ اب دنیا کو دنیا والوں کیز عم میں غدا کی ضرورت نہیں رہی۔ غدا نے بھی کہا کہ جس دعقل پر تم کو نز ہے اس کو بھی کام میں لا کر دیکھ لو۔ انسان اپنی عقل کو کام میں لا رہا ہے اور اس کو معلوم ہوتا جاتا ہے کہ ہماری عقل اس بار عظیم کو اٹھانے کی اہل بنیں۔ اب خود وصاحبان عقل لکھ رہے ہیں کہ Mins at the end of its tether جب تمام دنیا والے اس بات کے قائل ہو جائیں گے تو پھر وہ آخری انقلاب آئے گا جو حشر کا نمونہ ہوگا اور جس کو قیامت صغرا کہیں گے۔ انسان تو اپنی عقل کی بے بسی دیکھ کر بہت وحیران ہوگا۔ لاچار ہوگا اور ایسے مرد غیب کا منتظر ہوگا جو اس کا بگڑا ہوا کام بنا دے۔ خدا اپنے بندوں کی اس طرح نہ چھوڑیگا اس مرد غیب کو طاہر ہونے کی اجازت دی جائیگی اور دنیا از سرنو عدل ونصاف کے ساتھ زندگی شروع کرے گی۔

خیر یہ تو جملہ مقرضہ تھا۔ کہہ رہے تھے کہ اس وصیت کو پورا کرنے کے لئے جو فرض بطور امام منصوب ومنصوص اللہ ان پر عند ہوتا ہے اس کو ادا کرتا ان ائمہ کا پہلا کام تھا اگر وہ حکومت کے خلاف تلور لے کر اٹھ کھڑا ہوتے تو بس پھر اسی دن خاتمہ تھا۔ اب دو فرائض ان آئمہ کے سامنے تھے۔ ایک فرض تو یہ تھا اقربار کی حمایت میں حکومت کے خلاف تلوار اٹھاتے اور ان کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے کیونکہ جسمانی کامیابی ناممکن تھی۔ دوسرا فرض یہ تھا کہ اسلام کی جان کو بچاتے اور تبلیغ کے زمانہ کو پورا کرتے یہ وہ لوگ تھے جو راہ خدا میں دین کے اوپر ہر ایک چیز کی قربانی کر دیتے تھے، جان کی عزت وآبرو کی فخر وغرور کی، اقربار کی محبت کی۔ لہٰذا اب بھی انھوں نے خاندانی فخر وغرور اور اقربا کی محبت کی قربانی کی۔ جس کا وادا خاموشی وصبر کے ساتھ اپنے باپ وبھائیوں اور اقرباء کو یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں قتل ہوتے ہوئے دیکھا سکتا تھا۔ اپنی ماں، وبہنوں اور پھپھیوں کی گردنوں کو ایک رسی میں جکڑا ہوا بازار عام میں تشہیر ہوتے ہوتے ہوئے دیکھ سکتا تھا خود پا بہ زنجیر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق جاسکتا تھا اور ملزموں کی شکل میں جبابرۂ کفر کے سامنے طوق ورسن کے ساتھ کھڑا ہو سکتا تھا تا کہ اسکے باپ کے کام کی تکمیل ہو تو کیا اس کا پوتا اپنے اقرباء کو زنجیر وطوق کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا تھا تا کہ حسینؑ صبر وعزم واستقلال کا پھر مظاہرہ ہو جائے اور حسینؑ کی شکل لوگوں کی آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔

جواب مسئلات نمبر ۲، ۳

واقعی دنیا کی نعمتیں مومن کا حق ہین۔ لیکن حق ہونا ایک شے ہی حق کا ملنا دوسری بات ہے پھر خدا نے امتحان کا بھی ایک اصول قائم کیا ہوا ہے۔ جس کی بنا پر عذاب وثواب کے درجے مقرر ہوتے ہین اور جسکو نہایت عمدگی کے ساتھ علی ابن حسنؑ ابن حسنؑ ابن علیؑ ابی طالبؑ نے بیان فرمایا تھا۔ جب عبداللہ ابن حسنؑ ابن حسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اس سے دعا بغرض ردبلا کی خواہش ظاہر کی تھی۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ when gods leve die young یعنی جو خدا کے محبوب ہوتے ہین وہ جوان ہی مرجاتے ہیں یہ بھی اس ہی مشاہدہ پر مبنی ہے جو عام طور سے دنیا میں دیکھا جاتا ہے، بھی ہے کہ انسان کے تصفیہ قلب وتزکیہ نفس کے لئے مصائب وآلام سے بہتر دنیا میں کوئی شے نہیں ہے ان سے صحیح غور کرنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے اور جس میں صحیح غور وفکر کرنی کی اہلیت پیدا ہوگئی وہ کامیاب ہوگیا۔ صحیح غور وفکر سے دنیا کی اصل حقیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے فنا ہونیکے صفت پر توجہ جم جاتی ہے۔ دنیا کی ناپائیداری اور اپنی زندگی کی کم اگی اصلی خوشی کا عدم، معمولی راحت کی چیزوں کا بہت جلد فنا ہوجانا، موت کا ہر وقت سر پر سوار رہنا دوستوں کی بے وفائی اصلی اور بے لوث محبت کا فقدان۔ یہ وہ امور ہیں جنکا نہایت گہرا نقش انسان کے دل پر ان مصائب واالام کی وجہ سے بیٹھ جاتا ہے اور وہ انسان کو خدا لایزال ورحمان ورحیم کی طرف متوجہ کردیتا ہے۔ اب اس توجہ کے تناسب سے انسان کا تصفیہ قلب وتزکیہ نفس ہوتا جاتا ہے۔ جتنی خدا کی طرف توجہ زیادہ ہوگی اتنا ہی صفائی قلب وتزکیہ نفس کا درجہ بلند ہوگا۔

قرآن شریف میں بھی اس مسئلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا ہے۔ **ولا مدن علیك الی مامتعنابهه ازواجامزهم زهرة الحیواة الدنیا لنفتهم فیه ط ورزق ربك خیر ردایفی۔۱۳،۲،۵،** دنیا کی چیزیں قابل اعتنا نہیں فانی ہیں مومن کے لئے جو کچھ آخرت میں ملے گے وہ اس سے کہ۹ ین بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کیجئے یہاں بہت سے جاہلوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں کافر اور غیر مسلم بھی کچھ تو دنیا مین عمل نیک کرتے ہیں۔ عمل کہیں تو بدلہ ملنا چاہیے قیامت مین تو ان کے لئے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں۔ اس دنیا میں جس سے انھیں محبت ہوتی ہے بدلہ دے دیا جاتا ہے۔ یہ ہی مومن کے لئے امتحان ہوجاتا ہے اور صبر کی وجہ سے اس کا درجہ عالی ہوجاتا ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا ہے بنوامیہ وبنوعباس کی یہ ہی دو سلطنتیں مسلمانوں کی بہت عظیم الشان تھیں بنوامیہ کی سلطنت کا اصلی بانی مروان اور بنوعباس کی سلطنت کا اصلی بانی منصور تھا۔ مروان خود بھی بادشاہ اس کے بیٹے، پوتے، پڑوتے یہ سب بادشاہ ہوئے یہاں تک کہ جب ایشیا میں ان کا خاتمہ بنوعباس نے کردیا تو مروان ہی کے پڑوتے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان نے اسپین میں اپنی سلطنت قائم کی جو عباسیوں کی سلطنت سے کسی طرح کی نہ تھی۔ ساری عباسی سلطنت ہی منصور کے بچوں میں رہی

کل سلطنت عباسیہ میں ۳۷ بادشاہ ہوئے جن میں سے ایک تو منصور کا بھائی، سفاح اور باقی سب اس کی اولاد تھے۔ جب سلطنت بغداد کا خاتمہ ہوا تو پھر اس کی ہی اولاد میں سے ایک مقتصر عباسی نے خلافت مصر قائم کی جو بہت عرصہ تک رہی۔ دیکھا آپ نے مروان و منصور کے خاندان کتنے پھلے اور پھولے اور ان دونوں کی زندگی میں انکی بھی کامیابیاں ہی حاصل ہوتی رہیں۔ مروان کون تھا یہ کبھی دل سے مسلمان نہ ہوا کافر ہی رہا۔ اس کے ارتداد کی وجہ سے رسولؐ خدا نے اس کو خارج البلد کر دیا تھا۔ آن حضرت کی زندگی میں یہ مدینہ میں نہ آسکا۔ حضرت ابو بکر و حضرت عمر نے بھی اس کی جلاوطنی کو قائم رکھا۔ لیکن حضرت عثمان نے بوجہ رشتہداری اس کی جلاوطنی کو ختم کر دیا کیونکہ مروان حضرت عثمان کے حقیقی چچا کا بیٹا تھا۔ منصور کون تھا۔ یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں اسسے زیادہ ظالم بادشاہ دنیا میں سوائے یزید کے کوئی اور نہیں گزرا۔ زندہ آدمیوں کو دیواروں اور ستونوں میں چننے کی رسم اس نے ہی ایجاد کی تھی شریعت اسلامی کے قید سے اپ نے تئیں آزاد سمجھتا تھا اور اس کے قواعد کے توڑنے میں اس کو خاصی خوشی ہوتی تھی۔ ایسے لوگوں کے خاندان تو اس طرح پھولے پھلے۔ اب جناب رسولؐ خدا کو لیجئے۔ خود اپنی زندگی پیٹ پر پتھر باندھ کے گزاری۔ بیٹی نے چکی پیس کر اور پانی بھر کر اور امت کے ظلموں کو سہکر دن گزارے۔ بھائی اور داماد نے درختوں کو پانی دے کر گزارہ کیا۔ سقیفہ میں ایک منظم سازش نے آل محمدؐ کو ہمیشہ کے لئے مورد ظلم و بلا بنا دیا۔ ان کا حق چھینا۔ ایک نواسے کو زہر دے کر قتل کیا دوسرا نواسہ اور اسکی اولاد جس بیرحمی کے ساتھ کربلا میں قتل کئے گئے اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ باقی جتنی اولاد ہوئی اس نے اپنی زندگی خوف و خطرے میں گزاری۔ آئے دن کی قید اور آئے دن کی ذلتیں یہی ان کے نصیب میں رہ گیا تھا۔ جب واقعات یہ ہوں اور خداوند تعالیٰ کی مشیت یہ ہو تو ہم بنو حسن کی قید اور زید نفس الزکیہ کے قتل کا کیا ذکر کریں۔

بنو عباس کی سلطنت کی بنا معلوم ہوئی۔ کچھ خونریزیوں کا تذکرہ ابھی باقی ہے اگر ابو مسلم نہ ہوتا تو بنو عباس کی سلطنت ہوتی۔ ان کی سلطنت کا وجود دو آدمیوں کا مرہون منت ہے ابو مسلم اور ابو سلمہ۔ اور ابو مسلم کا احسان تو خاص طور سے منصور کو اس سے بہت خوف پیدا ہوا اس وقت منصور اور ابو مسلم دونوں مکہ میں تھے ابو مسلم نے کہا کہ میں اس کے لئے کافی ہوں پیدا ہوں لشکر لے کر عبداللہ ابن علی سے مقابلہ کیا۔ دونوں تو ابو مسلم کو شکست ہوئی۔ لیکن ابو مسلم جان پر کھیل کر میدان میں کھڑا رہا۔ خراسینوں کو جو بھاگ رہے تھے آواز دلائی۔ وہ واپس آئے لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ عبداللہ ابن علی کو شکست ہوئی۔ یہ واقعہ ۷ رجمادی الثانی ۱۳۷ھ کا ہے۔

عباسیوں کے ظلم و منصور کی موت

باوجود ان احسانوں کے سفاح نے ابو سلمہ کو قتل کریا۔ اور ابو مسلم کو نہایت بے رحمی کے ساتھ خود اپنے سامنے قتل کیا۔ اول دھوکہ سے اس کی تلوار لے لی۔ اور پھر تالی بجا کر جلادوں کو بلوا کر اسے قتل کرایا اور وہ ان خدمتوں کا ذکر کرتا ہی رہ گیا جو اس نے منصور کے لئے کی تھیں یہ واقعہ ۲۵ رشعبان ۱۳۷ھ مطابق ۱۴ ر فروری ۷۵۵ء کا ہے۔

اس سوال پر کہ یہ کس قسم کے مسلمان تھے واقعہ مندرجہ ذیل سے بھی اچھی روشنی پڑتی ہے سفاح کی حکومت کو اہل موصل نے نہیں۔ مانا کیونکہ وہ نبوعباس سے منحرف تھے اور بنوفاطمہ کو چاہتے تھے۔ سفاح نے اپنے بھائی یحییٰ بن محمد بن علی کو بارہ ہزار کی جمعیت سے ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا یحییٰ بن محمد نے موصل پہنچ کر جامع مسجد کے قریب قصر امارت میں قیام کیا اور حیلہ وفریب سے اہل موصل کو بلا کران کے براہ لیڈروں کو قتل کر دیا۔ اس سے اہل موصل میں برہمی پیدا ہوگئی۔ انھوں نے خون کا معاوضہ طلب کیا جب انکار ہوا تو وہ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے انہوں نے ندا کردی کہ جو شخص جامع مسجد میں چلا آئے گا اس کو امان دی جائے گی۔ یہ سن کر لوگ جامع مسجد کی جانب دوڑ پڑے یحییٰ نے پہلے سے جامع مسجد کے دروازوں پر آدمیوں کو کھڑا کر رکھا تھا جو شخص جامع مسجد کے اندر جاتا یہ چپکے سے اندر جا کر اس کو قتل کر دیتے۔ گیارہ ہزار آدمی اس طرح مار ڈالے گئے عہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو آمادہ بجنگ ہوئے تھے ان کے علاوہ اور لوگ بھی قتل کیے گئے جنکا کوئی شمار نہیں۔ رات ہوئی تو یحییٰ کے کان میں ان عورتوں کے رونے کی آواز آئی جن کے بھائی۔ باپ بیٹے اور شوہر ظلماً مار ڈالے گئے تھے۔ صبح ہوتے ہی یحییٰ نے حکم دے دیا کہ یہ عورتیں اور بچے بھی قتل کردیے جائیں۔ تین روز تک خون مباح کر دیا گیا۔ پھر کیا تھا قتل عام کا بازار گرم ہوگیا۔ اس کے لشکر مین چار ہزر زنگی تھے انھوں نے عورتوں سے جبراً زنا کیا اور ہزاروں عورتوں کو جبراً پکڑ کر لیگئے یہ حالات ہم نے ابن خلدون کی تاریخ سے لکھے ہیں اور تقریباً ترجمہ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ (ترجمہ تاریخ بن خلدون جلد ششم صفحہ نمبر ۲۲۴)

یہ بنوفاطمہ کی محبت کے جرم کی سزا تھی کیونکہ اہل موصل شیعہ تھے۔ آپ ان لوگوں کو مسلمان کہہ کر اسلام کے دامن پر ان ظلموں کا داغ لگانے کے لئے تیار ہیں۔ یہ تھی وہ سلطنت جس کو لغت کے الفاظ کے معنی بدل کر اسلامی سلطنت کہا جاتا ہے اور لطیفہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو آل رسولؐ ہونے کا دعویٰ تھا۔

مسٹر امیر علی کی تاریخ اسلام

مسٹر امیر علی جج ہائی کورٹ کلکتہ اور ممبر پریوی کونسل نے انگریزی میں ایک مسلمانوں کی تاریخ لکھی ہے۔ جس کا نام ہے سپری آف دی سیراسنر۔ وہ انھوں نے ایک خاص مقصد کے زیر نظر لکھی ہے۔ یورپ کے مورخین کی عادت ہے کہ تاریخ لکھتے وقت اپنی قوم کے کارناموں کو بہت بڑھا کر دکھا دیتے ہیں۔ اپنے بادشاہوں کے ظلموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور گر کہیں ظاہر کے بغیر کام نہ چلے تو ہلکا کر کے دکھاتے ہیں۔ بہت دے عذرات تشریحات ساتھ اور ان کے مقابلہ میں ایشائی خصوصاً مسلمان قوموں اور بادشاہوں کی نیکیوں پر پردہ ڈالتے ہیں۔ بری باتوں کو مبالغہ کے ساتھ اچھاتے ہیں اور آخر میں کہہ دیتے ہیں کہ عام مشرق طریقہ ایسے ہی ہوتے ہیں اس کے جواب مین ان ہی کے طرز عمل کی تقلید میں مسٹر امیر علی نے یہ اپنی تاریخ لکھی ہے۔ جہان مسلمان بادشاہوں کی برائیاں۔ مظالم، مکروفریب ایسے تھے کہ چھپ ہی نہیں سکتے تھے مثلاً یزید ابن معاویہ کے ظلم، بنوامیہ کا کفر بنوعباس کا

مکروفریب ان کو تو بیان کرنا ضروری تھا انھوں نے بیان کیا ہے۔ لیکن جہاں پردہ ڈال سکتے تھے تو بالکل پردہ ڈال دیا ہے اور جہاں ان بادشاہوں کے ظلم وستم کو بیان کیا ہے وہاں ایسی بات کہہ گئے ہیں جس سے ان میں کمی نظر آئے۔ مثلاً منصور نے جو ظلم بنو حسن پر کئے ان کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ منصور نے اولاد حسن میں سے ایک کو مدینہ کا گورنر بنادیا History ofthe saracens by amirali chaft x v p226) فٹ نوٹ میں اس کا نام زید لکھا ہے۔ یہاں مسٹر امیر علی کو اشتباہ ہو گیا جس کو منصور نے گورنر مدینہ بنایا وہ ان زید کا بیٹا تھا۔ یعنی حسن بن زید بن حسن بن علی ابن ابیطالب۔ (اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم صفحہ نمبر ۳۱۳۔ یہ ۱۵۰ھ کا واقعہ ہے۔)

حسن بن زید ابن حسن کے حالات

اس سے مدعا انکا یہ ہے کہ منصور نے بنو حسن پر جو ظلم کئے ان کا کفارہ اس طرح ادا کر دیا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ ان صاحب کے کرتوت کیا تھا۔ ان کے والد زید ابن حسن پر امام محمد باقرؑ کو زہر دینے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ شبہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ جیسا کہ ہم حضرت امام باقرؑ کے حالات مین بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یہ تو قطعاً ثابت ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے سخت مخالف تھے۔ اب حسن ابن زید کے کارنامے ملاحظہ ہوں۔ یہ ہیں وہ صاحب جنکو ان کی غدارانہ خدمات کے معوضہ میں ان کو گورنر مدینہ بنایا تھا۔ وہ غدارانہ خدمات یہ تھیں۔

جب منصور تخت نشین ہوا تو اس کو محمد ابن عبداللہ ابن الحسن کی تلاش ہوئی۔ مدینہ میں آن کر بنو ہاشم میں سے ایک ایک کو طلب کر کے اس سے محمد کا پتہ پوچھتا تھا۔ کسی نے نہ بتایا لیکن حسن ابن زید نے بتا دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ تیرے اوپر ضرور حملہ کرنے والا ہے تجھ کو چاہیے کہ اس کا انتظام کرے۔ مجھے تیرے لے اس کی طرف سے بڑا خوف ہے۔

(ابوالفرج اصفہانی اموی، مقاتل الطالبین ذکر سبب فی خذ عبداللہ الحسن صفحہ نمبر ۲۱۰ اردو ترجمہ تاریخ مکامل جلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۰۰۔ (ابوالفرج اصفہانی اموی، مقاتل الطالبین ذکر سبب فی خذ عبداللہ الحسن صفحہ نمبر ۲۱۰ اردو ترجمہ تارخ مکامل جلد پنجم حصہ اول صفحہ نمبر ۱۰۰)

اس ہی وجہ موسیٰ بن عبداللہ بن الحسن کہا کرتے تھے کہ خدایا حسن بن زید سے ہمارے خونوں کا مطالبہ کی جور اور اکثر حسن ابن زید ابن حسن منصور سے اپنے رشتہ داروں کی چغلیا کیا کرتے تھے اور جو باتیں راز کی وہ آپس میں بیان کرتے تھے اور ان پر اعتبار کر کے اس سے نہیں چھپاتے تھے وہ باتیں یہ جا کر منصور کر بتادیتے تھے اور منصور ان لوگوں سے اور زیادہ ناراض ہو جاتا تھا۔ شیعہ مورخین کے بھی حسن ابن زید کے متعلق یہ ہی امور لکھے ہیں۔
مناقب ابن شہر آشوب میں یہ بھی ہے کہ حسن ابن زید نے منصور کے کہنے سے امام جعفر الصادقؑ کا گھر جلا دیا۔ آگ بھی دہلیز ہی کو لگی تھی کہ جناب امام جعفر صادقؑ باہر فریاد کرتے ہوئے اور فرمارہے تھے کہ میرا گھر جلاتے ہو۔ میں ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا ہوں۔ علامہ سید محسن الامین فرماتے ہیں زید ابن حسن کا برا طرز عمل اس سے ظاہر ہے کہ یہ

اپنے بنی، اعمام کی چغلیاں اور مخبری منصور سے کرتے تھے اور انھوں نے جعفر صادقؑ کا گھر جلایا۔ پانچ سال تک مدینہ کے گورنر رہے۔ آخر میں منصور ان سے بھی ناراض ہوگیا۔ ۱۵۵ ہجری میں انھیں معزول کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور وہ برابر منصور کی موت تک جیل خانہ ہی میں رہے۔ منصور کے بعد مہدی نے او جیل سے نکال کر اپنا مصاحب بنایا۔ ۱۶۸ھ میں جب مہدی کے ساتھ حج کو جا رہے تھے تو راستہ میں انتقال ہوگیا اور حاجر میں دفن ہوئے۔ اُس وقت ان کی عمر ۸۵ سال کی تھی۔ (مناقب ابن شہر آشوب الجلد الخامس صفحہ نمبر ۱۳۲ اعیان الشیعہ الجزء اثحادیوالعشر ون صفحہ نمبر ۳۰۳ الغایت ۳۲۳ ترجمہ حسن بن زید امیر المدینہ)

یہ امام حسن علیہ السلام کے حقیقی پوتے تھے۔ مجھے حضرت امام حسنؑ کی روح سے شرم آتی ہے۔ لہٰذا میں کچھ زیادہ نہیں کہتا۔ اس وجہ سے یہ واقعات لکھے ہیں کہ مسٹر امیر علی کی تحریر کی تردید ہو جائے منصور نے ان کو والی مدینہ بنو حسن کی خاطر نہیں کیا۔ بلکہ ان کی غداری کی وجہ سے کیا تھا ان کے قید ہونے کے متعلق مورخ نے سچ کہا ہے کہ من اعات ظالماً ابلی بہ۔ جو ظالم کی مدد کرتا ہے وہ ظالم کے ظلم ہی میں گرفتار ہوتا ہے۔ ابو مسلم، ابو سلمہ۔ عیسیٰ ابن موسیٰ اور زید بن الحسن کا یہ ہی حشر ہوا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا۔ اور منصور ۱۵۸ ہجری میں مر گیا ۱۴۸ھ سے جناب موسیٰ کاظم کا زمانہ امامت شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا ۱۴۸ ہجری کی، بعد کے واقعات ہماری اس کتاب کے موضوع سے باہر ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ وہ تمام ظلم جو اہلبیت رسالت پر ہوئے ایک جگہ جمع کر کے بیان کریں اور یہ باب اس کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے سلسلہ بیان کو قائم رکھتے ہیں۔

ائمہ اہل بیت کے معاصرہ سلاطین عباسیہ

امام موسیٰ کاظم کا زمانہ امامت	از ۱۴۸ھ	لغاتیہ ۱۸۳ ہجری ہے۔
امام علی رضا کا زمانہ امامت	از ۱۸۳ھ	لغاتیہ ۱۰۳ ہجری ہے۔
امام محمد تقی کا زمانہ امامت	از ۲۰۳	لغاتیہ ۲۲۰ ہجری ہے۔
امام علی نقی کا زمانہ امامت	از ۲۲۰ھ	لغاتیہ ۲۲۰ ہجری ہے۔
امام حسن عسکریؑ کا زمانہ امامت	از ۲۵۴	لغاتیہ ۲۶۰ ہجری ہے۔

تواریخ حکومت بادشاہ بنی عباس جو ان آئمہ کے زمانہ میں ہوئے یہ ہیں

منصور	تا ۱۵۸ ہجری		مطابق ۷۷۵ء
مہدی از	۱۵۸ ہجری	لغاتیہ ۱۶۹ھ	مطابق ۷۸۶ء
ہادی	از ۱۶۹ ہجری	تا ۱۷۰ھ	مطابق ۷۸۶ء

رشید	از ۱۷۰ ہجری	تا ۱۹۱ھ	مطابق ۸۰۹ء
امین	از ۱۹۸ ہجری	تا ۱۹۸ھ	مطابق ۸۱۳ء
مامون	از ۱۹۸ ہجری	تا ۲۱۸ھ	مطابق ۸۳۳ء
معتصم	از ۲۱۸ ہجری	تا ۱۲۷	مطابق ۸۴۲ء
واثق	از ۲۲۷ ہجری	تا ۲۳۲ھ	مطابق ۸۴۷ء
متوکل	از ۲۳۲ ہجری	تا ۲۴۷ھ	مطابق ۸۶۱ء
منتصر	از ۲۴۷ ہجری	تا ۲۴۸ھ	مطابق ۸۶۲ء
مستعین	از ۲۴۷ ہجری	تا ۲۳۱ھ	مطابق ۸۶۶ء
معتز	از ۲۵۱ ہجری	تا ۲۵۵ھ	مطابق ۸۶۹ء
مہتدی	از ۲۵۵ ہجری	تا ۲۵۶ھ	مطابق ۸۷۰ء
معتمد	از ۲۵۶ ہجری	تا ۲۷۹	مطابق ۸۹۲ء
بزمانہ مہدی	۱۵۸ھ ۷۷۵ء	تا ۱۶۹ھ	۷۸۵ء

علیؑ بن العباسؑ بن الحسنؑ بن الحسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ

ان کے دوستوں کا حلقہ وسیع ہو چلا تھا۔ مہدی کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اور ان کو قید کر دیا۔ قیدی میں رہے جب تک حسین ابن علیؑ نے ان کو رہا نہ کرایا۔ جب یہ قید میں تھے تب ہی ان کو زہر دیا گیا تھا۔ قید سے رہائی پا کر مدینہ آئے۔ زہر کے اثر سے تمام بدن پھٹ گیا اور ان کا انتقال ہو گیا۔

عیسیٰ بن زید بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابو طالبؑ

یہ زید شہید کے صاحبزادے اور یحییٰ بن زید کے بھائی تھے۔ انھوں نے اپنے تیسرے بھائی حسینؑ کے ساتھ مل کر ابراہیم و محمد پسران عبداللہ ابن الحسنؑ کی لڑائیوں میں ان کی بڑی مدد کی اور بہت شجاعت و مردانگی کا اظہار کیا۔ یہ نہایت دین دار۔ عالم۔ زاہد پرہیزگار تھے۔ صاحب عقل و فہم و تدبیر تھے۔ جناب امام جعفر صادقؑ کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔ محمد نفس الزکیہ نے وصیت کی تھی کہ ان کے بعد عیسیٰ بن زید ہوں گے چنانچہ ان دونوں کے بعد عیسیٰ بن زید ان کے جانشین ہوئے۔ ہر وقت ذکر خدا کرتے رہتے تھے اپنی اونٹ کو خود پانی پلاتے تھے۔ یحییٰ بن حسین ان زید کہتے ہیں کہ جب میں نے عیسیٰ بن زید اپنے چچا سے کوفہ میں ملاقات کی تو پہلے تو مجھ سے بہت متوحش ہوئے۔ لیکن جب میں نے بتایا کہ میں کون ہوں تو پاس بٹھا لیا۔ گلے سے لگایا۔ سب حال پوچھتے رہے اور بیان کیا کہ میں اپنے اونٹ پر لوگوں کو اجرت پر پانی پہنچاتا ہوں اور اسی سے گزر اوقات کرتا ہوں۔ جس

دن کوئی اجرت نہیں ملتی تو میں جنگل میں کوفہ کے باہر چلا جاتا ہوں اور وہاں جو سبزیاں لوگ پھینک جاتے ہیں ان کو اٹھا لیتا ہوں اور ان ہی کو کھاتا ہوں۔ میں نے ایک شخص کی لڑکی سے شادی کر لی ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں میری ایک لڑکی پیدا ہوئی جب وہ جوان ہوئی تو میری بیوی نے کہا کہ اس کی شادی اس ہمسایہ سقے کے ساتھ کر دیں۔ کیونکہ وہ بھی سقائی کرتا ہے۔ اور ہم سے زیادہ کھاتا پیتا ہے یعنی زیادہ پیسہ والا ہے۔ میں خاموش تھا۔ کیا جواب دوں یہ نہ کہہ سکا کہ میں خاندان رسالت سے ہوں اور یہ سقا میرے ہم کفو نہیں ہے۔ میری عورت اسپر اصرار کرتی رہی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد میری لڑکی مر گئی۔ دنیا میں کسی شے نے مجھے اتنا رنجیدہ غمگین نہیں کیا جتنا اس بات نے کہ وہ لڑکی مر گئی اور اس کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اس کا جناب رسولؐ خدا سے کیا رشتہ تھا۔ اس کے بعد انھوں مجھے قسم دی کہ میں واپس چلا جاؤں اور پھر نہ آؤں۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا۔ اور پھر میں نے ان کو نہیں دیکھا۔

فلک نا ہنجار کی کج رفتاری ملاحظ ہو۔ مروان اور منصور اور ان کی اولاد تو تخت شاہی پر متمکن ہو۔ اس تخت پر جو حضرت علیؑ کی تلوار اور جناب رسولؐ خدا کی کوششوں سے نصیب ہوا تھا۔ اور ان ہی محمدؐ اور علیؑ کی اولاد اسطرح لوگوں کی پھینکی ہوئی سبزیوں پر گزارہ کرے اور یسی گمنامی میں بسر کرے کہ لوگوں سے یہ بھی نہ کہہ سکے کہ ہم رسولؐ خدا کے رشتہ دار ہیں ع تفو بر تواے چرخ گرداں تفو۔

اپنے حسب حال عیسیٰ بن زید نے یہ شعر کہے تھے

والله ماطعم طعم الرقاد
خوفا اذا نامت عون العباد

شتردنی اهل اعتدریا
اذینت ذنباغیرذ کرالمعاد

امنت یالله ولم یومنوا
جکان زادی عندکاشرزاد

اقول قولا قاله خائف
مطرد قلبی کشیر السهاد

منخوق الخفین یشکوالوجی
تنکبه اطراف مرد احداد

شردهالخو فازری به
کزاك من یکرر الجلاد

قدکان نے الموت له راحته
ولموت حتم فی رقاب لعباد

ترجمہ:

(۱) جب لوگوں کی آنکھیں سوجاتی ہیں۔ میں خوف سے جاگتا رہتا ہوں اور ایک لمحہ بھی نیند نہیں آتی۔

(۲) اہل ظلم نے مجھے جلاوطن کر دیا حالانکہ سوائے آخرت کی یاد کرنے کے میرا کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۳) میں خدا پر ایمان لایا ہوں اور یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا میرے لئے ان کے پاس نہایت خراب چیزیں ہیں۔

(۴) میں ہو بات کہتا ہوں کہ وہ شخص کہتا ہے کہ جو خوف میں زندگی بسر کرتا ہے میرا دل میرے قابو میں نہیں ہے اور میں جاگنا چاہتا ہوں

(۵) جس کی دونوں جوتیاں ٹوٹ گئیں ہیں وہ اس بادیہ پیمائی کی شکایت کرتا ہے اور مرد کی تنگ گلیاں اس سے رو گردانی کرتی ہیں۔

(۶) خوف نے اس کو وطن سے دور سر بصحرا کر دیا ہو، اسی طرح جس طرح کی وہ شخص ہوتا ہے جو جلاد سے خوف کھاتا ہے۔

(۷) اس کے لئے موت میں راحت ہے اور موت تو ہر شخص کی گردن میں پڑی ہوئی ہے۔

جب مہدی خراسان میں تھا تو اشعار دیوار پر لکھے ہوئے مہدی کی نظر پڑی اس نے ہر شعر کے نیچے لکھ دیا کہ لك الامان من الله ومنی فاظھر متی شئت۔ یعنی تجھ کو میری اور خدا کی طرف سے امان ہے جب جی چاہئے ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر مکہ میں حج کے موقع پر بھی منادی کرا دی گئی۔ لیکن یہ بھی ایک چال تھی کہ وہ ظاہر ہو جائے اور انہیں گرفتار کرلیں۔ چنانچہ وہ اس چال کو سمجھ گئے اور ظاہر نہ ہوئے۔

حصیب الواشی جو زید ابن علی کے اصحاب میں تھے کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن زید نفس الزکیہ کے فوج کے میمنہ پر تھے جس دن کہ نفس الزکیہ شہید ہوئے پھر ابراہیم کی فوج میں چلے گئے وہاں بھی میمنہ پر تھے جب ابراہیم شہید ہوئے تو یہ کوفہ میں آگئے اور خفیہ رہنے لگے علی ابن صالح بن حی کے مکان میں رہتے تھے۔ ہم ڈرتے ڈرتے ان کے پاس جاتے تھے کبھی ہم کو صحرا میں اونٹ پر اہل کوفہ کے لئے پانی لاتے ہوئے مل جاتے تھے ہم سے باتیں کرتے تھے پھر جلدی سے کہتے تھے کہ چلے جاؤ کہیں تم پر کوئی مصیبت نہ آجائے۔

ایک دفعہ سفیان ثوری کا گزر عیسیٰ بن زید کے پاس سے ہوا۔ سفیان نے ان کو نہ پہچانا۔ جناب بن نسطاس نے جب بتایا کہ یہ عیسیٰ بن زید ہیں تو سفیان ثوری نے ان کی بڑی عزت کی۔ اپنے پاس بٹھالیا اور جد سے رونے لگے۔ روتے روتے سفیان ثوری نے کہا جس خوف وقتل وجلاوطنی کی حالت ہو بنو فاطمہ کی زندگی گزر رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرا سی بھی ایمان کی جھلک ہے بیاختیار روئے گا۔

علی بن جعفر الاحمر اپنے والد جعفر کی یہ روایت بیان کرتے ہیں جعفر کہتے ہیں کہا یک دن میں۔ حسن وعلی

پسران صالح بن حق واسرائیل بن یونس بن اسحاق اور جناب بن نسطاس معہ چند جماعت زیدیہ کے عیسیٰ بن زید کے پاس کوفہ کے ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے یہ خبر مہدی کو پہنچادی۔ اُس نے عامل کو لکھا کہ ہم پر خبر پہنچانے والوں کو معین کردے اور جب اس کو ہماری اجتماع کی خبر لگے تو ہم کو پکڑ کر مہدی کے پاس پہنچادے۔ ایک رات کو ہم اس گھر میں جمع ہوئے۔ عامل کوفہ کو یہ خبر پہنچ گئی اس کے آدمی آگئے۔ ہم سب اوپر کی منزل میں تھے یہ دیکھ کر وہ سب تو بھاگ گئے۔ میں رہ گیا مجھ کو پکڑ کو مہدی کے پاس لے گئے۔ تو مجھے دیکھ کر مہدی نے مجھے ماں بہن کی گالیاں دیں اور مجھے زانیہ کا پسر کہا۔ میں نے احتجاج کیا تو اس نے دوبارہ مجھے شدت کے ساتھ گالیاں دیں ۔ می اوپر لپکا۔ مجھے گرا کر میر یاوپر چڑھ بیٹھا اور اپنے ہاتھ سے مجھے مارنے لگا میں نے اس پر کہا کہ تو اچھا بہادور دشجاع ہے کہ مرے جیسے بڈھے اور کمزور آدمی کو مارر ہا ہے جواپنی مدد کرنے سے قاصر ہے۔ اسپکم دیا کہ اسے قید کردو اور سختی کرو۔ دو سال تک میں سخت زنجیروں میں قید رہا۔ جب اس کو عیسیٰ ابن زید کی وفات کا علم ہوا تو مجھے رہا کردیا۔

پہلے منصور اور پھر مہدی کو عیسیٰ ابن زید کی بہت تلاش رہی۔ چاروں طرف سا سوس دوڑے لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ پھر مہدی نے ایک اور فریب کیا۔ مکہ میں حج کے موقعہ پر مام منادی کرا سی عیسیٰ ابن زید کو اماں ہے وہ حاضر ہو جائیں۔ لیکن وہ اس چال کو سمجھ گئے اور حاضر نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وفات پا گئے۔

عیسیٰ ابن زید کے تین اصحاب اور داعیان تھے۔ یعنی ابن علاق صیرفی، حاضر اور صباح الزعفرانی۔ حاضر کو تو مہدی نے پکڑ لیا۔ قید کردیا۔ اور پوچھا کہ عیسیٰ ابن زید کہاں ہے۔ حاضر نے نہ بتایا۔ پھر سختی کی۔ پھر پوچھا۔ نی بتایا۔ تو اس کو قتل کردیا۔ اس کے بعد وہ صباح اور ابن علاق کی تلاش کرتا رہا۔ لیکن وہ نہ ملے۔ جب عیسیٰ ابن زید کا انتقال ہو گیا تو حسن ابن صالح نے ان کے اصحاب کو منع کیا کہ اس کی خبر مہدی کو نہ دیں۔ کیونکہ دشمن خدا کا دل اولاد رسول کی موت سے وہ شاد نہیں کرنا شاہتے تھے۔ عیسیٰ ابن زید کے دو مہینہ کے بعد حسن ابن صالح بھی مر گئے۔ اس کے بعد ابن علاق الصیرفی مہدی کے پاس گئے۔ دونوں کی موت کی خبر سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ پھر اس سے زید واحمد پسران عیسیٰ ابن زید کے لئے امان حاصل کر لی۔ وہ دونوں مدینہ شلے آئے۔ زید تو مدینہ میں انتقال کر گئے ۔ لیکن احمد زندہ رہے ہارون الرشید کے اول نصف زمانہ سلطنت تک تو ان کو امن رہا۔ اس کے بعد کسی نے ہارون الرشید کو خبر کردی کہ زید کے دوست ان کے پاس آتے جاتے ہیں۔ خبر کی تو تصدیق کی نہیں۔ اتنی سی بات پر ہارون الرشید احمد کا دشمن ہو گیا اور ان کو بلا کو قید کردیا۔

حاضر کے قتل کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اس کی تفصیلات بھی دلچسپ ہیں۔ یہ ہم ابوالعتاہیہ شاعر خلافت بغدا دکی زبانی سناتے ہیں جو ہم تک ان کے بیٹے محمد کے ذریعے سے پہنچے ہیں۔

ابوالعتاہیہ کہتا ہے کہ میں نے شعر کہنے بند کردیے۔ اس پر مجھے مہدی نے قید کردیا۔ قید خانہ تنگ وتاریک تھا۔ میرے ہوش وحواس گم ہو گئے۔ وہاں میں نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے پاتا۔ بغیر سلام کئے میں اس کے پاس جا

بیٹھا۔ وہ آدمی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے یہ دو شعر کہے۔

تعودت مس الضر حتے الفته
واسلمنی حسن العزاء الی الصبر
وصیر نی یا سی من الناس واثقًا
بحسن صنیع الله من حیث لاادری

ترجمہ(۱) میں نے تکلیف کی عادت ڈال لی ہے۔ یہاں تک کہ مجھے اس سے الفت ہوگئی ہے اور غم کی برداشت نے صبر کرنا سکھا دیا ہے۔

(۲) لوگوں سے ناامید ہو کر میں نے خدا پر اعتماد کر لیا ہے کہ وہ میرے اوپر ایسے ذریعہ سے فضل کرے گا کہ جس کو میں نہیں جانتا۔

مجھے یہ شعر بہت پسند آئے۔ میں نے مکرر پڑھنے کی درخواست کی۔ اول تو اس نے مجھے میری بدتہذیبی پر ڈانٹا کہ میں بغیر سلام کئے اس کے پاس جا بیٹھا تھا۔ پھر اس نے وہ دونوں شعر مجھے دوبارہ سنا دیئے اور بتایا کہ اس کا نام حاضر ہے اور وہ کیوں قید ہوا ہے۔ ہم مہدی کے سامنے حاضر کئے گئے۔

حاضر و مہدی کا مکالمہ

مھدی:۔ عیسیٰ ابن زید کہاں ہے؟

حاضر:۔ مجھے نہیں معلوم کہ عیسیٰ کہاں ہے۔ آپ نے اسے طلب کیا۔ وہ روپوش ہو گئے اور آپ کے خوف سے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے پھر آپ نے مجھے قید کر دیا۔ میں تو یہاں مقید ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ بھاگنے والا کہاں بھاگ گیا۔

مھدی:۔ وہ کہاں چھپا ہوا تھا۔ سب سے آخر تو نے کب اور کہاں اس کو دیکھا تھا۔

حاضر:۔ جب سے وہ روپوش ہوئے ہیں میں نے ان کو نہیں دیکھا۔

مھدی:۔ قسم بخدا مجھے اس کا پتہ بتا دے۔ ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا۔

حاضر:۔ جو آپ کا جی چاہتا ہے کیجئے۔ میں ابن رسول اللہ کا پتہ بتا دوں کہ تو اسے قتل کرے۔ خدا اور رسولؐ اس کے خون کے مجھ سے طالب ہوں اگر اس وقت وہ میری اس پوشاک کے اندر بھی چھپے ہوئے ہوں تو قسم بخدا میں نہیں بتاؤں گا۔

مھدی:۔ جلادو! اس کی گردن مار دو۔

پس حاضر قتل کر دیئے گئے۔ پھر مہدی مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا

مھدی:۔ اب تو شعر کہے گا یا تجھ کو بھی اس کے پاس بھیجدوں۔

میں نے کہا حضور اب تو میں شعر کہوں گا

مہدی:۔ اچھا اس کو چھوڑ دو۔

یہ واقعات صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ مہدی نے امان کی ندا جو کرائی تھی، اور شعروں کے نیچے امان لکھی تھی وہ محض ایک چال تھی

علی بن العباس بن الحسن بن الحسن اور عیسیٰ ابن زید ابن علی ابن الحسین کے حالات مندرجہ بالا ہم نے مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۰۳ لغایت ۴۲۸ سے لئے ہیں۔

بزمانہ ہادی ۱۶۹ ہجری ۷۸۵ء تا ۱۷۰ ہجری ۷۸۶ء

حسین بن علی بن حسن بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب

انکا واقعہ نو ماہ اٹھارہ دن میں ختم ہو گیا اور اس میں حسین بن علی بن حسن قتل ہو گئے

سبب سانحہ

تمام مورخین مثلاً ابن خلدون، طبری۔ ابن الاثیر، مسعودی، ابوالفرج اصفہانی اس سانحہ کا یہ سبب بتاتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب والی مدینہ نے آل ابی طالب پر بہت سختیاں کیں جس کی وجہ سے مجبوراً حسین ابن علی بن حسن نے اپنی حفاظت میں تلوار اٹھائی۔ اول اس کی تفصیل ہم ابوالفرج اموی کی مقاتل الطالبین سے لکھتے ہیں۔ عمر ابن عبدالعزیز والی مدینہ نے آل ابی طالب پر بہت سختیاں کرنی شروع کر دیں۔ روزانہ اس کے حکم سے وہ اس کے قصر پر حاضر ہوتے تھے۔ ہر ایک کی حاضری کے لئے ایک ضامن اس کے قریب رشتہ داروں سے لے لیا تھا حسین ابن علی بن حسن اور یحییٰ بن عبداللہ بن حسن نے حسن بن محمد بن عبداللہ بن الحسن کی ضمانت کی تھی۔ ایک حسن بن محمد بن عبداللہ بن الحسن، ابن جندب الہذلی شاعر اور ایک آل عمر کا غلام ایک جگہ جمع تھے عمر ابن عبدالعزیز نے ان پر جھوٹی تہمت لگائی کہ وہ شراب پی رہے تھے۔ اور یہ تہمت لگا کر بغیر گواہ و شاہد لئے ہوئے حسن بن محمد بن عبداللہ بن الحسن کو ۸۰ کوڑے لگوائے۔ آل عمر کے غلام کو صرف سات کوڑے اور ابن جندب کو ۱۵ کوڑے پٹوائے۔

آبی طالب کی روزانہ طلبی میں ایک دن حسن بن محمد غیر حاضر تھے۔ عمر ابن عبدالعزیز نے ان کے ضامنوں سے کہا کہ تین دن کے اندر اس کو پیش کر دو۔ ورنہ تم دونوں کو قید کر دوں گا۔ اور بہت برا بھلا کہا۔ حسین ابن علی ہنس پڑے اور کہا کہ اے ابو حفص کیا تم کو غصہ آ گیا۔ اس پر عمر ابن عبدالعزیز نے کہا کہ تجھ کو اتنی جرأت ہو گئی کہ مجھ کو کنیت سے مخاطب کرتا ہے اور والی مدینہ نہیں کہتا اور کچھ برا بھلا کہا۔ اس پر یحییٰ بن عبداللہ کو غصہ آ گیا اور کہا کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ عمر عبدالعزیز نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ حسن ابن محمد کو پیش کر دو۔ اس پر یحییٰ بن عبداللہ نے کہا کہ

یہ قید آل ابی طالب پر کیوں ہے۔ آل عمر کو کیوں نہیں اسی طرح حاضری پر مجبور کیا جاتا۔ ان کو بھی بلا کر اسی طرح دیکھو اور حاضری لو۔ ان میں تو بہت زیادہ غیر حاضر پاؤ گے ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ان کا تو کچھ جواب نہ دیا حسین ابن علی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میری بیوی کو طلاق ہو۔ اور میرے غلام آزاد ہوں۔ اگر میں تم کو چھوڑ دوں۔ ورنہ تم اس باقی دن اور رات میں حسن بن محمد کو میرے پاس لا کے حاضر کرو۔ میں تم ایک ہزار کوڑے ماروں گا۔ اور تمہاری جائداد کو جلا دوں گا۔ اگر تم نے اس عرصہ میں اس کو پیش نہ کی۔ اور جب میری آنکھ حسن بن محمد پر پڑے گی تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔

یہ دونوں غصہ میں باہر نکل آئے۔ عمر ابن عبدالعزیز کو بھی بہت جب آیا۔ رو توں رات انھوں نے آل ابی طالب کے جوانوں کو اور موالی کو جمع کر لیا۔ جب مؤذن نے اذان صبح کو دی تو یہ مسجد میں داخل ہوئے۔ اور حسین ابن علی نے مؤذن سے کہا کہ اذان کو حی علی خیر العمل کے ساتھ کہو جب موذن نے ان کی تلوار کو دیکھا تو حیّ علی خیر العمل کے ساتھ اذان کہی۔ عمر ابن عبدالعزیز یہ سن کر سمجھ گیا کہ معاملہ دگرگوں ہے اور اپنے گھر سے نکل کر بھاگ گیا۔ حسین ابن علی نے نماز پڑھائی آل ابی طالب میں سے سوائے دو آدمیوں کے سب ان کے ساتھ تھے۔ دو میں سے ایک تو حسن بن جعفر بن حسن بن حسن اور دوسرے حضرت موسیٰ کاظمؑ ابن جعفر تھے۔ ان دونوں نے حسین ابن علی سے شامل نہ ہونے کی اجازت لے لی۔ حسین ابن علی نے حضرت موسیٰ کاظمؑ سے اس خروج کی بات استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ قتل کر دیں گے۔ کیونکہ یہ فاسق و فاجر لوگ ہیں۔ ایمان کو ظاہر کرتے ہیں۔ درآنحالیکہ دلمیں نفاق و شرک کو چھپاتے ہیں۔ (اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم میں ۳۵۳)

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے ان تینوں پر نبیذ پینے کی وجہ سے حد جاری کی تھی۔ اور شہر میں تشہیر کرایا تھا۔ حسین ابن علی نے کہا کہ نبیذ کی وجہ سے حد نہ جاری کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ علماء عراق نے اس کی اباحت کا حکم دیا ہے۔ (اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم میں ۳۵۳)

اس کے بعد ابن خلدون نے وہی واقعات لکھے ہیں جو ہم نے اوپر مقاتل الطالبین میں سے نقل کیے ہیں۔ اب ہم واقعات کو تاریخ ابن خلدون سے لکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خروج بھی قبل از وقت یحییٰ ابن عبداللہ ابن الحسن کے طرز عمل کی وجہ سے ہو گیا۔ ورنہ اگر وقت مقررہ پر ہوتا تو کامیابی یقینی تھی۔ بہر صورت حسین ابن علی نے مدینہ بہت جلدی فتح کر لیا اور خزانہ پر قبضہ کر لیا عباسی فوج کو جو مبارک ترکی کی ماتحتی میں آئی تھی شکست دیکر اپنی حکومت مضبوط کر لی ۲۱ دن تک مدینہ میں دیام کیا آخر ماہ ذی قعدہ ۱۶۹ھ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہادی نے بہت بڑی فوج مکہ بھیجی۔ حسین کے پاس فوج زیادہ نہ تھی۔ ۸ ذی الحجہ ۱۶۹ھ مطابق ۱۲ جون ۷۸۶ء مکہ کے قریب لڑائی ہوئی۔ حسین کو شکست ہوئی اور مقام فخ پر قتل کر دیئے گئے۔ ایک خراسانی نے ان کا سر لا کر محمد بن

سلیمان سردار فوج خلافت کے پاس ڈال دیا۔ حسین کی بہن کو گرفتار کر لیا۔ حسن بن محمد نفس الزکیہ کو بھی قتل کر دیا۔ اس لڑائی کو واقعہ فخ کہتے ہیں اور حسین ابن علی صاحب فخ کہلاتے ہیں ان کے ساتھیوں میں سے ان کا بھائی ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب تھا۔ وہ واقعہ فخ سے بچ کر مصر پہنچا۔ اور وہاں سے مغرب اقصیٰ کی طرف آ گیا۔ وہاں اس نے ایک سلطنت قائم کی جو ادریسی سلطنت کہلاتی ہے۔ یہ سلطنت ۱۷۲ھ ہجری ۷۸۸ء سے ۳۱۰ ہجری ۹۲۲ء تک رہی۔ اور اس میں دس بادشاہ ہوئے۔ طبری کے زمانہ تک یہ سلطنت باقی تھی۔ ادریس بانی سلطنت برادر نفس الزکیہ تھے۔

حسین ابن علی کے فضائل

ایک دفعہ جناب رسول خدا نماز جنازہ کے لئے موضع فخ تک آئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس جگہ میرے اہلبیت سے ایک آدمی معہ اپنے رفقا کے قتل کیا جائے گا۔ ان کے لئے حنوط و کفن جنت سے آئیں گی اور ان کی روحیں ان کے اجسام سے پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گی۔ جناب محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب رسول خدا فخ پر سے گزرے۔ آپ اتر پڑے اور نماز پڑھی۔ جب دوسری رکعت میں پہنچے تو نماز ہی میں آپ رونے لگے۔ اور جب لوگوں نے انھیں روتا ہوا دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ جب جناب رسول خدا نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے سبب گریہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل نازل ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے مطلع کی کہ یہاں میرا ایک بیٹا شہید کیا جائے گا اور جو شخص اس کے ساتھ شہید ہوگا اس کو دو شہدا کا اجر ملے گا۔ نضر بن قرواس کہتا ہے کہ ایک دفعہ امام جعفر صادقؑ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں ان کے ہمراہ تھا۔ جب بطن مرہ سے آگے چلے تو امام جعفرؑ نے فرمایا کہ اے نضر جب فخ آ جائے تو ہمیں بتانا۔ پس جب فخ آیا تو میں نے آپ کو مطلع کیا آپ پر اس وقت نیند غالب تھی۔ میں نے آپ کو جگایا۔ آپ اٹھ بیٹھے۔ نیچے اترے۔ وضو کر کے نماز پڑھی۔ میں نے عرض کیا۔ کیا یہ سک حج میں سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ یہاں میرے اہلبیت میں سے ایک شخص مع رفقا کے قتل ہوگا۔ ان کی ارواح کے اجسام سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی۔

حسن ابن حذیل سے مروی ہے کہ حسین ابن علی صاحب فخ نے مجھ سے کہا کہ چار ہزار درہم ہمیں قرض لا دو۔ میں نے ایک آپ کے ایک دوست سے دو ہزار درہم قرض لئے اور ان کو لا کر دیئے اور کہا کہ دو ہزار کل لا دوں گا۔ وہ دو ہزار درہم میں نے ان کے مصلے کے نیچے رکھ دیئے۔ دوسرے دن دو ہزار اور لے کر گیا۔ مصلے کو جو اٹھایا تو وہ پہلے دو ہزار موجود نہ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا حال مت پوچھو۔ میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ایک مدینہ کا شخص میرے ساتھ چلا آیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے مجھ سے کچھ حاجت ہے تو اس نے کہا کہ حاجت تو نہیں ہے لیکن میں آپ کے پیچھے نماز پڑھ لوں۔ وہ دو ہزار میں نے اس کو دے دیئے۔

یحییٰ بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن علی صاحب فخ کے لئے دو پوشاکیں خریدیں۔ ایک تو ان میں سے انھوں نے اپنے خادم ابوحمزہ کو دے دی اور ایک میرے پاس رہی۔ جب حسین ابن علیؑ مسجد کی طرف جا رہے تھے تو ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ حسین ابن علی صاحب فخ نے ابوحمزہ سے کہا کہ اپنی ردا اس کو دے دیدو۔ اس نے کہا کہ میں بغیر ردا کے مسجد میں جاؤں۔ لیکن آپ نے اصرار کیا۔ اور اس نے وہ ردا سائل کو دے دی۔ پھر وہ سائل آپ کے ساتھ آپ کے مکان تک آیا۔ وہاں سائل کو اپنی ردا اتار کر دے دی۔ اور کہا کہ ردا جو تم کو میں نے ابوحمزہ سے دلوائی ہے وہ اس کو دے دو۔ (ابوالفرج اصفہانی: مقاتل الطالبین ترجمہ حسین ابن علی ابن حسن صفحہ نمبر ۴۳۵ لغایۃ ۴۳۹)

ابوالفرج نے اور بہت سے واقعات آپ کے سخاوت کے لکھے ہیں۔ جن کو بخوف طوالت ہم نے ترک کر دیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ سونا اور مٹی میرے نزدیک ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ بزمانہ ہارون الرشید ۱۷۰ھ ۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ ۸۰۹ء

یحییٰ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی ابن ابی طالب علیہم السلام

یہ جناب محمد عبداللہ نفس الزکیہ کے بھائی تھے اور ان کی فوج میں ہو کر ان کے دشمنوں سے لڑے تھے۔ جب نفس الزکیہ کو لوگ چھوڑ کر چلے گئے اور وہ قتل ہو گئے تو یحییٰ بن عبداللہ کی تلاش حکومت کو ہوئی اور ان کو گوشۂ تنہائی میں نہ بیٹھنے دیا۔ ابوالفرج اموی صاحب مقاتل الطالبین لکھتے ہیں کہ عرصہ تک یحییٰ بن عبداللہ شہر بشہر حیران و سرگرداں جائے امن کی تلاش میں پھرا کئے۔ انھوں نے آخر کار فضل بن یحییٰ کو اپنے حال سے مطلع کیا اور جہاں رہتے تھے اس کو بتایا۔ لیکن اس نے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیے۔ اس پر یحییٰ نے دیلم جانے کا ارادہ کیا اور فضل نے ایک منشور لکھ دیا کہ راستہ میں کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ (ابوالفرج اصفہانی: مقتل الطالبین ترجمہ حسین ابن علی ابن حسن صفحہ نمبر ۴۳۵ لغایۃ ۴۳۹)

آل زبیر بن العوام ہمیشہ علی اور اولاد علی کی دشمن رہی ہے۔ ہارون الرشید کے دربار میں بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بہت منہ چڑھا مصاحب تھا وہ آل ابیطالب کا شدید ترین دشمن تھا اور ہمیشہ ہارون کو ان کی طرف سے لھایا کرتا تھا۔ اس ہی وجہ سے ہارون الرشید نے اسے مدینہ کا والی مقرر کر کے اس کو آل ابیطالب پر سختیاں کرنے کی ہدایت کی تھی۔ (مقاتل الطالبین: ذکر یحییٰ بن عبداللہ صفحہ نمبر ۴۶۵)

ایک اور دشمن ان کا فضل بن ربیع تھا جو برامکہ سے حسد رکھتا تھا اور خود قلمدان وزارت لینے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے یہ مشہور کر دیا کہ برامکہ شیعہ ہیں اور آخر کار ان کو گرانے میں کامیاب ہو گیا اور ان کے بجائے خود وزیر بن گیا۔ یہ بھی آئے دن یحییٰ کے برخلاف ہارون الرشید کے کان بھرتا رہتا تھا۔ دیلم پہنچنے پر بھی یحییٰ کو امن نہ ملا او مجبور ہو کر انھوں نے میدان جنگ کی موت قبول کی۔ اس سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوئی ہی کہ حاکم وقت

ہوتا تھا۔ وہ آل ابیطالب کو ستانے اور ذلیل کرنے کی ایک تدبیر اختیار کرتا تھا اور جب وہ لوگ تنگ آمد بجنگ آمد کے قاعدہ پر عمل کرتے تھے تو کہا جاتا تھا کہ خلفاء کو علوئیں نے آئے دن کی شورش سے تنگ کر رکھا ہے۔

جب دیلم کے لوگوں نے یحییٰ بن عبداللہ کو ہزاروں قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کے دوست ہیں اور ان کی مدد کریں گے تو یحییٰ نے خدا کا نام لے کر تلوار اٹھائی اور ۱۷۶ھ میں دیلم سے خروج کیا شروع شروع میں تو انھیں بہت کامیابی ہوئی۔ بہت سے شہر فتح کر لئے۔ ہارون الرشید کو اپنی سلطنت کے نکل جانے کا یقین ہو گیا۔ وہ بہت غمگین رہتا تھا اور شراب (نبیذ) پینی چھوڑ دی۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۵۴۔ سیرۃ النعمان شبلی صفحہ نمبر ۲۷۸)

آخر کار اس نے اپنے وزیر اعلیٰ فضل ابن یحییٰ کو ایک عظیم الشان لشکر دے کر ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ہر خط میں رشید فضل بن یحییٰ بن عبداللہ سے صلح و آشتی سے کام لو۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مکروفریب ودھوکا سے اسے مغلوب کرو۔ ان ہدایت پر عمل کر کے فضل بن یحییٰ برمکی نے۔ یحییٰ بن عبداللہ سے خط و کتابت کی اور آخر کار یحییٰ بن عبداللہ کو ان شرائط پر رضامند کر لیا۔

(۱) ہارون الرشید اپنے ہاتھ سے وعدۂ امان لکھے اور اس پر فقہا، علماء، قضاۃ و عمائد و اراکین سلطنت کی گواہیاں ثبت ہوں۔

(۲) اگر یہ شرط پوری ہو گئی تو وہ لڑائی کو ختم کر دیں گے اور اپنے تئیں ہارون الرشید کے حوالہ کر دیں گے اور اپنی فوج کو توڑ دیں گے۔

(تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۵۴، ۵۵، اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۵، اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون صفحہ نمبر ۶، البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ لابن کثیر الجزء العاشر صفحہ نمبر ۱۶۷، شبلی: سیرۃ النعمانی صفحہ نمبر ۲۷۸)

صلح نامہ و یحییٰ بن عبداللہ کی قید

یہ حال فضل نے رشید کو لکھا۔ ہارون الرشید کی جان میں جان آئی اور اس کے دل میں فضل کی بہت عزت ہوئی۔ اس نے ایک امان نامہ، خود اپنے ہاتھ سے لکھا اور اس پر سلطنت کے تمام عمائدین، فقہا، قضاۃ و اراکین گواہیاں ثبت کرائیں۔ بنی ہاشم کی گواہیاں ثبت کرائیں۔ بنو ہاشم کی گواہیاں بھی ثبت ہوئی اور اس کے ساتھ بہت سے تحائف، خلوعت، اور انعام جنس و نقد کی شکل میں بھیجے۔ فضل نے سب کچھ یحییٰ بن عبداللہ کے پاس بھیجدیا۔ یحییٰ بن عبداللہ فضل کے پاس آگئے اور وہ انہیں بغداد لے گیا۔ وہاں کچھ دنوں تک تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔ اور پھر لوہے کی بھاری بھاری بیڑیاں کے پیر میں ڈال کر ان کو تنگ و تاریخ قید خانہ مین مقید کر دیا گیا۔ قید خانہ سے وہ اکثر ان کو اپنے سامنے بلا کر ان کی تحقیری و توہین کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کا قصہ طبری نے اس طرح لکھا

ہے:۔۔۔۔۔۔

''ایک روز ہارون الرشید نے یحییٰ کو قید خانہ سے بلوایا۔ اس روز قاضی ابوالبختری اور محمد بن الحسن ابو یوسف کے دوست بھی وہاں موجود تھے۔ رشید نے وہ عہد امان منگوایا جو انھوں نے یحییٰ سے کیا تھا اور محمد بن الحسن سے پوچھا کہ اس عہد نامہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ آیا یہ صحیح ہے۔ محمد بن الحسن نے کہا کہ بے شک یہ صحیح ہے اس میں کوئی قانونی سقم نہیں ہے۔ رشید اس سے حجت کرنے لگا۔ محمد نے کہا کہ یہ امان نامہ تو ایک طرف رہا۔ اگر یحییٰ لڑا ہوتا اور اس نے پیٹھ پھیری ہوتی تب بھی اس کو امان تھی۔ اس فتوے کی وجہ سے رشید محمد بن الحسن سے برداشتہ خاطر ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے ابوالبختری سے کہا کہ تم اس تحریر کو غور سے پڑھ کر اپنی رائے دو۔ اس نے کہا کہ یہ عہد نامہ اس اور اس وجہ سے ناقص ہے یہ سن کر رشید نے کہا کہ میں نے تم کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ تم بے شک اس عہد نامہ کی قانونی حیثیت سے زیادہ واقف ہو۔''

پھر رشید نے اسے پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا اور ابوالبختری نے اس پر تھوک دیا بکار بن عبداللہ بن مصعب اس وقت دربار میں موجود تھا۔

(تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۵۷۔ اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ نمبر ۲۱۔ شبلی و سیرۃ النعمان صفحہ نمبر ۲۷۸، البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء العاشر صفحہ نمبر ۱۶۷)

اب ہارون الرشید نے یحییٰ کی طرف رخ کیا اور غصہ میں پھر کر کہا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے تجھ کو زہر دیا۔ یحییٰ نے یہ نہیں کہا کہ میں پہلے سے بیمار تھا۔ آپ نے زہر نہیں دیا بلکہ اس بات پر توجہ نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المومنین ہماری آپ کے ساتھ قرابت ہے۔ ہمارا آپ کے اوپر حق ہے کس وجہ سے آپ مجھ پر عذاب کر رہے ہیں اور مجھے قید کر رکھا ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کچھ نرم ہونے لگا لیکن بکار بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ ابن الزبیر نے کہا اے امیر المومنین آپ اس کی ایسی باتوں سے دھوکہ میں نہ آئیے۔ یہ بہت سخت گنہگار ہے۔ یہ باتیں تو مکر و خبث کی وجہ سے کر رہا ہے۔ اس نے ہمارے شہر میں فساد پیدا کیا ہے اور اس میں بغاوت پیدا ہوگئی ہے۔ یحییٰ نے کہا تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تمہیں دخل در معقولات کرنے کا کیا حق ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء العاشر صفحہ نمبر ۱۶۷ تا ۱۶۸)

ہارون جناب یحییٰ کی تذلیل

آپ نے دیکھا ہارون الرشید نے اپنے اس تحریری معاہدہ کی کیا قدر کی کو اتنی قسموں کے بعد اتنی گواہیوں کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ یہ ہی عزت اس کے دل میں قرآن کی تھی جو کہتا ہے کہ **کبر مقتاً عداللہ ان تقولو امالا تفعلون**۔ اس نے اپنے اس فعل سے خداوند تعالیٰ کو کس قدر ناراض کیا۔ جب اس کا یہ فعل تھا اس کی یہ تعلیم تھی، تو وہ

کس منہ سے یہ امید رکھتا تھا کہ اس کے بیٹے امین و مامون جنھوں نے اپنے باپ کا طرز عمل دیکھا تھا اس تحریری عہد نامہ پر عمل کریں گے جو اس نے کعبہ میں آویزاں کرایا تھا۔ جس طرح وہ کعبہ والا عہد نامہ چاک چاک ہوا دنیا جانتی ہے۔ کیا گزر رہی ہوگی ہارون الراشید کی روح پر جب جلادوں نے امین کے خیمہ میں جا کر اسے کھینچا اور اس کا سر اتارنے کیلئے تیار ہوئے۔ اس کے پیارے بیٹے امین کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ انجیل نے سچ کہا ہے کہ: The sins of fathers shall be visited upon their children.

باپ کے گناہوں کا بدلہ بیٹے سے لیا جائے گا۔ اس کی پیاری بیوی زبیدہ کے دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ جب اس نے اپنے بچے امین کے سر کو جلاد کے نیزے پر دیکھا ہوگا۔

یہ وہ سر ہے۔ جس میں وہ کنگھی کرتے تھی۔ اور اپنی گود میں سلاتی تھی۔ اپنی مصیبت کا تو جانور کو بھی احساس ہوتا ہے۔ انسان وہ ہے۔ جس کو دوسروں کی مصیبت کا احساس ہو۔ یحیٰ بھی تو کسی ماں کا بیٹا تھا جس کے ساتھ بدعہدی کر کے عہد نامہ کو چاک کیا تھا اور اس طرح قید میں رکھ چھوڑا تھا اور پھر آخر کار اس زندہ پر دیوار چنوائی گئی۔ اس ہی محل کی تو بات ہے۔ جس میں زبیدہ رہتی تھی۔ وہ زبیدہ جو سلطنت کے ہر کار میں اپنے خاوند کی شریک تھی۔ بلکہ اس پر حاوی تھی۔ اس وقت اس کے دل کی کسی رگ نے حرکت نہ کی۔ اتنا نہ کہا گیا اپنی خاوند سے کہ یہ بدعہدی و ظلم کس شریعت میں روا ہے۔ دنیا کی سزا تو بہت قلیل حصہ ہے۔ اس سزا کا جو ظالموں کے لئے عاقبت میں مہیا کی گئی ہے۔ بہت سے جذبات ہیں جو انسان و حیوان میں مشترک ہیں۔ لیکن انصاف و رحم کے جذبات صرف انسانوں کے ساتھ مختص ہیں لہٰذا جس میں یہ دو جذبے نہیں وہ حیوان مطلق ہے۔

ہارون الرشید اکثر یحیٰ کو جیل خانہ سے بلا کر اسی طرح ان کی تحقیر و تذلیل کرتا تھا اور لوگوں سے بھی کراتا تھا۔ ایک اور واقعہ ہم تاریخ طبری سے لکھتے ہیں۔ ابن کثیر نے شاید ان دونوں واقعات کو ایک سمجھ کر ملا دیا ہے۔ ذیل کی عبارت تاریخ طبری کے ترجمہ کی نقل ہے۔

عیسیٰ ابن جعفر کہتا ہے کہ میں آج ہارون الرشہد کی خدمت میں باریاب تھا۔ انھوں نے یحیٰ بن عبداللہ کو طلب کیا۔ وہ فولادی بیڑیاں پہنے قید خانہ سے حاضر کیا گیا۔ بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بھی ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ آل ابیطالب کا شدید دشمن کے ساتھ اور ہمیشہ ہارون سے ان کی شکایت کیا کرتا تھا اسی وجہ سے ہارون الرشید نے اسے مدینہ کا والی مقرر کر کیا سے آل ابی طالب پر سختیاں کرنے کی ہدایت کی تھی۔

اولاد زبیر کی عداوت آل علی سے وزبیری کی جھوٹی قسم

جب یحیٰ کو آواز دی گئی تو رشید نے ہنستے ہوئے اس سے کہا کہ آئے آئے یہ تو اس بات کا مدعی ہے کہ ہم نے اسے زہر دے دیا ہے۔ یحیٰ نے کہا کہ ادعا کے کیا معنی یہ دیکھو میری زبان حال ہے۔ اس نے اپنی سبز شدہ زبان باہر نکالی جو آبلوں سے بھری ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر رشید کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اور اس کا غضب اور بڑھ گیا۔ اس رنگ کو

دیکھ کر اب یحییٰ نے منت سماجت شروع کی اور کہا کہ امیر المومنین ہم آپ کے عزیز قریب ہیں۔ ترک یا دیلم نہیں ہیں۔ آ کو اللہ اور رسول سے اپنی قرابت کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس قید اور عذاب سے مجھے رہا کریں۔ یہ سن کر ہارون الرشید کا دل تو نرم ہوا۔ مگر اس زبیری نے رشید سے بڑھ کر کہا اے امیر المومنین اس کینز م اور جزانہ باتوں میں نہ آیئے۔ یہ باغی نافرمان ہے اور اس کی یہ تمام گفتگو کر اور خبث نیت پر مبنی ہے۔ اس نے ہمارت شہر مدینہ میں بغاوت برپا کر کے اسے ہمارت رہنے کے قابل نہ رکھا۔ یہ سن کر یحییٰ بن عبداللہ نے اس زبیری کو ڈانٹا اور پھر ہارون ہارون الرشید سے مخاطب ہو کر اپنی قرابت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ اور اس جیسے دوسرے فرد مایہ لوگوں کو یہ کیسے جرات ہوئی کہ وہ آپ کے اہلبیت پر زبان درازیاں کریں اور آپ سے ان کی چغلخوریاں کرتے رہیں۔ بخدا یہ ہماری شکایت آپ کی خیر خواہی کی نیت سے نہیں کرتا ہے۔ بلکہ جس طرح یہ آپ سے ہماری چغلخوری کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارے پاس آن کر بغیر ہماری بھلائی کی نیت کے آپ کی چغلخوری ہم سے کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے تعلقات خراب ہوں اور ہم میں سے جو بھی برباد ہو اسے بغلیں بجانے کا موقع ملے۔ امیر المومنین خدا کی قسم ہے کہ جب میرا بھائی محمد عبداللہ مارا گیا تو یہ میرے پاس تعزیت کے لئے آیا اور اس نے کہا کہ اس کے قاتل پر اللہ کی لعنت ہو اور اس نے تقریباً بیس شعروں کا مجھے مرثیہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ اگر خلافت کے لئے جدوجہد کرو تو میں سب سے پہلے تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ اور یہ کہ بصرہ کیوں نہیں چلتے میں بالکل تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ سن کر زبیری کا رنگ متغیر ہو گیا۔ سوائے انکار کرتے کچھ نہ بنی۔ یحییٰ نے کہا کہ میں قسم تجویز کرتا ہوں وہ قسم یہ اٹھائے قسم یہ تھی "اگر میں نے یہ مرثیہ کہا ہو تو اللہ کی طاقت اور قوت کی حمایت سے نکل کر اپنی طاقت اور قوت کے سپرد ہوتا ہوں"۔ اول تو زبیر نے اس قسم کے اٹھانے سے انکار کیا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو قسم اسی طرح کھانا پڑے گی۔ ورنہ کہدو کہ تم جھوٹے ہو اور یحییٰ سچا ہے۔ اس پر آخر کار زبیری نے اسی طرح قسم کھائی۔ یہ حلف اٹھ کر وہ ہارون کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر نکلتے ہی اسے فالج ہوا اور اسی وقت وہ مر گیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے عیسیٰ بن جعفر کہنے لگا کہ مجھے خوشی اس بات کی ہوئی کہ زبیری و یحییٰ کے درمیان جو واقعہ پہلے پیش آ چکا تھا اسے یحییٰ نے بلا کم وکاست حرف صحیح بیان کر دیا۔ (اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ نمبر ۷ الغایت ۲۰، تاریخ طبری عربی الجزء العاشر صفحہ نمبر ۵۵ تا ۶۵، تاریخ ابن کثیر شامی الجزء العاشر صفحہ نمبر ۱۶۷ تا ۱۶۸)

ابوالفرج اموی نے یحییٰ بن عبداللہ کی گفتگو کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے عبداللہ ابن زبیر کی بہت سی قبیح باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے چالیس دن تک رسول خداؐ پر نمازیں درود نہیں بھیجا۔ جب لوگوں نے شکایت کی تو کہا کہ ان کے اہلبیت بہت برے ہیں۔ اگر میں درود پڑھوں گا۔ تو ان غرور ہو گا اور وہ اپنی گردنیں اونچی کریں گے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۷)

ایسے تھے یہ لوگ جن کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ بلکہ عبداللہ ابن زبیر تو خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں۔

ابوالفرج اور مسعودی نے عبداللہ ابن مصعب زبیری کی موت اور دفن کے حالات بھی ذرا تفصیل سے لکھے ہیں وہ یہ ہیں:۔

جب بکار عبداللہ بن مصعب نے جھوٹی قسم کھائی تو یحییٰ بن عبداللہ نے اس کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ واللہ تیری عمر منقطع ہوئی اور اس کے بعد تو فلاح نہ پائے گا۔ عبداللہ ابن مصعب ابھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا تھا کہ اسے جذام شروع ہو گیا اور اس کے اعضا جھڑنے لگے۔ تین دن کے اندر مر گیا۔ فضل بن الربیع اس کے جنازہ پر موجود تھا۔ فضل ابن الربیع کہتا ہے کہ جب اس کو لحد میں ڈالا تو لحد دھنسنے لگی۔ یہاں تک کہ اس کا مردہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ یعنی اندر دھنس گیا اور قبر میں سے بہت دھواں نکلا۔ فضل چلایا۔ مٹی ڈالو۔ مٹی ڈالو۔ لیکن جتنی مٹی ڈالتے تھے اندر غائب ہو جاتی تھی۔ گٹھے لکڑیوں کے رکھے تھے وہ اندر ڈال دیئے پھر بھی قبر پر نہ ہوئی۔ آخر کار اسی طرح چھوڑ کر قبر کے اوپر چھت بنادی گئی۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۷۸۔ مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۶۱ تا ۲۶۲)

مقاتل الطالبین میں اس سے پہلے ایک اور حاضری کا ذکر ہے۔ یحییٰ کو دربار میں بلایا گیا۔ اور ہارون الرشید نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور لڑائی کا ذکر کیا۔ یحییٰ نے ایک کاغذ نکالا۔ اس کا رخ رشید کی طرف کیا اور کنارے اپنے ہاتھ میں رکھے، غالباً یہ اس تحریری عہد کا ثنیٰ تھا جو ہارون نے یحییٰ کے ساتھ کیا تھا۔ ہارون اس کو پڑھ کر بہت ناراض ہوا۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۷۲ تا ۴۷۳)

ہارون کا یحییٰ کو درّے لگوانا

یحییٰ بن عبداللہ کی موت کے واقعہ کو مختلف روایات سے بیان کی گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو ان کو ایسا زہر دیا گیا جس کا اثر ظاہر ہوا اور دیر میں موت ہو لیکن زہر کا دینا ظاہر ہو گیا اور خود یحییٰ نے شکایت کی۔ اب زہر کی تاخیر نا پسند ہوئی درندوں کو بھوکا رکھ کر ان کے احاطہ میں یحییٰ کو ڈالا گیا۔ مسعودی بیان کرتا ہے کہ درندوں نے ان کو نہ کھایا۔ نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچائی۔ پھر اس کے بعد پتھر کے ستون میں ان کو زندہ چن دیا گیا۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۸۲۔ مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۲۶۲)

جب یحییٰ قید میں تھے تو ہارون الرشید خود متواتر تین دن تک قید خانہ میں گیا اور اپنے سامنے ہر دفعہ سو سو درے ان کے لگوائے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۸۱)

ادریس بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابیطالب

یہ یحییٰ عبداللہ اور محمد نفس الزکیہ کے بھائی تھے اور واقعہ فخ میں حسین ابن علی کے ساتھ تھے۔ شکست کے بعد بچ کر یہ مصر پہنچے۔ اس وقت محکمہ ڈاک کا افسر اعلیٰ مصر میں واضح تھا۔ اس کو ادریس پر رحم آیا اور اس نے ڈاک گھوڑوں پر ادریس کو ملک بربری میں بھیج دیا۔ وہاں ارض طنجہ میں شہر ولیلہ میں ٹھہرا۔ وہاں بربری اس کے معتقد ہو

گئے اس جرم میں اس نے آل رسولؐ کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی واضح کو ہادی کے حکم سے قتل کیا گیا۔ اور طبری مورخ نے اس کو خبیث رافضی کا لقب عنایت کیا۔ یہ ۱۷۰ھ کا واقعہ ہے۔ ادریس نے مغرب اقصےٰ میں پہنچ کر اپنے تئیں وہاں قائم کرلیا اور ایک سلطنت بنائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ واضح کو ہارون الرشید نے قتل کرایا تھا۔ بہر صورت ہارون الرشید کو اب ادریس کی فکر ہوئی اور اپنے پرانے ہتھیار یعنی مکرو دغا پر اتر آیا۔ اس کے حکم سے ادریس کو دھوکا دیکر زہر کھلایا گیا۔ کس طرح دھوکا دیا گیا۔ اس کی مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے مہدی کے غلام شماخ کو جو کہ ایک اچھا طبیب تھا زہر دے کر ادریس کی طرف بھیجا اور کہا کہ اس کا دوست وطبیب بن کر اسے زہر دے۔ چنانچہ شماخ گیا اپنے تئیں طبیب ظاہر کیا پہلے تو یہ ظاہر کیا کہ وہ اہلبیت کا دوست ہے۔ اور ادریس کی دوستی ظاہر کی۔ جب رسوخ ہوگیا تو یکا دن ادریس نے اس سے شکایت کی کہ میرے دانتوں میں درد ہے۔ شماخ نے زہر آلود منجن ادریس کو دیا یہ کہہ کر کہ صبح کو استعمال کرنا۔ شماخ روتوں راتوں رات بھاگ گیا۔ ادریس نے جب صبح استعمال کیا تو خون جاری ہوگیا اور معلوم ہوا کہ وہ زہر آلود ہے۔ شماخ کی تلاش کروئی وہ بھاگ چکا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سلیمان بن جریر کو زہر آلود غالیہ کی شیشی دے کر کہا کہ اس سے ادریس کا کام تمام کرنا۔ سلیمان بن جریر بہت لسان تھا۔ ادریس کا ہم مذہب ظاہر کرکے اس کا مصاحب بن گیا اور ایک دن کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں عراق سے نہایت عمدہ غالیہ لایا ہوں۔ یہاں نہیں مل سکتا آپ اسے استعمال کریں۔ ادریس نے استعمال کیا زہر کی وجہ سے غش آگیا۔ سلیمان کی تلاش کی گئی۔ وہ فرار ہو چکا تھا۔ لوگ اس کے پیچھے گئے۔ آخر کار ادریس کے وفادار غلام راشد نے اس کو پکڑ لیا اور قتل کردیا۔ ادریس کی عورت حاملہ تھی۔ مدت حمل کے بعد اس کا لڑکا پیدا ہوا اس کا نام بھی ادریس رکھا گیا۔ اور وہ سلطنت کا مالک ہوا۔ یہ ادریس بن ادریس ربیع الآخر ۱۷۵ھ میں پیدا ہوا۔ یہ سلطنت ۱۷۲ھ ۷۸۸ء سے ۳۱۰ھ ۹۲۲ء تک رہی۔ اس میں دس بادشاہ ہوئے۔ یہ طبری مورخ کے زمانہ تک رہی۔ ادریس کے حالات ہم نے مندرجہ ذیل کتب سے لئے ہیں۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۹ تا ۳۰۔ مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۳۸۸ تا ۳۸۹، ۳۹۰ تا ۳۹۱۔ تاریخ ابوالفدا الجزء الثانی صفحہ نمبر ۱۳)

عبداللہ بن الحسن بن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب علیہم السلام

حسین ابن علی صاحب فخ کی مصیبت میں عبداللہ بن حسن نے اپنے قریبی رشتہ دار کا ساتھ دیا تھا اور جنگ فخ میں یہ موجود تھے۔ رشید کو آل ابی طالب کی تلاش رہتی تھی اور ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ آل ابی طالب میں سے کسی کو دیکھا ہے۔ ایک دن اس نے اپنے وزیر فضل بن یحییٰ سے پوچھا کہ ہم نے خراسان میں آل ابی طالب میں سے کسی کا ذکر سنا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے بہت کوشش کی کسی کا ذکر نہیں سنا۔ اتنا سنا ہے کہ ایک شخص کہتا تھا کہ فلاں گاؤں میں عبداللہ بن الحسن بن علی آیا ہے اور کچھ نہیں سنا۔ رشید نے یہ سنتے ہی فضل بن یحییٰ کو ادھر بھیجا اور وہ پکڑ کر لایا۔ رشید نے عبداللہ بن الحسن سے سوال کیا کہ تم نے زیدیہ کو اپنے اردگرد جمع کرلیا ہے اور ہم پر خروج کرنا،

چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ قسم بخدا میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا اور نہ کروں۔ مدینہ میں پرورش پائی۔ صحرا میں رہا۔ شکار کا شوق ہے لیکن رشید نے نہ مانا اور اسے قید کر دیا۔ اس نے قید میں سے ایک خط سخت الفاظ میں ہارون الرشید کو لکھا۔ ہارون نے جعفر بن یحیٰی سے شکایت کی۔ دوسرے دن جعفر قید خانہ میں گیا اور اس بیچارہ کا سر قلم کر کے ہارون الرشید کے پاس تحفۃً پیش کیا۔ دکھاوے کے لئے ہارون نے کہا یہ تجھے نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اردو میں ایک مثل ہے کہ من چاہے۔ منڈیا ہلائے۔ اسی طرح اس کے بیٹے ماموں کیا تھا خود قاتلوں کو مامور کیا کہ ذوالریاستین کو قتل کر دیں۔ جب قتل کر کے سر ماموں کے سامنے لائے تو کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ یہ دنیاوی سلطنت کے گر ہیں۔ جعفر بن یحیٰی بلکہ تمام برامکہ کو شیعہ کہا جاتا ہے امام زین العابدینؑ کے پڑوتے کو کوئی شیعہ قتل کرے گا؟

ان کو ابن الافطس بھی کہتے تھے۔

ان کے حالات مقاتل الطالبین میں درج ہیں۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۹۲)

محمد بن یحیٰی بن عبداللہ بن الحسن ابن الحسن بن علی بن ابی طالب

آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ بکار بن عبداللہ بن مسعب الزبیر آل ابی طالب کا بڑا دشمن تھا اور ہارون الرشید نے اس کو مدینہ کا والی محض اس غرض سے بنایا تھا کہ وہ ابی طالب پر سختیاں کرے اس ہدایت کی تعمیل اور اپنی ذاتی عناد کے باعث اس نے محمد بن یحیٰی بن عبداللہ بن الحسن کو مدینہ میں گرفتار کر کے قید کر دیا۔ یہ غالباً اس وقت کا ذکر ہے کہ جب ان کے والد یحیٰی بن عبداللہ ہارون الرشید کے خوف سے بھاگتے پھرتے تھے۔ یہ ایک دن بازار میں ماہ رمضان کی روزوں کی تیاری کے لئے سودا خریدنے آئے۔ بکار کا ایک ایلچی آیا اور ان کا قید خانہ میں لے گیا۔ فوراً ہی دوسرا قاصد اس ہدایت کے ساتھ پہنچا کہ ان پر خوف سختی کی جائے پھر فوراً ہی تیسرا قاصد آیا اور اس نے کہا کہ ان کی قید کر دو۔ اس کے بعد ہی چوتھا آیا جس نے کہا کہ ان کو بہت بھاری بھاری بیڑیاں پہناؤ۔ یہ سن کر اس مظلوم نے یہ شعر پڑھا۔

انی من القوم الذین تزیدھم
قسواً وصبراً شدۃ الحدثان

میں اس خاندان میں سے ہوں کہ جن کے عزم و صبر کو مصائب کی سختیاں اور زیادہ کرتی ہیں ان پر اتنی سختی کی گئی کہ یہ قید خانہ ہی میں مر گئے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۹۵)

حسین بن عبداللہ بن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر ابن ابی طالب علیہ السلام

ان کو بھی بکار نے اپنی دوران ولایت مدینہ میں بغیر کسی قصور کے پکڑ کر اتنا کوڑوں سے مارا کہ اس مار ہی میں مر گئے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۹۷)

عباس بن محمد بن عبداللہ بن علی بن الحسین ابن علی ابن ابی طالب

ان کی والدہ جناب امام محمد باقرؑ کی صاحبزادی تھیں۔ ہارون الرشید نے ان کو دربار میں بلایا اور دیر تک سخت کلامی کرتا رہا۔ آخر میں ہارون الرشید نے ان کو کہا کہ اے چھنال زانیہ کے لڑکے۔ عباس نے جواب دیا ایسی تو تیری ماں تھی۔ جس کے پاس بازاری لوگ آتے تھے۔ اس پر عباس کو گرز آہنی سے اتنا مارا کہ آپ اس مار کے نیچے ہی مر گئے۔ خدا کی شان ایک شرابی، ظالم زانی حاکم امام زادی کو چھنال کہتا ہے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۴۹۸)

جناب امام موسیٰ کاظم ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام

مندرجہ ذیل حالات ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ ہجری کی کتاب تاریخ بغداد الجزء الثالث عشر ص ۲۷ لغایت ۳۲ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظۃ المصر ۱۳۴۹ ہجری مطابق ۱۹۳۱ء کی عبارت کا تقریباً اردو ترجمہ ہے۔

مدینہ میں ۱۲۸ یا ۱۲۹ ہجری میں پیدا ہوئے خلیفہ مہدی نے انھیں بغداد میں طلب کیا۔ پھر مدینہ میں واپس کردیا۔ جہان یہ رشید کی تخت نشینی تک رہے۔ جب رمضان ۱۷۹ میں حج سے ہارون الرشید واپسی پر مدینہ آیا تو جناب موسیٰ کاظم کو وہ بغداد لیگیا اور وہاں قید کردیا۔ یہ متواتر قید خانہ مین رہے۔ یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ یہ بہت عبد صالح اور صاحب اجتہاد تھے۔ اول شب مسجد رسول میں داخل ہوتے تھے۔ نماز پڑھ کر سجدہ میں جاتے تھے اور لوگوں نے سنا کہ وہ سجدہ میں لگاتار کہا کرتے تھے۔

عظیم الذنب عندی فلیحسن العفو عندك یا اهل التقویٰ ویا اهل المغفرة۔ اس کو دوہرائے جاتے تھے۔ یہانتک کہ صبح ہو جاتی تھی۔ سخی و کریم تھے۔ جب کبھی آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ فلاں آدمی آپ کو برا کہتا ہے اور اذیت کے درپے تھے تو اس کے پاس ایک ہزار دینار کے تھیلی بھجواتے تھے۔ آپ کے پاس ایک صد دو صد اور تین صد دینار کی تھیلیاں ہوتی تھیں وہ آپ مدینہ میں لوگوں پر تقسیم کو دیتے تھے۔ یہ مثل مقرر ہوگئی کہ جس کو موسیٰ ابن جعفر کی دینار کی تھیلی مل گئی وہ دولت مند ہوگیا۔ محمد بن عبداللہ البکری کہتا ہے کہ میں مدینہ آیا۔ کیونکہ مجھے روپیہ کی ضرورت تھی۔ جناب موسیٰ کاظم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ اپنی غربت کی شکایت کروں۔ ان کے در دولت پر حاضر ہوا آپ باہر نکلے۔ پہلے تو مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ پھر میری حاجت پوچھی۔ میں نے اپنی حاجت بتائی۔ آپ اندر گئے۔ پھر باہر آگئے۔ آپکا غلام جو وہاں بیٹھا تھا اسے کہدیا کہ تو چلا جا۔ جب وہ چلا گیا پھر آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ میں صرہ زر رکھا جس میں تین صد دینار تھے پھر آپ چلے گئے مین بھی چلا آیا۔ مدینہ میں حضرت عمر کی اولاد سے ایک شخص تھا وہ حضرت علی کو گالیاں دیا کرتا تھا اور امام موسیٰ کاظم کو ایذا دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر حکم ہو تو اس کو قتل کردیں۔ آپ نے شدت کے ساتھ منع کیا اور کہا کہ تم نے ایسا کیا تو میں تم سے بہت ہی

ناراض ہو جاؤں گا۔ آپ نے اس شخص کا گھر پوچھا کہ کہاں ہے۔ جب معلوم ہوا کہ مدینہ کے پاس اپنے کھیت پر رہتا ہے تو آپ خچر پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے اور اس کے کھیت میں خچر ہی پر سے گزرے وہ عمری چلایا کہ میری زراعت کو نہ خراب کرو۔ آپ اس کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے آپ نے اس سے پوچھا کہ اس زراعت میں تو نے کتنا خرچ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ تقریباً ایک صد دینار۔ پھر فرمایا کہ اب اس کھیت میں سے کتنی پیداوار ہوگی۔ اس نے کہا کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تخمیناً بتادو۔ اس نے کہا کہ دو صد دینار۔ آپ نے تین صد دینار اس کو دیئے اور کہا کہ پھر بھی یہ تیری زراعت تیرے لئے ہے۔ وہ عمری اٹھا اور آپ کے سر پر بوسہ دیا اور آپ چلے آئے۔ جب آپ مسجد میں آئے تو وہ عمری بھی تھا۔ وہ تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور کہا کہ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے پاس ودیعت کرے۔ اس عمری کے درست اوس عمری کے پیچھے پڑ گئے۔ کہ تجھے کیا ہوا ابھی تو تو ان کو برا بھلا کہتا تھا۔ اب یہ ہے اوس نے اپنے دوستوں کو ڈانٹا۔ اور جب وہ امام موسیٰ کاظم سے ملتا اسیطرح کہتا تھا جناب امام موسیٰ کاظم نے اپنے دوستوں سے کہا جنہوں نے عمری کے قتل کا ارادہ کیا تھا کہ کیا چیز بہتر ہے وہ جو میں نے کی۔ یا وہ جس کا تم ارادہ کر رہے تھے۔

محمد بن مغیث جس کی عمر نوے سال کی ہوئی۔ کہتا ہے کہ میں نے موضع جواتیہ میں ایک کنوئیں پر کھیتی کی تھی۔ جب کھیتی کھڑی ہوگئی اور قریب تھا کہ میں پوری فصل کروں ٹڈیاں آئیں اور سارے کھیت کو کھا گئیں میں نے کھیتی پر ایک صد بیس دینار خرچ کئے تھے۔ جن میں دو اونٹوں کی قیمت بھی شامل ہے میں رنج میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں جناب موسیٰ کاظم آئے۔ سلام کیا اور میرا حال پوچھا میں نے کہا کہ میں تو غریب ہوگیا۔ سارا حال سنایا آپ نے پوچھا کتنا خرچ کیا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک صد بیس دینار جس میں دو اونٹوں کی قیمت بھی شامل ہے۔ آپ نے مجھے ایک صد پچاس دینار دیئے فرمایا کہ تیس دینار تیرے نفع کے ہیں اور اونٹ تیرے علیحدہ رہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے زراعت دوبارہ کی اور خدا نے مجھے اس میں بہت برکت دی یہاں تک کہ دس ہزار درہم کا مجھے فائدہ ہوا۔

جناب موسیٰ کاظم کو سندی کے پاس قید کیا تھا اور اس کی بہن اس قید کی نگرانی کے لئے مقرر ہوئی۔ وہ کہتی ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظم نماز عشا کے بعد حمد و دعا میں مشغول رہتے تھے اور دعائیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ رات زائل ہو جاتی تھی۔ اس وقت آپ صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ پھر ذکر خدا کرتے تھے یہاں تک کہ سورج نکل آتا تھا۔ پھر دن چڑھے تک آپ آرام کرتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ پھر سو جاتے تھے۔ اور زوال شمس تک سوتے رہتے تھے۔ پھر اٹھ کر وضو کر کے نماز عصر پڑھتے تھے۔ پھر مغرب تک ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے پھر نماز مغرب پڑھتے تھے مغرب اور عشا کے درمیان نمازیں پڑھتے رہتے تھے۔ یہ آپ کا روز کا معمول تھا۔ وہ عورت جناب موسیٰ کاظم کی یہ حالت دیکھ کر کہتی تھی کہ وہ قوم برباد ہوئی جس نے ایسے شخص سے تعرض کیا۔ وہ عبد صالح تھے۔

محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ جناب موسیٰ کاظم نے قید خانہ میں سے ایک خط ہارون الرشید کو بھیجا تھا۔ جس

میں لکھا تھا کہ جس طرح میری مصیبت کا ایک دن گزر جاتا ہے اوسی طرح تیرا عیش کا دن گزرتا ہے یہاں تک کہ وہ دن آئے گا کہ جو کبھی نہیں گزرے گا اواس کو زوال نہ ہوگا۔اور اس دن اہل باطل خسارہ میں ہوں گے۔

قید وزہر کی مصیبت

سندی کالڑکا عبدالسلام کہتا ہے کہ جناب موسیٰ کاظم ہمارے پاس قید تھے قید ہی میں انتقال ہوا۔آپ کا سن وفات ۱۸۳ھ ہجری ہے۔جب رجب ختم ہونے میں پانچ راتیں باقی تھیں۔(ختم ہوا کلام خطیب بغدادی از تاریخ بغداد)

قید وزھر کی مصیبت:۔ مہدی وہارون الرشید نے آپکو بہت عرصہ تک قید رکھا یہانتک کہ قید ہی میں انتقال فرمایا۔ جعفر بن محمد بن الاشعث الخزاعی شیعہ تھا اور جناب امام موسیٰ کاظم کی بہت خدمت کرتا تھا۔وہ ہارون الرشید کے مقربین میں سے بھی تھا۔چنانچہ ۱۷۱ھ میں ہارون الرشید نے اوسے خراسان پر حاکم مقرر کیا اور وہ دو سال تک حاکم رہا۔(دیکھو تاریخ الکامل لابن الاثیر وقائع ۱۷۱ھ ہجری)

یحییٰ بن خالد برمکی کو اسوجہ سے اس سے بہت حسد تھا۔اکثر اسکی چغلی کرتا تھا۔یحییٰ نے یہ چالاکی کی کہ جعفر بن محمد بن الاشعث کے پاس گیا اور کہا کہ میں بھی شیعہ ہوں۔جعفر یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اپنا محرم راز بنا لیا۔یحییٰ اس کے سارے حالات جا کر ہارون الرشید سے کہتا تھا اور اپنی طرف سے بہت بڑا کر اور مبالغہ کر کے کہا کرتا تھا۔اس کی عداوت کی ایک اور وجہ یہ ہوگئی کہ ہارون الرشید نے اپنے محمد ملقب بہ امین کو جعفر ابن محمد بن الاشعث کی گود میں بغرض تعلیم وتربیت دیدیا اس سے یحییٰ کے آگ لگ گئی۔ کہنے لگا کہ بس اب ہارون الرشید کے مرنے کے بعد میں خلیفہ ہوا اور اس وقت میرے اور میرے لڑکے کا رسوخ ختم ہو کر جعفر بن الاشعث کی طرف چلا جائے گا۔لیکن جو خدمات جعفر اور اس کے باپ محمد نے خلافت کے لئے کی تھیں ان کی وجہ سے ہارون الرشید کے دل میں جعفر کی بہت عزت تھی ایک دن جعفر ہارون الرشید کی خدمت میں آیا۔دیر تک باتیں کرتا رہا۔اس سے ہارون الرشید بہت خوش ہوا اور جعفر کو بیس ہزار دینار انعام دیا۔وہ چلا گیا۔اس دن تو یحییٰ نے کچھ نہ کہا لیکن کئی دن کے بعد اس نے ہارون الرشید سے کہا کہ میں جعفر اور اس کے مذہب کے حالات آپ کو سناتا رہتا ہوں لیکن آپ کو یقین نہیں آتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جتنا بھی مال آتا ہے جہاں سے بھی آتا ہے اس میں سے جعفر بن محمد بن الاشعث خمس نکال کر اپنے امام موسیٰ کاظم کو پہنچاتا ہے۔اور مجھے یقین ہے کہ بیس ہزار دینار جو آپ نے اسے دیئے تھے اس میں سے بھی اس نے یہ ہی کیا ہوگا۔ہارون الرشید نے رات کو جعفر بن محمد کو بلا وہ بھیجا۔اس کو یحییٰ کی چغلخوریوں کا علم تھا اور اس کی دشمنی سے واقف تھا۔اسے یقین ہوگیا کہ ہارون الرشید نے مجھے قتل کرنے کیلئے بلایا ہے۔چنانچہ اس نے غسل کیا حنوط لگایا۔کفن پہنا اور پھر اوپر سے درباری لباس پہن کر رشید کے پاس گیا رشید کو جو کافور کی خوشبو آئی تو جعفر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔اس نے سارا حال بتا دیا۔رشید نے کہا کہ ڈرو نہیں میں نے تو تم کو اس لئے بلایا ہے کہ

تمھیں بتادوں کہ تمہاری نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ تم جناب موسیٰ کاظم کو اپنے مال کا خمس بھیجتے ہو اور میں نے جو بیس ہزار دینار دیئے تھے اس میں سے بھی تم نے خمس بھیجا ہے۔ جعفر نے کہا کہ امیرالمومنین میں یہاں ٹھہرتا ہوں آپ ابھی اپنے کسی خادم کو بھیج کر میرے گھر سے ساری سربمہر اسی طرح رکھی ہوئی تھیلیاں منگا لیجئے۔ جعفر نے اپنی لونڈی کو لکھا جس کے پاس یہ مال تھا کہ یہ سارا مال اسی طرح قاصد کو دیدو۔ جعفر نے اپنی مہر ہارون الرشید کو دے دی۔ قاصد جا کر اسی طرح سارا مال جوں کا توں لے آیا۔ جعفر نے کہا کہ یہ دیکھئے میرے دشمنوں کا کذب ظاہر ہو گیا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ اب میں کبھی ان لوگوں کا اعتبار نہ کروں گا لیکن باوجود اس کے یحییٰ اس ہی کوشش میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح جعفر کو ہارون کی نظر سے گرائے۔ ایک دن یحییٰ نے اپنے معتبر آدمیوں سے کہا کہ کیا آل ابیطالب میں سے تم کسی ایسے آدمی کو جانتے ہو جو غریب ہو۔ دنیا کی رغبت اس کے دل میں ہو۔ تو میں اس کو مال وغیرہ دے کر موسیٰ بن جعفر کا حال اس سے دریافت کراؤں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ امام موسیٰ کاظم سے جو تعلقات جعفر بن محمد بن الاشعث کے ہوں وہ معلوم کرے اس کو بتایا گیا کہ ایسا شخص علی بن اسماعیل بن امام جعفر صادق بن محمد الباقر ہے۔ یحییٰ ابن خالد برمکی نے اس کے پاس بہت مال و متاع بھیج کر اسے بلایا اور کہا کہ اپنے عم موسیٰ الکاظم اور ان کے شیعوں کے حالات سے مطلع کرے اور نیز پتہ لگائے کہ ان کے پاس اتنا مال کہاں سے آتا ہے۔ علی بن اسماعیل نے کہا مجھے یہ سارے حالات معلوم ہیں۔ اور اس نے وہ حالات مبالغہ کے ساتھ بتائے اور جناب امام موسیٰ کاظم کی بہت شکایت کی۔ یحییٰ نے مزید مال دے کر کہا کہ تم رشید کے پاس جا کر سارا حال بیان کرو۔ جناب امام موسیٰ الکاظم کو بھی اس کی خبر مل گئی۔ آپ نے علی بن اسماعیل سے دریافت کیا کہ تم باہر کیوں جا رہے ہو۔ علی بن اسماعیل نے کہا کہ میرے اوپر بہت قرض چڑھ گیا ہے۔ امام نے فرمایا کہ میں وہ قرض ادا کردوں گا اور تمہاری کفالت بھی کروں گا۔ لیکن علی ابن اسماعیل راضی نہ ہوا۔ اس پر جناب امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ دیکھو خدا سے ڈرو او میرے بچوں کو یتیم نہ کرو اور آپ اس کو ۳۰۰ دینار اور چار ہزار درہم دیئے۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ یہ ضرور میرے قتل کی کوشش کرے گا کہ میری اولاد کو یتیم کرے۔ لوگوں نے کہا پھر آپ اس پر اتنی عنایت کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ صلہ رحم کیا جائے اور باوجود اس کے وہ قطع رحم میں کوشش کرے تو پھر خدا قطع رحم کرنے والے کو تباہ کرتا ہے۔ علی ابن اسماعیل یحییٰ کے پاس آیا۔ سارا حال بتایا۔ یحییٰ یہ خبر سن کر علی بن اسماعیل کے ساتھ ہارون الرشید کے پاس گیا۔ علی بن اسماعیل نے ہارون الرشید کے پاس جناب امام موسیٰ کاظم کی بہت برائیاں کیں۔ جھوٹ اور مبالغہ کے ساتھ واقعات بیان کئے اور کہا کہ ان کے پاس مشرق و مغرب سے مال آتا ہے۔ ابھی انھوں نے تیس ہزار دینار میں گاؤں خریدا ہے۔ انھوں نے بائع کے سامنے تیس ہزار دینار کا مال پیش کیا۔ بائع نے کہا کہ میں تو نقد لوں گا۔ انھوں نے پھر اتنی ہی رقم نقد اسے دی۔ ہارون الرشید نے اسے سو ہزار (ایک کروڑ) درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔ لیکن اسی وقت اسے پیچش ہوگئی۔ اس کی آنتیں کٹ کٹ کر پاخانے

کے راستہ خارج ہونے لگیں۔ بہت علاج کیا نہ فائدہ ہوا۔ پھر وہ مال اس کے پاس لایا گیا۔ اس نے کہا کہ میں تو اب مررہا ہوں اس روپیہ کو کیا کروں گا۔ پس علی بن اسماعیل مر گیا اور وہ مال واپس ہارون الرشید کے خزانہ میں داخل کر دیا گیا۔ یہ خسر الدنیا والآخرہ کی مثال ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شخص علی ابن اسماعیل نہیں بلکہ اس کا بھائی محمد ابن اسماعیل ابن امام جعفر الصادقؑ تھا۔ ممکن ہے کہ دونوں ہی نے ہارون سے امام کی چغلی کی ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کے بھائی محمد ابن جعفر الصادق نے یہ چغلی کی تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ کے رشتہ داروں کی ایک جماعت تھی جو آپ کی چغلی میں سعی کرتے تھے۔ اس سال ہارون الرشید نے حج کا ارادہ کیا اور مدینہ سے ہو کر مکہ گیا۔ جب مدینہ میں آیا تو امام موسیٰ کاظمؑ معہ دیگ اشراف مدینہ کے اس کے استقبال کو گئے۔ رات کو ہارون الرشید قبر رسولؐ پر آیا اور کہنے لگا اے رسول اللہؐ میں معذرت کرتا ہوں اس بات کی جس کا ارادہ رکھتا ہوں یعنی یہ کہ میں آپ کے فرزند موسیٰ ابن جعفر کو قید کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ امت میں افتراق ڈلوا رہے ہیں۔ پھر اس نے حکم دیا اور امام مظلوم مسجد میں سے عبادت الٰہی کرتے ہوئے گرفتار کر لئے گئے۔ ہارون الرشید لوگوں سے خوف کرتا تھا کہ آپ کی گرفتاری سے لوگوں میں ہیجان نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا اس نے عماریاں اونٹوں پر کسوا سے نکالیں۔ ایک میں امام ممدوح خود تھے اور دوسری خالی تھی۔ دونوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ دونوں کے ساتھ مسلح سپاہی تھے۔ ایک قبہ کوفہ کی طرف گیا اور ایک بصرہ کی طرف۔ امام علیہ السلام اس قبہ (عماری) میں تھے جو بصرہ کی طرف گیا اور وہاں وہ والی بصرہ عیسیٰ ابن جعفر ابن منصور کے پاس سپرد کر دیئے گئے جس نے انہیں قید میں رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد ہارون الرشید نے عیسیٰ ابن منصور کو لکھا کہ آپ کو قتل کر دے۔ اس نے جواب میں لکھا کہ یہ ایسے بزرگوار ہیں جن کو عبادت کے سوا کچھ کام نہیں ہے۔ میں نے انکے احوال کی اچھی طرح تفتیش و تحقیق کر لی ہے۔ بہت اچھی طرح اپنی زیر نظر رکھا ہے ان کو کسی سے کچھ کام نہیں ہے۔ یہ تیرے مخالف نہیں بلکہ دعا میں بھی نہ مجھکو نہ تجھکو برا کہتے ہیں۔ صرف اپنے لئے طلب مغفرت چاہتے ہیں۔ میں چاہیا ہوں کی آپ ان کو میری قید سے نکال کر کسی اور کے حوالہ کر دیں۔ ان لوگوں نے جن کو عیسیٰ نے امام ممدوح کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔

رپورٹ کی کہ امام ممدوح اکثر دعا میں یہ کہتے رہتے تھے:

اللھم انک تعلم انی کنت اسالک ان تضرغنی لعبادتک اللھم وقد فعلت فلک الحمد۔

یعنی اے خداوند تعالیٰ تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے دعا مانگا کرتا تھا کہ مجھے اپنی عبادت کے لئے فراغت دے۔ بس تو نے میری دعا قبول کی اس پر میں تیرا شکر ادا کا تا ہوں۔

جب عیسیٰ ابن جعفر نے یہ لکھا تو ہارون الرشید نے امام موسیٰ کاظمؑ کو بغداد میں فضل بن الربیع کی قید میں بھیج دیا۔

قید خانہ میں امام موسیٰ کاظمؑ کی عبادت وصبر

علامہ صدوق نے العیون میں اپنی اسناد کے ساتھ عبداللہ الفروینی کی یہ روایت لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں

فضل بن الربیع کے پاس گیا۔ وہ نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اس گھر میں اوپر سے دیکھو کہ اندر کیا ہے۔ بس میں گیا اور دیکھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا میں نے کہا کہ میں تو یہاں ایک چادر پھیلی ہوئی دیکھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ذرا اچھی طرح دیکھو میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک آدمی سجدہ میں پڑا ہوا ہے اس نے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کون ہے۔ میں کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تو تمھارے مولا یعنی آقا ہیں۔ میں نے کہا کہ کون آقا۔ کہا کہ تجاہل عارفانہ کرتے ہو۔ یہ موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ میں اکثر ان کو دن و رات دیکھتا رہتا ہوں لیکن ہمیشہ اسی حال میں پاتا ہوں کہ جو میں اب تم سے بیان کرتا ہوں۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد سورج نکلنے تک توقف کرتے ہیں۔ سورج نکلنے کے بعد سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ وقت زوال تک سجدہ میں پڑے رہتے ہیں۔ زوال شمس کے بعد اٹھتے ہیں۔ بغیر تجدید وضو کیئے ہوئے نماز پڑھتے ہیں جا سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں سوتے نہیں۔ نماز عصر کے بعد پھر سجدہ میں اسی طرح چلے جاتے ہیں اور غروب سورج تک سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ مغرب کے وقت اٹھتے ہیں۔ پیشاب پاخانے کے لئے نہیں جاتے نماز پڑھتے ہیں۔ عشاء کے وقت تک نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد وہ شوربا جوان کے پاس آتا ہے اس سے افطار روزہ کرتے ہیں ۔ پھر وضو کرتے ہیں پھر سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے ہیں۔ پھر اٹھتے ہیں وضو کرتے ہیں اور رات بھر مطلع فجر تک نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر اٹھ کر نماز فجر پڑھتے ہیں۔ جب سے میرے پاس قید میں آئے ہیں اس وقت سے یہ ہی انکا حال ہے۔ میں نے کہا خدا سے ڈرنا ان کے ساتھ کچھ برائی نہ کرنا۔ جوان کے ساتھ برائی کرے گا اس سے زوال نعمت ہوگا۔ فضل ابن الربیع نے کہا کہ مجھ سے ہارون الرشید کئی مرتبہ کہہ چکا ہے کہ ان کو قتل کر دو۔ لیکن میں قتل نہیں کرتا۔ میں کبھی ان کو قتل نہ کروں گا خواہ ہارون مجھ کو قتل کر ڈالے۔ جناب موسیٰ کاظمؑ اسی طرح قید میں دس سال تک رہے۔ جب کبھی ہارون الرشید نے ان کو آ کر دیکھا تو اسی طرح سجدہ میں پایا۔ ایک دفعہ اس نے فضل بن الربیع سے کہا کہ یہ چادر کیسی پڑی ہوئی ہے فضل بن الربیع نے جواب دیا کہ چادر نہیں ہے بلکہ یہ موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ اسی طرح سجدے میں پڑے رہتے تھے۔ ہارون نے کہا کہ رہبان بنی ہاشم میں سے ہیں۔ فضل نے کہا کہ پھر آپ نے کیوں قید کر رکھا ہے اس نے کہا کہ افسوس ہے۔ یہ تو ضروری ہے۔

فضل بن یحییٰ کی قید میں، سندی بن شاہک کی قید میں

جب ہارون کے بار بار کہنے کے باوجود بھی فضل ابن الربیع نے آن جناب کو قتل نہ کیا تو ہارون نے امام موسیٰ کاظمؑ کو فضل بن یحییٰ کی قید میں دے دیا۔ وہاں بھی آپ کی عبادت کا یہ ہی حال تھا۔ فضل ابن یحییٰ نے ذرا آپ سہولت بہم پہنچائی۔ جاسوسوں نے ہارون کو اطلاع دی اس نے فضل بن یحییٰ کو لکھا کہ ان پر سختی کرو اور ان کو قتل کر ڈالو۔ لیکن فضل بن یحییٰ نے توقف کیا۔ ہارون الرشید کو بہت غصہ آیا اپنے جلاد خادم مسرور کو بلایا اور کہا کہ فوراً بغداد

جاؤ پہلے تو موسیٰ کاظم کو دیکھو پھر یہ ایک خط تو عباس بن محمد کو دو اور ایک سندی بن شاھک کو دو اور دونوں سے کہہ دو کہ جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کریں۔ بس ایک قاصد آیا۔ اول تو وہ فضل ابن یحییٰ کے پاس گیا اور اس کو ساتھ لیکر عباس ابن محمد کے پاس آیا۔ عباس ابن محمد نے ایک جلاد کو کوڑے کے ساتھ بلایا۔ اور حکم دیا کہ فضل بن یحییٰ کو سندی کے سامنے سو کوڑے مارو چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اب فضل بن یحییٰ نہایت بری حالت میں باہر نکلا اور لوگوں کو سلام کرتا جاتا تھا۔ مسرور نے یہ سب حالات ہارون الرشید کو لکھے اس نے حضرت موسیٰ کاظم کو سندی بن شاہک کی قید میں سے جانے کا حکم دیا۔ اور خود ایک دربار منعقد کیا اور لوگوں سے کہا کہ فضل بن یحییٰ نے میری نافرمانی کی اور میری اطاعت سے نکل گیا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس پر لعنت کروں۔ بس تم لوگ بھی اس پر لعنت کرو۔ سب لوگوں مل کر اتنے لعنت کے نعرے لگائے کہ سارا محل گونج گیا۔ یحییٰ بن خالد کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ہارون الرشید کے پاس آیا اور کہا کہ فضل نے غلطی کی میں اس بدلہ اتاروں گا اور وہ ہی کروں گا کہ جو آپ کا منشاء ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کا چہرہ بشاش ہو گیا۔ اور وہ بہت خوش ہوا۔ اب پھر وہ لوگوں کے مجمع میں آیا اور کہا کہ فضل نے ایک امر میں میری نافرمانی کی تھی۔ لیکن اب اس نے توبہ کی اور پھر ہماری اطاعت میں داخل ہو گیا۔ اب تم لوگ اس سے محبت کرو۔ لوگوں یک زبان ہو کر کہا کہ ہم اس کے دوست ہیں جس کے آپ دوست ہیں اور اس دشمن ہیں جس کے آپ دشمن ہیں۔ لہٰذا اب ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اب یحییٰ بن خالد بغداد آیا۔

سندی بن شاہک ہارون کے حکم سے آپ کو زہر دیا اور آپ کی شہادت

اور یہ ظاہر کیا کہ عمال کے کام کی پرتال کے لئے وہ آیا ہے چند دن اس امور میں مشغول بھی رہا۔ پھر سندی بن شاہک کو بلایا اور اس کو ہدایت کی کہ جناب موسیٰ کاظم کو زہر سے قتل کر دے۔ چنانچہ سندی نے آپ کی اس خوراک میں زہر ملا دیا جو آپ کے پاس جاتی تھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیب میں زہر دیا۔ آپ نے وہ کھایا۔ فوراً زہر کا اثر محسوس کیا اور تین دن کے بعد انتقال فرمایا۔ سندی بن شاھک معہ فقہاء و علماء کے آیا۔ سب نے دیکھا کہ آپ کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا۔ لہٰذا متفقہ فیصلہ دیا کہ آپ کی موت یکا یک واقع ہوگئی۔ ھیثم بن عدی بھی ان فقہا میں شامل تھا۔ بس اس نے آپ نے جسم کو نکالا اور بغداد کے پل پر رکھ کر ندا کرائی کہ دیکھو یہ موسیٰ ابن جعفر ہیں جنھوں نے انتقال کیا۔ ان کے جسم کو اچھی طرح دیکھ کہ یہ مر گئے ہیں۔ یہ اسوجہ سے کہا کہ لوگ خیال کرتے تھے کہ یہ مہدی قائم ہیں جو زندہ رہیں گے اور ان کی قید کو غیبت مہدی سے تعبیر کرتے تھے۔ یحییٰ بن خالد نے حکم سیا کہ منادی کرادی جائے کہ دیکھو یہ موسیٰ ابن جعفر ہیں جن کی نسبت رافضی کہتے تھے کہ یہ کبھی نہ مریں گے۔ بس لوگوں نے دیکھا اور آپ کا جنازہ اٹھا کر لے گئے اور دفن کی۔ یہ ۱۸۳ ہجری کا واقعہ ہے یہ واقعہ ہم نے مندرجہ ذیل کتب سے لئے ہیں۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۰۰ تا ۵۰۵)

٭

مدت قید

اب سوال یہ ہے کہ آپ کو ہارون الرشید نے کس سال میں قید کیا تھا۔ واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ دس سال قید میں رہے اور ہارون الرشید نے اس سال قید کیا تھا کہ جب وہ حج کو جاتا ہوا مدینہ میں ٹھہرا تھا۔ ذی الحجہ ۱۷۳ھ میں وہ حج کو جاتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرا تھا۔ اور اسی وقت امین کی ولی عہدی کا اعلان کی تھا اور امین کیلئے بیعت لی تھی۔ اس وقت امین کی عمر پانچ سال تھی۔ اس ہی ۱۷۳ھ ہجری میں ہارون نے امین کو جعفر ابن محمد ابن اشعث کی گود میں بغرض تربیت دیا تھا جس کی وجہ سے یحییٰ بن خالد جعفر اور جناب موسیٰ کاظمؑ کے پیچھے پڑ گیا اور آخر کار ان کو قید کرا کر چھوڑا اور پھر زہر دلوایا۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ جناب موسیٰ کاظمؑ ہارون الرشید کی قید میں ذی الحجہ ۱۷۳ھ سے اپنی رحلت یعنی رجب ۱۸۳ھ ہجری تک رہے۔ لیکن خطیب بغدادی کہتا ہے کہ رمضان ۱۷۹ کو حج ۱۷۸ ہجری کی واپسی پر مدینہ میں قید کیا۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ حج سے واپسی یا حج جاتے وقت کا تو یہ واقعہ ہے لیکن رمضان ۱۷۹ ہجری کے تعین میں خطیب نے غلطی کی ہے۔ رمضان ۱۷۹ میں واپسی ہوئی تو حج ذی الحجہ ۱۷۸ ہجری کا ہوا۔ مورخ طبری ہر سال کے حج کا ذکر کرتا ہے اور جس حج میں ہارون نے شرکت کی اس کا ذکر بھی کرتا ہے۔ ۱۷۸ ہجری کے حج کا ذکر اس نے کیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حج زیر قیادت محمد ابراہیم بن محمد بن علیؑ عامل مکہ ہوا لیکن ہارون کا شریک ہونا بیان نہیں کیا۔ ۱۷۳ھ کے حج میں ہارون کی شرکت کا ذکر اس نے کیا ہے۔ یحییٰ بن خالد کی دشمنی اس وقت شروع ہوئی کہ جب امین کو جعفر بن محمد بن الاشعث کی گود میں دیا گیا اور یہ ۱۷۳ھ ہجری ہو سکتا ہے کہ جب امین کی عمر پانچ سال کی تھی۔ ۱۷۸ھ میں اس کی عمر دس سال کے قریب ہوگی۔ دس سال کا بچہ گود میں نہیں دیا جاتا۔ علاوہ اس کے یہ مسلمہ امر ہے کہ جناب موسیٰ کاظمؑ دس سال اپنی رحلت تک ہارون کی قید میں رہے۔ آپ کا انتقال ۱۸۳ھ ہجری میں ہوا۔ ۱۷۳ھ ہجری سے دس سال ہوتے ہیں۔

ان واقعات سے ان لوگوں کی آنکھیں کھلنی چاہئیں جو یہ کہتے ہیں کہ برامکہ شیعہ تھے کیا یہ شیعوں کی باتیں ہیں۔ جو یحییٰ ابن خالد نے کیں۔ برامکہ ہرگز شیعہ نہ تھے۔ یہ تو محض دنیا کے بندے تھے اور دنیا کے بندوں کی طرح ان کا انجام ہوا۔ جس بادشاہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے انھوں نے خداوند تعالیٰ کے وعید جہنم کی بھی پرواہ نہ کی اس ہی بادشاہ کے ہاتھوں ان پر مصائب نازل ہوئے۔ منصب بھی گیا۔ گھربار لوٹا گیا۔ فضل و جعفر پسران یحییٰ قید کئے گئے اور پھر قتل کئے گئے۔ یحییٰ کو قید خانہ میں جو خبر ملی تو ایک خط ہارون الرشید کو لکھا کہ عنقریب میں اور تو ایک حاکم کے روبرو پیش ہونگے۔ اور تجھ سے میں پوچھوں گا کہ کس جرم میں ہم کو قتل و قید کیا ہے۔ افسوس ہے کہ یحییٰ اپنا ظلم بھول گیا جو اس نے موسیٰ کاظمؑ پر کیا تھا۔ خدا جب اس سے پوچھے گا کہ کس جرم میں موسیٰ ابن جعفر کو زہر دلایا تو وہ کیا جواب دے گا۔

وہ لوگ جو ان خلفاء کے عشق میں عقل کھو بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ علی میں نے خروج کر کے ان خلفاء کو ان

زبردستیوں پر آمادہ کیا اب غور کریں جناب موسیٰ کاظمؑ نے کیا جرم کیا تھا۔ نہ خروج کیا۔ نہ بغاوت کیا۔ نہ ہارون کے خلاف کوئی بات کی اور اس نے ہر ظلم و ستم کے ساتھ دس سال قید میں رکھا اور آخر کار زہر سے قتل کر کے دم لیا کیا یہ وہ خلفاء تھے جن پر اسلام اور مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیئے۔ کیا ان کو مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ قرآن و شریعت میں جو ظالم کی برائیاں لکھی ہیں اور ان کو ملعون خدا کہا گیا ہے ان آیات کے مطالعہ کے بعد اس سوال کا جواب دیا جائے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہارون الرشید سے پہلے مہدی بھی جناب موسیٰ کاظمؑ کو قید کر چکا تھا۔ اور کچھ عرصہ آپ اس کی قید میں رہے۔ جب اس نے خواب میں جناب علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ تو نے موسیٰ کاظمؑ کو قید کر رکھا ہے۔

فھل عسیتم ان تو لیتم ان تفسد و فی الارض وتقطعوا ارحامکم: تو آپ کو قید سے رہا کر دیا۔ (مراۃ الجنان یافعی الجزاء الدول وقائع ۱۸۳ ہجری صفحہ نمبر ۳۹۴)

اسحاق بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب

ان کو بھی ہارون نے قید کر لیا تھا اور قید میں یہ مر گئے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۰۶)

بزمانہ مامون ابن الرشید ۱۹۸ ہجری تا ۲۱۸ ہجری

محمد بن ابراہیم بن اسماعیل ملقب بہ ابن طباطبا ابن ابراہیم بن الحسن بن علی ابن ابیطالب اور محمد بن محمد بن زید بن علی بن الحسن بن علی بن ابی طالب ہارون الرشید نے آل ابیطالب پر بہت سختیاں کر رکھی تھی جن کی وجہ سے وہ ہر دم خائف رہتے تھے۔ اور جاء امن تلاش کرتے پھرتے تھے۔ اسی دوران میں ابوالسرایا کا فتنہ اٹھا اور اس کی آگ کے لپیٹے میں آل ابیطالب میں سے بہت سے لوگ آ گئے۔ اس فتنہ کا حال یہ ہے۔

ابوالسرایا افوج مامون میں بہت معتمد تھا اور اس کے نامی جنرل ہرثمہ کے ماتحت تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جن کی وجہ سے امین کو مامون نے شکست دیکر اور قتل کر کے اپنی سلطنت کو مستحکم کیا تھا۔ ابوالسرایا کی ناچاقی ہرثمہ سے ہو گئی اور اس کے وظائف روک لئے۔ ابوالسرایا کو بہت غصہ آیا۔ اور وہاں سے چلا آیا۔ جانتا تھا اب اس کی تلاش ہو گی اور ہرثمہ سے بدلہ بھی لینا چاہتا تھا۔ اس کو فکر ہوئی کہ کس طرح لشکر تیار کر کے ہرثمہ کا مقابلہ کرے وہ ذریعہ جس کی آڑ میں آل عباس نے حکومت حاصل کی تھی۔ اس کے پیش نظر تھا جانتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اہلبیت رسالت کی بہت محبت وعزت ہے اور جو ظلم اہلبیت رسالت پر ہوئے ہیں ان کیوجہ سے ان کے دلوں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ ابن طباطبا یعنی محمد بن ابراہیم بن اسماعیل کی خدمت میں آیا ان پر بہت زور دیا۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۲۷) مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۲۱۔

اس سے پہلے مدینہ میں محمد بن ابراہیم کے پاس نصر بن شبیب آیا۔ اور اہلبیت رسالت پر جو ظلم ہو رہے

تھے۔ان کا ذکر کر کے ان کا دل غم و غصہ سے بھر دیا۔نصر بن شعیب کے قبیلہ کے لوگوں نے تو اس امر میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ان کی بحث یہ تھی کہ حکومت آل ابیطالب کے بہت خلاف ہے۔بہت لوگ حکومت کے ساتھ ہوں گے اور تو اکیلا رہ جائے گا۔لہٰذا وہ تو فقط ایک خیال ان کے ذہن میں پیدا کر کے علیحدہ ہو گیا۔اور اگر ابوالسرایا نہ آتا تو بات گئی آئی ہوئی تھی۔لیکن اب ابوالسرایا کے یقین دلانے پر کہ اس کے ساتھ بہت آدمی ہیں محمد ابن ابراہیم نے اس کے ساتھ شرکت کر لی۔ابوالسرایا نے حسین علیہ السلام کے حالات سنا کر لوگوں کو سابقہ عدم نصرت پر شرمندہ کیا اور اب نصرت پر رغبت دلائی۔اب یہ دونوں کوفہ آ گئے اور وہاں لوگ ٹڈیوں کی طرح ان پر گرتے تھے۔ایک لشکر کثیر جمع ہو گیا۔یہ لوگوں کو سنت نبیؐ اطاعت خدا اور کتاب اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ کوفہ کے پاس ایک موضع تھا جس کا نام قصر الضرتین تھا۔یہ سب لوگ وہاں جمع ہو گئے۔محمد بن ابراہیم نے اپنا قاصد فضل بن عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ کی طرف بھیجا اور دعوت دی۔اس نے انکار کیا۔ابوالسرایا فوج لیکر گیا اور اس کے آدمیوں کو قتل کر کے اس کے مکانوں کو خوب لوٹا اور ان پر قبضہ کر لیا۔لیکن یہ لوٹ مار ابوالسرایا کے آدمیوں نے کی۔جب اس نے سنا تو لوٹ مار سے منع کیا۔جو آدمی وہاں سے نکلتا تھا اس کی تلاشی لی جاتی تھی یہانتک کہ وہ لوگ لوٹ مار سے باز آئے۔فضل ابن عباس نے والی عراق حسن بن سہل کے پاس جا کر اس کی شکایت کی۔اس نے زہیر بن المسیب کو ایک لشکر سے کر ابوالسرایا کے خلاف روانہ کی۔زہیر ابن المسیب قصر ابن ھبیرہ میں اترا اور اپنے بیٹے ازھر کو مقدمہ لشکر کیا تھا روانہ کیا جو سوق اسد پر اترا اور لوٹ مار شروع کر دی۔یہاں ابوالسرایا بھی آ گیا دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ازہر کو شکست ہوئی اور وہ اپنے باپ کے پاس آ گیا او ابوالسرایا کوفہ واپس آ گیا۔اور زہیر قنطرہ کے پاس آ کر اترا۔ابوالسرایا نے اپنا لشکر آراستہ کیا۔رات بہت ٹھنڈی تھی یہ بھی قنطرہ آ گیا۔اور دونوں لشکر مقابل ہو گئے بغدادی لشکر تو یہ نعرے لگا رہا تھا کہ اے اہل کوفہ تم اپنی عورتوں بیٹیوں اور بہنوں کو زینت سے آراستہ کرو تا کہ ہم آ کر ان سے ہمبستر ہوں۔اور ابوالسرایا جواب دیتا تھا کہ خدا کی یاد کرو۔اس سے توبہ کرو اور مدد مانگو۔رات اسی طرح گزری۔صبح ہوتے ہی دونوں لشکر مقابل ہوئے۔ابوالسرایا نے اپنے لشکریوں کو مخالف کر کے کہا اپنی نیت درست کرو اپنے دلوں کو خالص خدا کی محبت سے پر کرو۔اس سے مدد مانگو کہ تمہارے دشمن پر فتح دے اپنی قوت اور طاقت پر بھروسہ نہ کرو۔قرآن پڑھو۔اسی درمیان میں حسن بن ھذیل آ گیا جو حسین ابن علی صاحب فخ کے اصحاب میں سے تھے۔اس نے لشکریوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے لوگوں یہ وہ مقام ہے جہاں لوگوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور ان کے افعال متزلزل ہو جاتے ہیں سعید وہ ہے جو اپنے دین پر قائم رہا اور خدا کے عہد کو پورا کیا اور آل محمد کی حفاظت کی دیکھو اجل مقرر ہے۔زندگی کے دن گنے ہوئے ہیں۔جو موت سے بچ کر بھاگا وہ موت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔موت اسے گھیرے ہوئے ہے۔برخلاف اس کے اہل بغداد کہہ رہے تھے کہ اہل کوفہ تم اپنی عورتوں بیٹیوں اور بہنوں کو ہمارے لئے آراستہ کرو ہم ابھی آتے ہیں اور ان کے ساتھ ہم

بستر ہوتے ہیں۔ لڑائی شروع ہوئی۔ ابوالسرایا نے بہت کارہائے نمایاں کئے اور نہایت تجربہ کار جرنل ثابت ہوا۔ اور اس طرح اپنے لشکر کو حرکت دی کہ بغدادی لشکر چاروں طرف سے گھر گیا۔ آخر کار افواج خلافت کو شکست ہوئی۔ ابوالسرایا نے منادی کرادی کہ جو گھوڑے سے اتر پڑے گا اسے امن ہے۔ خلیفہ کا بہت سا لشکر گھوڑوں سے اتر پڑا۔ ابوالسرایا نے ان کے گھوڑوں پر قبضہ کرلیا بہت مال غنیمت ہاتھ آیا زہیر کے لشکر گاہ میں جا کر اس کو لوٹا اور پکتا ہوا کھانا اٹھالائے جو مسجد کوفہ میں آ کر انھوں نے خوب مزے مزے سے کھایا۔ زہیر بھاگ کر بغداد آیا حسن ابن سہل نے اس کے منہ پر آہنی گرز مارا جس سے اس کی آنکھ جاتی رہی۔ کچھ عرصہ کے بعد معاف کردیا۔ ابوالسرایا معہ لشکر کے کوفہ آیا۔ نیزوں پر دشمنوں کے سر تھے اور بے شمار مال غنیمت ہمراہ تھا۔ یہ واقعہ ۲ ماہ رجب ۱۹۹ ہجری کا ہے۔

اب سہیل بن حسن نے عبدوس بن عبدالصمد کو ایک عظیم الشان لشکر دے کر ابوالسرایا کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس نے تین دفعہ قسم کھائی کہ میں کوفہ جا کر ہاں کی عورتوں اور مال کو اپنے لشکریوں کے لئے مباح کردوں گا اور ان کو غلام بناؤں گا۔ اب بھی ابوالسرایا نے اپنی لیاقت جنگی کا بہت اظہار کیا۔ عبدوس کے لشکر کو چاروں طرگ سے گھیر لیا آخر کا وہ بھاگے۔ لشکر کا ایک بہت بڑا حصہ فرات میں گر کر غرق ہوگیا۔ عبدوس ابن عبدالصمد کو ابوالسرایا نے قتل کردیا۔ کہتے ہیں کہ بغدادی لشکر کا ایک آدمی بھی نہ بچا۔ یا قتل ہوگیا یا اسیر ہوئے۔ یہ واقعہ ۷ ماہ رجب ۱۹۹ ہجری کا ہے ابوالسرایا کے لشکریوں نے بہت سا مال غنیمت جمع کیا۔

ابوالسرایا کوفہ واپس آیا۔ محمد ابن ابراہیم بیمار تھے ان سے ملنے گیا۔ محمد ابن ابراہیم نے ابوالسرایا کو اس لوٹ مار پر بہت ملامت کی اور کہا کہ خداوندا میں بری ہوں اس سے جو ابوالسرایا نے کیا۔ ابوالسرایا سے کہا کہ تیرے لئے جائز تھا کہ تو دشمن پر شب خون مارے اور نہ ان کا مال واسباب لوٹنا جائز تھا۔ تو صرف لڑنے والوں کا اسلحہ لے سکتا تھا اور ان پر حملہ نہ کرتا جب تک وہ تجھ پر حملہ نہ کرتے میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تو نے کیا۔ ابوالسرایا نے کہا یا ابن رسول اللہ لڑائی میں یہ سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ خیر اب میں ایسا نہ کروں گا۔ اب آپ جو کچھ وصیت کرنا چاہتے ہیں کریں کیونکہ ہر ایک ذی حیات کے لئے موت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں تجھ کو تقویٰ خدا کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ دین اور اہلبیت رسول کی نصرت کرے اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرے۔ اور اس کی اطاعت کرے جو آل رسول میں سے میری جگہ قائم ہو۔ اگر تمہارے درمیان اختلاف ہو تو میں علی بن عبیداللہ کے حق میں نصیحت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس کے دین اور طریقوں سے راضی ہوں۔

ابوالسرایا نے محمد ابراہیم کو زہر سے شہید کیا

یہ نصیحت ابوالسرایا کو بری لگی۔ اور اس نے سمجھ لیا کہ یہ میرے زیر فرمان نہ رہیں گے لہٰذا اس نے محمد ابن ابراہیم کو زہر دے دیا جس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ (تاریخ طبر الجزر العاشر صفحہ نمبر ۲۲۸)

اب ابوالسرایا نے بغیر آل ابیطالب کے مشورہ کے اور بغیر خیال فضیلت اور اہلبیت کے ایک نابالغ لڑکے

احمد بن محمد بن زید بن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ حالانکہ محمد بن ابراہیم نے علی ابن عبیداللہ کے لئے وصیت کی تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ابوالسرایا مذہب یا آل محمد کے محبت یا حق کے لئے نہیں کھڑا ہوا تھا وہ تو اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایسے بچے کو پسند کیا جو اس کے زیر اطاعت رہے اور اس کا حکم مانے۔

ابوالسرایا نے عراق کو فتح کیا۔

اب تقریباً سارا عراق ابوالسرایا کے زیر فرمان آ گیا تھا۔ اور اس نے مختلف مقامات پر عمال بھیجے۔ بصرہ میں کچھ مزاحمت ہوئی لیکن عامل ابوالسرایا کو فتح ہوئی اور زید ابن موسیٰ ابن جعفر نے بنی عباس کے گھروں کو جلا دیا جس کی وجہ ان کو زید النار کہنے لگے۔ اب محمد ابن محمد کے پاس چاروں طرف سے فتوحات کی خبریں آنے لگیں۔ اہل شام وجزیرہ نے لکھا کہ ہم منتظر ہیں آپ اپنا قاصد بھیجیں تا کہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔

ہرثمہ وابوالسرایا کا مقابلہ

اب حسن ابن سہیل بہت گھبرایا۔ طاہر ابن الحسین کو سرایا کے مقابلہ میں جانے کو لکھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ لاچار اس نے ہرثمہ کی طرف رخ کیا۔ یہ ہرثمہ کو برا سمجھتا تھا اور ہرثمہ اس سے ناراض تھا لیکن موقع نے اس کو مجبور کر دیا۔ ہرثمہ نے پہلے تو انکار کر دیا لیکن پھر لوگوں کے سمجھانے سے راضی ہو گیا اور لشکر لے کر ابوا؛سرایا کی طرگ چلا۔ ابوالسرای بھی کوفہ سے باہر نکلا پہلے ہی حملہ میں ہرثمہ کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلے۔ ابوالسرایا نے اپنی فوج کو ان کا تعاقب کرنے سے باز رکھا اور کوفہ واپس آیا۔ پھر منگل کے دن ۹ ذی القعدہ ۱۹۹ ہجری کو ہرثمہ کے مقابلہ کے لئے نکلا کیونکہ جاسوسوں نے خبر دی اکہ اس دن ہرثمہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ہرثمہ بھی آگے بڑھا۔ دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی۔ اس دن ابوالسرایا کے ساتھیوں میں سے حسن بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین ابن علی بن ابیطالب قتل ہوئے نیز ابوالسرای کا وفادار خادم ابو کتلہ بھی قتل ہوا۔ اب ابوالسرایا نے نہایت شدید حملہ کیا۔ ہرثمہ کا ایک سردار ابوالسرایا کی طرف لڑنے کی غرض سے نکلا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی اور آخر کار ابوالسرای نے اس کو قتل کر دیا۔ اب خلافت آپ کی فوج سر پر پیر رکھ کر بھاگی۔ اہل کوفہ نے ان کا تعاقب کی ابوالسرایا نے اپنی فوج کو تعاقب کرنے سے روکا اور کہا کہ ممکن ہے کہ یہ عجمیوں کا ایک فریب وحیلہ ہو لیکن اس کی فوج نے نہ مانا اور بغدادیوں کا تعاقب کیا۔

اس وقت ہرثمہ کو سندی ابن شاہک کے ایک غلام نے قید کر لیا ہوا تھا۔ اور اب اس کی فوج کا سردار عبیداللہ ابن الوضاح تھا۔ جب ابوالسرایا نے اپنی فوج کو تعاقب کرنے سے روکا تو عبیداللہ ابن الوضاح کی فوج نے ندادی کہ ہمارا امیر مارا گیا اس پر عبیداللہ ابُن الوضاح نے کہا کہ اگر امیر مارا گیا کیا ہوا میں تو تمہارا سردار موجود ہوں اے

اہل خراسان میری طرف آؤ۔ اس پر کچھ حصہ فوج کا واپس ہوا۔ اور پھر کوفہ سے لڑائی شروع ہوگئی۔ آخر کار انھوں نے دیکھا کہ ان کا امیر زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے۔ انھوں نے زنگی غلام کو جس نے ہرثمہ کو قید کرلیا تھا قتل کر دیا اور ہرثمہ کی زنجیریں کھول دیں۔ ہرثمہ اپنے لشکرگاہ کی طرف واپس آیا۔ اب ایک یا دو دن تک لڑائی ملتوی ہوگئی۔

جب لڑائی شروع ہوئی تو ابوالسرایا نے پھر اپنے فن جنگ سے واقفیت کا بہت اچھا نمونہ پیش کیا۔ علی بن محمد ابن جعفر کو پیچھے سے بھیجا اور خود آگے سے حملہ کیا۔ ہرثمہ دونوں کے بیچ میں آگیا اور اب ابوالسرایا نے آخری حملہ زور سے ہرثمہ پر کر دیا۔ اب ہرثمہ وہ چال چلا جو عمر العاص نے صفین کے دن ایجاد کی تھی۔ ہرثمہ چلایا اور ابوالسرایا کے لشکر کو مخاطب کر کے کہا۔

اے اہل کوفہ تم ہمارا اور اپنا خون ناحق بہاتے ہو۔ اگر تم ہم اے اس وجہ سے لڑتے ہو کہ تم کو ہمارا امام پسند نہیں ہے۔ تو ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ منصور ابن مہدی ہے ہم اور تم اس سے بیعت کرتے ہیں اور اگر آل عباس میں سے حکومت نکالنا چاہتے ہو تو تم اپنا امام نصب کرلو۔ دو دن میں ہم مل کر اس کا فیصلہ کئے لیتے ہیں تم ہم کو اور اپنے تئیں قتل نہ کرو۔

ہرثمہ کا فریب وکامیابی ابوالسرایا کا خطبہ

اس قول کا اہل کوفہ پر وہ ہی اثر ہوا جو صفین کے دن انپر عمر بن العاص کے قرآن لٹکانے سے ہوا تھا۔ فوراً حملہ کرنے سے رک گئے۔ اس پر ابوالسرایا نے انکو للکار کر کہا ''تمھیں کیا ہوگیا ہے۔ یہ تو ان عجمیوں کا حیلہ ہے۔ اب ان کو یقین ہوگیا کہ وہ ہلاک ہوں گے اور ان کو شکست ہوگی۔ یہ ہی وقت ہے ان پر حملہ کرنے کا۔ حملہ کرو''۔ لیکن کوفیوں نے نہ مانا اور کہا کہ ہمارے لئے اب ان سے لڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ ہماری شرائط کو مانتے ہیں اس پر ابوالسرایا غصہ میں بھرا ہوا کوفہ میں چلا آیا۔ جمعہ کے دن اس نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے یہ کہا ''اے اہل کوفہ! اے علی کے قاتلو! اے حسین کے چھوڑنے والو! جس نے تم پر اعتبار کیا اس نے دھوکہ کھایا۔ جس نے تمھاری نصرت پر بھروسہ کیا وہ پچھتایا وہ ذلیل ہے۔ جس نے تم کو معزز سمجھا۔ میں تمہارے امر کو اچھا نہیں سمجھتا۔ میں تمھارے مذہب سے راضی نہیں ہوں۔ جس نے تم کو حکم بنایا اس کے ہی خلاف تم نے فیصلہ کی۔ جس نے تمہارے پاس امانت رکھی اس ہی سے تم نے خیانت کی۔ جس نے تمہارے اپر اعتبار کی اس کے اعتبار کو تم نے جھٹلایا۔ جس کی تم نے بیعت کی اس کی ہی بیعت کو تم نے توڑا۔ اگر وہ کھڑا ہوگا تو تم بیٹھ جاؤ گے۔ اگر وہ بیٹھے گا تو تم کھڑے ہو جاؤ گے۔ اگر وہ آگے جائے گا تو تم پیچھے ہٹو گے اگر وہ پیچھے ہٹے گا تو تم آگے بڑھو گے۔ کیونکہ اپنے امام کی نافرمانی کرنا تمہاری عادت ہے اور اس کے خلاف رہنا تمہارا پیشہ ہے۔ یہاں تک کہ اپنے امام کو چھوڑ دینے کی وجہ سے خدا تم کو چھوڑ دیتا ہے۔ کون سا عذر تمھارے پاس اپنے دشمن سے بھاگنے کا ہے۔ کیا اس نے تمھاری خندق عبور کرلی ہے کیا وہ تمھارے قبائل پر غالب آگیا ہے۔ کیا وہ تمہارے مال کو لوٹ رہے ہیں کیا تمہاری عورتوں کی بے عزتی کر

رہے ہیں افسوس ہے تمہارے پاس اپنے دشمن سے بھاگنے کا کوئی عذر نہیں ہے سوائے تمہاری بزدلی اور عجز کے سوائے اسکے کہ تم نے اپنی ذلت وتحقیر کو گوارا کرلیا۔ تم سایہ سے بھاگتے ہو۔ طبلوں کی آواز سے ڈرتے ہو۔ قسم بخدا خدا تمہاری جگہ ایسی قوم کو لائے گا جن کو خدا کی معرفت حاصل ہوگی اور اہلبیت رسول کی حفاظت کریں گے۔

دیکھو کیسا بلیغ خطبہ ہے۔ یہ مصیبت وغیبت کی پیدا کی ہوئی بلاغت تھی۔ واقعی اہل کوفہ نے اپنے تئیں بار بار ایسا ہی ثابت کیا ہے کہ جیسا ابوالسرایا نے کہا۔ ان کی بار بار کی غداری نے ان کو بے وفائی کے لئے ضرب المثل بنادیا۔ جب کسی کی بے وفائی کا تذکرہ کیا جاتا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ ایسا بے وفا جیسے کہ کوفی ہوتے ہیں۔ یہ کوفیوں کی بدقسمتی تھی کی بار بار امتحان میں ڈالے گئے۔ ورنہ بے وفائی میں دوسرے شہر بھی کم نہ تھے۔ مدینہ ہی میں چالیس دن تک حضرت عثمان محصور رہے۔ ہزاروں بنوامیہ وہاں موجود تھے لیکن ایک ان کی مدد کو نہ نکلا۔ حسین ابن علی مقتول فخی ساتھ اہل مدینہ نے بے وفائی کی۔ بلکہ یوں کہو کہ اہلبیت رسالت سے غداری کرنے کا پہلا سبق امت کو اہل مدینہ نے دیا۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے اپنے خطبہ میں جو ہم نے اپنی کتاب سیرۃ فاطمہ الزہرا میں نقل کیا ہے۔ ان کی غداری اور بے وفائی کا نقشہ اچھی طرح کھینچا ہے۔ حضرت علی اہل مدینہ کی بے وفائی کو علی الاعلان بیان فرماتے رہے اہل مکہ کی غداری کی تصویر عبیداللہ ابن زبیر۔ نے اپنی والدہ کے سامنے آخری ملاقات میں نہایت عمدگی کے ساتھ پیش کی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول خداً کی آنکھ بند ہوتے ہی امت اسلامیہ کو۔۔۔ ایسا سبق غداری کا دیا گیا کہ اس کو سامنے رکھ کر آیندہ آنے والی نسلوں نے غداری ہی کو اپنا شعار بنالیا۔ ہم اہل کوفہ کے وکیل نہیں ہیں لیکن یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ یہ محض ان کی بدقسمتی تھی کہ وہ امتحان میں بار بار ڈالے گئے ورنہ اسلامی اسپین، ہندوستان وعراق، عرب وافغانستان وغیرہ کی تاریخیں غداری کی ایک مسلسل داستان ہیں۔

غرض کہ ابوالسرایا کے اس خطبہ کو سن کر اہل کوفہ کی ایک جماعت نے اپنے تئیں سرفروشی کے لئے پیش کیا۔ لیکن ابوالسرایا کو اس کے اس تلخ تجربہ نے ان پر بھروسہ کرنے سے باز رکھا۔ لوگوں کو خندق کھودنے میں لگا کر راتوں رات محمد ابن محمد ابن زید کو ساتھ لے کر علوئیں عرب واہل کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ نکل گیا۔ یہ اتوار کی روت محرم کی تیرھویں تاریخ ۲۰۰ ہجری کا ذکر ہے۔

ابوالسرایا کا قتل

ابوالسرایا معہ اس جماعت کے شہر بشہر جاتا تھا۔ لیکن کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ آخر کار اس نے حسن بن سہل سے امان مانگی اور اس کے پاس چلا گیا۔ محمد ابن محمد بھی پناہ لے کر حسن بن سہل کے پاس آگئے۔ حسن بن سہل نے فوراً ابوالسرای کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل کی گیا۔ اس کا سر جانب شرق اور بدن جانب غرب بغداد میں سولی پر چڑھائے گئے۔ یہ حشر ہوا ابوالسرایا کا جس نے بار بار خلیفہ کی فوجوں کو ایک بہادر تجربہ کار جنرل کی طرح شکست دی۔

محمد ابن محمد ابن زید کو خراسان بھیج دیا گیا۔ وہاں ان کو مامون کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس کی کمسنی پر نظر کر

کے مامون نے اس کو ایک مکان میں نظر بند کر دیا۔

یہ حالات ہم نے مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۱۳ لغایت ۵۵۰ تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۲۷ لغایت ۲۳۲، ۲۳۳، تاریخ الکامل الجزء السادس صفحہ نمبر ۱۱۱ لغایت ۱۱۴۔ اور مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی صفحہ نمبر ۲۲۳ سے لئے ہیں۔

انسان کے صرف تین معشوق

ابتدائے عالم سے آج تک حسن وعشق کے قصے شاعروں کے لئے نہایت دلچسپ مضمون پیش کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ ایسا اہم مضمون ہے کہ حکیمانہ غور وفکر کی تھی۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ جہاں تک ہم نے دیکھا تمام دنیا میں صرف تین محبوب نظر آئے۔ خدا، دنیا اور عورت۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک کا عاشق دوسرے کے معشوق کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا خدا کے عاشقوں کو لیجئے اس یکجہتی کے ساتھ اپنے معشوق لو لگاتے ہیں کہ ماسوا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اس کی محبت میں سیکڑوں من لوہے کے دروازے کو پھول کی طرح ہاتھ میں اٹھا لیتے ہیں۔ جب نماز میں اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو پیر سے جراح تیر نکال لے۔ خون کی ندیاں بہہ جائیں۔ ان کو خبر نہیں ہوتی۔ سر تیغ قاتل کے نیچے ہے اور یاد معشوق کی ہو رہی ہے۔ کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق پیدل چلے جا رہے ہیں۔ اونٹوں کی رسن ہاتھ میں ہے۔ خار مغیلان پیروں کے نیچے ہیں اوپر سے ظالموں کے درے پڑ رہے ہیں۔ معشوق کی یاد نے اور اس کے وصال کی امید نے سب کچھ بھلا دیا۔ قید میں پڑے ہیں اور خدا کا شکر کر رہے ہیں کہ تو نے اپنی عبادت کا ایک اچھا موقعہ دیا۔

عورت کے عاشقوں کی سنیئے کہتے ہیں کہ ادھر باپ نے قیس کی رگ جنوں کھلوائی ادھر لیلیٰ کی رگ محبت میں سے خون ٹپکنے لگا اور ٹپک ٹپک کر قیس کے مکان کی طرف بہنے لگا۔ یہاں قیس کے خون کی جو بوند زمین پر گرتی تھی وہ لیلیٰ کہتی تھی۔ باپ قیس کو کعبہ لے گیا کہ اس کے غلاف کو پکڑ کر خدا سے دعا مانگے کہ خدا میرے دل سے لیلیٰ کی محبت نکال دے۔ قیس غلاف کعبہ پکڑتا ہے اور کہتا ہے۔

یارب لا تسلبنی حبها ابدا
وارحم الله عبداً قال آمینا

مولانائے روم لیلیٰ کے عشق کا راز ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کان توئی
کز تو مجنوں شد پریشاں و غوئی
از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چون تو مجنوں نیستی

فرہاد وشیریں کا قصہ بھی زبان زدخلائق ہے۔ پہاڑ کو اکیلا کاٹ کر جوئے شیر لانا یہ عشق ہی کا کارنامہ تھا۔ اس ہی کو سن کر مولوی گرامی ہوشیار پوری نے فرمایا۔

جوئے شیرو کوہ بر کندن کہن افسانہ ایست

جوئے خون آور دن وجان کندن ایجاد منست

خیر یہ تو فرہاد وگرامی آپس میں فیصلہ کرلیں ے کہ کس کی ہمت کا درجہ اعلیٰ تھا۔ ہم نے سونچا کہ ہمارے ناظرین لڑائیوں کا حال پڑھتے پڑھتے اکتا گئے ہوں گے لہٰذا ان کے عناصر اربعہ کو اعتدال پر لانے کے لئے ہم نے حسن وعشق کا قصہ چھیڑ دیا۔ اب لگے ہاتھ ذرا دنیا کے عاشقوں کا بھی حال سن لیجئے۔ انھوں نے بھی نہ خدا کی سنی اور نہ رسول کی سنی۔ سب کے طرف سے منہ موڑ کر اس طرح اپنی معشوقہ کے قدموں میں گرے کہ اجل بھی آگئی لیکن انھوں نے وہاں سے اپنا سر نہ اٹھایا اور ان کی معشوقہ ان کے سر کو ٹھکراتی ہوئی چلتی بنی۔ اللہ والوں کے طرف ان کے واقعات بھی تاریخ سند لئے ہوئے ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اگر ابو مسلم اور سلمہ نہ ہوتے تو عباسی حکومت قائم نہ ہوتی۔ ان کو اس کا یہ انعام ملا کہ جن باشاہوں کی خیر خواہی میں انھوں نے دین وایمان کھویا تھا انھوں ہی نے اپنی آنکھوں کے سامنے ان کو قتل کرایا۔ یحییٰ ابن خالد وفضل وجعفر پسران یحییٰ نے ہارون الرشید کی خاطر آل رسول کو قید کیا۔ لیکن ہارون الرشید نے ہی ان کو قید کیا۔ قتل کیا، مال واسباب غصب کیا۔ اور یہ دنیا سے گداگر بن کر اٹھے۔ بنوامیہ تو کافر تھے ہی۔ یہ ذکر ہم ان کا کرتے ہیں جو رسول خدا کو ابن عم کہہ کر فخر کرتے تھے۔ مامون، مامون نہ ہوتا اگر فضل ابن سہل ذوالریاستیں جناب علی رضا طاہر ابن حسین اور ہرثمہ نہ ہوتے لیکن اپنی حکومت کی خاطر اس نے ذوالریاستیں کو خاص اپنے جلاد بھیج کر قتل کرایا۔ اور پھر لوگوں کی آنکھ میں خاک ڈالنے کیلئے ان جلادوں کو بھی قتل کرادیا۔ جناب امام علی رضاؑ کے حالات ہم ان کے ذکر میں بیان کریں گے۔ اب ہرثمہ کا حال سنئے۔ اگر ہرثمہ نہ ہوتا تو مامون کا تخت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ امین کی فتوحات کو ہرثمہ نے روکا اور آخر کار اسے قتل کرادیا۔ ابوالسرایا نے سارا عراق فتح کرلیا تھا۔ ہرثمہ کو بھی شکست دے دی تھی۔ لیکن اس نے اپنی دھوکہ بازی سے شکست کو فتح سے مبدل کرلیا۔ اگر جذبہ احسان شناسی بھی کچھ چیز ہے۔ تو مامون کو ہمیشہ کیلئے اس کا ممنون احسان ہونا چاہیئے تھا۔ ہرثمہ کو تو یہ ناز تھا کہ اس نے مامون کی رضا مندی حاصل کرلی ہے۔ لیکن فضل بن سہل جو عرصہ سے اس کا رقیب تھا اس کے خلاف مامون کے کان بھرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جب ذیقعدہ ۲۰۰ ہجری میں ہرثمہ مامون کی خدمت میں بمقام مرو حاضر ہوا تو مامون نے اس سے کہا کہ تو نے اہل کوفہ اور علوئین سے سازش کی، ابوالسرایا کو بغاوت پر آمادہ کیا اور تیرے ہی اشارے سے اس نے یہ سب کچھ کیا۔ حالانکہ وہ تیری فوج کا ایک معمولی سپاہی تھا۔ اگر تو چاہتا تو ان سب کو گرفتار کرلیتا۔ مگر تو نے ارادۃً ان کو بغاوت کا موقعہ دیا اور ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی۔ ہرثمہ اپنی بریئت کرنے لگا اور اپنی وفاداری کے

کارناموں کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ مفید نہ ہوا۔ مامون کے حکم سے مامون کے سامنے اسے خوب مارا گیا۔ اس کی ناک پر گھونسے لگوائے۔ مامون نے اسے لٹا کر اس کے پیٹ پر آدمیوں کو کدوایا۔ اس کے سامنے سے ہرثمہ کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ اس مار کے بعد اسے قید کر دیا گیا۔ اور چند ہی روز میں اسے قید خانہ میں قتل کر دیا گیا۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۳۶)

چند ہی سالوں کے بعد فضل ابن سہل کی باری آئی اور وہ بھی بہت ذلت سے حمام میں قتل ہو گیا طاہر ابن حسین کا بھی یہی حشر ہوا۔ مامون نے اس کو زہر دلوا کر قتل کر دیا۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ ۲۶۵ وقائع سال ۲۰۷ ہجری، شبلی نعمانی المامون حصہ اول صفحہ نمبر ۶۸۰)

غرض کہ جس نے وفاداری کی اس کو یہی اجر ملا اگر حکماء چاہیں تو اخلاقیات کا درس خلافت عباسہ کے ایوان سے پا سکتے ہیں جو ظلم علوئیں پر کیے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔

ابوالسرایا کے قتل کے بعد مامون کے عمال مکہ و مدینہ اور یمن بھیجے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ آل ابیطالب میں سے جس کو بھی پاؤ فوراً اس سے لڑو اور اس کو قتل کر دو۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۳۱)

الحسن بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب

یہ کوفہ میں ابوالسرایا و ہرثمہ کی لڑائی میں ابوالسرایا کی فوج میں لڑتے ہوئے جنگ قطرہ میں مارے گئے۔

حسن بن اسحاق بن الحسین بن زید بن الحسین بن علی ابن ابیطالب

یہ بھی بھرائی ابوالسرایا جنگ سوس میں مارے گئے

محمد بن الحسین بن الحسن بن علی ابن علی ابن الحسین بن علی ابن ابیطالب

یہ یمن میں اس حکم کی تعمیل میں قتل کر دیے گئے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

علی بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب

یہ بھی اس ہی حکم کی تعمیل میں یمن میں قتل کر دیے گئے۔

محمد بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب

یہ جناب امام موسیٰ کاظم کے بھائی تھے۔ یہ ایک عابد و زاہد شخص تھے سب ان کی عزت کرتے تھے بڑے عالم دین تھے۔ ابوالسرایا کے قتل کے بعد علی ابن سعید نے عیسیٰ بن یزید الجلودی ورقاء بن جمیل احمد یہ بن علی بن عیسیٰ بن ماہان اور ہارون بن المسیب کو یہ حکم دیکر مکہ و مدینہ و یمن بھیجا کہ آل ابیطالب کو جہاں پاؤ ان سے لڑو اور ان کو قتل کر دو۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۳۱)

اس زمانہ میں محمد بن جعفر مکہ میں تھے۔ آل ابیطالب کو قتل کرنے کے لئے اور ان سے لڑنے کے لئے ورقاء بن جمیل آیا اپنی اور اپنے دوستوں کی حفاظت محمد بن جعفر پر لازم تھی۔ وہ سب لوگ مل کر محمد بن جعفر بن محمد علی بن حسین بن علی ابن ابیطالب کے پاس آئے اور اون کو مجبور کیا اس مدافعت میں شریک ہو گئے۔ چنانچہ فریقین میں لڑائی ہوئی۔ محمد بن جعفر کو شکست ہوئی اور انھوں نے دشمن سے صلح کر لی۔ عیسیٰ بن یزید الجلودی ان کو لے کر عراق روانہ ہوا اور وہاں حسن بن سہل کے حوالے کر دیا۔ اس نے ان کو مامون کے پاس مرو میں بھیج دیا۔ اور یہاں بہت جلد محمد بن جعفر نے انتقال کیا۔

امام علی الرضاؑ ابن موسی کاظمؑ ابن جعفر الصادقؑ ابن محمد الباقرؑ ابن علیؑ ابن الحسینؑ ابن علیؑ ابن ابیطالب

کہتے ہیں کہ:.......

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

اس اصول پر عمل کر کے ہم جناب امام علی الرضا کے فضائل وخصائل مولوی شبلی کی زبانی لکھتے ہیں:......

مولوی شبلی کہتے ہیں:.......

''حضرت رضا ائمہ اثنا عشر میں سے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کاظمؑ کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۴۸ ہجری میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے نہایت بڑے عالم اتقیائے روزگار میں سے تھے۔ ابونواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگون نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے۔ اور حضرت علی رضاؑ جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ کہے۔ اس نے جواب دیا کہ ان کا کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے۔'' (المامون حصہ اول صفحہ نمبر ۶۲۔ نیز ملاحظہ ہو مراۃ الجنان یافعی الجزء الثانی صفحہ نمبر ۱۲)

یہاں ہم جس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جو ظلم آل رسول پر ہوئے ان کے لئے یہ عذر کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ حکومت کے خلاف اٹھے تھے۔ امام علی رضا اور ان کے باپ دادا نے تو کسی شورش میں حصہ نہیں لیا۔ گوشۂ تنہائی سے جبراً نکالے گئے اور پھر زہر سے قتل کئے گئے۔

جب ابوالسرایا کے قتل کے بعد مامون کا حکم آل ابیطالب کو مکہ اور مدینہ ویمن سے گرفتار اور قتل کرنے کا صادر ہوا تو جناب امام علی رضاؑ بھی ان میں گرفتار ہوئے تھے علامہ صدوق علیہ الرحمہ عیون الاخبار مین تحریر کرتے ہیں کہ مامون نے جناب امام رضاؑ کو لکھا کہ آپ خراسان میرے پاس آجائیں۔ امام نے انکار کیا۔ مامون نے تہدید آمیز اصرار کے ساتھ طلب کیا۔ جب اور کوئی چارہ نہ دیکھا تو جناب علی رضاؑ خراسان جانے پر آمادہ ہو گئے

اس وقت ان کے صاحبزادے محمد جواد کی عمر سات سال کی تھی۔ طبری کہتا ہے کہ ۲۰۰ھ میں مامون رجاء ابن ابی الضحاک اور اپنے خادم فرناس کو امام علی رضاؑ کے لانے کے لئے مدینہ بھیجا۔ علامہ صدوق نے عیون الاخبار میں رجا ابن ابی الضحاک سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ مامون نے مجھے حکم دیا کہ جناب علی رضاؑ کو بصرہ اہواز و فارس کے راستہ سے خراسان لے جاؤں۔ قم کے راستہ سے نہ لیجاؤں اور یہ بھی حکم دیا کہ میں بذات خود ان کی نگرانی رات و دن کرتا رہوں۔ ابوالفرج اصفہانی اموی جو مروان اولاد میں سے تھا کہتا ہے کہ عیسیٰ بن یزید جلودی اس قافلہ کا سردار تھا۔ مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۶۲۔ نیز ملاحظہ ہو مراۃ الجنان یافعی الجزاء الثانی صفحہ نمبر ۱۲ یہ دونوں روایتیں متضاد نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جلودی امیر ہو اور رجا بھی اس کے ہمراہ ہو اور آگے چل کر علیحدہ ہو گیا ہو جلودی امام علی رضاؑ کا سخت دشمن تھا۔ اعیان الشیعہ الجزء الرابع القسم الثانی صفحہ نمبر ۱۲۱۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ مامون کی ہدایت تھی کہ قم و کوفہ کے راستہ نہ آئیں۔ بلکہ بصرہ، اہواز و فارس کے راستہ سے جائیں۔ جناب امام علی رضاؑ کے ساتھ آل ابیطالب میں سے اور لوگ بھی تھے۔ علامہ کلینی لکھتے ہیں کہ مامون نے جناب امام علی رضاؑ کو بھی کہا کہ جبل وقم کی طرف سے نہ آئیں۔ بلکہ بصرہ اہواز و فارس کے راستہ سے آئیں وجہ یہ تھی کہ کوفہ وقم میں شیعان علی بہت تھے اس ہدایت سے اور امام علی رضاؑ کے انکار سے اور مامون کے تہدیدی اصرار سے یہ امر ثابت ہے کہ دوستانہ دعوت ملاقات نہ تھی۔ بلکہ عداوت کی بناء پر جلا وطنی تھی۔ شیعیان علی اس کو حضرت رضاؑ کی پیشین گوئی کہتے ہیں۔ آپ اس کو ایک صاحب فراست وزکا شخص کی پیش بینی سمجھتے کہ امام علی رضاؑ نے اس حکم کے سنتے ہی کہہ دیا کہ میں اب اپنے اہل وعیال میں واپس نہ آؤنگا۔ میں تو اپنی قبر کی طرف مرنے کے لئے جارہا ہوں۔ آپ کا مدینہ سے نکالا جانا بہت حزن انگیز ہے۔ علامہ صدوق علیہ الرحمہ عیون الاخبار میں لکھتے ہیں کہ جب امام علی رضاؑ کی جلاوطنی کا حکم آیا تو آپ مسجد میں تشریف لے گئے کہ جناب رسول خدا سے وداع ہو لیں۔ آپ بار بار آنحضرت قبر پر جاتے تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ محول الجستانی کہتا ہے کہ میں آپ کی طرف بڑھا اور سلام کیا۔ آنے جواب سلام دیا۔ اس وقت آپ گریہ وزاری کررہے تھے۔ فرمایا کہ مجھ کو چھوڑ دے میں اپنے جد رسول خدا کے ہمسایہ سے جدا کیا جا رہا ہوں۔ اب میں پردیس میں مرونگا۔ دشا سے روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جناب امام علی الرضاؑ نے اس سے فرمایا کہ جب ان لوگوں نے مجھے مدینہ سے نکالنے کا ارادہ کرلیا تو میں اپنے اہل وعیال کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ تم مجھ پر اس طرح گریہ وزاری کرو جس طرح مردہ پر بکاء کرتے ہیں کیوں کہ میں اب تم میں واپس آؤں گا آپ بصرہ میں کچھ دن قید رکھے گئے اور پھر مرد مامون کے پاس بھیج دیئے گئے۔

اس زمانے مامون کے خلاف بغاوت جاری تھی۔ جب بغداد میں اس سلوک کی خبر پہنچی جو بغدادیوں کے محبوب ہرثمہ کے ساتھ خراسان میں کیا گیا تھا تو انھیں بہت غصہ آیا۔ حسن بن سہل نے حربیہ کی تنخواہ میں بھی روک لی تھیں۔ علاوہ اس کے لوگ حسن بن سہل کے سلوک سے تنگ آگئے تھے۔ فضل بن سہل لوگوں کے مصائب و تکالیف

کی خبروں کو مامون تک نہیں پہونچنے دیتا تھا۔لوگوں یہ بات ناگوار گزری۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ دونوں بھائی مامون پر اس طرح مسلط ہو جائیں۔یہ تھے اس بغاوت کے اسباب جس نے مامون کو اُن ایام میں پریشان کر رکھا تھا۔چند علوئین نے جوان مصائب وتکالیف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جوحکومت نے ان پر عائد کر رکھی تھیں ان موقعہ کوغنیمت سمجھا اوران بلاؤں کوتلوار سے دور کرنا چاہا جن کو وہ زبان کی عاجزی سے دور نہیں کر سکتے تھے۔جنا ب محمد ابن جعفر نے جونہایت متقی، پرہیزگار، عابد وزاہد تھے۔ان علوئین کے اصرار پر ان کی سرداری قبول کی اور مکہ سے کوششیں شروع کیں۔چند فتوحات حاصل ہوئیں۔لیکن پھر لوگوں نے حکومت کے دباؤ سے مدد میں کمی کردی اور محمد بن جعفر نے اپنے تئیں جلودی کے سامنے پیش کر دیا۔وہ بھی جناب امام علی رضاؑ کے ساتھ گرفتاروں میں تھے ۔بغداد کی بغاوت کا یہ حال ہوا کہ باغیوں نے حسن بن سہل کے نائب کو بغداد سے نکال دیا۔حسن علی بن ہشام کو یہ بغاوت فرد کرنے کے لیے بغداد بھیجا گیا۔لیکن وہ بغاوت کو فرد نہ کرسکا۔اور باغیوں کے لیڈر محمد بن ابی خالد نے ذی قعدہ ۲۰۰ ہجری میں علی بن ہشام کو بغداد سے نکال دیا۔حسن بن سہل ان واقعات کو سن کر مدائن سے بھاگ پڑا اور واسطہ چلا آیا۔منصور ابن المہدی، خزیمہ بن خازم اور فضل بن الربیع قاتل امین بھی باغیوں میں مل گئے۔محمد بن ابی خالد کا بیٹا عیسٰی جو طاہر بن الحسین کا رفیق تھا اپنے باپ کے ساتھ آ کر مل گیا۔اب باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی اور حسن بن سہل کی فوجوں نے ہر جگہ شکست کھائی۔زبیر بن المسیب عامل حسن بن سہل کو بھی گرفتار کر لیا گیا محمد بن ابی خالد کے دوسرے بیٹے ہارون نے حسن کی فوج کو شکست دی اور کوفہ میں داخل ہو گیا۔عیسٰی بن یزید جلودی محمد بن جعفر کو لیکر حسن بن سہل کے پاس بمقام واسط چلا گیا۔اور رجاء بن الضحاک جناب امام علی رضاؑ کو لئے ہوئے خراسان کی طرف چلا۔محمد بن ابی خالد اور اس کے بیٹے ہارون نے بھی وسط کا رخ کیا۔فضل بن الربیع قاتل امین بھی امان حاصل کر کے محمد بن ابی خالد پاس آ گیا۔یہ شہر واسط کے قریب نہایت خونریز جنگ ہوئی، جسمیں آخر کار محمد بن ابی خالد کو شکست ہوئی۔یہ لڑائی ۲۳ ربیع الاول ۲۰۱ ہجری کو ہوئی۔محمد بن خالد دوبارہ لڑائی کے لیے فوجیں تیار کر رہا تھا کہ ۶ ربیع الآخر ۲۰۱ ہجری کو بغداد میں اس کا انتقال ہوگیا۔اس کی جگہ اس کا بیٹا عیسٰی سپہ سالار رہوا۔لیکن ہارون اور ابوزنبیل پسران محمد بن ابی خالد کی افواج کو حسن بن سہل کی فوجیں برابر شکست دیتی رہیں۔اب نبو ہاشم وامراء بغداد نے یہ فیصلہ کیا کہ مجوسی زیادہ حسن بن سہل تو خراسان واپس جائے اور منصور بن المہدی کو انھوں نے عراق وبغداد کا والی بطور نائب مامون مقرر کر دیا۔ادھر عیسٰی بن محمد بن ابی خالد نے اپنی فوجیں درست کرلیں۔اس نے جب پنی فوج کا جائزہ لیا تو اس کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار نکلی لیکن بغداد میں آوارہ گردی شروع ہوگئی۔غنڈے بدمعاش دن دھاڑے عوتوں اور خوبصورت لڑکوں کو اٹھا لے جاتے تھے۔مال مویشی لوٹ لیتے تھے کوئی روک نہ سکتا تھا۔ایک شخص سہل بن سلامہ کھڑا ہوا اور اس نے اپنی ایک مضبوط جماعت حکومت کے خلاف بنالی۔چونکہ عیسٰی اور منصور کی فوجوں میں ان ہی جیسے لوگوں کی کثرت تھی۔عیسٰی نے جو پہلے سے حسن بن سہل

سے مراسلت کر رہا تھا۔ بغداد کے اس ہنگامے کی خبر پاتے ہی حسن بن سہل سے صلح کر لی اور ۱۳ رشوال دوشنبہ کے دن ۲۰۱ ہجری وہ بغداد چلا آیا۔ اس کی افواج نے بھی اس صلح کو پسند کیا۔ اور چھاؤنیاں چھوڑ کر بغداد چلی آئیں۔ لیکن امن قائم نہ ہوا اور فتنہ وفساد جاری رہا۔ مامون خود مرو میں تھا۔ بغداد اس کے قبضہ سے نکل گیا تھا۔ چاروطرف شورشیں برپا تھی یہ صورت حالات تھی جسکو دیکھ کر معمون نے جناب علی رضاؑ کو اپنا ولی عہد بنایا۔ امام ممدوح نے کسطرح ولی عہدی قبول کی۔ اس کا ذکر اب ہم کرتے ہیں۔

مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل سے کہا کہ میں علی الرضاؑ کو ولی عہد مقرر کرنا چاہتا ہوں حسن اپنے بھائی کو بھی بلالو۔ وہ راضی ہو گئے۔ ان دونوں کو اس پیغام کے ساتھ مامون نے امام علی رضاؑ کے پاس بھیجا۔ لیکن آپ نے انکار کیا۔ وہ دونوں اصرار کرتے جاتے تھے اور حضرت امام علی رضاؑ انکار کرتے جاتے تھے۔ آخر کار ان میں سے ایک نے کہا کہ تم اس کو قبول کرلو ورنہ ہم جبرً تم سے منوائیں گے۔ دوسرے نے کہا کہ قسم بخدائے لایزال مامون نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم قبول نہ کرو گے تو ہم اسی وقت تمھاری گردن اڑا دیں گے پھر مامون کو آپ کے انکار کی اطلاع دیگئی۔ اس جناب امام علی رضاؑ کو بلایا اور یہی اصرار کیا۔ آپ نے اس سے بھی انکار کیا۔ جب آپ نے کسی طرح منظور نہ کیا تو مامون نے قتل کی دھمکی دینی شروع کی۔ اور کہا کہ حضرت عمر نے شوریٰ مقرر کیا تھا۔ اس میں تمہارا جد حضرت علیؑ بھی تھا اور حضرت عمر نے کہا تھا کہ جو مخالفت کرے اس کی گردن ماردو۔ لہٰذا میں بھی اب یہی کروں گا۔ تم کو ولیعہدی قبول کرنی ہوگی۔ ان مجبوریوں کی موجودگی میں جناب امام علی رضاؑ نے ولیعہدی منظور کی۔

ظاہر ہے کہ یہ اصرار کسی عقیدت مندی یا حق شناسی پر مبنی تھا۔ بلکہ یہ ایک سیاسی چال تھی عقیدت مندی اور حق شناسی سے سر اڑا دینے کا کیا تعلق۔

ابراہیم کی بیعت

جب اس خبر عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو بغداد میں ہوئی تو اس نے خوشی سے منظور کر لیا۔ اور بغداد نے بیعت کر لی۔ بنو عباس اور ان کے ہوا خواہوں کی ایک جماعت تھی جنھوں نے اس کو پسند نہ کیا اور ایک شورش پیدا کر دی ۲۴ رماہ ذی الحجہ ۲۰۱ ہجری کو یہ بیعت بغداد میں ہوئی اسی دن عباسیوں نے کہ دیا کہ ہم اس بیعت کو نہیں مانتے ہم نے مامون کو خلافت سے علحدہ کر دیا۔ اس کے بجائے ابراہیم بن المہدی کو خلیفہ مقرر کر لیا۔ اور اس بھتیجے اسحاق بن موسیٰ بن المہدی کو ولی عہد مقرر کیا ہے۔ اب بغداد میں ایک اور فتنہ پیدا ہوا۔ یکم محرم ۲۰۲ ہجری کو اہل بغداد نے ابراہیم کی بیعت کی۔ ابراہیم نے اہل بغداد کے ساتھ اہل کوفہ اور تمام سواد کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی یہاں تک کہ خراسان کے علاوہ باقی تمام سلطنت پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ مامون اس امر سے بہت خائف ہوا۔

امام علی رضا علیہ السلام کا مامون کو مطلع

دیکھئے امام میں اور دنیا کے لوگوں میں کتنا بڑا فرق ہوتا ہے۔ اگر امام علی الرضاؑ کے بجائے کوئی اور ہوتا تو وہ نہ کرتا جو انھوں نے کیا۔ آپ نے سمجھا کہ بطور ولیعہد ان کا فرض ہے کہ حکمران کو اس بغاوت وشورش سے آگاہ کر دیں اور اس کی وجوہات سے اس کو مطلع کریں۔ چنانچہ آپ مامون کے پاس گئے اور اس کو سارے حالات سے مطلع کیا۔ طبری مورخ لکھتا ہے۔

''علی بن موسیٰ بن جعفر نے مامون کو اس فتنہ وفساد اور جنگ وجدال سے آگاہ کیا جس میں کہ سب لوگ ان کے بھائی امین کے قتل کے بعد سے اب تک مبتلا تھے اور یہ بھی کہا کہ فضل بن سہل نے کبھی آپ کو ملک کے اصلی حالات سے اطلاع نہیں دی بلکہ ہمیشہ ان کو آپ سے چھپاتا رہا۔ خود آپ کے خاندان والے بعض باتوں مامون کی وجہ سے آپ سے ناراض ہیں اور آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ مسحور اور مجنوں ہو گئے ہیں آپ کی اس بے خبری کو دیکھ کر انھوں نے آپ کے چچا ابراہیم بن المہدی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا ہے۔ مامون نے کہا کہ مجھ سے تو فضل نے کہا ہے کہ ان لوگوں نے ابراہیم کو خلیفہ نہیں بلکہ حکومت چلانے اور انتظام قائم رکھنے کے لئے محض اپنا امیر بنالیا ہے۔ علی الرضاؑ نے فرمایا کہ فضل نے آپ سے جھوٹ بولا ہے اور اس نے آپ کو دھوکہ دیا ہے ابراہیم اور حسن بن سہل کے درمیان عرصہ سے لڑائی جاری ہے اور وہ لوگ آپ سے اسی وجہ سے ناراض ہیں کہ آپ فضل اور اس کے بھائی کو اتنا رسوخ دے رکھا ہے نیز وہ لوگ اس وجہ سے بھی ناراض ہیں کہ مجھ سے آپ کے خاص تعلقات ہیں اور آپ نے مجھے اپنا ولی عہد بنایا ہے'' (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۴۹)

اس کے بعد جناب علی رضاؑ نے اور لوگوں کو بھی مامون کی خدمت میں بھیجا جنھوں نے آپکے اس بیان کی تصدیق کی۔ جن لوگوں نے مامون سے ملاقات کی انہوں نے یہ بھی بتایا کہ آپ بغداد چلیں کیوں کہ وہاں آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کی موجودگی سے وہ سب مرعوب ہو جائیں گے، مامون نے مرو سے بغداد کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ ابھی مرو سے سرخس پہنچے تھے کہ آپ فضل ابن سہل کو حمام میں گھس کر چار آدمیوں نے قتل کر دیا۔ یہ روز جمعہ ۲ رشعبان ۲۰۲ھ ہجری مطابق ۴ دسمبر ۸۱۷ء کا واقعہ ہے۔ یہ چاروں قاتل پکڑے گئے اور جب مامون نے لوگوں کو دکھانے کے لئے ان پر عتاب کیا اور کہا کہ تم نے کیوں فضل کو قتل کیا تو انہوں نے صاف کہدیا کہ آپ ہی نے تو ہمیں اس کو قتل پر مامور کیا تھا۔ یہ سنتا تھا کہ فوراً ان چاروں کو قتل کرا دیا گیا۔ (تاریخ طبری الجزاء العاشر صفحہ نمبر ۲۵۰)

جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں۔ جناب علی الرضاؑ نے اپنے بیان کے ثبوتؑ میں چند آدمیوں کو پیش کیا جن کے نام یہ ہیں۔ یحییٰ بن معاذ، عبدالعزیز بن عمران، موسیٰ، علی ابن سعید اور خلف المصری اول تو انہوں نے بتانے سے انکار کیا اور کہا کہ فضل کی طرف سے خدشہ ہے لیکن جب مامون نے حلف کے ساتھ انہیں امان دی تو انہوں نے

سارے حالات بیان کر دیئے۔ (تاریخ طبری الجزاء العاشر صفہ ۲۴۹) لیکن باوجود اس امان کے اپنے اوپر سے لوگوں کا شبہ دور کرنے کے لئے مامون نے فضل کے قتل کے بعد ان کو بلایا اور اس بہانے سے کہ ان پر اس کے قتل کا شبہ ہے ان سب کو قتل کرا دیا۔ (تاریخ طبری الجزاء العاشر صفحہ نمبر ۲۵۰)

امام علی الرضا کی شہادت

اب جناب امام علی الرضاؑ کی باری آتی ہے ۲۰۲ ہجری کی عید الفطر کے دن مامون سرخس سے عراق کی طرف روانہ ہوا اور اس طوس میں قیام کیا وہیں آخر ماہ صفر ۲۰۳ ہجری میں جناب امام علی رضاؑ نے انگور کھائے جس سے دفعتہً ان کا انتقال ہوا۔ تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۵۱)

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جناب علی الرضاؑ کا انتقال اپنی قدرتی موت سے ہوا یا ان کو کسی نے زہر دیا اور اگر زہر دیا تو کس نے دیا۔ اکثریت کے مورخین جن میں مولوی شبلی اور مسٹر امیر علی شامل ہیں کہتے ہیں کہ مامون اس الزام سے بری ہے اس نے جناب امام علی الرضاؑ کو زہر نہیں دیا۔ یہ تاریخی سوال ہے اس میں کسی مذہب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مامون نے زہر دیا تو اس سے سنی مذہب پر کوئی اعتراض نہیں آتا اور اگر مامون نے زہر نہیں دیا تو اس سے شیعہ مذہب کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا معلوم نہیں اتنی سی بات پر مذہبی تعصب کا اثر کیوں ہو۔ اس سوال پر غور کرتے وقت چند امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

بادشاہوں کے افعال واقوال ونقل وحرکت کے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کا مقصد حکومت سمجھ میں آجائے ان کے مقاصد حکومت میں کئی مختلف مقاصد ہوا کرتے ہیں۔ لیکن فطرتاً ہر ایک دنیاوی حکومت کے بادشاہ کا مقصد اول استقلال و استمرار حکومت ہوتا ہے۔ مقصد اول کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے اگر ضرورت ہو تو ہر ایک مقصد کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اگر اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہو کہ وہ اصول مذہب واصول اخلاق کو چھوڑ دے تو وہ بلا تکلف اور مزید خیال کے ان کو چھوڑ دیگا حکومت الہیہ کے حاکم کا مقصد اول قیام و استمراد ہوا کرتا ہے اور اس لفظ حق میں مذہب شامل ہے کیوں وہ مذہب کو بھی حق دسمجھا کرتا ہے اور یہی فرق ہے حکومت الہیہ اور حکومت دینوی کا۔ حکومت الہیہ کا حاکم حکومت دنیاوی کے حاکم کی طرح فطرتاً اپنے مقصد اول کے حصول کیلئے دیگر ہر ایک مقصد کو قربان کر دیگا۔ اپنی جان اپنے رشتہ داروں اور عایا کی جانوں کو بلکہ اپ حکومت تک کو اس مقصد کے حصول کے لئے قربان کر دیگا۔ ہم مثالیں دیکر سمجھاتے ہیں دیکھو کوئی شخص اپنے وفادار دوست وخادم کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ بلکہ اس کو وفاداری کا اجر دینے کی کوشش کریگا فلسفہ واخلاقیات کو جانے دو۔ یہ فطرت انسانی ہے لیکن جب منصور نے دیکھا کہ ابو مسلم اور ہارون نے دیکھا کہ برامکہ اور مامون نے دیکھا کہ فضل ابن سہل ذوالریاستین اور ہرثمہ کا قتل کرنا ان کے استقلال حکومت کے لئے ضروری ہے تو آنکھوں پر پٹی باندھ کی اوران سب کو قتل کرڈالا جب مامون نے دیکھا کہ امام علی رضاؑ کو اپنی حکومت میں سامل کر لینے سے علوئین کی

تحریکات کا سد باب ہو سکتا ہے تو اس نے ایسا کیا اور جب دیکھا کہ ان کے تقریب کی وجہ سے عباسیوں کا رخ پھر گیا تو ان وجود کو زہر کے ذریعہ سے درمیان سے ہٹا دیا۔ یہاں یہ بحث کارگر نہ ہوگی کہ مامون مذہبی آدمی تھا۔ اور اس میں تشیع تھا وہ کیوں امام علی الرضا جیسے مقدس آدمی کو قتل کرتا۔ عشق بری بلا ہے جس سے بھی ہو جائے عورت سے ہو یا حکومت سے پھر دوسری باتیں نظر کے سامنے سے ہٹ جاتی ہیں۔ مامون میں ایسا ہی تشیع تھا کہ جیسا یحییٰ ابن خالد میں تھا۔ اس نے بھی تو باوجود اس تشیع کے امام موسیٰ کاظم کو زہر دے دیا۔ انسان کا کسی بڑے طاقت ور جذبہ کے زیر اثر اندھا ہو جانا کوئی نئی بات نہیں بنی نوع انسان کی تاریخ ہی اس اندھے جنون سے شروع ہوتی ہے دیکھو قابیل نے ہابیل ایک جذبہ عشق کے ماتحت قتل تو کر دیا۔ قتل کرتے ہی آنکھ کھل گئی کہ ہائیں، یہ میں نے کیا کیا۔ نبی کا لڑکا تھا گھر میں سوائے نیکی کے بدی کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ قتل کرتے ہوئے پہلے کسی کو دیکھا بھی نہ تھا جہاں تک اخلاقیات اور مذہب کا تعلق ہے اس کی حالت مامون سے بدرجہا بہتر تھی۔ اس پر کیا منحصر ہے ہر ملک کی تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ عورتوں کی خاطر انطونی Antuny کی طرح لوگوں نے حکومت کو لات مار دی۔ اور حکومت کی خاطر اورنگزیب کی طرح باپ اور بھائیوں کو قید و قتل کر دیا۔ اللہ والوں کو بھی دیکھ لو یہ بھی اپنے مقصد اولیٰ کے آگے کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ حضرت علیؑ کا مقصد زندگی و حکومت قیام واشاعت حق تھا۔ اس مقصد کے آگے انھوں نے بھی کسی کی پرواہ نہ کی۔ حکومت کو لات ماردی۔ رسول خدا کی پٹی نہ چوڑی۔ حکومت چلی گئی پرواہ نہیں۔ لوگوں نے طعنے دیئے کہ ابن ابی طالب بزدول ہیں۔ لیکن ابن ابیطالب نے تلوار نہ اٹھائی کہ اسلام پراگندہ ہو جائے گا جب حکومت ملی تو سازش، چاپلوسی، بے جا تقسیم انعامات کو عمل میں لانا حاکم حکومت الٰہیہ کی شان سے بعید سمجھا۔ اس کی پرواہ نہیں کہ لوگوں نے اس وقت بھی طعنہ دیا اور بعد میں بھی کہتے رہے کہ علی کو سیاست و ملک گیری کے اصول سے واقفیت نہ تھی۔

حضرت علی رضاؑ کو مامون نے زہر دیا

غرض کی جب کوئی امر بطور واقعہ کے ثابت ہو جائے تو پھر یہ بحث کہ خلیفہ ہارون الرشید کی بہن عباسہ جعفر سے کیوں ناجائز تعلق کرتی اور مامون جیسا خلیفہ حضرت علی الرضاؑ کو کیوں زہر دیتا ایک قیاس کا درجہ رکھتی ہے اور زیادہ قابل اعتنا نہیں۔ ہاں اگر ہارون الرشید بہت متقی و پرہیزگار ہوتا۔ اس کے یہاں کوئی خلاف شرع امر نہ ہوتا تو پھر کہاں جا سکتا تھا کہ یہ غیر اغلب ہے کہ ہارون الرشید اس ناجائز تعلق کی اجازت دیتا۔ یا اگر مامون نے کبھی کسی کو بے قصور قتل نہ کیا ہوتا تو یہ بحث کچھ وقعت رکھتی۔ یہاں تو یہ حالت تھی کہ جو اس کے راستے میں حائل ہوا اس ہی کو زہر یا شمشیر سے قتل کر دیا جناب علی رضاؑ کی موت ایسے وقت اور اس طرح واقع ہوئی کہ زہر کے سوا اس کی کوئی اور وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ امام علی الرضاؑ کو مامون نے زہر دیا۔ مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

ا۔ مامون کے خلاف نہایت سخت اور طاقت ور بغاوت تھی اس کی سلطنت کا آدھے سے زیادہ حصہ نکل گیا

تھا اور اس کی بغاوت کے فرو ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔

۲۔اس نے خیال کیا کہ یہ علوئیں کی بغاوت ہے لہٰذا ان کو خوش کرنے کے لئے جناب امام علی رضاؑ کو ولی عہد مقرر کیا۔

۳۔اس ولیعہدی سے ایک اور زیادہ خوفناک بغاوت شروع ہو گئی۔

۴۔حضرت امام علی الرضاؑ کے بتانے اور لوگوں کے شہادت دینے سے مامون کو یقین ہو گیا کہ اس بغاوت دو وجوہات ہیں۔یعنی (۱) فضل ابن سہل کی وزارت اور (۲) جناب علی الرضاؑ کی ولیعہدی۔

۵۔لہٰذا اس نے فوراً یہ معلوم ہوتے ہی فضل ابن سہل اور جناب علی الرضاؑ کو قتل کر دیا۔ایک کو شمشیر سے دوسرے کو زہر سے۔

۶۔جناب علی الرضاؑ کی رحلت کے بعد ہی مامون نے بنو عباس اور اہل بغداد کو خط لکھا کہ تم مجھ سے علی رضاؑ کی ولیعہدی سے ناراض تھے اب ان کا انتقال ہو گیا۔اور تمہاری شکایت رفع ہو گئی۔(تاریخ طبری الجزا لعاشر صفحہ ۱۵۱) مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ "چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضاؑ کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا اس لئے مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے۔جس کی تم شکایت کر سکتے ہو (المامون مولفہ مولوی شبلی حصہ اول صفحہ ۶۲)

۷۔یہ تو سب مانتے ہیں کہ جناب علی الرضاؑ اپنی موت سے نہیں مرے بلکہ ان کو زہر دیا گیا۔مورخ مسعودی کہتا ہے۔وفی خلافتہ قبض علی بن موسیٰ الرضا مسموماً بطوس" یعنی مامون کی خلافت میں حضرت علی رضاؑ طوس میں زہر سے قتل کر دیئے گئے (مروج الذہب الجزء الثالث صفحہ ۳۲۸) مولوی شبلی تک مانتے ہیں کہ جناب علی رضاؑ کی موت زہر کی وجہ سے واقع ہوئی۔لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کس نے زہر دیا۔یہ کہتے ہیں کہ مامون کے خاندان والوں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہو گی۔(المامون صفحہ نمبر ۶۲ حصہ اول)

۸۔قاتل کا نام نہ بتانا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ کچھ چھپانا مقصود ہے۔مولوی شبلی لکھتے ہیں "بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضاؑ کی ولیعہدی سے ناراض تھے۔انھیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہو گی" مولوی شبلی کو قاتل کا نام معلوم نہیں یا بتانا نہیں چاہتے دونوں صورتوں میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ایسا شخص امام علی رضاؑ کا قاتل ہے۔جس کا نام بتانا مقصود ہے۔

۹۔یہ محض ہماری رائے نہیں۔اور نہ یہ فقط قیاس ہے بلکہ مورخین نے لکھا ہے کہ مامون نے خود اپنے پاس بلا کر حضرت علی رضاؑ کو مسموم انگور کھلائے (کتاب الفخری عربی مطبوعہ مطبعہ الرحمانیہ مصر صفحہ نمبر ۱۶۲)

حبیب السیر میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ عباسیوں کی بغاوت فرو کرنی مقصود تھی۔لہٰذا مامون نے اپنے پاس بلا کر امام کو مسموم انگور پیش کئے۔آپ نے کھانے سے انکار کیا۔مامون خفا ہوا اور کہا کہ آپ کو

یہ کھانے ہونگے امام نے دو چار دانے کھائے اور پھر باہر چلنے لگے۔ مامون نے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ جہاں تو نے مجھ کو بھیجا ہے (حبیب السیر جلد دوم جزء اول صفحہ نمبر ۵۱) ملا جامی نے شواھد النبوۃ میں بالکل اسی طرح لکھا ہے (شواہد النبوۃ مطبوعہ نول کشور لکھنوی صفحہ نمبر ۲۰۲)

نیز ملاحظہ ہو (نور الابصار شیخ شبلنجی صفحہ نمبر ۱۴۴، ۱۴۵)

ابوالفرج اصفہانی اموی مقاتل الطالبین میں صاف کہتا ہے کہ مامون نے انگور میں آپ کو زہر دیا۔ اور جب آپ باہر نکلے تو ابوالصلب سے کہا کہ مجھے زہر دیا گیا ہے (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۶۷)

۱۰۔ یہ بحث مکمل نہ ہوگی جب تک کہ ہم دوسرے کیمپ کے مورخین کی رایوں کا جائزہ نہ لے لیں۔

(ا) طبری نے مخالفت رائی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ امام علی رضا نے کثرت سے انگور کھا لئے جس کی وجہ سے ہیضہ ہوا۔

(ب) ابن خلدون نے صرف اتنا لکھا ہے کہ ولیعہد خلافت علی الرضاؑ کا اخیر صفر ۲۰۳ ہجری میں اگورون کے کھا لینے سے انتقال ہوگیا۔ (اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم صفحہ ۱۳۲ دوسری رائے کا ذکر اس نے بھی نہیں کیا۔ ان کے مترجم نے فٹ نوٹ میں حاشیہ پر صرف اتنا لکھا ہے کہ بعضے کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون نے علی الرضاؑ کو انگوروں میں زہر ملا کے کھلا دیا تھا جس سے ان کی موت وقوع میں آئی۔ اور یہ روایت میرے نزدیک دور از عقل و خلاف قیاس ہے۔

(ج) ذہبی نے تاریخ دول الاسلام میں ۲۰۳ ہجری کے وقائع کے اندر صرف اتنا لکھا کہ اس سال علی بن موسیٰ رضا کا انتقال ہوا۔

(د) یافعی نے مراۃ الجنان میں یہ لکھا کہ آپ کی موت کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ انگور کثرت سے کھا گئے جس سے انتقال ہوا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو زہر دیا گیا (مراۃ الجنان جلد ثانی صفحہ نمبر ۱۲) دونوں قول لکھ دئے۔ اپنا رجحان کسی طرح ظاہر نہیں کیا۔

مسٹر امیر علی کی تحریر پر تنقید

(س) مسٹر امیر علی نے اپنی تاریخ اسلام میں صرف اتنا لکھا ہے کہ امام علی رضاؑ نے یکا یک انتقال کیا اہل کتاب میں مخالف رائے کا ذکر نہیں ہے۔ فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ اقوال کہ فضل ابن سہل کو مامون نے قتل کروایا اور امام علی رضاؑ کو زہر دیا عداوت پر بنی بالکل جھوٹے ہیں اور تاریخ تنقید پر پورے نہیں اترے۔ لیکن مسٹر امیر علی نے وہ تنقید نہیں فرمائی۔

(ص) مولوی شبلی فرماتے ہیں اس سفر میں حضرت علی رضاؑ بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہنچ کر دفعۃً انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا..... یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ حضرت علی رضاؑ کو کسی کے ایما سے زہر

دیا گیا۔ مگر ایک خاص فرقے نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔ شیعہ بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ خود مامون نے زہر دلوایا۔ افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے۔ سنیوں کی ہی تصنیفیں ہیں اور بظاہر ان میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کے لگانے کی جرأت نہیں کی۔ مامون رشید کے زمانے سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے۔ ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے یہ مصنف مامون کے زمانے کے واقعات ان لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں ہم اس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں۔ تاہم اس نے کے بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخ وصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑے گا۔ مامون حضرت علی الرضاؑ ولی عہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی الرضاؑ کوئی گی شخص نہ تھے اور نہ ان سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرے کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے کہ مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی الرضاؑ کے بعد مامون کا طریق عمل مساوات کے ساتھ کیا رہا۔ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی الرضاؑ کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے۔ یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتائے گا کہ مامون پر یہ الزام غلط اتہام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی الرضاؑ کی ولی عہدی سے ناراض تھے۔ انہیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی۔ (المامون حصہ اول صفحہ نمبر ۶۱، ۶۲)

اس سے زیادہ بحث اس دعوے کے حق میں کسی اور تاریخ میں نہیں ملے گی۔ مولوی شبلی نے ابن واضح عباسی کی کتاب کی فوقیت اور اہمیت اس امر پر بنی رکھی ہے کہ اس مورخ کا زمانہ ان واقعات کے زمانہ سے نزدیک تھا۔ کسی حد تک یہ درست بھی ہے۔ اگر شخصی تعصب نہ ہو تو ایسی تاریخ بہترین تاریخ ہوگی۔ اس ہی اصول کی بنا پر ہم ناظرین کی توجہ اس امر پر دلاتے ہیں کہ پرانے مورخین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ مامون نے زہر نہیں دیا۔ یا یہ رائے کہ مامون نے زہر دیا غلط ہے۔ ابن خلدون تک نے ایسا نہیں کیا۔ یہ فقط زمانہ حال کے دماغ کی جدت ہے کہ جہاں سائنس میں نئی نئی ایجادات ہوتی ہے زمانہ حال کے مورخین نے تاریخ میں بھی نئی ایجادیں شروع کر دی اور مامون کے زہر دینے سے انکار کرنا ان ایجادات میں سے ایک ایجاد ہے اور اس کے موجد مسٹر امیر علی اور مولوی شبلی ہیں۔ اب ہم ہر ایک رائے پر نظر ڈالتے ہیں۔

طبری نے کہا ہے کہ کثرت انگور نے ہیضہ پیدا کر دیا۔ زہر کی بھی علامت تے و اسہال ہیں۔ اور ہیضہ کی بھی یہی علامات ہیں ۔ درباریوں نے تو یہی مشہور کیا ہوگا کہ ہیضہ ہو گیا۔ طبری نے درباریوں کا قول لکھ دیا۔ مخالف رائے نہ لکھی ابن خلدون نے صرف اتنا لکھا ہے کہ انگوروں کے کھا لینے سے انتقال ہوا۔ یافعی نے بھی انگور کو وجہ

مرگ بتایا ہے ذھبی نے تو صرف انتقال کا واقعہ لکھا ہے۔ غرض کہ یہ امر ان مورخین کے بیانات سے بھی ظاہر ہے کہ انگور کھانے سے انتقال ہوا۔ انگور کہاں سے آئے اور کس نے کھلائے۔ امام علی الرضاؑ ولیعہد تھے اور اس سفر میں مامون کے مہمان تھے۔ اس کے ساتھ ہی کھانے کھاتے تھے اس کے ساتھ ہی میوہ کھاتے تھے۔ پھل کھاتے تھے۔

اب ہم مسٹر امیر علی کی بحث کو دیکھتے ہیں کہ۔ مسٹر امیر علی اپنے تئیں معتزلہ کہتے ہیں اور مامون کا معتزلہ ہی خیال کرتے ہیں۔ مامون کا حال ان کی کتاب میں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم تاریخ نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ مامون کا قصیدہ انگریزی نثر میں پڑھ رہے ہیں۔ مامون انسان سے بالاتر ایک فرشتہ نظر آتا ہے ہر ایک عیب بری، ہر ایک ہنر کا حامل کوئی صفت حسنہ نہیں جو مامون میں نہ ہو۔ کوئی عیب نہیں جو اس کے مخالفین میں نہ ہو۔ یہ ہے مسٹر امیر علی کا مامون۔ یہاں تک کہ ہر ایک مورخ مانتا ہے کہ فضل ابن سہل کو مامون نے قتل کرایا۔ مسٹر امیر علی امام علی رضاؑ اور فضل دونوں کے واقعات کو ایک ہی سطح پر رکھ کر کہتے ہیں کہ فضل کو قتل کرانا اور امام علی رضاؑ کو زہر دینا ایسے بہتان عظیم ہیں جو کسی تاریخی شہادت سے ثابت نہیں۔ ہر ایک مورخ کہتا ہے کہ خود قاتلین فضل نے علانیہ مامون کے منہ پر کہہ دیا کہ تو نے ہی تو ہم کو کہا تھا کہ فضل کو قتل کر دو۔ (تاریخ طبری الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۵۰، اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم صفحہ نمبر ۱۲۱، مراۃ الجنان یافعی جلد دوم واقعہ ۲۰۲ ہجری صفحہ نمبر ۷)

اس سے زیادہ اور کیا تاریخی ثبوت ہوگا۔ یہاں تک کہ مولوی شبلی مانتے ہیں کہ فضل کو مامون نے قتل کرایا۔

(المامون حصہ اول صفحہ نمبر ۵۹، ۶۰)

مسٹر امیر علی کہتے ہیں کہ نہیں یہ محض کذب و بہتان ہے اور تاریخی ثبوت اس کے لئے نہیں ہے۔ ایسے متعصب مورخ کو کوئی کیا کرے اور اس کی رائے پر کیا انحصار ہو سکتا ہے۔

اب ہم مولوی شبلی کی رائے پر تنقید کرتے ہیں۔

مولوی شبلی کی تحریر پر تنقید

اول تو ہم ان مسلمات کا ذکر کرتے ہیں جو مولوی شبلی نے اس تحریر میں تسلیم کئے ہیں ہو یہ ہیں:......

(۱) تمام شیعہ مورخین اس پر بلا استثناء متفق ہیں کہ مامون نے حضرت علی الرضاؑ کو زہر دیا۔

(۲) تمام سنی مورخین اس بلا استثناء متفق ہیں کہ مامون نے حضرت علی الرضاؑ کو زہر نہیں دیا۔

(۳) ان سنی مورخین کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کس نے زہر دیا۔ ابن واضح عباسی کا شبہ بیان کیا ہے کہ علی بن ہشام نے زہر دیا۔ لیکن یہ محض قیاس ہے جس کا نام شبلی صاحب نے بدگمانی رکھا ہے اور آگے چل کر خود اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مامون کے خاندان والوں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی۔

(۴) امام علی الرضاؑ کو زہر ضرور دیا گیا۔

(۵) انگور میں زہر دیا گیا۔

(۶) مولوی شبلی کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں۔

(۷) لہٰذا جو فیصلہ مولوی شبلی نے کیا ہے وہ یک طرفہ ہے۔ مخالف رائے کی بحث ان کی نظر سے نہیں گزری۔

اب ہم مولوی شبلی کی عبارت پر تنقید کرتے ہیں۔

''مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔''

یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ مذہبی رنگ کیا ہے جو اس پر چڑھایا گیا۔ کیا یہ کہنا کہ مامون نے زہر دیا مذہبی رنگ ہے۔ تو پھر یہ کہنا کہ مامون نے زہر نہیں دیا۔ یہ بھی مذہبی رنگ ہوگا مولوی صاحب شیعوں کے قول کو بھی بلا استثناء بتاتے ہیں اور سنیوں کے قول کو بھی بلا استثناء کہتے ہیں۔ ایک مذہبی رنگ ہوا دوسرا مذہبی رنگ نہ ہوا۔ ہماری سمجھ میں تو یہ منطق نہیں آتی۔ تمام سنی مورخین بلا استثناء کہتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی درست تھی اور حضرت ابوبکر جائز خلیفہ رسول تھے۔ فرمائیے یہ مذہبی رنگ ہے یا نہیں ہے۔ یہ تو مسٹر نہرو کی (Seculer State) ہوئی۔ ہندوؤں کے مذہب میں گائے کا ذبیحہ جائز نہیں لہٰذا ہندوستان میں گائے کا ذبیحہ بند کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی ہے یہ Seculer State

''افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصل کر سکتے''

لہٰذا مولوی شبلی کا فیصلہ یک طرفہ ہوا اور یک طرفہ فیصلہ کی کچھ قدر نہیں۔ مولوی صاحب نے ان کتابوں کی حاصل کرنے کے لئے کوشش تو ضرور کی ہوگی۔ یورپ و مصر کے کتب خانوں تک کتابوں کی تلاش میں پہنچتے ہیں تعجب ہے کیوں نہ وہ کتابیں ملیں۔ مندرجہ ذیل کتابیں اور شیعوں کی کتابوں میں سے ہیں جن میں یہ بحث کی گئی ہے اور الزام کا ثابت کیا گیا ہے۔

(۱) علامہ صدوق علیہ الرحمۃ کی عیون الاخبار

(۲) علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی بحار الانوار

(۳) شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی کتاب الارشاد

تعجب ہے کہ اتنی مشہور شیعوں کی تاریخی کتابیں بھی مولوی صاحب کو نہ مل سکیں یا یوں کہو کہ اس بحث سے اعراض کیا۔ سنیوں ہی کی کتابوں کو لو۔ ابوالفرج اصفہانی سنی تھا حضرات خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی جوازیت کا قائل تھا اس کی پیدائش اس ہی صدی میں ہوئی کہ جس میں جناب علی رضاؑ اور مامون تھے اور اس نے اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں ان لوگوں سے روایت کی ہے جنہوں نے خود وہ واقعات دیکھتے تھے وہ صاف طور سے کہتا ہے کہ مامون نے حضرت علی الرضا علیہ السلام کو انگور میں زہر دیا تھا۔ بحث بھی کرتا ہے۔ کیا یہ بھی جناب مولوی شبلی صاحب کی نظر سے نہیں گزرا۔ یہ تو بڑی مستند کتاب سمجھی گئی ہے اور مصر میں اکثر چھپتی رہتی ہے حبیب السیر بھی

سنیوں ہی کی تاریخ ہے اس میں بھی یہ الزام صریحاً مامون پر لگایا ہے۔

''سنیوں کی تاریخی تصانیف اور مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ۔''

مولوی شبلی صاحب کے الفاظ بہت پر معنی ہوتے ہیں۔ مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا۔ نتیجہ نکلا کہ خاص لحاظ نہیں بلکہ عام لحاظ مذہبی حیثیت کا رکھا گیا ہے۔ ان کا تعصب ان کے پڑھنے پر فوراً ظاہر ہو جاتا ہے۔ کتابیں پڑھو اور قائل ہو جاؤ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ خود مولوی شبلی ہی کی تاریخی کتابیں ماشاءاللہ تاریک کی نہیں بلکہ مذہب مناظرہ کی کتابیں معلوم ہوتی ہیں۔

''ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کے لگانے کی جرأت نہیں کی''

دو کتابوں کے نام تو ہم نے بتادیے۔ مقاتل الطالبین اور حبیب السیر جن میں یہ الزام صریحاً مامون پر لگایا ہے ہاں اگر مولوی شبلی صاحب نے یہ اصل موضوعہ قائم کر لیا ہے کہ جس کتاب میں حق بات کا اظہار ہو وہ سنیوں کی ہو ہی نہیں سکتی۔ تو یہ دوسری بات ہے اس صورت میں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک سنی مورخ نے بھی مامون پر یہ الزام نہیں لگایا کیونکہ جس مورخ کی کتاب میں یہ الزام ہوگا وہ سنیوں کی کتاب کے زمرہ سے نکل جائے گی۔

ابن واضح عباسی کی تاریخ اور شیعہ پن

اس اعجوبہ روزگار تاریخ کا شیعہ پن تو ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر مولوی شبلی بتادیتے کہ وہ شیعہ پن کیا ہے تو بہتر ہوتا شاید کوئی حق بات اس کے قلم سے نکل گئی ہوگی جو مولوی شبلی صاحب کی حدود کے شیعہ پن میں آگئی۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری بہر صورت عباسی و شیعہ دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ الزام کا رخ علی ابن ہشام کی طرف اور مولوی شبلی کی تاریخی اصول کی تحقیق سے اس کا درست ہونا۔

کسی مورخ نے یہ الزام علی بن ہشام کی طرف نہیں لگایا۔ معلوم نہیں ابن واضح عباسی نے کن وجوہات پر یہ الزام لگایا ہے۔ کاش مولوی شبلی صاحب اپنے وہ تاریخی اصول ہی بتادیتے کہ جس تحقیق کے ذریعہ سے یہ الزام درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ بیجا خاموشی بھی کچھ معنی اپنے میں پنہاں رکھتی ہے۔

علی بن ہشام کو نہ تو کچھ تعرض حضرت علی الرضاؑ سے تھا اور نہ کچھ وجہ مخاصمت تھی۔ پھر وہ کیوں ان کو زہر دیتا۔ ۲۰۰ ہجری سے ۲۰۳ ہجری تک کے حالات طبری اور تاریخ ابن خلدون میں پڑھ ڈالو۔ سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ اگر ہم بھی مولوی شبلی کی طرح بات کو چھپا کر کہنا چاہتے تو اتنا ہی لکھ کر خاموش ہو جاتے۔ لیکن ہم اپنے اس قول کی تصدیق میں واقعات کو پیش کرتے ہیں۔

ابراہیم بن موسیٰ کا یمن میں اور محمد ابن جعفر کا مکہ میں ۲۰۰ ہجری میں خروج ہونا بیان کیا جاتا ہے لیکن ان سے علی بن ہشام کا کچھ تعلق نہ تھا۔ علی بن ہشام کو بغداد کا گورنر بنا کر حسن ابن سہیل نے ۲۰۰ ہجری میں بغداد بھیجا۔ جہاں ہرثمہ کے قتل کی وجہ سے جو ذیقعدہ ۲۰۰ ہجری میں واقع ہوا بغداد میں فساد پیدا ہوا۔ بلوائیوں نے علی بن ہشام کو

بغداد سے نکال دیا۔ یہ ذی الحجہ ۲۰۰ ہجری کا واقعہ ہے۔ باغیوں کا سردار محمد ابن ابی خالد تھا۔ علی بن ہشام نے نہر صر صر پر پناہ لی۔ لیکن ان لوگوں نے اسے وہاں سے بھی نکال دیا۔ ابھی تک جناب امام علی بن موسیٰ کاظمؑ مدینہ ہی میں تھے۔ خراسان بھی نہیں گئے تھے۔ علی بن ہشام کا اخراج سن کر حسن بن سہل بھی مدائن سے بھاگ کر واسطہ میں آ گیا۔ اگر چہ ربیع الاول ۲۰۱ ہجری میں واسط کے قریب حسن بن سہل کی فوجوں نے محمد بن ابی خالد اور اس کے بیٹے عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو شکست دی لیکن بغداد میں غنڈوں اور حربیہ کے فساق کا غلبہ ہو گیا۔ ذی الحجہ ۲۰۱ میں حضرت علی الرضاؑ سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے ولی عہدی مقرر ہوئے۔ اور بغداد کے عباسیوں نے ابراہیم بن مہدیؑ سے جو مامون کا چچا تھا بیعت کر لی یہ بیعت کا واقعہ ۲۵ رذی الحجہ ۲۰۱ ہجری کا ہے اب علی بن ہشام کی کشمکش ابراہیم سے ہوتی ہے۔ جس کی بغاوت کے فرو کرنے کے لیے حسن بن سہل نے علی بن ہشام کو بھیجا تھا۔ ابھی یہ کشمکش جاری ہی تھی کہ مامون جناب علی الرضاؑ کو ساتھ لے کر خراسان سے بہ ارادہ بغداد نکل کھڑا ہوا۔ راستہ میں فضل کو قتل کرایا اور راستہ ہی میں امام علی الرضاؑ کو زہر دیا۔ علی ابن ہشام تو بغداد کی طرف تھا اور وہاں لڑ رہا تھا۔ اس سفر میں دو ساتھ ہی نہ تھا تو زہر دینے کیلئے طوس میں کیوں کر آتا۔ حضرت علی الرضاؑ سے اس کی کبھی مخالفت ہی نہیں ہوئی۔ اگر اس نے وہیں سے لکھ دیا تھا ان کو زہر دید و تو اس کا ثبوت ہونا چاہئے تھا۔ اس آدمی کا نام ہونا چاہئے تھا۔ زہر کس کی معرفت بھیجا۔ مامون کے محل میں بغیر اس کی اجازت کے اس طرح کون چلا آیا تھا۔ اور پھر بغیر سبب کے ایک عابد وزاہد کو قتل کرنا یہ ہی تو بے معنی بات ہے۔

اب اس کے بعد مولوی شبلی عام بحث کی صورت اختیار کرتے ہیں اور وہ بحث یہ ہے۔

(۱) حضرت امام علی رضاؑ کے ولی عہد مقرر کرنے مامون کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔

(۲) حضرت علی رضا ملکی شخص نہ تھے۔

(۳) ان سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال نہ تھا۔

(۴) مامون کو اہلبیتؑ کے ساتھ دلی خلوص تھا۔

(۵) حضرت امام علی رضا کی وفات سے پہلے اور اس کے پیچھے کے واقعات پر غور کرو۔

(۶) مامون کے خاندان والوں میں سے کسی نے زہر دیا ہوگا۔

لیکن یہ بحث بالکل کمزور ہے اور واقعات اس کی حمایت نہیں کرتے۔ ہم اس کے ہر ایک حصہ پر بحث کرتے ہیں۔

امر اول

حضرت علی رضاؑ کو ولی عہد مقرر کرنے میں سازش تو تھی۔ علویین روز کے ظلموں سے تنگ آ کر حکومت کے خلاف ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے مامون کا مقصد تھا کہ حضرت امام علی رضاؑ کی ولی عہدی سے وہ لوگ

خاموش ہو جائیں گے۔

امر دوم

ملکی شخص سے مولوی شبلی کا مطلب معلوم نہیں کیا ہے۔ بہر صورت ولی عہد تھے ولی عہد سے زیادہ اور کوئی کیا ملکی شخص ہوگا۔

امر سوم

ان سے حکومت عباسیہ کو تو پورا خطرہ تھا۔ اس خطرہ ہی کو دیکھ کر تو تمام عباسی خاندان کے افراد مامون کے خلاف ہو گئے۔ اس سے زیادہ اور کیا خطرہ ہوگا کہ حکومت خاندان بنی عباس میں سے نکل رہی تھی۔

امر چہارم

ممکن ہے کہ مامون کو اہلبیت کے ساتھ یہ خلوص ہو لیکن جب سلطنت ہی جانے لگی اور عباسیوں نے دوسرا خلیفہ کھڑا کر لیا تو یہ خلوص کب تک کام دے گا۔ یہ خلوص تو سیاسی تھا۔

امر پنجم

امام علی رضاؑ کی وفات سے پہلے کے یہ واقعات تھے کہ ان کی ولی عہدی سے ناراض ہو کر عباسیوں نے مامون کی بیعت اپنی گردنوں سے اتار کر پھینک دی تھی اور اس کے بجائے دوسرا خلیفہ مقرر کر لیا تھا۔ جو بہت سی سلطنت پر قابض ہو گیا تھا اور مامون بھاگنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ فوراً ہی مامون نے عباسیوں کو لکھا کہ جس کی وجہ سے تم نے بغاوت کی تھی وہ بات تو اب نہ رہی۔ امام علی الرضاؑ نے انتقال فرمایا۔ اب تم کو چاہیے فوراً ختم کر دو۔ چنانچہ انہوں نے مامون کی اطاعت قبول کر لی اور اپنے خلیفہ ابراہیم کو چھوڑ دیا۔ اور وہ شکست کہا کہ بھاگ گیا۔ یہ حالات صاف بتا رہے ہیں کہ مامون کو امام علی رضاؑ کی موت کی خواہش تھی۔ اس کی وجہ سے اس کی سلطنت بچ رہی۔ بات تو مختصر ہے جب علوئین نے شورش کی اور تقریباً کل عراق کی فتح کر لیا تو اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے مامون کو امام علی رضاؑ کی ولی عہدی کی ضرورت ہوئی۔ جب وہ بغاوت کے فرد ہوئی عراق واپس مل گیا۔ تو اب عباسیوں کی شورش ہوئی اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے امام علی رضاؑ کی موت کی ضرورت ہوئی چنانچہ اس کا بھی انتظام کیا گیا۔

امر ششم

گویا علی بن ہشام کے قصہ کو مولوی شبلی بھی تسلیم نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ مامون کے خاندان والوں میں سے کسی نے زہر دیا ہوگا۔ علی بن ہشام نے زہر نہیں دیا۔ جب زہر مسلم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مامون کے

خاندان میں سے کسی نے زہر دیا۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ زہر انگور میں دیا گیا۔ حضرت علی رضا مامون کے ساتھ ہی سفر کر رہے تھے اس کے مہمان تھے اس کے مطبخ میں سے آپ کے لئے کھانا آتا تھا۔ ولی عہد سلطنت تھے۔ ان کے حرکات و سکنات کا مامون کو علم رہتا تھا۔ کون ان کے پاس آیا کیا لایا۔ یہ سب کچھ معلوم تھا تو کیا وہ تحقیقات کرا کر اتنا معلوم کر سکتا تھا یہی بات کہ یہ نہیں بتاتے کہ کس نے زہر دیا ظاہر کر رہی ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

مولوی شبلی کے اعتراضات اور ان کے جوابات ختم ہوئے۔

محمد بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب

ان کی والدہ زینب بنت موسیٰ بن عمر بن علی ابن الحسین تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ مامون کے زمانہ میں ہم معتصم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ معتصم اس زمانہ میں ولی عہد تھا۔ معتصم نے ایک بھاری عمود آہنی اٹھایا۔ اور اسے آٹھ تہ میں موڑا۔ پھر اپنے ہاتھ سے عباس بن علی ابن الطلۃ کی طرف پھینک دیا۔ اس نے کو سات تہ میں موڑا اور پھینک دیا۔ معتصم نے محمد بن عبداللہ بن الحسن بن علی کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا کہ یہ بات تم میں نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہ بات تم مجھ سے کہتے ہو۔ لاؤ مجھ کو دو۔ معتصم نے ان کی طرف پھینک دیا محمد بن عبداللہ بن الحسن نے ۱۶ تہ میں موڑا۔ اور اب معتصم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اب جو محمد بن عبداللہ بن الحسن وہاں سے اٹھے تو معتصم ایک زہر آلود شربت کا گلاس لے کر ان کے پیچھے چلا اور کہا کہ میری خوشی اس میں ہے کہ آپ یہ پی لیں۔ جب یہ مجھے وصول ہوا تھا تب ہی نے میں نے کہا تھا کہ یہ آپ کو پلاؤں گا۔ محمد بن عبداللہ بن الحسن نے لیکر شربت پیا اور فوراً مردہ گر پڑے ان کا صرف اتنا قصور تھا کہ انہوں نے عمود آہنی کو معتصم سے زیادہ موڑ دیا۔

بزمانہ معتصم ۲۱۸ھ ۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ ۸۴۲ء محمد بن القاسم بن علی بن عمر بن الحسین بن علی بن ابی طالب

ان کی والدہ صفیہ بنت موسیٰ بن عمر بن علی بن الحسین ابن علی ابن ابی طالب تھیں۔ لباس صوفیانہ پہنتے تھے۔ سفید صوف کا لباس ہوتا تھا۔ اہل علم وفقہ میں سے تھے۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ زیدیہ الجارودیہ کے ہمرائے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور یہ کہ جن صحابہ نے بیعت علیؑ ترک کر دی وہ کافر تھے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۷۸ حاشیہ ۱)

مسعودی مورخ کہتے ہیں کہ محمد بن القاسم کوفہ میں رہتے تھے اور زہد و عبادت و ورع میں مشہور تھے اپنی عبادتوں میں مصروف رہتے تھے۔ معتصم ان کے پیچھے پڑ گیا اور ان کو بہت ڈرایا ان کو اتنا خوف ہوا کہ یہ کوفہ سے بھاگے اور خراسان میں آئے۔ وہاں بھی مختلف مواضعات مثلاً مرو، سرخس و طالقان و نسا میں چھپتے رہے۔ یہاں ان کے زہد و عبادت کی وجہ سے بہت لوگ ان کے حلقہ ارادت میں آ گئے۔ اب عبداللہ ابن طاہر والی خراسان ان کے

پیچھے پڑ گیا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں۔ بہت سی لڑائیوں میں عبداللہ طاہر کی فوج کی شکست ہوئی۔

یہ ۲۱۹ ہجری کے واقعات ہیں۔ (مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث صفحہ نمبر ۸)

مقاتل الطالبین میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ جب محمد بن القاسم مرو آئے تو وہاں ایک عظیم الشان قلعہ میں اقامت اختیار کی۔ ابراہیم بن عبداللہ العطاران کے ہمراہ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب بہت سے لوگ جمع ہوگئے تو یہ قلعہ سے اترے۔ وہاں ایک بڈھے جولاہے کے رونے کی آواز آئی۔ انہوں نے مجھ کو بھیجا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے۔ میں وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ اس بڈھے جولاہے کا ایک کمبل بغیر دام ادا کئے ہوئے ہمارے لشکر کے ایک شخص نے لے لیا ہے میں نے وہ کمبل اس جولاہے کو واپس دلا دیا۔ لیکن جس شخص نے کمبل لیا تھا اس نے کہا کہ ہم تو تمہارے ساتھ اپنے ذاتی نفع کے لئے ہوئے ہیں تا کہ ہم وہ چیزیں لے لیں جن کی ہم کو ضرورت اور احتیاج ہے۔ میں واپس آیا اور محمد ابن القاسم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کیا ایسے شخص دین کی نصرت کریں گے۔ میں ان سے کچھ نہیں چاہتا۔ کہو ان سے کہ یہ سب چلے جائیں۔ چنانچہ میں نے جا کر اس طرح کہہ دیا اور وہ سب متفرق ہو گئے اور لشکر ختم ہو گیا۔

اب محمد بن القاسم طالقان میں آگئے۔ وہاں کے لوگ آپ کے گرد آ کر جمع ہو گئے اور ان کی خبر عبداللہ ابن طاہر کو پہنچی۔ اس نے ایک لشکر حسین بن نوح کے ماتحت ان کے مقابلہ کو بھیجا۔ لیکن اسے شکست ہوئی۔ پھر نوح بن حبان بن حبلہ کو لشکر دے کر ان کے مقابلہ کو بھیجا۔ اسے بھی شکست ہوئی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ایک تیسرا نہایت عظیم الشان لشکر ہمارے مقابلہ کو بھیجا گیا۔ ہم نے اس کو بھی شکست دی۔ لیکن دشمن نے بہت سی کمین گاہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ وہاں سے آدمی نکلے اور ہم پر حملہ کیا۔ اب ہم کو شکست ہوئی اور محمد بن القاسم بمقام نسا آ گئے۔

ابراہیم ابن غسان بن الفرج العودی جو عبداللہ بن طاہر والی خراسان کا مصاحب تھا کہتا ہے کہ مجھے عبداللہ بن طاہر نے محمد بن القاسم کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا بس مین نہایت بھاری زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر محمد بن القاسم کو عبداللہ بن طاہر کے پاس لے گیا اس نے ان کو نہایت تنگ و تاریک جیل خانہ مین بند کر دیا۔ ابراہیم بن غسان کہتا ہے کہ اتنی کثیر عبادت کرنے والا اتنا ذکر خدا کرنے والا مین نے کسی اور کو نہیں دیکھا جتنا کہ محمد بن القاسم کو دیکھا۔ قید خانہ مین کبھی میں نے ان کو جزع و فزع کرتے نہیں دیکھا۔ پھر وہ معتصم عباسی کے حضور میں بھیجے گئے۔ معتصم کا حکم تھا کہ ان کو ذلیل کر کے اس کے سامنے لایا جائے عمامہ اتار دیا جائے قبا ان کا کھلا ہوا چنانچہ اس حالت مین وہ شماسیہ میں داخل کیے گئے عبداللہ ابن طاہر کا ایک مصاحب ان کے ساتھ تھا۔ اس دن لوگ رقص کر رہے تھے اور لہو و لعب مین مشغول تھے ان کو دیکھ کر محمد بن القاسم نے کہا کہ بار الٰہا تو خوب جانتا ہے کہ ہمیشہ سے میری یہ تمنا رہی ہے کہ مسلمانوں میں سے ان امور کو نکال دوں۔ معتصم کے حضور میں پیش ہوئے وہ رقص و سرور میں مشغول تھا۔ محمد ابن القاسم تسبیح و تہلیل خدا کر رہے تھے۔ جب اپنے لہو و لعب سے فارغ ہوا تو معتصم محمد بن القاسم کی طرف متوجہ ہوا

۔ان کو نہایت تنگ و تاریک قید خانہ محبوس کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس سے بہتر قید خانہ میں منتقل کر دیئے گئے وہاں سے وہ نکل گئے اور معتصم و واثق کے زمانہ میں چھپے رہے پھر متوکل کے زمانہ میں گرفتار ہو گئے۔ متوکل نے ان کو ایک قید خانہ مین محبوس کر دیا اور وہاں سے زہر کے ذریعہ قتل کرا دیا۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۸۸،۵۷۷)

مورخ طبری اور علامہ ابن کثیر نے بھی ان کا حال لکھا ہے۔

(تاریخ طبری الجزء العاشر زیر واقعات ۲۱۹ ہجری صفحہ نمبر ۳۰۵، البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء العاشر صفحہ نمبر ۲۸۴)

ابو جعفر محمد الجواد بن علی الرضا ابن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق ابن محمد الباقر ابن علی ابن الحسین بن علی ابن ابی طالب۔ (امام نہم)

تاریخ پیدائش ۱۹؍رمضان ۱۹۵ ہجری۔ تاریخ شہادت ۲۲۰ ہجری بزمانہ معتصم ان کے علم و فضل کو دیکھ کر ماموں نے ان کا عقد اپنی بیٹی ام الفضل سے کر دیا تھا۔ لیکن عباسیوں نے اس رشتہ کو پسند نہ کیا۔ خصوصاً معتصم اور جعفر ابن ماموں ہمیشہ آپ کے قتل کے حیلہ مین لگے رہتے تھے۔ ام الفضل اپنے خاوند سے ناراض رہتی تھی۔ یہ بات اس کے بھائی جعفر کو معلوم ہو گئی اس نے اپنی بہن ام الفضل کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ آپ کو زہر دیدے چنانچہ اس نے انگور میں حضرت محمد الجواد کو زہر دیا۔ جب آپ نے وہ انگور کھا لیا تو ام الفضل پچھتائی اور رونے لگی۔ آپ نے کہا کہ تو اب کیوں روتی ہے۔ بخدا تجھ پر خدا ایسی بلا کو نازل کرے گا جس کا کوئی علاج نہ ہوگا۔ چنانچہ ام الفضل کے اعضاء پر ناسور نکل آئے اور وہ مر گئی۔

علامہ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ ام الفضل نے آپ کے عضو تناسل کو زہر آلود رومال سے پونچھا۔ آپ کو اس زہر کا اثر معلوم ہوا اور کہا خدا تجھے ایسی بلا میں مبتلا کرے گا کہ جس کا کوئی علاج نہ ہوگا۔ چنانچہ ام الفضل کی فرج میں کیڑے پڑ گئے جس کا کوئی علاج نہ ہوا اور وہ مر گئی۔

جعفر ابن ماموں شراب کے نشہ میں ایک کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ معتصم نے خود مسموم شربت آپ کے پاس بھیجا جس کے پینے سے آپ کا انتقال ہو گیا۔

یہ واقعات ہم نے اعیان الشیعہ الجزء الرابع القسم الثالث صفحہ نمبر ۲۵۱۔۲۴۷ سے اور تاریخ بغداد خطیب بغدادی المجلد الثالث صفحہ نمبر ۵۵،۵۴ سے لئے ہیں۔

عبداللہ ابن الحسین بن عبداللہ بن اسماعیل بن عبداللہ جعفر بن ابی طالب

ان صرف اتنا قصور تھا کہ کالا لباس پہننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر ان کو سر من رائے کے قید خانہ میں مقید کر دیا۔ اور وہیں انتقال ہو گیا۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۸۹)

بزمانہ واثق ۲۲۷ھ ۸۴۲ء تا ۲۳۲ھ ۸۴۷ء

واثق کے زمانہ میں آل ابی طالب میں سے کوئی قید و قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ آل ابی طالب سے احسان و نیکی سے پیش آتا تھا۔ ان کو انعام و اکرام دیتا تھا۔ اس کے زمانہ میں آل ابی طالب سر من رائے مین جمع ہو گئے تھے۔ متوکل کے زمانہ مین پھر منتشر کر دیے گئے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۹۳، ابوالفد اءالجزء الثانی صفحہ نمبر ۳۹، ابن الاثیر الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۱)

بزمانہ متوکل ۲۳۲ھ ۸۴۷ء تا ۲۴۷ھ ۸۶۱ء انہدام قبر حسینؑ

متوکل جعفر ابن معتصم نے آل ابی طالب پر بے حد ظلم و ستم کیا۔ تمام علوئین پر اس نے غضب ڈھا رہا تھا اور ان سے بغض و کینہ رکھتا تھا۔ بہت جلد ان سے سوء ظن کرنے لگتا تھا۔ اور ان پر جھوٹی تہتیں باندھتا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ اس کا وزیر عبداللہ ابن یحییٰ ابن خاقان بھی آل ابی طالب کا دشمن تھا اور ان کے خلاف طرح طرح کے ظلم ایجاد کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جتنا آل ابی طالب پر متوکل کے زمانہ میں ظلم ہوا اتنا شاید ہی کسی اور کے زمانہ میں ہوا ہو۔ یہاں تک کہ اس نے جناب امام حسینؑ کی قبر کو مسمار کر کے اس کے نشانات محو کرا دیے۔ زائرون کو وہاں آنے سے منع کرتا تھا۔ تمام راستوں پر اپنے آدمی بٹھا دیے تھے جو زیادت کرنے آتا تھا اس کو راستہ ہی میں گرفتار کر کے قتل کر ڈالتے تھے۔ اس کے اصحاب میں ایک شخص ویزج یہودی تھا جو بظاہر اسلام لے آیا تھا۔ اس کو متوکل نے بھیجا کہ قبر حسینؑ کو مسمار و محو کرا دے اور جوار و گرد اس کے عمارت ہوں ان کو بھی گرا دے۔ چنانچہ وہ گیا اور اس نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور دو صد جریب کے قطر میں جتنی عمارات تھیں ان کو بھی مسمار کرا دیا۔ جب قبر حسینؑ پر پہنچا تو کوئی مسلمان اس قبر حسینؑ کو منہدم کرنے کیلئے نہ ملا۔ اس نے یہودیوں کی ایک جماعت بلائی اور انہوں نے قبر حسینؑ کو منہدم کر دیا اور اس پر نہر جاری کرا دی۔ میلوں تک آدمیوں کو بٹھا دیا جو زیارت کے لئے آتا تھا اس پکڑ کر قید کر دیتے تھے۔

محمد بن الحسین الاشنانی کہتا ہے کہ میں نے اس ہی خوف کے زمانہ میں زیارت قبر حسینؑ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک عطار بھی میرے ساتھ ہو لیا۔ ہم دونوں رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم نواحی غاضریہ میں آ گئے۔ جب چوکیدار سو گئے تو ہم کو ایک خوشبو آئی اور ہم اس خوشبو پر چلے یہاں تک کہ ہم قبر حسینؑ پر آ گئے۔ جو صندوق وہاں رہا کرتا تھا اس کو جلا دیا گیا تھا۔ اور وہاں نہر کھود دی گئی تھی۔ ہم نے قبر حسینؑ کی زیارت کی اس پر جھکے تو نہایت عمدہ خوشبو وہاں سے آتی تھی میرے ساتھی عطار نے کہا کہ ایسی عمدہ خوشبو میں نے کسی عطر کی نہیں دیکھی۔ ہم نے قبر حسینؑ کو وداع کیا اور وہاں مختلف مقاموں پر نشانیاں رکھ دیں۔ جب متوکل قتل ہوا تو ہم سب اور شیعیان علی ابن ابی طالب جمع ہوئے ان علامات و نشانات کی رہنمائی سے قبر حسینؑ پر آئے اور پھر از سر نو تعمیر کی۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۵۹۷ تا ۵۹۹)

مورخ طبری لکھتا ہے کہ ۲۳۶ ہجری میں متوکل نے حکم دیا کہ قبر حسینؑ کو معہ دیگر عمارات منہدم کر دیا جائے اور وہاں ہل چلا کر کھیتی کرائی جاوے۔ نہر کھود دی جائے اور زائروں کو وہاں آنے سے روکا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور عامل شرطہ نے منادی کرادی کہ اگر کوئی شخص تین دن کے بعد یہاں مہمان پایا جائے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے۔ قبر حسینؑ پر ہل چلا دیئے گئے اور اس پر اور اس کے آس پاس کھیتی ہونے لگی۔

(تاریخ طبری الجزء الہادی عشر صفحہ نمبر ۴۴، و تاریخ ابو الفدا حصہ اول صفحہ نمبر ۳۸)

مکہ و مدینہ پر عمر بن الفرج کو عامل مقرر کیا گیا اس نے آل ابی طالب کو لوگوں سے خرید و فروخت کرنے سے منع کیا۔ اور لوگوں کو منع کیا کہ آل ابی طالب کے ساتھ کوئی نیکی نہ کی جائے اور اگر اس کو ذرا سی اطلاع مل جاتی تھی کہ کسی نے آل ابی طالب کے ساتھ نیکی کی ہے تو ہو اس کو بہت عقوبت پہنچاتا تھا یہاں تک کہ آل ابی طالب کی عورتوں کے پاس صرف ایک قمیص رہ گئی تھی۔ اسی ایک قمیص کو تمام عورتیں باری باری سے پہن کر نماز پڑھتی تھیں اور اس کو ہی اپنے سر پر ڈال لیتی تھیں اور اپنے گھر میں ننگے سر ننگے بدن بیٹھتی تھیں یہاں تک کہ متوکل قتل کیا گیا۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جس نے امام حسینؑ سے بغض کیا وہ برباد ہوا۔ متوکل چالیس سال کی عمر میں اپنی محفل شراب جب کہ شراب کے نشہ میں مخمور تھا۔ نہایت بے دردی سے اپنے ہی دوستوں کی سازش سے مارا گیا۔ اور ساتھ ہی اس کا خارجی وزیر بھی قتل کر دیا گیا۔

متوکل کی شراب خوری وعداوت علی

تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ ۲۳۶ھ میں متوکل نے جناب امام حسینؑ کی قبر اور اس کے اردگرد کی عمارتوں کو منہدم کرادیا اور لوگوں کو زیارت کرنے سے منع کیا۔ متوکل کو حضرت علیؑ اور ان کو اولاد سے بہت شدید بغض تھا اور اس کے مصاحبین میں سے ایک ہیجڑا تھا جس کا عبادہ تھا۔ وہ پوشاک کے نیچے اپنے پیٹ پر ایک لوہے کی سلاخ باندھ لیتا تھا۔ سر کھول دیتا تھا۔ اس کے سر کے آگے کے حصے پر بال نہیں تھے اور ناچتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ دیکھو بڑے پیٹ والا سر سے گنجا خلیفہ مسلمین یعنی علی آرہا ہے اور متوکل شراب پیتا جاتا تھا اور ہنستا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک دن اس نے اپنے بیٹے منتصر کی موجودگی میں بھی یہی کیا۔ تو منتصر نے کہا اے امیر المومنین علیؑ تو آپ کے ابن عم تھے۔ آپ اگر چاہتے ہیں تو علی کا گوشت کھاتے رہیں اور ایسے گندے کتے کو اپنے سے جدا نہ کریں۔ لیکن متوکل نے پرواہ نہ کی۔ اور گانے والوں سے کہا کہ اس شعر کو گاؤ:

غار الفتی لا بن عمه

راس الفتی فی حرامه

متوکل ایسے لوگوں سے صحبت رکھتا تھا جو بغض علی میں مشہور تھے۔ مثلاً ابن الجہم الشاعر و ابو السمط جو مروان بن ابی حفصہ کی اولاد سے تھا۔ (تاریخ ابو الفدا حصہ دوم صفحہ نمبر ۳۸)

منتصر کی نصیحت

یہی وجہ ہے کہ متوکل اپنے بیٹے منتصر سے ناراض رہتا تھا۔ اپنی محفل شراب میں اسے ذلیل کرتا تھا۔ شراب پینے پر مجبور کرتا تھا۔ اپنے کمینے مصاحبوں سے اس کے طمانچے لگواتا تھا اور قتل کی دھمکی دیتا تھا۔ اس پر منتصر کہتا تھا کہ ایسی ذلت سے تو موت بہتر ہے۔ (تاریخ طبری الجزء الحادی عشر صفحہ نمبر ۶۴)

مورخ مسعودی بھی یہی لکھتا ہے کہ منتصر سے پہلے خلفا کے زمانہ میں علوئین بیم و ہراس و خوف کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان پر ہر طرح کے ظلم ہوتے تھے۔ ان کو ہر وقت اپنی جان کا خطرہ لگا رہتا تھا کوفہ سے بھی نکال دیے گئے تھے۔ (مروج الذہب الجزء الرابع صفحہ نمبر ۸۲)

محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی ابن ابی طالب

سر من رائی میں قید کیے گئے۔ تین سال قید رہے۔ پھر رہا کر دیے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

محمد جعفر بن الحسن بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب

جب متوکل سریر آرائی حکومت ہوا تو اس نے آل ابی طالب پر بہت ظلم کرنے شروع کیے اور ان کو متفرق و منتشر کر دیا۔ ان میں سے حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن زید نے طبرستان اور نواحی ویلم پر قبضہ کر لیا محمد بن جعفر نے حسن بن زید کی حمایت میں رے سے خروج کیا۔ لیکن عبداللہ ابن عامر نے انہیں گرفتار کر کے نیشاپور میں قید کر دیا اور قید ہی میں آپ نے انتقال فرمایا۔ ان کی والدہ رقیہ بن عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھیں ان کی حمایت میں عبداللہ بن اسماعیل بن ابراہیم بن محمد ابن علی ابن عبداللہ جعفر بن ابی طالب اور احمد بن عیسیٰ بن علی بن الحسین بن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب نے خروج کیا اور مارے گئے ان کے ساتھ ہی حسین بن احمد محمد بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ الارقط بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب بھی مارے گئے۔

قاسم بن عبداللہ بن الحسین بن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب

ان کا کوئی قصور بیان نہیں کیا جاتا۔ ان کو عمر بن الفرح سر من رائی میں لے آیا اور جب انہوں نے کالا لباس پہننے پر آمادگی ظاہر کی تو ان کو رہا کر دیا گیا۔ پھر ان کو طبیب کے ساتھ مل کر ان کو زہر دے دیا گیا۔

احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب

ان کے والد عیسیٰ بن زید کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

احمد بن عیسیٰ بہت عالم فاضل تھے۔ اور احادیث صحیحہ کا درس دیا کرتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد یہ ہمیشہ خوف میں زندگی گزارتے رہے۔ اور حکومت سے چھپتے پھرے۔ ہارون رشید کو معلوم ہو گیا کہ کہاں چھپے

ہوئے ہیں۔ اس نے گرفتار کرا کر قید کر دیا۔ قاسم بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بھی ان کے ساتھ گرفتار ہو کر قید ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب محافظین قید خانہ سوئے ہوئے تھے یہ دونوں وہاں سے نکلے اور دونوں سے مخالف سمت اختیار کی۔ احمد بن عیسیٰ بن زید بغداد میں محمد ابن ابراہیم کے مکان میں آ کر چھپ گئے۔ عرصہ تک اس طرح خوف کی زندگی خفیہ رہائش میں گزارتے رہے۔ ہارون الرشید کو معلوم ہوا کہ یہ بغداد میں چھپے ہوئے ہیں تو وہاں جس شخص پر ذرا سا شبہ بھی تشیع کا تھا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ محمد ابن ابراہیم کا ایک لڑکا تھا جس کو شکار کا بہت شوق تھا اور اپنے ساتھ غلام رکھا کرتا تھا۔ احمد بن عیسیٰ ابن زید کو غلاموں کے بھیس میں اپنے ساتھ لے گیا اور بصرہ روانہ کر دیا۔

ہارون رشید کی چالبازی

اب ہارون رشید نے اپنے ایک معتمد کو بلایا جس کا نام یحییٰ بن خالد تھا۔ اس سے کہا کہ میں نے تجھے کوفہ کی آراضیات جاگیر میں دیں وہاں جا۔ ان کا انتظام کرا اور اپنی تئیں شیعہ ظاہر کرا اور شیعوں میں خوب رسوخ حاصل کر کے احمد بن عیسیٰ بن زید کا پتہ لگا کر مجھے اطلاع دے چنانچہ یحییٰ بن خالد گیا اور وہاں معلوم کر لیا کہ احمد بن عیسیٰ بن زید بصرہ میں ہے اس کی اطلاع اس نے ہارون کو دی۔ ہارون نے اس کو اس طرح بصرہ کی جاگیریں دے کر وہی ہدایات کیں۔ بصرہ میں آ کر یحییٰ بن خالد نے وہی دھوکہ دہی کا وطیرہ اختیار کیا جو کوفہ میں کیا تھا شیعوں میں بہت مال خرچ کیا اور ان سے انسیت پیدا کر لی۔ آخر کار احمد ابن عیسیٰ ابن زید کے ساتھی تک اس نے رسائی حاصل کر لی ۔لیکن احمد بن عیسیٰ ابن زید کے ساتھ مسمی حاضر نے اس کی ملاقات سے پہلے ہی احمد بن عیسیٰ بن زید کو وہاں سے روانہ کر دیا تھا۔ اب احمد بن عیسیٰ بن زید شہر بشہر ویران و پریشان پھرتے رہے۔ یہاں تک کہ اھواز مین میں آئے ۔ادھر ہارون رشید نے ابوالساج والی بحرین خالد بن الازھر والی اھواز، خالد طرشت افسر ڈاک براستہ سندھ، کو لکھا کہ احمد بن عیسیٰ بن زید کو گرفتار کرنے میں مدد دیں۔ اور ان سب کا افسر اس معاملہ میں اصفہان کے محکمہ ڈاک کے افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ اس کو تیس ہزار درہم دیکر حکم دیا کہ ادھر جائے۔ وہ اھواز میں آیا اور احمد بن عیسیٰ بن زید کے ایک بربری دوست سے ملاقات پیدا کی اور بہت سی دھوکہ دہی کے بعد احمد بن عیسیٰ بن زید کو تیار کر لیا کہ وہ کشتی میں بیٹھ کر مصر کی طرف روانہ ہو جائیں۔ لیکن جب وہ اس کشتی میں تھے تو احمد بن عیسیٰ کو اس چالبازی کا حال معلوم ہو گیا وہ ان سب کی آنکھوں میں خاک ڈال کر کشتی کو چھوڑ کر وہاں سے پھر بادیہ پیمائی پر روانہ ہو گئے۔ ادھر جب ہارون کو یہ خبر لگی تو وہ سمجھا کہ یہ لوگ احمد بن عیسیٰ سے ملے ہوئے تھے۔ ان کو کوڑے لگوائے اب احمد بن عیسیٰ بن زید معہ اپنے دوستوں کے پھر بصرہ آ گئے۔ اور آخر کار احمد بن عیسیٰ بن زید کا اسی تکلیف و مصیبت میں ۲۴۷ھ ۲۳ رمضان کو انتقال ہو گیا۔ ان کی پیدائش ۲ محرم ۱۵۷ھ کی تھی۔ ان کے واقعات ہم نے مقاتل الطالبین میں سے لئے ہیں۔

(صفحہ نمبر ۶۱۹ لغایت ۶۲۷)

عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن ابن علی ابن ابیطالبؑ

یہ مامون کے زمانہ میں چھپے ہوئے تھے۔ مامون نے ان کو خط لکھا کہ تمہارا مجھ سے ڈرنا درست نہیں ہے۔ میں تم کو امان دیتا ہوں۔ علی الرضاؑ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب میں ان کی جگہ تم کو اپنا ولی عہد بناؤں گا۔ اس خط کے جواب میں عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ نے ایک طویل خط مامون کے نام لکھا جس میں یہ لکھا تھا:......

> ''مجھے تیرا خط ملا۔ تو مجھ کو اس طرح دھوکہ دینا چاہتا ہے جس طرح شکاری اپنے صید کو دھوکہ دیتا ہے۔ تعجب ہے کہ تو مجھے ولی عہدی کا لالچ دیتا ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ مجھے وہ معلوم نہیں جو تو نے علی الرضاؑ کے ساتھ کیا۔ کیا تو مجھے اپنی سلطنت و ملک کا دھوکہ دیتا ہے جس کی حلاوت نے تیری آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ کیا تو مجھے اس انگور مسموم سے دھوکہ دیتا ہے جس سے تو نے علی الرضاؑ کو قتل کیا......... میں نے تجھ سے زیادہ اسلام کا دشمن کسی کو نہیں پایا۔ تو نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ اپنے کفر کو چھپایا ہے۔ تو نے لوگوں کا مال غصب کیا اور اس کو حرام میں خرچ کیا۔ صریحاً تو شراب پیتا ہے۔ خدا کا مال تو گویوں اور لونڈوں پر خرچ کرتا ہے۔ مسلمانوں کو ان کا حق نہیں دیتا تو مشرکوں کی مدد کرتا ہے۔ خدا و رسول کی مخالفت کرتا ہے اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو بجوائے آیہ مبارکہ: قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجد وفیکم غلظۃ، کیونکہ تو سب سے زیادہ اسلام کے لئے خطرناک ہے۔ کفار تو اپنا کفر ظاہر کرتے ہیں۔ لوگ ان سے پرہیز کرتے ہیں۔ لیکن تو نے اپنے کفر کو چھپا رکھا ہے......''

اس طرح وہ چھپے ہوئے رہے تا آنکہ متوکل کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان ہی دونوں میں احمد بن عیسیٰ کا انتقال ہوا۔ دونوں کی موت کی خبریں جب متوکل کو ملیں تو وہ بہت خوش ہوا۔ کیونکہ وہ ان دونوں سے بہت ڈرتا تھا۔

زمانہ منتصر ۲۴۷ھ ۸۶۱ء تا ۲۴۸ھ ۸۶۲ء

اس کا زمانہ مختصر تھا۔ اس میں آل ابی طالب میں سے کوئی قتل و قید نہیں ہوا۔

بزمانہ مستعین ۲۴۸ھ ۸۶۲ء تا ۲۵۱ھ ۸۶۶ء یحییٰ بن عمر بن الحسین بن زید بن علی ابن الحسین علی ابن ابیطالب

ان کے حالات ہم نے مندرجہ ذیل حاشیہ کتب سے لئے ہیں۔

(تاریخ ابی الفداء حصہ دوم صفحہ نمبر ۴۳، مروج الذہب مسعودی الجزء الرابع صفحہ نمبر ۹۳، تاریخ طبری الجزء الحادی عشر صفحہ نمبر ۸۷، ۸۸، مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۶۳۹، الفخری صفحہ نمبر ۱۷۸)

مورخ طبری کہتا ہے کہ ۲۵۰ھ میں انہوں نے مجبوراً خروج کیا۔ ان کی والدہ ام الحسین فاطمہ بنت الحسین بن عبداللہ بن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب تھیں۔ ان کے خروج کی وجہ یہ تھی کہ عمر بن فرج عامل متوکل نے انہیں بہت تنگ کیا تھا۔ بغیر کسی وجہ کے ان کا وظیفہ بند کر دیا جو ہر مسلمان کو ملا کرتا تھا۔ یہ نہایت تنگ دست ہو گئے۔ عمر بن فرج کے پاس اپنا وظیفہ جاری کرانے کے لئے گئے وہ نہایت سختی سے پیش آیا۔ اور ان کو گالیاں دیں۔ انہوں نے بھی سخت کہا۔ اس نے فوراً قید کر دیا۔ عرصہ کے بعد ان کے رشتہ دار ضمانت دے کر ان کی رہائی کرا سکے۔ پھر یہ بغداد چلے گئے۔ وہاں بہت برے حالات میں ٹھہر پھر یہ سامرا گئے اور اس کی والی وصیف کے پاس جا کر درخواست کی کہ ان کا وظیفہ کھول دیا جائے۔ اس نے سخت کلامی کی۔ اور یہ واپس چلے آئے اور اب کوفہ کا رخ کیا۔ اپنی ذلت وحقارت کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گئے۔ اعراب وہمدردان کو جمع کر لیا کافی جمعیت ہو گئی۔ حکومت کی فوجوں کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن پھر آخر کار اس سال میں شکست ہوئی اور قتل کر دیا گیا۔ اور ان کا سر محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ رجب ۲۵۰ھ کا ہے۔

حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب

ان کو داعی اول۔ داعی الی الحق۔ داعی الکبیر بھی کہتے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کا نشو ونما ہوا۔ اور منگل کے دن ۳ ررجب ۲۷۰ھ کو شہر آمل میں آپ کی رحلت ہوئی۔ علویین (اولاد علیؑ وفاطمہؑ) میں سے حسن ابن زید پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکومت کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کر کے خلافت کے ہمسایہ میں اپنی حکومت قائم کی اگر چہ افریقہ میں ان سے پہلے ادریس اپنی حکومت قائم کر چکے تھے۔

جب امام علی الرضاؑ کی ولی عہدی کی بیعت ہوئی تو ان کے اکیس بھائی۔ ان کی اولاد اور دیگر رشتہ داران ری وقومس اور نواحی عراق میں آن کر آباد ہو گئے۔ لیکن خلیفہ مامون نے امام علی رضا سے بدعہدی کی اور ان کو زہر سے شہید کر ڈالا تو پھر ان لوگوں کی حالت بدستور سابق خراب ہو گئی۔ اور یہ لوگ طبرستان کے پہاڑوں اور ری دونہاوند میں چلے گئے۔ کچھ ان میں سے شہید کر دیئے گئے۔ باقی جو رہے انہوں نے یہاں اپنا وطن بنا لیا۔ اب متوکل کا زمانہ آیا۔ اس کا ظلم وجور سادات پر تمام پہلے کے بادشاہوں سے زیادہ تھا۔ پھر یہ لوگ ادھر ادھر بھاگے۔ مازندران (طبرستان) اور باوند کے بادشاہان شروع سے شیعہ تھے اور مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ کبھی کوئی دوسرا مذہب انہوں نے اختیار نہ کیا۔ لہٰذا متوکل کے ظلموں سے منتشر ہو کر سادات نے مازندران وباوند میں پناہ لی۔

یہ امر قابل غور ہے کہ دوصد سال کی مدت تک متواتر اسلام کی دو عظیم الشان سلطنتیں بنوامیہ وبنوعباس اپنا سارا زور سادات کے مٹانے میں صرف کرتی رہیں۔ اور سادات نے وہ ظلم وجور اٹھائے کہ اگر کوئی اور ہوتا تو یا تو ان میں مدغم ہو جاتا یا نیست ونابود ہو جاتا۔ بعض تو ان بادشاہان میں سے مثلاً یزید، حجاج ثقفی، منصور دوانیقی اور متوکل ایسے تھے کہ جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اور اپنی بادشاہت کا اہم ترین کام سادات کی نسل کو منقطع کرنا قرار

دے لیا تھا۔ لیکن چونکہ خداوند تعالیٰ اپنے نبیؐ سے وعدہ کر چکا تھا کہ تیری اولاد کثیر ہوگی۔ اور تیرا دشمن ابتر ہوگا ایسا ہی ہوا۔ باوجود اتنی عرصہ کی بادشاہت اور باوجود اس غلبہ کے تمام اطراف عالم میں آج ان کے مشکل سے دو صد آدمی ہوں گے ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ ان کی قبریں بھی بے نشان ہیں اور چند جو باقی ہیں وہ اجاڑ ہیں۔ اور علیؑ وفاطمہؑ کی اولاد باوجود دو صد سال کے متواتر ظلم وجور کے آج بھی تمام اطراف عالم میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی قطعہ زمین ان سے خالی نہیں۔ یہ ہے صداقت ان اعطینا ک الکوثر کی۔ جن کو غور وفکر کی عادت نہیں وہ اکثر اعتراض کر دیتے ہیں کہ ائمہ اثناعشرؑ کی بہت سی عورتیں تھیں۔ بہت سی لونڈیاں تھیں۔ بہت سے اولادیں تھیں۔ لہٰذا خاکم بدہن وہ شہوت پرست تھے۔ یہ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ ان کا ہر ایک فعل خداوند تعالیٰ کے حکم کی اطلاعت میں ہو کرتا تھا۔ ان شادیوں اور اولادوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت جلد ایک ایسی طاقت ور جماعت بن گئی ج ومطلق العنان بادشاہوں کی مطلق العنانی کے خلاف زبردست احتجاج کر سکتی تھی اور ان علم لوگوں کے حقوق کی نگہداشت اور ان کی فریادرسی کر سکتی تھی۔ چنانچہ ان حسن بن زید ہی کے واقعات سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے۔

طبری اور ابن الاثیر نے حسن بن زید کے خروج کے یہ اسباب لکھے ہیں۔ جب یحییٰ ابن عمر پر محمد بن عبداللہ بن طاہر بن عبداللہ بن حسین والئی عراق نے فتح پائی اور ان کو قتل کر کے ان کا سر مستعین کے پاس بھیجا تو مستعین نے اس صلہ میں اس کو طبرستان کے پاس جاگیریں دیں۔ یہ قطعات زمین طبرستان ودیلم کے حدود کے درمیان تھے۔ یہاں اس نواحی کے لوگ اپنے مویشیاں چراتے تھے اور یہاں سے لکڑیاں لے جاتے تھے۔ یہ اراضیات کسی کی ملک نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ جب محمد بن عبداللہ بن طاہر کو آراضیات ملیں تو اس نے وہاں بطور اپنے نائب کے جابر بن ہارون نصرانی کو بھیجا جو اس کے کا بشیر ابن ہارون کا بھائی تھا۔ اس زمانہ میں طبرستان وخراسان ورے اور کل مشرق پر مستعین کی طرف سے محمد بن عبداللہ بن طاہر بن عبداللہ بن طاہر بن الحسین نائب وعامل تھا اور کل طبرستان پر اس محمد بن عبداللہ بن طاہر کی طرف سے اس کا بھائی سلیمان ابن عبداللہ بن طاہر عامل تھا۔ اس سلیمان بن عبداللہ بن طاہر کے امور میں ایک شخص محمد بن اوس البلخی بہت دخیل تھا۔ محمد م بن عبداللہ بن طاہر نے اپنی ساری اولاد کو پھیلا دیا اور ان کو کسی نہ کسی جگہ کا والی مقرر کر دیا تھا۔ یہ نوجوان تھے اور نہایت بری عادتیں رکھتے تھے اور بالکل احمق تھے۔ لوگوں ان کے باپ سے بہت شکایت تھی اور نیز سلیمان کے شاکی تھے اب محمد بن اوس دیلم کے اندداخل ہوا اور دیلم کے لوگ اہل طبرستان سے مصالحت رکھتے تھے۔ اس نے دیلم کے لوگوں کو قیدی بنایا اور بہت سے لوگوں کو قتل کای۔ یہ بات اہل طبرستان کو بہت بری لگی معاملات کی یہ صورت تھی۔ جب جابر ابن ہارون ان آراضیات پر قبضہ کرنے لئے آیا جو محمد بن عبداللہ بن طاہر کو مستعین نے عطا کی تھیں۔ جب وہ یہاں آیا تو ان آراضیات کے نزدیک کلاروشالوس تھے اور ان دونوں مقامات پر دو بھائیوں محمد وجعفر پسران رستم کا قبضہ ورسوخ تھا۔ ان لوگوں

نے جابر بن ہاروں کو ان آراضیات پر قبضہ کرنے سے روکا۔ جابر خوف زدہ ہو کر سلیمان ابن عبداللہ کے پاس آیا ادھر محمد وجعفر کو عامل طبرستان سے خوف تھا۔ انہوں نے اہل دیلم سے خط وکتابت کی اور اہل دیلم نے ان کو بتایا کہ محمد ابن اوس نے ان کے اوپر کیا کیا ظلم کیے تھے۔ پس ان سب نے آپس میں سلیمان و محمد ابن اوس سے لڑنے پر اتفاق کرلیا۔ اب محمد وجعفر نے طالبیین کے ایک شخص محمد بن ابراہیم سے جو طبرستان میں مقیم تھے۔ خط وکتابت کی۔ لکھا کہ ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ تم ہمیں ان ظالموں سے بچاؤ۔ محمد بن ابراہیم نے جواب میں لکھا کہ میں تو اس قابل نہیں لیکن میں تمہیں ایک ایسا شجاع وجری و پرہیزگار عابد وزاہد شخص بتاتا ہوں جو ہر حال میں تمہاری مدد کرے گا۔ اس نے حسن ابن زید کی طرف اشارہ کیا ان ایام میں ری میں تھے۔ پس ان لوگوں نے حسن ابن زید کو لکھا کہ ہمیں ان ظالموں کے ظلم سے بچاؤ۔ پس اہل دیلم و اہل کلاروشالوس وطبرستان نے حسن ابن زید کی بیعت کر لی۔ اور محمد ابن اوس کے عمال کو نکال باہر کیا۔ حسن ابن زید کے پاس بہت سی جماعت ہوگئی اور انہوں نے نہایت آسانی سے آمل پر قبضہ کرلیا۔ محمد ابن اوس جو ساریہ میں تھا ان کی طرف آیا۔ لڑائی ہوئی۔ ابھی ہو رہی تھی کہ حسن بن زید پیچھے سے آمل میں داخل ہو گئے۔ محمد ابن اوس اس چال سے گھبرا گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ آمل پر قبضہ کرنے کے بعد کچھ دن وہاں مقام کیا۔ پر ساریہ کی طرف بڑھے اور اسے بھی فتح کرلیا۔ اس طرح رے پر قبضہ کر کے کل طبرستان پر قبضہ کرلیا۔ طبرستان کا عامل سلیمان بن عبداللہ ابن طاہر بھاگ کر اپنے بھتیجے محمد کے پاس جرجان میں آ گیا۔ یہ ۲۵۰ھ کا واقعات ہیں طبری وابن الاثیر لکھتے ہیں کہ پھر ۲۵۱ھ میں سلیمان کو بہت بڑا لشکر دے کر محمد بن طاہر بن عبداللہ بن طاہر بن الحسین نے حسن ابن زید سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا، اور اس نے طبرستان و دیلم کو دوبارہ فتح کرلیا۔

اب طبری وابن الاثیر اس کے بعد حسن بن زید کے متعلق کچھ نہیں بتاتے کی طبرستان و دیلم سے اخراج کے بعد کیا ہوا۔ لیکن ۲۵۵ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ مفلح الصیدی طبرستان کی طرف لشکر لے گیا اور حسن بن زید سے لڑائی کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس درمیان میں حسن ابن زید کا قبضہ طبرستان پر ہو گیا تھا۔ اب مفلح نے پھر حسن ابن زید کو شکست دی اور وہ وہاں سے بھاگ گئے۔ لیکن ان ایام میں خلافت میں بہت کمزوری آ گئی تھی۔ مستعین کو تخت سے اتار دیا گیا۔ پھر قتل کر دیا گیا۔ معتز خلیفہ ہوا۔ پھر اس کے خلاف شورش ہوئی۔ اس کی ماں قبیحہ نے مفلح کو لکھا کہ تم یہاں خلیفہ معتز کی حفاظت کے لئے واپس آجاؤ۔ پس وہ واپس چلا گیا۔ اور اب پھر طبرستان پر حسن بن زید کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے ری کو ۲۵۶ھ میں اور جرجان کو ۲۵۷ھ میں فتح کرلیا۔ ۲۵۹ھ میں یعقوب بن اللیث کا ظہور ہوا۔ اس کی لڑائیاں محمد ابن طاہر سے ہوئیں اور اس نے یعنی یعقوب ابن اللیث نے بجستان کو فتح کرلیا۔ حسن بن زید نے قومس کو بھی فتح کرلیا اور اب ۲۶۰ھ میں بقول طبری وابن الاثیر حسن ابن زید کی جنگ یعقوب بن اللیث الصفا سے شروع ہوئی سبب اس کا یہ ہوا کہ جب بجستان کو یعقو نے عبداللہ السجزی

سے فتح کرلیا تو عبداللہ السجزی بھاگ کر نیشاپور آ گیا۔ اور جب یعقوب نے نیشاپور فتح کرلیا تو وہ بھاگ کر حسن ابن زید کی پناہ میں طبرستان آ گیا۔ اب یعقوب ادھر آیا اور جب ساریہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے حسن ابن زید سے مطالبہ کیا کہ وہ عبداللہ السجزی کو اس کے حوالے کردیں۔ لیکن انہوں نے مظلوم کی حمایت کی لئے تلوار اٹھائی تھی ۔عبداللہ کو کیونکہ اس کے حوالے کرتے۔ انہوں نے انکار کیا۔ ساریہ پر لڑائی ہوئی۔ حسن ابن زید کو شکست ہوئی۔ بھاگ کر دیلم آئے۔ ادھر یعقوب نے رخ کیا۔ آمل میں آکر لوگوں سے خراج وصول کیا۔ پھر حسن ابن زید کی تلاش میں پہاڑوں کی طرف چلا وہاں بہت سخت بارش نے اس کو گھیر لیا۔ اور یہ بہت مشکل سے لوگوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر نکلا ۲۶۱ ھ کے حوادث میں طبری و ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ اس سال حسن ابن زید دیلم سے طبرستان کی طرف آئے اور اس پر قبضہ کرلیا۔ اب طبرستان پران کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ آمل و ساریہ وغیرہ کو فتح کرلیا۔

Mr Stanley Lane Poole نے سکون کی مدد سے نہایت عمدہ اور صحیح کتاب مسلمان بادشاہوں کی لکھی ہے ۔اس کا نام ہے:

The Mohammadon Dynasties اس کے صفحہ نمبر ۱۲۷ پر انہوں نے طبرستان کے علوی خاندان کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ علویین کی یہ سلطنت حسن بن زید نے ۲۵۰ ھ ۸۶۴ء میں قائم کی ان کا استقلال ۲۷۰ ھ ۸۸۳ء میں ہوا اس کے بعدان کے بھائی محمد بن زید ان کے جانشین ہوئے انہوں نے ۲۸۷ ھ ۹۰۰ء تک سلطنت کی۔ پھر سامانیوں نے اس سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اگر چہ برائے نام یہ سلطنت ۳۱۶ ھ ۹۲۸ء تک جاری رہی۔ اس وجہ سے مسٹر سٹینلی لین پول نے اس علوی سلطنت کا زمانہ ۶۴ سال کا لکھا ہے۔

حسن ابن زید کے خروج کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے جناب رسول خدا اور حضرت علی مرتضی کے ارشادات پر عمل کر کے مظلوم کی مدد ظالم کے خلاف کی۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ جب تم کسی شخص پر ظلم ہوتا ہوا دیکھو تو جہاں تک تم سے ہو سکے مظلوم کی مدد ظالم کے خلاف کرو۔

حسین بن محمد حمزہ بن عبداللہ بن الحسین بن علی ابن ابی طالب

ان کو حرون بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے یحییٰ بن عمر کے قتل کے بعد ان کے خون کا عوض لینے کے لئے کوفہ سے خروج کیا۔ مستعین نے مزاحم بن خاقان کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حسین بن محمد بھی کوفہ سے نکل کر سامرہ کی طرف گئے۔ اتنے میں مستعین مارا گیا۔ معتز کی بیعت ہوگئی، مزاحم کوفہ سے واپس ہوا پھر حسین بن محمد کوفہ چلے آئے۔ کچھ عرصہ تک یہاں رہے۔ پھر وہاں سے بھاگ گئے۔ پھر دوبارہ خروج کیا۔ لیکن قید ہو گئے تقریباً ۱۲ سال قید میں رہے۔ معتمد نے ان کو ۲۶۸ ھ میں قید سے رہا کر دیا۔ پھر انہوں نے کوفہ سے خروج کیا۔ لیکن ۲۶۹ ھ میں ان کو شکست ہوئی اور قید کر دیئے گئے۔ ۲۷۰ ھ میں قید رہے۔ اور ۲۷۱ ھ میں قید خانہ ہی میں موفق کے زمانہ میں فوت ہوئے۔ ان کے حالات مندرجہ ذیل کتب میں دیکھو۔

(تاریخ الکامل لابن الاثیر الجزء السابع، تاریخ طبری الجزء الحادی عشر واقعات ۲۶۹ھ، اعیان الشیعہ الجزء السابع والعشرون صفحہ نمبر ۱۸۵، مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۶۶۵)

محمد بن جعفر بن الحسن بن جعفر بن الحسن ابن علی ابی طالب

یہ حسین حرون کے نائب تھے۔ حسین حرون کے بعد کوفہ میں خروج کیا۔ طاہر نے ان کو دھوکہ دیا اور لکھا کہ تم کو کوفہ کا والی بنایا گیا۔ جب محمد بن جعفر کوفہ میں متمکن ہو گئے تو ان کو گرفتار کر کے سر من رائی بھیج دیا۔ وہاں یہ قید کیے گئے اور اس قید میں وفات پائی۔

بزمانہ معتز ۲۵۱ھ ۸۶۶ء تا ۲۵۵ھ ۸۶۹ء اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب

طبری نے ۲۵۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس سال مکہ میں اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم نے خروج کیا۔ وہاں کے عامل کو نکال کر خزانہ لوٹ لیا۔ اور لوگوں کو بھی لوٹا۔ پھر مدینہ چلے گئے۔ وہاں بھی ایسا ہی کیا۔ ان کو لوٹ مار کی وجہ سے مدینہ میں قحط پڑ گیا۔ پھر جدہ چلے گئے وہاں بھی یہ ہی کیا۔

(تاریخ طبری الجزء الحادی عشر صفحہ نمبر ۱۶۳، مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۶۶۹)

ان کے وہ افعال تھے کہ اگر ان کے جد امجد حضرت علیؑ زندہ ہوتے تو ان کو پسند نہ کرتے۔ معتز کے زمانہ تک وہیں رہے۔ پھر تاریخ خاموش ہے کہ کیا ہوا۔

حسن بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن الحسن بن علی ابن ابی طالب

یہ اپنے بھائی اسماعیل کے ساتھ تھے۔ جب انہوں نے مکہ لوٹا۔ ایک تیر ان کو لگا جس کی وجہ سے یہ انتقال کر گئے۔

احمد بن عبداللہ بن موسیٰ بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن الحسن بن علی

ان کو عبدالرحمٰن خلیفہ ابی الساج نے مکہ میں قتل کیا۔

عیسیٰ بن اسماعیل بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر ابن ابی طالب

ابوالساج نے ان پر حملہ کر کے ان کو مکہ میں قید کر دیا۔ اور یہ قید ہی میں مر گئے۔

جعفر بن محمد بن جعفر بن الحسن بن علی بن عمر بن علی بن الحسین

یہ ری میں اس لڑائی میں مارے گئے جو احمد بن عیسیٰ بن علی ابن الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب اور ری کے عامل عبداللہ بن عزیز کے مابین ہوئی۔

ابراہیم بن محمد عبداللہ بن عبیداللہ بن الحسن بن عبداللہ بن العباس بن علی

ان کو طاہر بن عبداللہ نے اس لڑائی میں قتل کیا جو اس کے اور کوکی کے درمیان ہوئی تھی۔

احمد بن محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی ابن ابی طالب

ابوالساج عامل مدینہ نے ان کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

امام علی نقی علیہ السلام ابن محمد الجواد بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر صادق بن محمد الباقر ابن علی زین العابدین بن الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم السلام

آپ کی تاریخ پیدائش میں مختلف قول ہیں۔ علامہ کلینی نے کافی میں ۱۵ ماہ ذی الحجہ ۲۱۲ھ مطابق ۶ مارچ ۸۲۸ء لکھی ہے تاریخ شہادت بمقام سرمن را (سامرہ) ۲۵ رجمادی الآخر ۲۵۴ھ مطابق ۲۲ رجون ۸۶۸ء ہے۔

عبداللہ ابن محمد والی مدینہ نے متوکل کے پاس آپ کی چغلی کھائی۔ متوکل نے اپنے پاس حضرت امام علی نقی کو بلالیا۔ جمادی الآخر ۲۴۳ھ میں آپ مدینہ سے نکلے۔ یحییٰ ابن ہرثمہ کو خلیفہ نے آپ کے لانے کے لئے مقرر کیا تھا ۔چنانچہ ہو آپ کے ہمراہ تھا۔ بغداد سے ہوتے ہوئے سرمن رائے آئے اور وہاں ایک نہایت بری سرائے میں رکھا جس نام خان الصعالیک تھا لیکن ان لوگوں نے جو آپ کے لانے کے لئے مقرر ہوئے تھے متوکل سے آپ کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ انہیں سوائے نماز و تلاوت قرآن وادعیہ کے اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ متوکل مجبور ہوگیا۔ آپ کی عزت کی انعام واکرام دیا۔ ایک دفعہ آپ متوکل کے دربار میں گئے ۔ وہاں متوکل کو دیکھا کہ شراب پی رہا ہے۔ شراب کا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جام شراب متوکل نے آپ کو بھی پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے معاف کرو۔ آج تک شراب نے میرے جسم کو نہیں چھوا۔ متوکل نے پھر اصرار نہ کیا۔ لیکن کہنے لگا کہ کچھ شعر سنائیے ۔آپ نے عذر کیا۔ لیکن اس نے اصرار کیا تو آپ نے فی البدیہہ یہ شعر اسی وقت انشا کر کے دربار عام میں سنائے۔

با تو ا علی قلل الاجبا ل تحرسهم
غلب الرجال فلم تنفعهم القلل
واستنزلو ا بعد عزعن محاقلهم
واسكنو ا جفر ايا بئس ما نزلو ا
نا داهم صارخ من بعد دفنهم
اين الاساورو التيجان والحلل

این الوجوہ التی کانت منعمة
من دونہا تضرب الا ستر و الکلل
فافصح القبر عنہم حین سلفہم
تلک الوجوہ علیہا الدود یقتتل
قد طالما اکلو ا دھراو قد شربو ا
فاسجوا الیوم بعد الا کل قد اکلو ا
و طالما عمر و ا دوراً لتسکنہم
ففار قوا الدورو الا ھلین و انتقلوا
وطالما کنزو االاموال و ادخرو ا
ففر قوھا علی الاعداء وارتحلوا
اضحت منازلہم قفرا معطلة
و ساکنواھا الی الا جداث قد نزلو ا

ترجمہ:.....

(۱) وہ لوگ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے تھے۔ جہاں لوگوں کی طاقت ور جماعتیں ان کی حفاظت کرتی تھیں۔ لیکن ان بلند چوٹیوں نے بھی ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔

(۲) اس عزت کے بعد وہ اپنی سواریوں سے گرے۔ اور ایک گڑھے میں رہنے لگے۔ کیسا خراب مقام ہے جہاں وہ نازل ہوئے ہیں۔

(۳) ان کے دفن ہونے کے بعد ایک ندا دینے والے نے ندادی کہ کہاں ہیں وہ سونے، چاندی کے ڈھیر، وہ تاج اور قیمتی زیوارات

(۴) وہ چہرے کہاں ہیں جو نازو نعمت میں رہتے تھے اور ان کے سامنے ستار و طنبورے بجا کرتے تھے۔

(۵) اس وقت ان کی قبر نے ذرا پردہ ہٹادیا کہ یہ ہیں وہ چہرے جن کو کیڑوں نے کھالیا ہے۔

۶) ایک زمانہ تک عیش و عشرت میں کھاتے پیتے رہے۔ لیکن آج وہ خود کھائے جارہے ہیں۔

۷) ایک زمانہ تک انہوں نے محل آباد کئے تا کہ محلوں میں انہیں تسکین ملے۔ اور پھر انہیں اپنے محل اور اہل وعیال چھوڑنے پڑے۔

۸) ایک زمانہ تک انہوں نے مال جمع کیا اور اس کا ذخیرہ لگایا۔ لیکن پھر ان خزانوں کو اپنے دشمنوں پر تقسیم کر کے چلتے بنے۔

(۹) ان کے رہنے کے گھر غیر آباد و ویران ہو گئے اور ان گھروں کے رہنے والے قبروں میں اتار دیئے گئے۔

یہ اشعار سن کر متوکل بہت رویا۔ یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی اشکوں سے تر ہو گئی اور امام علی نقیؑ کو چار ہزار دینار انعام دے کر رخصت کیا۔ اور پھر آپ اسی سرائے میں چلے گئے۔ سر من رائی میں آپ اس ہی سرائے میں مقید رہے۔ یہاں تک کہ ۲۵۴ھ میں خلیفہ معتز نے زہر دے کر آپ کو شہید کیا۔

بزمانہ مہتدی ۲۵۵ھ ۸۶۹ء تا ۲۵۶ھ ۸۷۰ء علی بن زید الحسین بن عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب

ان کی والدہ بنت القاسم بن عقیل بن محمد بن عبداللہ بن عقیل بن ابیطالب ہیں۔ انہوں نے کوفہ میں خروج کیا۔ مہتدی نے ان کے خلاف شاہ بن مکیال کو فوج کے ساتھ روانہ کا ی۔ ناجم نے جو بصرہ میں خروج کیا تھا۔ یہ اس سے پہلے کی بات ہے۔ ان کے ساتھ کوفہ کے بہت سے آدمی ہو گئے۔ علی بن سلیمان کوفی نے ابوالفرج اصفہانی مولف کتاب مقاتل الطالبین سے اپنے باپ کی روایت بیان کی۔ اس کے باپ سلیمان نے اپنے بیٹے علی کو بتایا کہ ہم سواد کوفہ میں علی بن زید کی ساتھ تھے۔ شاہ بن المیکال کے وارد ہونے کی خبر آئی ہم صرف دو صد آدمی تھے۔ علی بن زید ابن الحسین نے ہم سے کہا کہ تم لوگ چلے جاؤ۔ تمہاری گردنوں سے میں نے اپنی بیعت اٹھالی۔ کیونکہ یہ لوگ سوائے میرے کسی اور کے قتل کے خیال نہیں کرتے اور نہ ان کا کسی اور سے تعرض کرنے کا ارادہ ہے۔ ہم نے کہا کہ نہیں ہم یہ کبھی نہیں کریں گے کہ آپ کو تنہا چھوڑ دیں لہٰذا ہم ان کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اور شاہ بن مکیال کے عظیم الشان لشکر کے سامنے ہم جم گئے۔ لیکن اس کی کثرت وشوکت کا ہمارے دل پر بہت رعب تھا۔ جب علی بن زید بن الحسین نے ہماری یہ حالت دیکھی تو ہم سے کہا کہ ٹھہرو۔ دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ ہم تو ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنی تلوار نکال کر دشمن کے لشکر کے بیچ میں حملہ کیا۔ وہ شمال وجنوب کو منتشر ہو گئے اور علی بن زید کے لئے جگہ دیدی۔ وہ اس لشکر کے پیچھے ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے اور ہماری طرف دیکھا۔ پھر انہوں نے اس لشکر پر حملہ کیا اور ہو لشکر ان کے آگے سے بھاگا اور ان کے لئے جگہ دیدی۔ پس وہ اپنی پہلی جگہ پر آگئے اور ہم سے کہا کہ بس تم ایسے بزدلوں سے ڈرتے تھے۔ پھر دوبارہ اس طرح انہوں نے دشمن پر حملہ کیا اور اس طرح ہمارے پاس واپس آگئے۔ اور پھر تیسری دفعہ ایسا حملہ کیا کہ وہ سب بہت بری طرح شکست کھا کر بھاگے۔ لیکن اہل کوفہ نے علی بن زید سے دغا کی اور ان کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ یحیٰی بن عمر کے قتل کے بعد ان لوگوں کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔

پھر ناجم نے بصرہ میں خروج کیا اور علی بن زید بن الحسین معہ محمد بن القاسم بن حمزہ بن الحسن بن عبیداللہ بن العباس بن علی بن ابی طالب اور طاہر بن احمد بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب کے ناجم کے پاس چلے گئے۔ لیکن پھر آپس میں ناچاقی ہو گئی اور جاجم نے ان تینوں کو قتل کر دیا۔ یہ قتل تو زمانہ معتمد میں ہوا۔ لیکن

خروج زمانہ مہتدی میں ہوا تھا۔ ان ہی ایام (۲۵۵ھ) میں مندرجہ ذیل اولاد امام حسن وحسین وجعفر علیہم السلام قتل ہوئے:....

(۱) حسین بن محمد بن حمزہ بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی ابن ابیطالب
(۲) یحییٰ بن علی بن عبدالرحمٰن بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی ابن ابیطالب
(۳) محمد بن الحسن بن محمد بن ابراہیم بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب
(۴) جعفر بن اسحاق بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی ابن ابیطالب
(۵) موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابیطالب
(۶) عیسیٰ بن اسماعیل بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب
(۷) محمد بن عبداللہ بن اسماعیل بن ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن ابی الکرام بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب
(۸) علی بن موسیٰ بن محمد بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب
(۹) محمد بن الحسین بن عبدالرحمٰن بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب
(۱۰) علی بن موسیٰ بن اسماعیل بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی ابن الحسین ابن علی بن ابیطالب
(۱۱) ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ موسیٰ عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابیطالب
(۱۲) عبداللہ بن محمد یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابیطالب

ان میں سے ۱۔ موسیٰ بن بغا کی لڑائی میں مارے گئے۔ ۲، ۷، ۹، ۱۰ کو عبداللہ بن عزیز والیرے نے قتل کیا۔ ۹، ۱۰ کو اس نے قید کر دیا تھا اور وہ قید ہی میں مر گئے۔ ۳۔ حرث بن اسد نے قتل کیا۔ ۴، ۵۔ کو سعید الحاجب نے بصرہ میں قتل کیا۔ ۶۔ کو ابو الساج کے نائب عبدالرحمٰن نے قید کیا اور کوفہ لے گیا۔ وہاں قید ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ ۸۔ کو عیسیٰ بن محمد المخزومی نے مکہ میں قید کیا۔ اور قید ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۱۔ کو محمد بن احمد بن عیسیٰ بن المنصور نے جو مدینہ پر مہتدی کی طرف سے عامل تھا، قید کر دیا۔ ۱۲۔ کو ابو الساج نے مدینہ میں قید کیا تھا۔ یہ قید ہی میں رہے۔ تا آنکہ محمد بن احمد بن عیسیٰ بن المنصور کے زمانہ مین قید ہی مین آپ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے حالات ہم نے مقاتل الطالبین۔ (صفحہ نمبر ۶۷۷ تا صفحہ نمبر ۶۸۱) سے لئے ہیں۔

بزمانہ معتمد ۲۵۶ھ ۸۷۰ء تا ۲۷۹ھ ۸۹۲ء

(۱) احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن الحسن بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابیطالب

۲۵۵ھ میں احمد بن طولون نے ان کو قید کر کے قتل کیا اور ان کا سر معتمد کے پاس بھیجا گیا۔

(۲) احمد بن محمد جعفر بن الحسن بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب

ان کو محمد بن میکال نے معدان کے باپ کے قید کر کے نیشاپور بھیج دیا۔ وہیں ایام معتمد میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳) عبیداللہ بن علی بن عیسیٰ بن یحییٰ بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب
ان کو احمد بن طولون نے قتل کیا۔

(۴) علی بن ابراہیم بن الحسن بن علی بن عبیداللہ بن الحسین بن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب
یہ سر من رائی میں قتل کیے گئے۔

(۵) محمد بن احمد بن محمد بن الحسن بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن عمر بن علی ابن ابیطالب
ان کو عبدالعزیز نے قتل کیا۔

(۶) حمزہ بن الحسن بن محمد بن جعفر بن القاسم بن اسحاق بن عبداللہ ابن جعفر بن ابیطالب
ان کو صلاب ترکی نے قتل کیا اور اعضاء کو علیحدہ علیحدہ کیا۔

(۷) حمزہ بن عیسیٰ بن محمد بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب
صفار اور حسن بن زید کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

(۸،۹) محمد و ابراہیم ابن الحسن بن علی بن عبیداللہ بن الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب
صفار اور حسن بن زید کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

(۱۰) حسن بن محمد زید بن عیسیٰ بن زید بن الحسین

(۱۱) اسماعیل بن عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ بن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب
یہ دونوں بزرگوار بھی صفار اور حسن کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

(۱۲) محمد بن الحسین بن محمد بن عبدالرحمٰن بن القاسم بن الحسن بن زید الاکبر بن الحسن بن علی بن ابیطالب

(۱۳) موسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن الحسن بن الحسن بن علی
ان دونوں بزرگواروں کو قید کر دیا۔ اور یہ قید میں رہے۔ یہاں تک کہ قید ہی میں انتقال ہوا۔

(۱۴) محمد بن احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین بن علی
ان سعید الحاجب نے قتل کر دیا۔

ابو محمد الحسن العسکری ابن علی نقی ابن محمد تقی ابن علی الرضا ابن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین ابن الحسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام

آپ شیعوں کے گیارہویں امام ہیں۔ آپ کی پیدائش مدینہ میں ۸ ربیع الآخر ۲۳۱ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۸۴۵ء کو ہوئی۔ آپ کی عمر چار سال تھی جب اپنے والد کے ہمراہ سر من را میں خان الصعالیک میں قید کر دیے گئے۔ صعالیک جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں مسکین، غریب، شکستہ حال۔ یہ ایک قسم کا فوجی قید خانہ تھا۔ سر من راہ میں

فوجی کیمپ تھا۔ اس وجہ سے آپ کو حسن عسکری کہتے ہیں۔ چار برس کی عمر سے آخر عمر تک اس ہی قید خانہ میں رہے۔ تا آنکہ بزمانہ معتمد ۸ ربیع الآخر ۲۶۰ھ کو ۲۹ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تفسیر قرآن بہت مشہور ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کا اس پر بڑا اعتماد تھا۔

حدیث خمر

حدیث خمر:۔ حدیث خمر آپ کی بہت مشہور ہے۔ جناب حسن عسکریؑ اپنے آباواجداد و جبرئیل و اسرافیل کے ذریعہ سے یہ حدیث قدسی فرماتے ہیں۔ شارب الخمر کعابد الوثن۔ یعنی شراب خوار مثل بت پرست کے ہے۔ کسی شاعر کے یہ اشعار بہت اچھے ہیں:

فدع عنك قول الشافعي و مالك
و احمد والمر وی عن کعب الاحبار
وتابع انا سآ قولهم و حدیثهم
روی جدنا عن جبریل عن الباری

ترجمہ:۔ شافع، مالک۔ واحمد، کعب الاحبار کی مرویات کو چھوڑ دو۔ ان لوگوں کی پیروی کرو جو کہتے ہیں کہ ہمارے جد نے جبرئیل علیہ السلام سے اور انہوں نے خود جناب باری تعالیٰ سے سنا۔

جناب امام حسن العسکری کو معتمد کے حکم سے زہر دیا گیا۔ یہ قول ہمارے اصحاب میں بلا اختلاف ہے۔

(۱۵) احمد بن محمد احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی ابن الحسین بن علی بن ابیطالب
ان کو قید کر دیا گیا۔ اور قید ہی میں انتقال ہوا۔

(۱۶) حسین بن ابراہیم بن علی بن عبدالرحمٰن بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب
ان کو یعقوب بن اللیث صفار نے قید کیا تھا اور پھر قتل کر دیا۔

(۱۷) محمد بن عبداللہ بن زید بن عبیداللہ بن زید بن عبداللہ بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب
آپ کو طبرستان میں یعقوب ابن اللیث صفار نے قید کیا تھا اور نیشاپور کے قید خانہ میں لا کر رکھا تھا اور اس قید ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۹،۱۸) علی و عبداللہ پسران موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی ابن الحسین بن علی بن ابیطالب

(۲۰) علی بن جعفر بن ہارون بن اسحاق بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب

(۲۱) محمد بن عبداللہ بن جعفر بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن محمد ابن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب
ان چاروں کے خلاف کسی نے رافع بن اللیث سے چغلی کی کہ وہ تیرے خلاف اٹھنا چاہتے ہیں۔ ابھی کوئی فعل اس کے خلاف نہیں ہوا۔ لیکن اس چغلی ہی پر ان چاروں کو قید کر دیا۔

بزمانہ معتضد ۲۷۹ھ ۸۹۲ء تا ۲۸۹ھ ۹۰۲ء

محمد بن زید بن محمد بن اسماعیل بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابیطالب

خراسان پر اسماعیل بن احمد کا قبضہ تھا۔ اس نے اپنے جنرل محمد بن ہارون کو محمد بن زید کی طرف بھیجا اور حکم کر دیا کہ ان سے لڑے۔ اس نے باب جرجان پر ان سے لڑائی کی پہلے تو اس کو شکست ہوئی وہ بھاگا۔ لیکن پھر واپس آیا۔ اس کے واپس آنے سے محمد ابن زید کی فوج کے دل پر رعب چھا گیا۔ اور بھاگ کھڑی ہوئی محمد بن زید بہت بہادری سے لڑے لیکن قتل ہوئے۔ یہ ماہ رمضان ۲۸۹ھ کا واقعہ ہے۔ ان کا لڑکا خراسان بھیج دیا گیا۔ ابوالفرج اصفہانی کے وقت تک وہ خراسان ہی میں مقیم تھا۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۶۹۴)

ابن الاثیر لکھتا ہے کہ محمد بن زید فاضل ادیب وعارف اور نیک خصائل رکھنے والے تھے۔

(الکامل الجزء السابع صفحہ نمبر ۱۷۹، ۱۸۰)

طبری نے ان کے قتل کی تاریخ ۲۵ رشوال ۲۸۷ء لکھی ہے۔ (طبری الجزء الحادی وعشر صفحہ نمبر ۳۷۰)

محمد بن عبداللہ بن محمد بن القاسم بن حمزہ بن الحسن بن عبیداللہ ابن العباس بن علی بن ابیطالب

علی بن محمد والی بصرہ نے ان کو قید کیا اور یہ قید ہی میں رہے۔ یہاں تک معتضد کے زمانہ میں قید خانہ ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

بزمانہ مکتفی ۲۸۹ھ ۹۰۲ء تا ۲۹۵ھ ۹۰۸ء

محمد بن علی بن ابراہیم بن محمد بن الحسن بن جعفر بن عبیداللہ بن الحسین ابن علی ابن الحسین بن علی ابیطالب علی بن محمد علی بن عبیداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن علی ابن ابیطالب

کسی نے ان دونوں پر یہ جھوٹی تہمت لگادی کہ یہ قرمطی صاحب الخال کی مدد کرتے ہیں۔ محض اس چغلی پر بغیر تحقیقات کے ان دونوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ پہلے ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور پھر ان کی گردن اڑادی گئی۔

زید بن الحسین بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب

قرمطی نے ان کو مکہ کے راستہ پر قتل کردیا تھا۔

محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن العباس بن الحسن بن عبیداللہ ابن العباس بن علی بن ابیطالب

طغج الاخشیدی یا اس کے لڑکے محمد نے ان کے باغ میں دھوکہ سے چند آدمیوں کو بھیج کر ان کو قتل کرایا۔ انہوں نے چھریوں سے ان کے ٹکڑے کئے اور ایک دن اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے۔ اور پھر دوبارہ واپس آتے تھے اور ان کو تلواریں مارتے تھے اس خوف سے کہ کہیں زندہ نہ ہوں۔ آخر کار ان کو قتل کردیا۔ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ الاخشیدی کی اتنی عزت نہیں کرتے تھے جتنی وہ چاہتا تھا۔

بزمانہ مقتدر ۲۹۵ھ ۹۰۸ء تا ۳۲۰ھ ۹۳۷ء

عباس بن اسحاق بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب

ان کو آرمینا میں وہاں کے باشندوں نے قتل کر دیا۔

محسن بن جعفر بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب

ان پر یہ شبہ کیا گیا کہ یہ سلطان وقت کے خلاف ہیں۔ اس زمانہ میں خلافت پر ترکوں کا قبضہ تھا اور ترک ایک خلیفہ کو تخت نشین کرتے تھے۔ دوسرے کو معزول کرتے تھے۔ خلیفہ محض ایک کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ اس شبہ پر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان کا سر بغداد بھیج دیا گیا۔

طاہر بن یحییٰ بن الحسن بن جعفر بن عبیداللہ بن الحسین بن علی بن حسین بن علی ابن ابیطالب

یہ بڑے عالم فاضل وزاہد تھے۔ ان کو مدینہ میں زہر سے قتل کیا گیا۔

مقتدر کے زمانہ میں عباسین وعلوئین کے درمیان کوفہ میں جھگڑا ہو گیا۔ یہ جھگڑا ایک مسجد کے اوپر تھا جس کو ابوالحسن علی بن ابراہیم العلوی نے جامع مسجد کے اندر اس جگہ بنایا تھا جہاں حضرت علی بیٹھ کر مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے۔ عباسیوں نے اس بات کو پسند نہ کیا۔ اس مسجد کو انہوں نے منہدم کر دیا۔ اور پھر حضرت علیؑ کی قبر کی طرف اس منہدم کرنے کے ارادے سے گئے۔ آل ابیطالب نے ان کو روکا۔ فریقین کے کچھ آدمی مارے گئے۔ ورقا بن محمد بن ورقا نے آل ابیطالب کی ایک جماعت کو گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا تا کہ وہاں قید خانہ میں ڈال دیے جائیں۔ لیکن اس زمانہ میں ابوالحسن بن محمد بن الفرات خلیفہ کا وزیر تھا اس نے اس جماعت کو چھوڑ دیا۔ (مقاتل الطالبین صفحہ نمبر ۷۰۴)

مقتدر کے بعد خلافت پر آل بویہ کا قبضہ ہو گیا۔ ان کا دور ۳۲۳ ہجری سے ۴۴۷ ہجری تک رہا۔ وہ شیعہ تھے۔ لہٰذا ان کے زمانہ میں علوئین کو اطمینان سے سانس لینے کی مہلت ملی۔

......☆......

باب ﴿۲۴﴾

نشر علوم، تبلیغ دین اور تنظیم ملت

(۱) درس و تدریس

چراغ زندہ میخواہی در شب زندہ داران زن
کہ بیداری بخت از بخت بیداران شود پیدا

تعلیم و تبلیغ اسلام کا فرض جانشینان رسول کے ذمہ تھا۔ بحر ظلم موجزن ہوا کیا طوفان ہائے مصائب ہائے مصائب و آلام اٹھتے رہے۔ لیکن یہ محافظان دین رسول کی اس امانت کو سینے سے لگائے ہوئے اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ جناب امیرؑ نے جاری کیا۔ اور آپ کے ہر ایک جانشین نے اس کو قائم رکھا۔ لہٰذا ان کا مرجع خلائق ہونا ضروری تھا اور جو حکومت ظلم و تعدی، جبر و تشدد پر مبنی ہو۔ وہ کبھی اپنے سوا دوسروں کے پاس لوگوں کو جمع ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ حکومت نے آل رسول پر جو مظالم کئے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہی تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظالم اپنے ہی ظلموں کی پاداش میں الجھ جاتا ہے۔ وہ وقت ذرا مظلوم کی سہولت کا ہوتا ہے۔ سلطنت بنو امیہ کا آخری وقت اور سلطنت بنی عباس کا ابتدائی دور اسی قسم کا زمانہ تھا۔ جس نے جناب امام جعفر صادق کے لئے ایک گونہ فرصت پیدا کر دی۔ اگر چہ آپ کا زمانہ بھی خوف سے خالی نہ تھا۔ آپ کا حلقہ درس و تدریس بہت سے وسیع تھا۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق سے بہت سے علوم لوگوں نے نقل کئے جن کا ذکر و غلغلہ تمام شہروں میں پھیل گیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ نمبر ۱۲۰)

امام موصوف کی خدمت میں حجاز کے علاوہ دور دراز مقامات مثل عراق، شام، خراسان، کابل، سندھ، ہند اور بلاد روم و فرنگ کے طالبان علم آن کر مستفید ہوتے تھے۔ آپ کے حلقہ درس میں چار ہزار اصحاب تھے۔ جیسا کہ شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں لکھا ہے۔ ان طلبہ میں سے ایک رومی النسل بزرگ زرارہ بن اعین متوفی ۱۵۰ھ تھے جن کے دادا بلاد روم کے ایک راہب (Monk) تھے۔ زرارہ اپنی خدمات عملیہ کے اعتبار سے اسلامی دنیا میں بہت شہرت رکھتے ہیں۔ اور صاحب تصانیف ہیں کتاب الاستطاعت والجبران کی مشہور کتاب ہے۔
(منتج المقال منقول از الکتب والمکتبات فی ادوار التشیع تالیف سید سبط الحسن)

ضبط روایات کی ہدایت

ائمہ علیہم السلام اپنے اصحاب کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نصائح اور احادیث کو لکھتے رہا کرو۔ چنانچہ جب وہ لوگ ائمہ علیہم السلام کی خدمت میں آیا کرتے تھے تو قلم دوات کاغذ لیکر آتے تھے۔۔ ابو بصیر و زرارہ کی

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام جعفر صادق فرماتے تھے کہ اپنی کتابوں کی حفاظت کرو۔ کیونکہ تم کو ان کی ضرورت ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ لکھو اور اپنے بھائیوں میں علم کی اشاعت کرو کیونکہ اگر تم مر گئے تو تمہاری کتابوں کی وارث تمہاری اولاد ہوگی۔ ایسا ہرج مرج کا زمانہ آنے والا ہے کہ سوائے تمہاری کتابوں کے کسی اور سے لوگ انسیت نہیں کریں گے۔ آپ نے یہاں تک تاکید فرمائی کہ ہماری احادیث لکھو تو اعراب لگایا کرو۔ (کافی نولکشوری کتاب العلم، باب رایۃ الکتب والحدیث وفضل الکتابت)

کتب اصول اربعمائہ

جناب امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں چار صد ایسے لوگ تھے جنہوں نے نہایت صحیح احادیث جو ائمہؑ سے مروی تھیں جمع کیں۔ "اصل" سے مراد وہ مجموعہ احادیث ہیں جس میں جامع نے خود براہ راست امام سے روایت کی اور اس کو ضبط تحریر میں لایا۔ اسی طرح چار سو کتب اصول مدون ہوئیں۔ ان کا زمانہ تعلیم عہد امیر المومنین سے لیکر امام حسن عسکریؑ کے زمانے تک ہے غرض کی ایک ہزار تین صد مصنفین اصحاب ائمہ تقریباً پانچ ہزار مصنفات لکھے۔ ان میں کے چار صد مولفین کتب اصول ہیں........ جو امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ کتب اصول اربعہ ماۃ میں سے آج بھی بعض اصول اپنی اصلی حالت میں صحاح اربعہ میں موجود ہیں۔ اور جو اپنی اصلی حالت و ہیئت پر موجود نہیں ہیں وہ علمائے اعلام شیعہ کے مجامیع کتب وذخائر احادیث متقدمین ومتاخرین میں موجود ہیں۔ اصول اربعہ ماۃ کے مفقود ہونے کے کئی اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ جب مجامیع اربعہ مدون ہو گئے تو لوگوں کو اصول اربعہ ماۃ کی طرف سے بے اعتنائی ہوگئی۔ یہ تمام کتب اصول اپنی اصلی حالت میں شیعی وزیر ابو النصر شاپور بن اردشیر وزیر بہاؤالدولہ کے کتب خانہ واقع کرخ میں موجود تھے۔ جن سے شیخ طائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی نے اپنے مجامیع استبصار تہذیب کو مدون کیا تھا۔ لیکن افسوس کی یہ عظیم الشان و بے نظیر کتب خانہ تعصب مذہبی کی نذر رہوا۔ اور ۴۴۸ھ میں طغرل بیگ سلجوقی نے اس کو جلا دیا۔

(ماخوذ از الکتب والمکتبات فی ادوار التشیع تالیف سید سبط الحسن صفحہ نمبر ۲۹۔ نوٹ: اس میں اس کتب خانہ کے جلانے کو بحوالہ کامل ابن الاثیر الجزء التاسع صفحہ نمبر ۱۲۱، الجزء العاشر صفحہ نمبر ۳، طبقات الادباء جلد دوم صفحہ نمبر ۳۵۰ معجم یعقوب حموینی جلد اول صفحہ نمبر ۷۹۹ و یتیمۃ الدھر ثعالبی لکھا ہے۔)

جناب سید المرتضیٰ علم الہدیٰؒ کے کتب خانہ میں بھی اصول اربعہ ماۃ اور دیگر کتب جو عہد معصومینؑ میں اصحاب نے تالیف کئے تھے پائے جاتے تھے۔ بلکہ اکثر اصول اپنی صورت اولیہ میں محمد بن ادریس حلی کے زمانے تک بھی موجود تھے۔ جس سے علامہ موصوف نے مستطرفات السرائر کو مدون فرمایا تھا۔ کچھ کتب اصول سید رضی الدین علی بن طاؤس متوفی ۶۶۴ھ کے کتب خانہ میں بھی موجود تھے جن کا تذکرہ ابن طاؤس نے اپنی کتاب المجتبیٰ میں کیا ہے اور ان سے اپنی تصانیف مین بھی نقل بھی فرمایا ہے۔ لیکن اسے کے بعد کتب اصول اربعہ ماۃ زمانے کی دست برد

سے محفوظ نہ تھیں۔ علامہ نعمت اللہ الجزائری متوفی ۱۱۱۲ھ انوار النعمانیہ صفحہ نمبر ۳۹۴ پر فرماتے ہیں

(یہ اس کا ترجمہ اردو میں ہے۔)

جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اپنے اجداد طاہرین سے قریب العہد تھے اور چار سو کتب اصول اور پانچ ہزار مصنفات عہد معصومینؑ ان کے پاس موجود تھے۔ جناب امام موسیٰ الکاظمؑ اور سید مرتضیٰ تک اسی قدر پشتوں کا فاصلہ ہے جتنا بارہویں امام اور ساتویں امام کے درمیان ہے۔ اس لئے اخبار و احادیث احاد و تواتر کی معرفت ان کیلئے بہت آسان تھی۔ بہر حال کتب اصول ابن ادریس کے زمانے تک اسی طرح محفوظ رہے۔ ان ہمارے زمانے میں صرف تیس کتب اصول باقی رہ گئے ہیں۔ (ماخوذ از الکتب والمکتبات فی ادوار التشیع تالیف سید سبط الحسن صفحہ نمبر ۲۹)

میر باقر داماد مجلسی اپنی کتاب رواشح کے راشحہ بست و نہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب اصول کی یہ عادت تھی کہ جب کسی معصوم کے ارشاد کو سنتے تھے تو بغیر کسی تاخیر کے فوراً اپنے کتب اصول میں لکھ لیتے تھے۔ شیخ ابو القاسم جعفر بن سعید المعروف بالمحقق الحلی اپنی معتبر میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق کے جوابات مسائل کو چار صد مصنفین اصحاب امام نے تحریر کر کے چار سو تصانیف لکھیں۔

علامہ سید سبط حسن صاحب ہنسوی تحریر فرماتے ہیں:۔

کتب رجال شیعہ میں جن اصحاب ائمہؑ کے حالات و تراجم مذکور ہیں ان کی مجموعی تعداد چار ہزار پانچ سو اصحاب ہیں۔ جن میں سے چار ہزار اصحاب صرف امام جعفر صادق کے ہیں۔ جن سب کا تذکرہ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ (۲۴۹ ہجری تا ۳۳۳ ہجری) نے اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔ اور شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی نے بھی ان سے کا احصاء اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔ معصومینؑ کے تمام اصحاب میں سے مصنفین کی جملہ تعداد ایک ہزار تین سو سے زائد نہیں ہے۔ جنہوں نے سینکڑوں کی تعداد میں کتب اصول اور ہزاروں تعداد میں دوسری کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں جن میں سے بعض مصنفین اصحاف ائمہ تو ایسے ہیں جنہوں نے تنہا سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ فضل بن شاذان نے ایک سو اسی کتابیں تالیف کیں۔ ابن دؤل نے سو کتابیں لکھیں۔ اسی طرح برقی نے بھی تقریباً سو کتابیں لکھیں۔ ابن ابی عمیر نے نوے کتابیں لکھیں۔ اور اکثر اصحاب ائمہ تو ایسے ہیں جنہوں نے تیس یا چالیس سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں۔

شہید اول شیخ شمس الدین محمد بن مکی نے اپنی کتاب الذکریٰ میں اور شیخ حسین بن عبد الصمد نے اپنی کتاب الدرایہ میں اور محقق میر داماد نے اپنی کتاب الرواشح میں اور شہید ثانی الشیخ زین الدین بن علی نے شرح درایہ میں اور شیخ ابو علی طبرسی نے اعلام الوریٰ میں اور سید حسن صدر

نے کتاب الشیعہ وفنون الاسلام میں اس کی تشریح کی ہے کہ امام جعفر صادق کی چار ہزار اصحاب علم وفضل میں سے چار سو اصحاب ایسے تھے جنہوں نے چار سو کتب اصول کو مدون کیا۔ شہید اول نے اس خیال سے کہ کہیں اصحاب کتب اصول کی بنا پر امام جعفر صادق کے چار ہزار اصحاب میں سے انہیں چار سو کی تعداد پر غلط فہمی سے تصنیف وتالیف کو منحصر نہ سمجھا جائے۔ یہ واضح فرمایا کہ اہل عراق، حجاز وشام کے چار ہزار ایسے لوگوں نے جو حضرت کے شاگرد تھے۔ مسائل کے جوابات تحریر کیے ہیں جن کی کتابوں کا تذکرہ نجاشی، ابو جعفر طوسی ابن ندیم عقیلی اور ابن الغضائری نے اپنے کتب رجال وفہارس میں کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اصحاب کتب اصول امام جعفر صادقؑ اعیان مصنفین کی حیثیت رکھتے تھے۔ ورنہ تقریباً تمام اصحاب نے کچھ نہ کچھ تالیف وتحریر کیا ہے۔

نقل علوم از امام جعفرؑ

علامہ شیخ علامہ شیخ مفید الارشاد میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے جناب امام جعفر صادق سے بہت سے علوم نقل کیے۔ جن کو سواروں اور پیدل لوگوں نے شہروں میں مشتہر کیا۔ علمائے اہل بیت میں نے کسی سے اتنی احادیث و علوم نقل نہیں کیے جتنے کہ جناب امام جعفر صادق سے نقل کیے ہیں۔ اخبار وآثار بھی سب زیادہ آپ سے نقل ہوئے ہیں۔ اصحاب حدیث نے ان راویوں کی تعداد جنہوں نے امام جعفر صادق سے احادیث نقل کی ہیں چار ہزار بتائی ہے اور وہ سب ثقہ تھے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ محسن الامین اعیان الشیعہ میں لکھتے ہیں کہ یہ تعداد درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ حافظ ابن عقدہ الزیدی نے اپنی کتاب رجال مین چار ہزار راویوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام جعفر صادق نے نقل حدیث کی ہے۔ اور وہ سب ثقہ تھے۔ ان کی تصنیفات ومولفات کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے اتنے علوم نقل ہوئے ہیں کہ انسان کی عقل حیران ہوتی ہے۔ ان میں سے صرف ایک یعنی ابان بن تغلب نے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ جناب امام جعفر صادق بھی فرمایا کرتے تھے کہ ابان بن تغلب نے مجھ سے تیس ہزار احادیث نقل کی ہیں اس قول کو علامہ کشی نے اپنی کتاب رجال مین لکھا ہے۔ نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں حسن بن علی الوشائی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس مسجد کوفہ میں نوصد علماء سے میں ملا جن مین سے ہر ایک کہتا تھا کہ مجھ سے امام جعفر صادق نے فلاں فلاں حدیث بیان کی۔

عابد و مزبور

حافظ عبدالعزیز بن الاخضر الجنابذی نے معالم العترۃ الطاہرہ میں صالح بن الاسود کی یہ روایت لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کو مجمع میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ پوچھ لو مجھ سے جو پوچھنا چاہو قبل اس

کے تم مجھ کو نہ پاؤ۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں جناب امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم کو غابر و مزبور سکھایا گیا ہے۔ ہمارے دل میں ڈالا گیا ہے۔ ہمارے کانوں میں پھونکا گیا ہے۔ اور ہمارے پاس جفر الاحمر، جفر الابیض اور مصحف فاطمہ ہیں۔ اور ہمارے پاس وہ جامعہ ہے جس میں وہ سب کچھ جمع ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ جناب امام جعفر سے ان الفاظ کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا کہ غابر ان واقعات کا علم ہے جو ہونے والے ہیں۔ مزبور ان واقعات کا علم ہے جو گزر چکے ہیں۔ نکبت فی القلب یعنی دل میں ڈالا گیا ہے۔ اس سے مقصد الہام ہے۔ نقر فی الاسماع یعنی کانوں میں پھونکا گیا ہے۔ اس سے مطلب ملائکہ کی گفتگو ہے۔ جو ہم سنتے ہیں کہ ہم ان کے اجسام کو نہیں دیکھ سکتے۔ جفر الاحمر وہ برتن ہے جس میں جناب رسول خدا کے سلاح ہیں۔ جو صرف اس وقت نکالے جائیں گے۔ جب ہمارے قائم آل محمد کا ظہور ہوگا۔ جفر الابیض وہ برتن ہے جو میں توراۃ موسیٰ، انجیل عیسیٰ، زبور داؤد اور خدا کی پہلی کتابیں ہیں۔ مصحف فاطمہ وہ کتاب ہے جس میں وہ تمام واقعات درج ہیں۔ جو گزرنے والے ہیں۔ اور تمام صاحب قدرت لوگوں کے نام درج ہیں اور جامعہ وہ کتاب ہے جس کا طول ستر گز ہے۔ جس کو جناب رسول خدا نے لکھوایا تھا۔ اور حضرت علی نے لکھا تھا۔ ہر قسم بخدا اس مین وہ سب امور ہیں جن کی لوگوں کو قیامت تک ضرورت ہوگی۔

☆

باب ﴿۲۵﴾

تبلیغ دین و تنظیم ملت

(۲) تعلیم اخلاقیات

سر گشتہ اند خلق نظیر ی بیا کہ ما

روشن کنیم زمزمۂ خانقاہ را

اپنے عمل کو اپنے قول کے مطابق کر کے درس دین و دنیا ائمہ اہلبیتؑ کی تعلیم کا بابہ الامتیاز رہا ہے اس ہی وجہ سے ان بزرگواروں کی تبلیغ دین بہت مکمل و موثر ہوا کرتی تھی۔ جناب امام جعفرؑ نے اخلاقیات کی تعلیم اس ہی طرح کی ہے۔ خود حسن اخلاق کا مجسم نمونہ بن کر دکھادیا کہ اسلام ایسے اخلاق سکھاتا ہے۔ تم میرے قدم بقدم چلے آؤ منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔

حلم

حافظ عبدالعزیز بن الاخضر الجنابدی کتاب معالم العترۃ الطاہرہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن جناب امام جعفر صادق اور عبداللہ حسن میں کچھ تکرار ہوگئی۔ پھر علیحدہ ہو گئے اور پھر دونوں مسجد کے دروازہ پر ملے۔ جناب امام جعفر صادق نے سبقت کلام کی۔ فرمایا کہ صلہ رحم سے حساب میں تخفیف ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ کوئی قرآن کی آیت بتاؤ آپ نے تلاوت فرمائی:

والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یو صل و یخشون ربھم و یخافون سوء الحساب

عبداللہ بن حسن نے کہا کہ اس کے بعد تم مجھ کو قاطع رحم نہ پاؤ گے۔

ایک دن سفیان ثوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام جعفر کو متغیر اللون پایا وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں نے حکم دیا ہوا ہے کہ کوئی شخص مکان کے کوٹھے کے اوپر نہ جائے۔ آج میں نے دیکھا کہ میری ایک لونڈی میرے ایک بچہ کو لے کر اوپر سیڑھیوں پر چڑھ رہی ہے۔ جب مجھ کو اس نے دیکھا تو وہ ڈر سے کانپنے لگی۔ وہ بچہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اور مر گیا۔ مجھے بچے کی موت کا رنج نہیں ہے بلکہ رنج اس بات کا ہے کہ میرا اسقدر ڈر اس کے دل میں تھا۔ میں نے اسی وقت اس لونڈی کو آزاد کر دیا اور کہا کہ مطلق نہ خوف کھا۔

علامہ کلینی نے کافی میں اپنے اسناد کے ساتھ لکھا ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے ایک غلام کو کسی کام پر بھیجا اسے دیر لگ گئی آپ اسکی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ وہ سو رہا ہے۔ آپ اسکے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کو پنکھا

چھلنے لگے جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رات دن سونا اچھا نہیں رات تیری ہے سونے کے لئے دن تیرا ہمارے لئے ہے۔

صبر

شیخ صدوق علیہ الرحمہ الاخبار میں لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل جناب امام جعفر صادق کے فرزند اکبر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک دن امام جعفر صادق مع اپنے دوستوں کے بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانا کھانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ چند لوگ ان کو جناب اسماعیل کا پرسا دینے کے لئے آئے۔ آپ مسکرائے اور پھر کھانا منگایا۔ سب نے کھایا ل۔ جناب امام جعفر صادق نے سب دنوں سے زیادہ کھایا۔ دوستوں کو بھی کھلاتے جاتے تھے اور ان کے آگے کھانے رکھتے تھے۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ آپ کچھ اثر غم نہیں ہے ل۔ جب کھانا کھا چکے لوگوں نے کہا کہ تعجب ہے کہ اولاد اکبر کے انتقال پر آپ کو کچھ رنج نہیں۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کیوں میں اس حالت میں نہ ہوں کہ جس مین تم مجھ کو دیکھتے ہو۔ جناب مخبر صادق کی خبر مجھ تک پہنچی ہے، کہ انی میت یعنی میں مرنے والا ہوں اور تم بھی مر جاؤ گے۔ جو لوگ موت کو جانتے ہیں وہ موت کو اپنی آنکھوں سے سامنے رکھتے ہیں۔ انہیں پرواہ نہیں ہوتی کہ ان میں سے کس کو موت اٹھا کر لے جاتی ہے۔ وہ اپنے خالق کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

علامہ کلینی نے کافی میں روایت کی ہے کہ قتیبۃ الاعشیٰ کہتا ہے کہ ایک دن میں جناب امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مریض بچہ کی عیادت کروں۔ دیکھا کہ آپ دروازہ پر غمگیں بیٹھیں ہیں۔ میں نے عرض کی اب وہ بچہ کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا نہیں ہے۔ پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد باہر تشریف لائے تو آپ کا چہر بشاش تھا۔ غم کے آثار زائل ہو چکے تھے۔ میں سمجھا کہ بچہ کے مرض میں افاقہ ہے۔ میں نے پو چھا کہ اب بچہ کیسا ہے۔ فرمایا کہ اس نے انتقال کیا۔ میں عرض کی کہ جب وہ زندہ تھا تب تو آپ غمگین تھے۔ اب مر گیا تو آپ خوش ہیں۔ فرمایا کہ ہم اہل بیت مصیبت سے پہلے تو رنج و غم کرتے ہیں۔ جب واقعی مصیبت پڑ جاتی ہے اور حکم خدا صادر ہو جاتا ہے تو ہم راضی بقضا ہو جاتے ہیں۔

مکارم الاخلاق

زمخشری نے ربیع ابرار میں شقرانی غلام جناب رسول خدا کی روایت تحریر کی ہے وہ کہتا ہے کہ ابو جعفر منصور کے زمانہ میں عطایا تقسیم ہو رہی تھیں۔ لیکن میرا کوئی شفاعت و سفارش کرنے والا نہ تھا اور میں بادشاہ کے دروازہ پر حیران کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں جناب امام جعفر صادق تشریف لائے۔ میں نے ان کی خدمت میں اپنی حاجت بیان کی وہ اندر گئے اور میرے لئے عطا لے آئے اور مجھے دیتے وقت فرمایا کہ نیکی جو کرے گا اچھی ہے لیکن تم سے جو نکی ہو گی وہ بہت بہتر ہے۔ اسی طرح قبیح امر جو کرے گا وہ برا ہو گا۔ لیکن اگر تم کرو گے تو بہت برا ہو گا اس تعلق کی

وجہ سے جو تم کو ہم سے ہے سبط ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ امام علیہ السلام نے اس وجہ سے کہا کہ شقران شراب پیا کرتے تھے۔ اور یہ طرز اخلاق انبیاء کا ہے۔

خوف خدا

مالک بن انس فقیہ مدینہ کہتے ہیں کہ میں اکثر جناب امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ جب کبھی میں ان کے پاس گیا ہوں۔ تین حالتوں مین سے ایک حالت میں ضرور پایا۔ یا روزہ دار تھے۔ یا نماز میں کھڑے ہوئے تھے۔ یا ذکر خدا کر رہے تھے۔ بہت بڑے عابد تھے۔ سب سے زیادہ زاہد تھے۔ خداوند تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے۔ جناب رسول خداؐ کی احادیث بہت بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے تھے۔ ایکسال میں نے ان کے ساتھ حج کیا۔ جب تلبیہ کا وقت آتا تھا لبیک کا لفظ ان کے حلق میں اٹک جاتا تھا اور آواز نہیں نکلتی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب سواری سے گر پڑیں گے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں لبیک کہنے کی کیونکہ جرأت کروں۔ ڈرتا ہوں کہ خدا یہ فرمادے لا لبیک ولا سعدیک

کرم وسخا

جناب امام جعفر الصادق لوگوں کو اس قدر طعام کھلاتے تھے کہ گھر والوں کے لئے باقی نہیں رہتا اور دوبارہ تیار کرنا پڑتا تھا۔ مطالب السئول میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ فرمایا کرتے تھے کہ نیکی تین شرطون کی ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کی تعجیل کی جائے دوسرے یہ کہ اس کو بڑھا کر بیان نہ کیا جائے اور تیسرے یہ کہ خفیہ ہو۔

کثرت صدقہ وخیرات

علامہ کلینی نے لکھا ہے کہ جب رات ہو جاتی تھی تو امام جعفر صادق ایک مشک میں روٹیاں، گوشت اور درہم رکھ لیتے تھے اور اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لے جاتے تھے اور اہل مدینہ میں تقسیم کرتے تھے اور لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں یہ چیزیں کون دے رہا ہے جب آپ کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے معلوم کیا کہ یہ امام جعفر صادقؑ لایا کرتے تھے۔

لوگوں سے سوال کرنے کی ممانعت

جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ شیعتنا من لا یسئل الناس و لو مات جوعاً۔ ہمارے شیعہ وہ ہے کہ جو لوگوں سے سوال نہ کرے خواہ بھوکا ہی مرجائے۔

پھر ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص وادی مین جا کر لکڑیاں چنے اور فروخت کر کے اپنا رزق حاصل کرے وہ بہتر ہے۔ اس سے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا رہے۔ خواہ اسے دیں یا نہ دیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ایک جماعت انصار جناب رسول خداؐ کی خدمت میں ہوئی اور عرض کی کہ ہم ایک بڑی حاجت لیکر آپ کے لیکر حاضر ہوئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ ہمارے لئے جنت کے ضامن ہو جائیے۔ حضرت نے کچھ دیر تک سر جھکائے رکھا اور پھر فرمایا کہ میں شرط پر تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں کہ تم کسی سے سوال نہ کرنا انہوں نے یہ شرط منظور کر لی۔ اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان میں اگر کوئی آدمی سوار کہیں جاتا تھا اور ہاتھ سے چابک گر گیا تو کسی راہ رو سے نہیں کہتا کہ چابک اٹھا دے بلکہ خود اتر کر جا کر چابک لاتا تھا جب کبھی درخوان پر بیٹھتے تھے تو جس سے پانی کا گلاس دور ہوتا تھا وہ اپنے ساتھی سے نہیں مانگتا تھا بلکہ خود اٹھ کر پانی پیتا تھا۔

فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ شهادة الذي يسئل في كفه يرد یعنی جو آدمی بھیک مانگتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ جب مومن صاحب حرفت اور پیشہ ور نہیں ہوتا وہ تو اپنے دین ہی کو ذریعہ معاش بنالیتا ہے۔ جناب امام محمد باقرؑ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارا روزگار کیا ہے کیا کرتے ہو؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ کچھ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک دوکان لے لو۔ اس کے صحن کو جھاڑو اور پانی چھڑکو اور فرش بچھا کر بیٹھ جاؤ۔ جب تم نے اتنا کر لیا تو اپنا حق و فرض ادا کر چکے۔ ابو حمارہ راوی ہے کہ میں امام صادقؑ سے عرض کہ میرا سب مال و متاع جاتا رہا میرے عیال بہت ہیں اب میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ جب کوفہ تیرا جانا ہو تو اپنی دوکان کے در کھول دینا بساط بچھا کر بیٹھ جانا ترازو رکھ دینا اور اسی طرح خدا کا رزق طلب کرنا۔

طریقہ احسن سے مال جمع کرنا

لا خير في من لا يحب جمع المال من حلال فكيف به وجه و يقضى دينه۔ یعنی اس شخص کے اندر کوئی بھلائی نہیں جو حلال کا مال جمع نہیں کرتا تا کہ اپنی آبرو قائم رکھے اور قرض ادا کرے۔

صلہ رحم و سخاوت

جناب امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ صلہ رحم کرنا اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنا گھروں کو آباد کرتا ہے اور عمر کو دراز کرتا ہے۔ در حدیث حسن از جناب صادق منقول ہے کہ ہم کوئی چیز نہیں جانتے جو عمروں کو دراز کرے مانند صلہ رحم کے۔ اگر ایک شخص کی عمر تین سال کی باقی ہے تو صلہ رحم سے وہ ۳۳ سال کی ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی کی عمر ۳۳ سال کی باقی ہے تو قطع رحم سے ۳ سال کی رہ جاتی ہے۔ ایک معتبر حدیث میں روایت ہے کہ کسی نے امام جعفر صادق سے سوال کیا کہ میرے رشتہ داران ہیں لیکن وہ شیعہ نہیں کیا ان کا بھی کچھ حق مجھ پر ہے آپ نے فرمایا کہ صلہ رحم کو کوئی چیز منقطع نہیں کرتی۔ ان کا حق بھی تیرے اوپر ہے۔ اگر شیعہ ہوتے تو دو حق ہوتے حق رحم و حق اسلام۔ صلہ رحم اور برادران مومن کے ساتھ نیکی کرنا حساب قیامت کو آسان کرتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ ایک حدیث حسن

میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت نے کہ صراط حشر کے ایک طرف صلہ رحم ہے اور دوسری طرف امانت ہے اگر کوئی صلہ رحم کرتا ہے اور امانت میں خیانت نہیں کرتا تو وہ بآسانی صراط پر سے گذر جائے گا۔ لیکن اگر کسی نے امانت میں خیانت کی ہے اور صلہ رحم قطع کر دیا ہے۔ اس کو کوئی اور عمل فائدہ نہ پہنچائے گا اور وہ دوزخ میں جائے گا۔

حقوق ہمسایگان

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے ہمسایہ کو تکلیف نہیں پہنچاتا خداوند تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہوں سے درگزر کرے گا۔ جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں کہ جو اپنے ہمسایہ کو آزار پہنچائے گا۔ خداوند تعالیٰ اس پر بوئے بہشت حرام کر دے گا۔ اور اس کا ماویٰ جہنم ہوگا۔ جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ تیرے مکان کے ہر چہار طرف کے چالیس چالیس مکان ہمسایہ ہیں۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جو بد ترین بلا ہیں۔

۱۔ وہ بادشاہ یا حاکم کہ تو اس کے ساتھ احسان کرے اور وہ تیرا شکر گزار نہ ہوا۔ اور اگر بدی تو کرے وہ تجھے نہ چھوڑے۔

۲۔ وہ ہمسایہ جس کی آنکھ تجھ کو دیکھتی ہے اور اس کا دل تیری موت چاہتا ہے اگر تیری نیکی دیکھتا ہے تو اس کو چھپاتا ہے اور اگر بدی دیکھے تو اس کو ظاہر و منتشر کر دے۔

۳۔ وہ زوجہ کہ اگر تو موجود ہو تو تجھے خوش نہ کرے اور اگر تو غائب ہو تو تیرا دل اس کی طرف سے مطمئن نہ ہو۔

جناب رسول خداؐ سے دریافت کیا کہ آیا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور حق بھی ہے آپ نے فرمایا کہ ہے نیکی واحسان کرنا۔ اپنے رشتہ داروں سے جو تیرے ساتھ بدی کرتے ہیں اور نیکی کرنا مسلمان ہمسایہ کے ساتھ۔ وہ شخص میرے اوپر ایمان نہیں رکھتا جو خود تو سیر ہو کر کھالیتا ہے اور اسکا ہمسایہ بھوکا رہتا ہے۔

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ مال پر دیگر حقوق کے علاوہ حق ماعون ہے۔ ماعون قرض ہے کہ جو ہمسایہ کو دیتا ہے۔ نیکی ہے جو ان سے کرتا ہے۔ اور ضروریات خانہ عاریتاً اِن کو دیتا ہے۔ اگر یہ حق ادا نہ کرے گا تو حق تعالیٰ نے اس کو جہنم کا وعید دیا ہے۔ راوی نے عرض کی کہ میرے ہمسایہ ہیں جو چیز میں عاریتاً انکو دیتا ہوں وہ توڑ دیتے ہیں۔ کیا اس صورت میں بھی مجھ پر گناہ ہے اگر میں ان کو دینے سے انکار کروں۔ آ نے فرمایا کہ اس صورت میں تم انکار کر سکتے ہو۔

حقوق یتیمان

یتیم کا مال بناحق کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ جو شخص یتیم کی حفاظت کرے گا اور اس کو

نفقہ دیگا تو جنت میں میں اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے ہمسایہ ہوں گے۔ آنحضرت نے ارشارہ انگشت شہادت و درمیانی انگشت کی طرف کیا۔

جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ ہر مرد مومن یا زن مومنہ جو از روئے شفقت یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تو ہر بال کے بجائے جو اس کے ہاتھ سے مس ہوتا ہے اس کو ایک حسنہ ملتا ہے۔

درحدیث دیگر مرقوم ہے کہ جب یتیم روتا ہے تو عرش الٰہی کو لرزہ ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ کون ہے جس نے میرے اس بندہ کو رلایا ہے۔ جس کے مادر پدر کو میں نے اٹھالیا ہے۔ میں اپنے عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں کہ جو اس یتیم کو تسلی دے گا اور ساکن کرے گا میں اس پر بہشت واجب کرونگا۔

.......☆.......

باب ﴿۲۶﴾

تبلیغ دین و تنظیم ملت

(۳) حکمت و عقل کے جواہر ریزے

منقول از حلیۃ الاولیاء والجلد الثالث صفحہ نمبر ۱۹۲ الغایت ۲۰۶ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ

بجوار محافظہ مصر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

فقہا رسولوں کے امانت دار ہیں۔ جب تم فقہا کو دیکھو کہ وہ بادشاہوں کے دربار کی طرف جارہے ہیں یعنی ان سے متمسک ہو رہے ہیں تو تم ان کو ملامت کرو۔

نماز متقی لوگوں کی قربانی ہے حج ضعیفوں کا جہاد ہے، روزہ بدن کی زکوۃ ہے داعی بلا عمل (وہ لوگ جو اوروں کی طرف بلائیں اور خود عمل نہ کریں) ایسا ہے کہ جیسا بغیر کمان کے تیر چلانے والا۔ رزق طلب کرو صدقہ کے ساتھ۔ اپنے اموال کو محفوظ کرو زکوۃ سے۔ وہ مفلس نہیں ہوتا میانہ روی اختیار کرتا ہے۔ تدبیر نصف زندگی ہے۔ لوگوں سے محبت کرنا نصف عقل ہے۔ عیال کم ہونا باعث فراخی ہے۔ جس نے اپنے والدین کو غمگین کیا وہ عاق ہوا۔ جس نے اپنی مصیبت کے وقت اپنے زانوں کو پیٹا اس نے اس مصیبت کا اجر کھو دیا۔ خداوند تعالیٰ مصیبت کے وقت صبر دیتا ہے اور رزق تمہارے بار کفالت کے مطابق دیتا ہے۔

تقویٰ سے افضل کوئی زاد راہ نہیں ہے۔ خاموشی سے بہتر کوئی شے نہیں ہے۔ جہل سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں ہے۔ اور جھوٹ بڑھ کر کوئی زیادہ مضر کوئی مرض نہیں ہے۔

سفیان ثوری سے فرمایا کہ اے سفیان جب تجھ کو ایسی شئے ملے جس کو تم اچھا نہیں سمجھتا تو اکثر الحمد اللہ کہتا رہ۔ اور ایسی شئے تجھ پر پڑے جس کو تو برا سمجھتا ہے تو زیادہ تر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا رہ۔ اور اگر رزق کی کمی ہو جائے تو استغفار کہتا رہ۔

دین کے معاملے میں خصومت نہ کرو کیونکہ جو خصومت کرتا ہے اس کا دل اس میں مشغول ہو جاتا ہے اور نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ تین خصلتیں جس میں ہوں وہ منافق ہے۔

(۱) اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے یعنی جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے

(۲) وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔

(۳) جب کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔

تین قسم کے لوگوں سے پرہیز کرو۔

(۱) خائن (۲) ظالم

(۳) چغلخور

اگر کبھی اس سے خیانت کر کے تم کو فائدہ پہنچایا تو وہ تمہارے ساتھ بھی خیانت کرے گا۔ اگر اس نے تمہاری خاطر ظلم کیا ہے تو وہ تم پر بھی ظلم کرے گا، اگر دوسروں کی چغلی تم سے کرتا ہے تو تمہاری دوسروں سے کرے گا۔

کوئی شخص امین (دیانت دار) کہلائے جانے کے قابل نہیں جب تک اس کے پاس اگر یہ چیزیں امانت رکھی جائیں تو وہ خیانت نہ کرے یعنی اموال، اسرار، اور فروج یعنی عورتیں۔ اگر اس نے دو کی حفاظت کی اور تیسرے کی حفاظت نہ کی تو وہ امین نہیں ہے۔

کبھی احمق سے مشورہ نہ کرو دروغ گو سے مدد نہ چاہو اور ملول و عاجز شخص کی محبت پر بھروسہ نہ کرو۔ دروغ گو تو تمہیں بعید کو قریب اور قریب کو بعید کر کے دیکھائے گا۔ احمق صرف اپنی عقل کے مطابق مشورہ دیگا اور مقصد کو نہ پہنچے گا۔

جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ سردار ہوگا۔

(۱) غصے کو پی جانا (۲) خطا سے درگذر کرنا

(۳) جان مال سے فائدہ پہنچانا

تین چیزوں میں نجات ہے:

(۱) اپنی زبان پر قابو رکھنا (۲) اپنی خطاؤں پر نادم ہونا

(۳) اپنے دستر خوان کو وسیع کرنا

جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی ان کا وبال اس پر ہی پڑے گا۔

(۱) مکر (۲) نقض عہد

(۳) سرکشی

چنانچہ خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ولا یحیق المکر السی الا باھلہ ۔۳۵:۴۳

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۔۲۷:۵۱

فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۔۴۸:۱۰

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۔۱۰:۲۳

تین چیزیں انسان کو بلندی حاصل کرنے سے روکتی ہیں۔

(۱) ہمت کی کمی (۲) حیا کی کمی

(۳) ضعف رائے

انسان کی خوشی کی باعث یہ تین چیزیں ہیں۔

(۱) زوجہ اپنی طبیعت کے موافق ہو۔ (۲) اولاد نیک ہو

(۳) دوست صاف دل

یہ تین چیزیں ہیں جس میں انسان کو عذر نہ ہونا چاہیے۔

(۱) مشاورت ناصح (۲) مدارات حاسد

(۳) لوگوں سے محبت کرنی۔

اگر تجھ کو اپنے بھائی کی طرف سے ایسی خبر پہنچے جو تجھ کو بری لگتی ہے (یعنی تو یہ سنے کہ تیرا بھائی تیری برائی کرتا تھا) تو غمگین نہ ہو۔ اگر وہ بات سچی ہے جو وہ کہتا ہے تو عقوبت (سزا) تجھے جلدی سے مل گئی اور اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے تو تجھے بغیر نیک کام کئے ہوئے نیکی کا ثواب مل گیا۔ موسیٰ نے خدا سے دعا کی کہ یارب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ کوئی مجھے برا نہ کہے ہمیشہ ذکر خیر سے یاد کرے۔ خداوند تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو وہ بات ہے جو میں نے اپنے نفس کے لئے بھی نہیں کی۔

خداوند تعالیٰ نے دنیا کی طرف وحی کی کہ تو اس کی خدمت کر جو میری خدمت کرے اور اس پر عتاب کر جو تیری خدمت کرے۔

منقول من تحف العقول۔ از اعیان الشیعہ الجز الرابع القسم الثانی صفحہ نمبر ۱۸۵

(۱) نکتہ چینی سے عداوت پیدا ہوتی ہے

(۲) بے صبری باعث فضیحت ہے راز داری نہ کرنے سے انسان نظروں سے گر جاتا ہے

(۳) سخاوت سے بزرگی ملتی ہے اور زیادہ ملامت کرنے دے تغافل پیدا ہوتا ہے۔

تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان سے تمسک کی تو دارین کی فلاح ہے یعنی

(۱) خدا سے اعتصام (۲) قضائے الٰہی پر راضی ہونا

(۳) خدا کے نسبت حسن ظن رکھنا۔

تین چیزیں ہیں جن کی افراط کرنے سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

(۱) جوادو سخی سے خواہش عطا (۲) مصاحبت عالم

(۳) دربار دوری سلطان

تین چیزوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۱) دین (۲) تواضع

(۳) سخاوت

جس شخص نے تین چیزیں ترک کیں اسے تین چیزیں مل جاتی ہیں۔

(۱) جس نے شر کو ترک کی اسے عزت ملی

(۲) جس نے کبر و غرور کو چھوڑا اس کو کرامت حاصل ہوئی

(۳) جس نے بخل کو ترک کی اسے شرف ملا۔

تین چیزوں سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔

(۱) نفاق (۲) ظلم

(۳) غرور

جس میں یہ تین چیزیں نہیں ہیں وہ بزرگ نہیں ہوتا۔

(۱) عقل کہ اسے زینت دے (۲) جدت فکر کہ اسے غنی کرے

(۳) اولاد و نزدیکی رشتہ داران کہ اسے تقویت پہنچائیں۔

تین چیزیں انسان کی قیمت کو کم کرتی ہیں اور عیب پہنچاتی ہیں

(۱) حسد (۲) چغلخوری

(۳) طیش

تین چیزیں موقعوں پر آزمائی جاتی ہیں اور ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) حلم غضب کے وقت (۲) شجاعت لڑائی کے وقت

(۳) بھائی حاجت کے وقت

عاقل وہ ہے جو ان تین کو خفیف نہ سمجھے اور ان تینوں کو بھی چاہئے کہ اسے خفیف نہ سمجھیں وہ تین یہ ہیں۔

(۱) علماء، بادشاہ اور دوست واصحاب جس نے علماء کو خفیف سمجھا اس نے اپنا دین خراب کیا

(۲) جس نے بادشاہ کو خفیف سمجھا اس نے اپنی دنیا خراب کی

(۳) جس نے اپنے برابر کے دوست واصحاب کو خفیف سمجھا اس نے اپنی مروت کو خراب کیا۔

تین آدمی زندگی کو مکدر کرتے ہیں۔

(۱) ظالم بادشاہ (۲) برا ہمسایہ

(۳) بدزبان و بدمزاج عورت

ہر شہر کے رہنے والے ان تین آدمیوں کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ دین و دنیا کیلئے ان کی ضرورت ہے۔

(۱) یعنی فقیہہ عالم و پرہیزگار (۲) امیر خیر جس کی اطاعت کی جائے

(۳) طبیب حاذق

دوست کا امتحان تین چیزوں سے کر سکتے ہو۔ اگر ہو ان میں پورا اترے تو سچا دوست ہے ورنہ زمانہ فراخی میں تھا تمہارا دوست رہے گا۔ تنگی میں دوست نہ ہوگا۔ وہ تین چیزیں جن سے دوست کا امتحان ہو سکتا ہے۔ یہ ہیں:۔

(۱) اس سے مال مانگو (۲) یا مال اس کے پاس سپرد کرو بطور امانت کے

(۳) یا مکروہ و مصائب میں اس کو شریک کرو

اولاد کے اوپر والدین کے تین حقوق ہیں۔

(۱) ہر حال میں ان کا شکر کرنا۔

(۲) سوائے معصیت خدا کے ہر حال میں ان کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرنی۔

(۳) ان کی طرف سے دل صاف رکھنا۔

دوست و احباب آپس میں تین چیزوں کے محتاج ہیں۔ اگر ان پر عمل کریں گے تو آپس میں دوستی رہے گی۔ ورنہ آپس میں عداوت ہو جائے گی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

(۱) انصاف (۲) ہمدردی و نفی حسد

(۳) حسد نہ کرنا

تین چیزیں اپنے کرنے والے کی عقل کی خبر دیتی ہے۔ قاصد اپنے بھیجنے والے کے عقل کی۔ ہدایت اپنے ہدایت کرنے والے کی سمجھ کی، اور کتاب اپنے مصنف یا کاتب کے قدر و عظمت کی۔

علم تین چیزوں کا ہوتا ہے۔

(۱) آیات محکمات (۲) فریضہ عادلہ

(۳) سنت قائمہ کا

تین دن ہوتے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ دن جو گزر گیا، وہ کبھی واپس نہ آئے گا

(۲) دوسرا وہ دن جو موجود ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اس کو غنیمت سمجھے اور اس کی قدر کرے

(۳) تیسرا وہ دن جو آنے والا ہے انسان کو چاہئے کہ اس کا استعمال اچھی طرح کرے۔

اگر کسی میں یہ تین خصلتیں نہیں ہیں تو ایمان اس کو فائدہ نہ پہنچائے گا۔

(۱) حلم جس سے جاہل کے جہل کا مقابلہ کیا جاتا ہے
(۲) پرہیزگاری جو محرمات سے محفوظ رکھتی ہے
(۳) حسن خلق جس سے لوگوں کی مدارات کی جاتی ہے

جس میں یہ تین خصلتیں نہیں ہیں اس کا ایمان کامل نہیں ہے۔

(۱) جب اس کو غصہ آئے تو اس کا غصہ اسے حق سے نہ نکال دے
(۲) جب وہ خوش و راضی ہو تو اس کی خوشی اسے باطل کی طرف نہ لے جائے
(۳) باوجود قدرت ہونے کے لوگوں سے درگزر کرے

حقیقت الایمان یہ ہے کہ تین خصلتیں موجود ہوں، دین کے امور میں غور و فکر رہائش اندازہ کے ساتھ

(۱) یعنی نہ اسراف کرے (۲) نہ بخل کرے
(۳) صبر مصائب میں

علم سپر ہے، صدق عزت ہے، جہل ذلت ہے، فہم بزرگی ہے۔ سخاوت فتح مندی ہے حسن خلق محبت کو بڑھاتا ہے، جو شخص اپنے زمانہ سے واقف ہے۔ وہ دھوکا نہیں کھاتا۔ احتیاط غور کے لئے چراغ راہ ہے۔ عالم لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔ جاہل دھوکہ کھاتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو بزرگ ہو تو نرمی اختیار کر اور اگر تو چاہتا ہے کہ لوگوں میں ذلیل ہو تو سختی اختیار کر جس کی اصل کرم ہے۔ اس کا دل نرم ہے اور جس کی جلبت سخت ہوتی ہے اس کا عنصر غلیظ ہوت ہے۔ جس نے کسی کام میں حد سے زیادہ زیادتی کی وہ مشکلات میں پھنسا۔

جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ دوستی کی چند حدیں اور شرطیں ہیں جب تک کہ ایک ایک کر کے وہ سب شرطیں کسی میں نہ ہوں اس کو دوست مت کہو:

اول۔ تو یہ کہ آشکارو پنہاں تجھ سے نیکی کرے۔
دوم۔ تیری زینت و خوبی کو اپنی زینت و خوبی جانے اور تیرے عیب کو اپنا معیب سمجھے۔
سوم۔ اگر اس کو مال یا حکومت بھی مل جائے تو تیرے ساتھ جو اس کا سلوک ہے وہ متغیر نہ ہو۔
چہارم۔ جس سے اس کو توانائی و طاقت پہنچے تجھ سے وہ دریغ نہ کرے۔
پنجم۔ مصیبت و بلا کے وقت تجھے نہ چھوڑے اور تیری دوستی کو منقطع نہ کرے۔

جو شخص تین دفعہ تجھ سے بدی دیکھے کہ جس کی وجہ سے اس کو غصہ آئے اور پھر بھی تجھے نہ چھوڑے اس کو اپنی دوستی کے لیے منتخب کرلے۔

اپنے برادر و دوست پر اتنا اعتبار نہ کرو کہ اپنے سب راز اس کو بتا دو۔ ممکن ہے کہ کبھی دوستی میں فرق پڑے تو پھر تیرے لئے کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ (ماخوذ از کشف الحقائق مولوی مظہر حسین)

جناب امام جعفر صادق ارشاد فرماتے ہیں:

وجدت علم الناس کلھم فی اربع اولھا ان تعرف ربك و الثانی ان تعرف ما صنع بك والثالث ان تعرف ما اراد منك و الرابع ان تعرف ما یخرجك عن دینك

ترجمہ: تمام آدمیوں کا علم چار قسم کا ہونا چاہئے۔

اول تو یہ کہ تو اپنے رب کی معرفت حاصل کرے۔

دوسرے یہ کہ جو احسانات خدا نے تیرے ساتھ کئے ہیں ان کو معلوم کرے۔

تیسرے یہ کہ تو معلوم کرے کہ خدا تجھ سے کیا چاہتا ہے۔

چوتھے ان چیزوں کا علم ہونا چاہئے جو تجھ کو دین سے خارج کرتی ہیں۔

ناظرین کو چاہئے کہ اس مقولہ پر اچھی طرح غور کریں۔ اس پر عمل کرنے سے انسان کو دین و دنیا کی خبر مل سکتی ہے۔

ان اللہ لا یشبہ شیئا و لا یشبہ شئی و کلما وقع فی الوھم فھو خلافہ

ترجمہ: خداوند تعالیٰ کسی شئے کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی شئے اس کے مانند ہے جو کچھ بھی انسان اسکے متعلق خیال کر سکتا ہے۔ دراصل خدا اس کے خلاف ہے۔ یعنی خداوند تعالیٰ کی کنہ کا کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا ہے

یا زرارہ اذا کان یوم القیامۃ وجمع اللہ الخلائق سئلھم عما عھد الیھم و لم یسئلھم عما قضیٰ علیھم

ترجمہ: اے زرارہ! جب روزہ قیامت ہوگا اور خدا مخلوق کو جمع کرے گا تو ان سے اس عہد کی نسبت سوال کرے گا جو روز الست اس نے تمام مخلوق سے لیا تھا اور ان امور کا سوال نہ کرے گا جو اس نے ان کے اوپر وارد کئے تھے یعنی معرفت رب انسان کی فطرت میں ہے اور اس سے سوال ہوگا۔ کہ جو انبیاء خدا نے بھیجے ان کو انہوں نے پہنچایا یا نہیں۔ اور اوامر و نواہی خداوندی کی اطاعت کی یا نہیں۔ اور جو افعال انہوں نے مجبور ہو کر کئے ہیں ان سے سوال نہ ہوگا۔

کفارۃ عمل السلطان الاحسان الی الاخوان

ترجمہ: بادشاہی عہدوں پر کام کرنے کا کفارہ یہ ہے کہ اپنے برادران مومن کو نیکی پہنچائے

ہندوستان میں یہ مسئلہ عرصہ تک فقہا کی زیر بحث رہا کہ انگریزوں کی نوکری جائز ہے یا نہیں۔ اس ہی فرمان جعفری کے زیر نظر شیعہ علمائے فتویٰ دیا تھا کہ اس نیت سے نوکری کرو کہ ہم برادران مومن کو اس عہدہ میں رہ کر فائدہ پہنچائیں اور جب موقعہ ملے تو ضرور فائدہ پہنچاؤ۔ لیکن ایک شرط یہ ہے کہ وہ عہدہ خود ہی ناجائز نہ ہو۔ مثلاً شراب فروشی، سنیما کی ڈائرکٹری، عصمت فروشی کا ٹیکس وصول کرنا وغیرہ وغیرہ اور ان میں برادران مومن کو فائدہ

پہنچانے کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

لا یجو ز الصلوٰۃ لحاقن و لا لحاقب و لا لحازق فالحاقن الذی به البول و الحاقب الذی به الغائطوا الحاذق الذی قد ضغطه الخف ۔

ترجمہ: تین آدمیوں کی نماز جائز نہیں۔

(۱) ایک تو وہ جس کو پیشاب لگا ہو اور وہ اسی حالت میں نماز پڑھے۔

(۲) دوسرا جس پر پاخانہ کا زور ہو۔

(۳) تیسرا وہ جس پر موزوں کی تنگی ہو۔

روٹی کی تعظیم کرو۔ یعنی اس کو چاقو وغیرہ سے نہ کاٹو، پاؤں میں نہ کچلو اور جب دسترخوان پر روٹی حاضر ہو جائے تو پھر کسی اور کا انتظار نہ کرو۔

صدقہ و خیرات پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہر چیز کا ایک خازن ہے صدقہ کا خازن خود خداوند تعالیٰ ہے۔ میرے والد بزرگوار جب کوئی شئے تصدق کرتے تھے تو پہلے اسکو سائل کو دیتے تھے۔ اور پھر اس سے لے کر اس کو چومتے تھے، سونگھتے تھے اور پھر سائل کو دیتے تھے۔ رات کو خیرات آتش غضب خداوندی کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ گناہان کبیرہ محو کرتی ہے اور باعث آسانی حساب ہے۔ اور دن کا صدقہ مال کو بڑھاتا ہے اور عمر کو زیادہ کرتا ہے۔ احسان کے بعد نیکی کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔ کیونکہ پچھلی بندش پہلی نیکیوں کو بھلا دیتی ہے اور زبان مدح کو بند کر دیتی ہے۔

یہ بہت غور کرنے کی بات ہے۔ میرے ایک بہت اعلیٰ سرکاری عہدہ دار کہا کرتے تھے کہ وہ دس نیکیاں کریں۔ اگر گیارھویں نہ کرنے گے تو وہ شخص جس کو نیکیاں پہنچتی رہی ہیں ناراض ہو جائے گا۔ ان کا خیال تھا کہ اسے ناراض نہ ہونا چاہئے۔ اور راقم الحروف کا بھی یہی تجربہ تھا اور یہی خیال تھا۔ لیکن امام کے بلند فلسفہ کو سمجھنے کے بعد میں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ غلطی ان کی ہی تھی کہ نیکی کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جس شخص کو خدا دوسروں کے ساتھ نیکی کرنے کے مقام پر رکھے تو اسے چاہئے کہ اس کی قدر کرے۔

اذا ملق احیاناً اتاجر با لله با لصدقه

ترجمہ: جب میں تنگ دست ہو جاتا ہوں تو صدقہ کے ساتھ خدا سے تجارت کرتا ہوں۔ میں صدقہ دیتا ہوں تو خدا مجھے مال دیتا ہے۔

لا یتم المعروف الا بثلاثة بتعجیله و بتصغیره و ستره

ترجمہ: نیکی تین باتوں سے کامل ہوتی ہے۔ جلد دینے سے، عطیہ کو حقیر سمجھنے سے اور اس کے اخفا کرنے سے۔

جو شخص اپنی آمدنی کو اندازہ سے زیادہ خرچ کرتا ہے خدا اس کی روزی کو بڑھاتا ہے اور جو فضول خرچی کرتا

ہے محروم رہتا ہے۔

حق تعالیٰ احمقوں کو رزق دیتا ہے تاکہ عقلا اس سے عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ توسیع رزق سعی وتدبیر سے نہیں۔

میں دشمن کی حاجت برلانے میں تعجیل کرتا ہوں کہ مبادا تاخیر کروں تو وہ مجھ سے بے نیاز ہو جائے۔

ایسے شخص سے لیکر نہ کھاؤ جو پہلے مفلس تھا۔ پھر مالدار ہو گیا۔

لڑکیاں حسنات ہیں اور لڑکے نعمات۔ حسنات پر ثواب ملتا ہے اور نعمات کا حساب ہوتا ہے۔

فرمایا کہ دختر مثل پھول کے ہے تو سونگھتا ہے اور روزی اس کی خدا پر ہے۔

جو شخص دو لڑکیوں یا دو بہنوں یا دو پھوپھیوں یا دو خالاؤں کی خورد ونوش کا کفیل ہوتا ہے تو وہ دونوں اس کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھیں گی۔

بیس روزہ کی مصاحبت قرابت ہے۔ یعنی بیس روزہ تک ساتھ رہیں تو وہ بمنزلہ رشتہ دار کے ہو جاتے ہیں۔

چار چیزیں ہیں جن کا تھوڑا بھی بہت ہے۔

(۱) آگ (۲) دشمنی

(۳) قرض (۴) فقیری

مرد کے عیال اسکے اسیر ہیں۔ جس کو حق تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے تو چاہئے کہ اپنے اسیروں کو بھی اس میں شامل کرے۔

تین چیزیں دین وعقبیٰ میں باعث فضیلت ہیں۔

(۱) نیکی اس کے ساتھ جس نے بدی کی ہو۔ (۲) عطا اس کو جس نے محروم کیا ہو۔

(۳) صلۂ رحم اس سے جس نے قطع رحم کیا ہو۔ (۴) فقیری

اچھے آدمیوں میں پانچ خصلتیں ہوتی ہیں۔

(۱) نیکی کر کے خوش ہو۔ (۲) بدی کر کے پشیمان ہو اور توبہ کرے۔

(۳) کچھ اسے دیں تو شکر گزار ہو۔ (۴) مصیبت میں صبر کرے۔

(۵) کوئی اس سے بدی کرے تو وہ بخش دے۔

چھ گروہ چھ خصائل سے ہلاک ہوئے۔

(۱) امیر وحاکم ظلم وسختی سے (۲) غربا ومفلسی عیب جوئی سے

(۳) اغنیا کبر ونخوت سے (۴) تجار فریب وخیانت سے

(۵) دہقان جہل وحماقت سے (۶) علماء حسد وعداوت سے

توبہ کرنے میں تاخیر نہ کرو اور خدا کی مغفرت پر بھروسہ کر کے گناہوں پر اصرار نہ کرو۔

جو شخص اپنے تئیں رغبت، خوف، اشتہا، غضب اور رضا میں قابو میں رکھے تو حق تعالیٰ آتش جہنم اس پر حرام کرتا ہے۔

آدمی کے لئے سب سے اچھی وقار بلا ہیبت بخشش بے توقع عوض اور شغل سوائے امور دنیا کے۔

موسم سرما بہار ہے مومن کی۔ اس کی دراز راتوں میں وہ عبادت خدا کرتا ہے اور کوتاہ دنوں میں روزہ آسانی سے رکھ سکتا ہے۔

ادائے امانت میں بہت تاکید فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر قاتل حسین بھی تمہارے پاس امانت رکھے تو جتنا اس کو واپس کردو۔

رحمت خدا سے امیدوار رہو۔ لیکن نہ اتنا گناہوں پر دلیر ہو جاؤ اور قہر خدا سے ڈرو لیکن نہ اتنا کہ اس کی رحمت سے مایوس ہو جاؤ۔

چار چیزیں دنیا میں طلب نہ کرو۔ کیونکہ تم ان کو نہ پاؤ گے اور بغیر ان کے چارہ بھی نہیں

(۱) ایسا عالم مت طلب کرو جو اپنے علم پر پورا پورا عمل کرے ایسا نہیں ملے گا اور تم بغیر عالم کے رہ جاؤ گے۔

(۲) ایسا عمل کے درپے نہ ہو کہ شائبہ ریا سے خالی ہو۔ ایسا نہ ہو سکے گا اور تم بغیر عمل کے رہ جاؤ گے

(۳) ایسا طعام تلاش نہ کرو کہ ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک وصاف ہو یہ بہت مشکل ہے اور تم بغیر طعام کے رہ جاؤ گے

(۴) ایسا دوست مت ڈھونڈو جو تمام عیوب سے مبرا ہو۔ یہ بالکل ناممکن ہے اور تم بغیر دوست کے رہ جاؤ گے۔

......☆......

باب ﴿۲۷﴾

نشر علوم، تبلیغ دین اور تنظیم ملت

(۴) چند احادیث جو امام جعفر صادق سے مروی ہیں۔

بہت سی احادیث جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ یہاں وہ احادیث لکھتے ہیں۔ جو حافظ ابونعیم اصفہانی نے اپنی حلیۃ الاولیا میں نقل کی ہیں۔ دیکھو حلیۃ الاولیا المجلد الثالث صفحہ نمبر ۱۹۲ الغایت ۲۰۶

مودۃ فی القربیٰ

(۱) ایک اعرابی جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ آپ مجھے اسلام سے آگاہ کیجئے۔ فرمایا کہ کہو لا الٰہ الااللہ و حدہ لا شریك لہٗ وان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ اعرابی نے کہا کہ آپ اس کی کچھ اجرت لیتے ہیں۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میرے اقرباء سے محبت کرو۔ اعرابی نے کہا کہ میرے اقربا یا آپکے اقربا سے۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میرے اقربا سے۔ اس اعرابی نے کہا کہ میں آپ کی بیعت کرتا ہوں اس پر کہ جو آپ سے اور آپ کے اقرباء سے محبت نہ کرے اس پر خدا کی لعنت۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔ آمین۔ (صفحہ ۲۰۱)

تقویٰ و خوف خدا

(۲) جس شخص کو خدا عصیان کی ذلت سے بچا کر تقویٰ کی عزت دیتا ہے اس کو گویا بغیر مال کے غنی کرتا ہے، بغیر قبیلہ کے معزز کرتا ہے اور بغیر مونس کے اس کو انسیت عطا کرتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے۔ خدا اس کا خوف ہر شے میں پیدا کر دیتا ہے اور جو خدا سے نہیں ڈرتا خدا ہر ایک شے سے اسکو ڈراتا ہے۔ جو شخص خدا کی طرف سے تھوڑے سے رزق سے راضی ہو جاتا ہے خدا اس کے تھوڑے سے عمل سے راضی ہو جاتا ہے۔ جو شخص طلب معیشت کرتا ہے اس کی تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ حال اس کا اچھا ہو جاتا ہے اور اس کی عیال پر نعمت نازل ہوتی ہے۔ جس نے دنیا کی اشیاء سے زہد اختیار کیا خدا اس کے دل کو حکمت سے بھر دیتا ہے اور اس کی زبان سے حکمت جاری ہوتی ہے اور اس کو خدا دنیا سے سلامتی کے ساتھ اٹھاتا ہے۔

مظلوم کی بددعا

(۳) فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ اے علیؑ مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ وہ خدا سے اپنا حق مانگتا ہے اور خدا کسی

شخص سے اس کا حق نہیں روکتا۔

(۴) ایک خطبہ میں فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ گویا موت دوسروں کے لئے ہے ان کے لئے نہیں ہے۔ فرائض اوروں پر واجب ہیں ان پر نہیں۔ اس طرح دوسروں کی میراث کھاتے ہیں گویا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کو اپنے عیبوں کی تلاش دوسروں کے عیبوں کی تلاش سے روکتی ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جو رزق حلال حاصل کرتا ہے۔ جس کا پوشیدہ (اندرونی حالت دلکی) نیک ہے اور ظاہر بھی اچھا ہے جو غیر معصیت سے جمع کیا ہوا مال راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اہل فقہ وحکومت سے ملتا ہے۔ غریبوں پر رحم کرتا ہے خوش قسمت ہے وہ جو اپنی ضرورت سے زائد مال کو راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور ضرورت سے زیادہ بولنے سے اپنی زبان کو روکتا ہے۔

(۵) ایمان کے بعد بہترین کام عقل کا یہ ہے کہ انسان لوگوں سے محبت کرے۔

(۶) ہر ایک راوی نے حلف غلیظ کے ساتھ بیان کیا اور سلسلہ رواۃ جناب رسول خداؐ تک پہنچتا ہے۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جبریل نے مجھ سے کہا اے محمد مدمن الخمر (شراب پینے والا) ایسا ہی ہے جیسا کہ بتوں کی عبادت کرنے والا۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مدمن الخمر ہے کہ شراب کو حلال سمجھے خودخواہ اس نے اپنی عمر میں ایک ہی دفعہ پی ہو۔

(۷) فرمایا جناب رسول خدا نے کہ خداوند تعالیٰ قرض دینے والے کے ساتھ ہے جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے اگر قرض مکروہ شے کیلئے نہیں دیا گیا۔

.......☆.......

باب ۲۸

نشر علوم، تبلیغ دین و تنظیم ملت

(۵) فلسفہ ایران و یونان

کسی شاعر نے تصوف کی رو میں کہ جب اس کے اوپر حالت مراقبہ اور کیفیت "حال" طاری ہو گی یہ کہا تھا کہ

کفر و دیں ہر دو در رہت پویان
وحدہ لاشریک لہٗ گویان

ہم نے تو کبھی کفر کو وحدہ لاشریک لہٗ کہتے نہیں سنا یہ ہی تو اس کی ہمیشہ لڑائی رہی ہے اگر رستہ ایک ہے۔ مقصد بھی ایک ہے اور شعار بھی ایک ہی ہے تو پھر تصادم ناممکن ہے۔ لیکن کفر دین کی لڑائی تو اس وقت سے جاری ہو گئی جب سے کہ ابلیس نے خدا کو موجودہ طرز بیان کی شکل میں کھلا ہوا چیلنج دیا۔ اگرچہ اس چیلنج میں شکست کا اقبال شروع ہی سے شامل تھا۔

قال ربّ بما اغویتنی لا زیّننّ لہم فی الارض ولا اغوینہم اجمعین الّا عبادك منہم المخلصین قال ھذا صراط علیّ مستقیمٌ انّ عبادی لیس لك علیہم سلطانٌ الّامن اتّبعك من الغاوین صفحہ ۱۵: ۳۹، ۴۰، ۴۱

شیطان کے اصلی پیرو کون

شیطان نے بھی مان لیا، خدا نے بھی فرمایا کہ خدا کے مخلص بندوں پر شیطان کا بس نہیں چلے گا۔ جو شیطان کی پیروی کرے گا اسے جہنم بھر دیا جائے گا۔ اب جہنم والوں کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک تو وہ جو بغیر شیطان کے بہکائے ہوئے خود ہی ضلالت میں جا رہے ہیں۔ شیطان کو انکے ساتھ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وہ جو شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ پہلی قسم میں کفار آتے ہیں جو خدا کی ذات وصفات کے منکر ہیں۔ شیطان کو خدا کی ہستی اور اس کی سطوت و جبروت سے انکار نہ تھا۔ لہذا کفار شیطان کی کیا پیروی کرینگے بلکہ وہ تو اور شیطان کو اپنی اطاعت و پیروی کی دعوت ہیں۔ شیطان اچھی طرح جانتا تھا کہ اس لڑائی میں میں ہار جاؤنگا خدا مجھ کو اور میرے مقلدین کو جہنم میں ڈال دیگا۔ لیکن محض چند ایام کی حکومت و سلطنت و حسد وغرور کے جذبات نے اس سے نافرمانی کرائی۔ بہت عرصہ تک عبادت کر چکا تھا۔ خدا کے قرب میں رہکر اس کے جبروت و سطوت سے واقف تھا۔ لیکن یہ سب اعمال نسیاً منسیاً ہو گئے۔ شیطان کو لوگوں کو اپنے حلقۂ اطاعت و حکومت میں لانے کا شوق تھا اس شوق حکومت

نے یہ عصیان کروایا۔ انگریز شاعر ملٹن نے شیطان کے اس شوق کو اس کے منہ سے اس طرح کہلوایا ہے۔

To reign is worth Ambition though in hell....

یعنی لوگوں پر حکومت کرنا میرا تو مقصد حیات ہے۔ خواہ وہ دوزخ ہی میں کیوں نہ ہو گویا شیطان کی پیروی کرنے والے وہ لوگ ہیں جن میں باوجود مسلمان ہونیکے یہ شیطان والی صفات ہیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔ ۲:۲۰۸۔ مسلمانوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ شیطان کی پیروی نہ کرو۔ کافروں کو کبھی اس طرح خطاب نہیں ہوا اور کافر تو ہیں ہی بڑے شیطان۔

کفر و دین کی کشمکش

غرض کہ روز ازل ہی سے کفر و دین کی کش مکش شروع ہو گئی۔ کش مکش شروع ہوتی تھی کہ بندوں کا امتحان بھی شروع ہو گیا امتحان کا نتیجہ بھی بتا دیا گیا قلیل من عبادی الشکور اُ اکثریت شیطان کی طرف چلی گئی قلت نیکی کی طرف آ گئی۔ لیکن لڑائی جاری رہی اور قلت ہی کی فتح ہوتی رہی۔ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ م باذن اللہ واللہ مع الصابرین ۲:۲۴۹ اخلاص کے امتحان میں صبر کا پرچہ دیا گیا۔ جو صبر کرے گا وہ خدا کا مخلص بندہ ہوگا۔ ہابیل وقابیل، ابراہیم و نمرود، موسےٰ و فرعون، محمد و ابوسفیان، یہ تھے اس نور و ظلمت کی لڑائی کے فریقین۔ نور کے ساتھ ہمیشہ قلیل آدمی، ظلمت کے ساتھ ہمیشہ اکثریت لیکن نور کی فتح۔ جب آخری لڑائی میں کفر کو ایسی شکست ہوئی کہ اس کا گھر ہی چھن گیا تو اسکو یقین ہو گیا کہ کفر کفر کی شکل میں فتح نہیں پا سکتا۔ جناب رسول خداؐ کی رحلت کے بعد اس نے اسلام کا لباس پہن کر لڑائیاں شروع کر دیں۔ لڑتا رہا لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ کربلا میں یہ تلوار بھی حسینؑ نے کفر کے ہاتھ سے چھین لی۔ لیکن اس نے بھی ہمت نہیں ہاری۔ تلوار گئی تو فوراً دوسرا حربہ اٹھایا۔ اب عقلی و منطقی لڑائی شروع ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی فتوحات بہت قبل از وقت تھیں۔ لہٰذا انھوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ ابھی صنم خانوں کے نظارے جاہلیت کے زمانہ کی عیاشیاں اور عورت و مرد کے آزادانہ تعلقات کی دل آویز کہانیاں لوگوں کے دل و دماغ سے محو نہیں ہوتی تھیں کہ دولت و ثروت کی رو اپنے ساتھ ملک شام کی شراب کے ساغر و مینا اور ایران کے حسینان گلفام و نازک اندام معہ انکے چنگ و رباب کے لے آئی۔ اب کیا تھا۔ شیخ بھی حرم سے انکے استقبال کو یہ کہتے ہوئے نکل پڑے کہ

مسجد نشیناں رخصتے خواھد نہ دیرم لعبتے
در دست رنگیں شیشۂ درشیشہ موج کوثر سے

اب چشم زدن میں مکہ و مدینہ جو پہلے اسلام کے مرکز تھے رقص و سرود و شراب نوشی کے میخانوں میں تبدیل

ہوگئے۔ یہ شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن ہیں صحیح واقعات (Philip K.hitt: History of thi Arabs pj 274-78 see next page) دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اس ہی خام حالت مین کہ ابھی ان لوگوں کے اندر کفر چیونٹی کی چال چل رہا تھا اور فلسفہ ' ملام وفلسفہ' شریعت راسخ نہیں ہوئے تھے اندرونی سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے حکومت نے تمام عربوں کو باہر لڑائی پر بھیج دیا۔ جہان انھیں الحاد کے دوز بردست استاد یعنی یونان وایران کے فلسفے ملے جو اپنی قدامت کی وجہ سے اس زمانہ کی دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کے منطق کا مقابلہ کرنا ان سپاہیوں کے بس کی بات نہ تھی یہ تو غنیمت وملک کے لالچ میں آئے تھے نہ کہ اسلام کی محبت میں۔ اور جب انھوں نے دیکھا کہ یہ فلسفے ہم کو مئی ومطرب کی دل آویزیوں کی طرف جانے کی اجازت دیتے ہیں اور اسلام ان سے روکتا ہے تو انھوں نے نقد کو نسیہ سے تبدیل کرنا مناسب نہ سمجھا اور فوراً ان استادوں کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھ گئے۔

قبل اس کے کہ ہم بیان کریں کہ ان اجنبی اثرات سے مسلمانوں نے متاثر ہوکر اپنا مذہب مسخ کرلیا۔ اور یونان وایران کے فلسفوں کے اثر کے کیا مضر نتائج ہوئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ فلسفے کیا تھے اور ان کی تعلیم کیا تھی۔

ابلیس کا سب زیادہ خطرناک حربہ قیاس

ابلیس کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت آدم جو صحیح اسلام لے کر آئے تھے وہ بہت جلد بھلا دیا گیا۔ اور لوگ اپنی قیاس کی بنا پر خداوند تعالیٰ کے تخیل سے ناآشنا ہوگئے شیطان کا سب سے زبردست حربہ اور سب سے زیادہ با اثر ممد ومعاون انسانی قیاس ہے جو اول اول انسان سے خدا اور اس کے احکام پر نکتہ چینی کراتا ہے اور پھر آخر کار ان کو خداوند تعالیٰ کی اطاعت سے بالکل برگشتہ کر دیتا ہے۔ مختلف پیغمبر اور مرسل آتے رہے اور پرانے سبق کو یاد دلاتے رہے۔ کچھ ایمان لائے اکثریت کفر پر مصر رہی۔ ان پیغمبروں کے نام ہم کو توریت وانجیل اور قرآن میں ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی انبیا ہیں جنکے نام وحالات سے ہم ناآشنا ہیں۔ قیاس انسانی ہمیشہ محسوسات سے متاثر ہوتا رہا اور جب بھی اسلام صحیح پر حملہ ہوا تو اسی قیاس کے ذریعے سے ہوا۔ جو تاریخ ہم تک پہنچی ہے وہ اشوری باب تہذیب سے شروع ہوتی ہے۔ کنعانی تہذیب بھی تقریباً اس ہی زمانہ کی ہے khuda bakhsh contributious K the his history of islamic civilsation introduction h.h. 13,14,15 یہ لوگ خدائے لایزال سے اتنے برگشتہ ہوگئے تھے کہ ان کا مذہب صرف مظاہر قدرت تک محدود تھا اور ان میں بھی پیدائش اور نشو ونما کی طاقتوں کو خاص اہمیت دی گئی تھی اس طاقت یا خدا کا نام انھوں نے بال یا بعل رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی پرستش سے خوش ہو کر یہ خدا ان کے کھیتوں سرسبز کرینگے۔ انھیں بیماری سے بچائیں گے اور ان کی اولاد کی حفاظت کرینگے۔ اس صورت حالت میں ایران کے فلسفہ نے ایک تغیر پیدا کیا جن کو زرتشت نے جاری کیا تھا۔ لہٰذا ہم پہلے اس فلسفہ کا ذکر کرتے ہیں۔

زرتشت اوران کامذہب

دنیائے قدیم میں جو تاریخی زمانہ سے نزدیک ہے دو فلسفے رائج تھے۔ایک ایران کا۔اور ایک یونان کا۔ ہندوستان کے فلسفہ کا ماخذ ایران کا فلسفہ تھا۔گوتم بدھ نے اس میں کچھ ترمیم کردی تھی۔اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

ایران کے فلسفہ کے بانی زرتشت تھے۔یہ تاریخی زمانہ کے نزدیک ہی تھے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ کی صبح کا ذب میں گزرے ہیں۔یہ کس زمانہ میں تھے اس پر اتفاق نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ حضرت عیسےٰ سے ۱۲ اصد برس پہلے گزرے ہیں کوئی کہتا ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ ان کا زمانہ ۶۶۰ ق م سے ۵۸۳ ق م تھا اور آذر بائیجان کے رہنے والے تھے۔بعض لوگ باختر کو ان کا جائے پیدائش بتاتے ہیں۔شہرستانی اپنی کتاب ملل والنحل میں کہتا ہے کہ زرتشت نبی ورسول تھے اور تیس سال کی عمر میں مبعوث بررسالت ہوئے تھے۔بچپن ہی غوروفکر کے عادی تھے اور اکثر تنہائی میں رہتے تھے۔مشرقی ایران میں خراسان تک گئے اور وہاں انھوں نے گشتاسپ کیانی شہنشاہ کو اپنے دین میں داخل کرلیا۔اب اس دین کو ترقی ہوئی۔اس زمانہ میں توران کا بادشاہ ارجاسپ تھا۔توران وایران میں فریدون کے زمانہ سے دشمنی چلی آتی تھی۔

(فریدون خاندان پیش دادیان کا بادشاہ ہے۔ایرانی اپنی تاریخ کی ابتدا اس خاندان کی بادشاہت سے کرتے ہیں ان کا پہلا بادشاہ کیومرث تھا۔کہتے ہیں کہ اس نے شہر بلخ آباد کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا پوتا ہوشنگ بادشاہ ہوا۔وہ بڑا عقلمند بادشاہ تھا۔ایک دن شکار میں اس نے ایک عجیب وغریب جانور دیکھا اس کے مارنے کو پتھر پھینکا۔پتھر ایک اور پتھر پر پڑا اور آگ نکلی۔اس وقت سے آگ کی پرستش شروع ہوئی۔

اس کے بعد اس کا بیٹا طہمورث بادشاہ ہوا۔باز اور شاہین سے شکار کرنیکے طریقے اس نے ہی بتائے۔اس کو طہمورث دیو بند کہتے ہیں۔کیونکہ اس نے دیوں سے جنگ کرکے انھوں قید کر دیا تھا۔تیس برس بادشاہت کرکے مرگیا۔اس کے بعد اس کا بیٹا جمشید تخت نشین ہوا جس کا جام جہاں نما مشہور ہے۔اس نے شمسی مہینے اس طرح قرار دیئے کہ ایک سو بیتس برس کے بعد صرف ایک مہینہ بڑھانا پڑتا تھا جشن نوروز کا آغاز اسی کے وقت سے ہوا۔تخت جمشید ایک عالی شان عمارت اسنے ہی بنوائی ۔شہر اصطخر اس نے آباد کیا۔یونانی اور انگریزی میں اس شہر کو Perceholis کہتے ہیں۔چاندی،سونا،مشک،عنبر،جواہرات،کی قدروقیمت اس نے دریافت کی ۔اسی نے خوشبودار چیزوں کو معلوم کیا۔اس نے ان کے عرق وعطر کھچوائے کہتے ہیں کہ جب جمشید سات سو برس تک حکمرانی کرچکا تو ایک روز،نوروز کے دن جشن کے وقت اس نے ایک تقریر کی جس میں اس نے غرور کیا اور کہا کہ آج دنیا میں میرا ثانی نہیں ہے۔اس بڑے بول کی

سزا اسکو خدا نے اس طرح دی کہ اسکی فوج کے سردار مرداس نامی کے بیٹے ضحاک نے اس پر چڑھائی کی اور اسے شکست دیکر اس کے تاج وتخت پر قبضہ کرلیا اور اس کو ملک سے نکال دیا۔ جمشید مصیبتیں اٹھاتا ہوا زابلستان (سیستان) پہنچا اور وہاں کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے فریدون رکھا۔ لیکن ضحاک کے خوف سے اس کو اپنے پاس نہ رکھ سکا بلکہ ایک لوہار کے پاس رکھ دیا جس کا نام وہ تھا۔ جس نے فریدون کی پرورش کی۔ جمشید کو سیستان سے بھی بھاگنا پڑا۔ چین آیا چین سے ہندستان آیا وہاں ضحاک کے آدمیوں نے پکڑ کر اس کو ضحاک کے سامنے پیش کیا۔ اور اس نے آرے سے جمشید کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

ضحاک بڑا ظالم بادشاہ تھا۔ جب فریدون بڑا ہوا تو اسے اپنے باپ جمشید کا بدلہ لینے کا خیال آیا۔ ایک فوج تیار کی اور اپنے مربی لوہار کاوہ کی چمڑے کی دھونکنی کا علم بنایا۔ جس کو درفش کاویانی کہتے تھے۔ ضحاک کو شکست دیکر تاج وتخت پر قبضہ کرلیا۔ ضحاک نے ایک دن کم ایک ہزار سال سلطنت کی۔ فریدون بڑا انصاف پسند نیک بادشاہ تھا اسکے تین بیٹے تھے ایرج، سلم اور تور، اس نے اپنے ملک کو تین حصوں میں تقسیم کرکے اپنے تینوں بیٹوں کو ایک ایک حصہ دے دیا۔ ایرج کو ایران سلم کو شام اور تور کو توران دیا۔

سلم اور تور اس تقسیم سے راضی نہ ہوئے اور ایرج کو قتل کر ڈالا۔ فریدون کو سخت صدمہ ہوا۔ یہیں سے ایران وتوران کی دشمنی شروع ہوگئی۔ ایرج کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام منوچہر رکھا۔ فریدون نے اسے پرورش کیا۔ جب ہو بڑا ہوا تو تور اور مسلم سے لڑنے کو بھیجا اس لڑائی میں تور اور مسلم مارےگئے۔ منوچہر جب واپس آیا تو فریدون نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا تاج اس کے سر پر رکھا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد فریدون مرگیا۔ اس نے پانچ سو سال بادشاہت کی۔ اب منوچہر تخت نشین ہوا۔ یہ بہت اچھا بادشاہ تھا۔

ادھر سیستان میں ایک شخص سام نریمان کا خاندان بڑھ رہا تھا۔ سام کا بیٹا زال بہت طاقتور ہوا۔ منوچہر نے اسے بلا کر اپنے پاس رکھا کچھ مہینہ رہنے کے بعد جب وہ واپس گیا تو اس نے کابل کے بادشاہ کی بیٹی رودابہ سے شادی کرلی۔ یہ کابل کا خاندان ضحاک کی نسل سے تھا۔ لہٰذا منوچہر نے اس رشتہ کو پسند نہ کیا۔ زال کی اس شادی سے رستم پہلوان پیدا ہوا جو فردوسی کے شاہنامہ کا ہیرو ہے۔ اور جس کو اتنا آسمان پر چڑھانے کے بعد یہ کہہ کر فردوسی گراتا ہے کہ

منش رستم ام دہ داستاں
دگر نہ ملے بود در سیتاں

اب ارجاسپ کو بہانا مل گیا۔ زرتشت کے دین کو دین بھی کہتے تھے۔ اس دین کا ایک اصول یہ تھا کہ اس کا ماننے والا کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا۔ گشتاسپ (وشتاسپ) تورانی بادشاہ کو خراج دیا کرتا تھا۔ اب ارجاسب نے خراج مانگا اور کہا کہ دین ہی سے توبہ کرو۔ ورنہ میں چڑھائی کروں گا۔ آخر کار لڑائی ہوئی جس میں زریر و ریزر گشتاسپ قتل ہوا۔ لیکن اسفندیار شہزادہ خوب بہادری سے لڑا اور میدان جیت لیا۔ اب دین بھی مستقل طور سے ایران اور دوسرے مقامات میں پھیل گیا۔

اب ایرانیوں نے بلخ کا محاصرہ کیا۔ اس محاصرہ میں زرتشت بھی شریک تھے اور لڑتے لڑتے مارے گئے میں یہاں ان کیلئے شہید کا لفظ استعمال کر دیتا لیکن میں اس لفظ کو آل محمدؐ کے لئے مخصوص سمجھتا ہوں۔ ان سے پہلے یہ لفظ کبھی ان معنوں میں استعمال ہی نہیں ہوا۔ قرآن شریف میں تو گواہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

جناب زرتشت نے اپنے ملک کے مختلف خداؤں کی بجائے خدائے واحد کی پرستش کی تلقین کی ان کا خیال تھا کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے خدا اہورامزدا کو دیکھا اور اس نے ان سے کلام کیا۔ اور ان کو اپنا پیغمبر مقرر کیا۔ انھوں نے وحدت خداوندی کی تعلیم دی۔ زراعت پر بہت زور دیا۔ لوگوں کو پاک و طاہر رہنے کی ہدایت کی۔ ان کے نزدیک آگ اور پانی سب سے زیادہ پاک کرنے والے عناصر تھے۔ روح کو غیر فانی قرار دیا۔ ان سے پہلے ملک میں رہبانیت پر زور دیا جاتا تھا۔ انھوں نے رہبانیت کو دور کیا۔ لوگوں کو نکاح کرنے کی ہدایت کی اور کہا کہ اولاد کی تعلیم میں سعی بلیغ کرو۔ جھوٹ کبھی نہ بولو۔ وغیرہ وغیرہ انھوں نے بہت سی کتابیں۔ لکھیں۔

ایرانیوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی

پیغمبران اولین کی تعلیم و اصول مذہب کے فراموش ہو جانے کے بعد غالباً زرتشت پہلے شخص ہیں جنھوں نے روح کے غیر فانی ہونے کی تلقین دیں۔ ابتدائی عیسائیت کے زمانہ میں یہودیوں کے امیروں، راہبوں اور مذہبی آدمیوں کا اعتقاد ہو گیا کہ ہماری یعنی ان کی کتابوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ جس سے فرشتگان روح اور حیات بعد ممات کا اعتقاد نکل سکے۔

تمام دنیا میں ایران قوم ہی ایسی ہے کہ جس نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اور ان کے پیغمبر زرتشت پہلے شخص ہیں جنھوں نے پچھلے پیغمبروں کی لائی تعلیم کے فراموش ہو جانے کے بعد دنیا کو وحدانیت کی تعلیم دی۔ غالباً ایران کی یہی خصوصیتیں ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک پیغمبر نے ان کی تعظیم کی اور ان کو اچھا سمجھا۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے۔

It remains to point out that Th: tone of Hebrew prophets towards the persians is remarkable , and, to give a single- example out of many , we read in isaiah , " Thus saith The lord to his anointed, to cyrus," Indeed The persians are never doomed to hell, and are to some extent recognised by The Hebrews as a people whose religion was a kin to Their own. (A History of persia by it , col.P,M,sykes , vol .|. chap.1X .P 118)

ہرایک پیغمبر نے ان کی تعریف کی

ترجمہ۔اب صرف اتنا جتانا باقی رہ گیا ہے کہ عبرانی پیغمبر ایرانیوں کے متعلق نہایت عمدہ باتیں کہتے ہیں۔ صرف ایک ہی مثال ہم بتاتے ہیں۔یعسیاہ (۴۵:۱) میں ہے کہ یوں کہتا ہے خدا اپنے خاص بندہ سائرس (Crus) سے۔امر واقعہ یہ ہے کہ پیغمبران کہتے ہیں کہ ایرانی کبھی دوزخ میں نہ جائیں گے۔اور یہودی انکے مذہب کو اپنے مذہب کے مطابق سمجھتے ہیں۔

جناب محمد مصطفیٰؐ ان کی تعریف فرماتے ہیں

حدود تاریخ کی اندر والی دنیا میں ایرانیوں کا سب سے پہلی موحد قوم ہونا ایک ایسی فضیلت ہے۔جس کا ہر ایک پیغمبر نے اظہار فرمایا ہے۔چنانچہ ہمارے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لوکان الدین عنداللہ یالزھب رجل من فارس اوابناء فارس حتے یتناولہ (صحیح مسلم مطبوعہ مصر معرب الجزء السابع کتاب فضائل الصحابہ باب فضل فارس صفحہ۱۹۱ مسند احمد بن حنبل الجزء الثانی صفحہ ۳۰۹، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۶۹ صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الجمعہ الجزء الثالث صفحہ ۱۳۵)

یعنی فرمایا جناب رسول خدا نے کہ اگر دین ثریا میں بھی ہوگا تب بھی اہل فارس اس کو حاصل کرلیں گے۔جناب رسول خداؐ کے صحابیوں میں ایک ایرانی تھے۔ان کی نسبت جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل یحب من اصحابی اربعتہ اخبرنی انہ یحیم وامر نی ان اجیھم قالو امن ھم یا رسول اللہ قال ان علیاوابوذر اغفاری و سلیمان الفارسی والمقداربن الاسود الکندی۔(مسند احمد حنبل الجزء الخامس صفحہ۳۵۱، کتاب الاستیعاب لابن عبدالبر الجزء الثانی ترجمہ سلمان صفحہ۵۷۲)

یعنی فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ خداوند تعالیٰ میرے اصحاب میں سے چار کو دوست رکھتا ہے۔مجھ کو اس نے خبر دی ہے کہ وہ ان چار کو دوست رکھتا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بھی ان چاروں کو دوست رکھوں۔لوگوں نے پوچھا کہ وہ چار کون سے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ علی انمیں سے ایک ہیں اور باقی ابوذر غفاری، سلمان فارسی اور مقداد ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ چاروں ایک دوسرے کے شریک و دوست ہیں۔(مسند احمد حنبل الجزء الخامس صفحہ ۳۵۶) اصلی چار یار یہ ہیں۔ان کو رسول خدا نے اور خدا نے چار یار بنایا۔

صحیح مسلم میں ایک دلچسپ روایت ملتی ہے۔جس سے بہت دور کا پتہ چلتا ہے۔

ان اباسفیان اتی علی سلمان وصھیب و بلال فی نفرفقا لوا واللہ ما اخزت سیوف اللہ من عنق عدواللہ مأخذ ھا قال فقال ابو بکر اتقولون ھذا الشیخ قریش و سید ھم فاتی البنی

صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال یا ابابکر لعلک اغضبتھم لئن کنت اغضبتھم لقد اغضبت ربک۔ (صحیح مسلم مطبوعہ مصر معرب الجزالسابع کتاب فضل الصحابہ باب من فضائل سلمان صہیب بلال صفحہ ۱۷۳ کتاب الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الثانی ترجمہ سلمان صفحہ ۵۷۲)

یعنی راوی کہتا ہے کہ ابوسفیان سلمان، صہیب وبلال کے پاس آیا۔ وہاں اور آدمی بھی بیٹھے تھے۔ ان تینوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا کہ واللہ خداوند تعالیٰ کی تلواروں نے ابھی دشمن خدا کی گردن سے حصہ نہیں لیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ تم لوگ یہ بات اس شخص کے متعلق کہتے ہو جو قریش کا شیخ وسردار ہے۔ اور یہ کہہ کر وہ رسول خداؐ کی خدمت میں آئے اور یہ بات ان کو سنائی۔ یہ سن کر جناب رسول خداؐ نے کہا کہ اے ابوبکر شاید تو نے ان تینوں کو ناراض کردیا۔ اگر تو نے ان کو ناراض کردیا تو تو نے خدا کو ناراض کردیا۔

زرتشتی مذہب کی وحدانیت وموجودہ زرتشتی کا مذہب

زرتشت کا زمانہ یقینی طور سے معین نہیں ہوسکا ہے۔ زیادہ سے حضرت عیسیٰؑ سے چھ ہزار برس قبل اور کم سے کم چھ سو برس قبل کی مدت لگائی جاتی ہے۔ بہر صورت یہ ثابت ہے کہ زرتشت کی خالص وحدانیت بہت جلد ثانویت میں تبدیل ہوگئی اور بہت سے بیرونی اصول داخل کرلئے گئے۔ جس طرح ہندوستان میں ویدوں کے بعد پرانا وغیرہ مرتب کرلئے گئے اور انھوں نے ایک بالکل جدید مذہب کی تعلیم دی۔ اسی طرح زرتشت کی ژند کے بعد زرتشتی مذہب میں گاتھا مرتب کرلئے گئے اور انھوں نے بالکل ایک نئے مذہب کی تعلیم دی۔ اس مذہب کے فلسفہ کے مطابق دو ہستیاں یا مینیو ہیں۔ ایک بنانے والی اور دوسری بگاڑنے والی۔ مادہ بذات خود قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کو اہورامزدا نے بنایا ہے جو کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ جب اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے تو دو حالتوں میں ظاہر کرتا ہے ایک حالت تو مستقل، نور وزندگی اور نیکی ہے۔ دوسری حالت ہلاک کرنے والی، اندھیری ہے موت اور شر ہے۔ تمام دنیا میں اہورامزدا کی یہ ہی دو حالتیں ہیں جو اپنے تئیں مادہ میں ظاہر کرتی ہیں۔ اب رفتہ رفتہ انھوں نے اہورامزدا کی صفات یا (Attributes) کو چھ مستقل مددگار خداؤں میں تبدیل کردیا۔

وہ چھ یہ ہیں

(۱)	عقل کل	(۲)	روح کل
(۳)	طاقت کل	(۴)	مادّہ
(۵)	فضا یا خلائے عالم جس کی کوئی حد ہی نہیں	(۶)	زمانہ جس کی کوئی حد نہیں یعنی بقاء

انسان تین اجزا سے مرکب ہے۔

(۱) روح (۲) ارادہ (۳) مادّہ

انسان کو اختیار رہے کہ روحانیت اختیار کرے یا مادّیت کی طرف جائے۔ انسان دو متضاد چیزوں کے درمیان رکھا گیا ہے، روح و مادّہ، نیکی و بدی، نور ضلالت، نیک اخلاق بداخلاق وہ مجبور ہے کہ ان دو میں سے ایک اختیار کرے۔

اس تین اصول

وندیداد جوژنداوشتا کا ایک حصہ ہے پارسیوں کی متبرک کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زرتشتی مذہب کے تین بڑے اصول ہیں۔

(۱) زراعت اور مویشیوں کی پرورش مذہب کے تین بڑے اصول ہیں۔

(۲) تمام دنیا کی مخلوقات نیکی و بدی کی دوامی کش مکش میں محصور ہے۔

(۳) آگ، پانی، ہوا، اور خاک یہ چار عناصر پاک و مطہر ہیں ان کی تعظیم لازمی ہے۔

اصل اول

زرتشت کے نزدیک دنیا کی بہترین زندگی یہ ہے کہ زرتشت کا مومن اپنا گھر بنائے مویشیاں رکھے۔ اور اس میں آگ کو قائم رکھے۔ بیوی بچے ہوں۔ کتا ہونا ضروری ہے۔ کھیتی کرنا اس کے لئے اشد ضروری ہے۔ پھل اور اناج پیدا کرے۔ روزوں کو انھوں نے قطعی منع کیا۔ نکاح پر بہت زیادہ زور دیا۔ دنیا کا سب سے پہلا مورخ ہرودوٹس (Herodotus) کہتا ہے کہ ایرانی بادشاہ ہر سال اس شخص کو انعام دیتا ہے جس کے بہت سے بچے ہوتے ہیں۔

اصل دوم

یہ ہی ثانویت ہے جو ایرانی فلسفہ کا جزو اعظم ہے۔ ان کا خیال ہے کہ روز ازل سے دو خدا رہے ہیں۔ یزدان و اہرمن۔ اور ان دونوں میں آپس میں دوامی لڑائی ہے جب نبی نوع انسان یا جماعت پر مصیبت و تکلیف آتی ہے تو سمجھو کہ بدی کا خدا یعنی اہرمن غالب ہے اور جب وہ مصیبت رفع ہو جاتی ہے اور خوشی و راحت آتی ہے تو سمجھو کہ یزدان کی فتح ہوئی۔ اہرمن نے تمام برے جانوروں کو پیدا کیا۔ مثلاً سانپ درندے، مکھیاں حشرات الارض اور چیونٹیاں ان میں چیونٹیوں کو بہت برا سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ زراعت کو خراب کر دیتی ہیں۔ تین جانوروں کو مارنا بہترین نیکی ہے۔ چیونٹیاں، گرگٹ اور مینڈک۔ اس مذہب میں کتے کو خاص طور سے تعظیم و عزت کی جگہ دی گئی ہے۔ ان کا خدا کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی گھر نہ ہوتا۔ اگر یہ دو کتے نہ ہوتے کاشتکار کی زراعت کی حفاظت کرنے والا کتا۔ اور گھر کی حفاظت کرنے والا کتا۔ کتے کو مارنا ایسا ہی برا تھا۔ جیسا کہ آدمی کو مارنا۔

اصل سوم

یہ ہی آتش پرستی ہے۔ زمین کی طہارت کا یہاں تک خیال ہے کہ مردہ زرتشتی کو دفن نہیں کرتے، بلکہ ایک

اونچے مینار پر رکھ دیتے ہیں۔ جہاں گدھ وغیرہ آ کر اس کو کھا جاتے ہیں ان کا خیال ہے کہ بیماری پیدا کرنا، اہرمن کے ایجنٹوں کا کام ہوتا ہے۔ لہٰذا بیمار آدمی کے پاس یہ نہیں آتے، ڈرتے ہیں کہ وہ برائی کا بھوت ہم کو بھی نہ چمٹ جائے۔ بیمار آدمی کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہندوؤں کی طرح گائے کے پیشاب کو یہ بہت طاہر سمجھتے ہیں اس کو پیتے بھی ہیں اور اس سے غسل کرتے ہیں۔ اور چیزوں کو پاک کرتے ہیں۔ آگ کی تعظیم اس درجہ ہے کہ کوئی پارسی کبھی چراغ کو اپنے مجھ سے گل نہ کرے گا نہ جلتی ہوئی آگ کو بجھائے گا۔ سگرٹ یا حقہ پینا بھی منع ہے۔

حیات بعد ممات

موت کے بعد زندگی کا تخیل ان کے یہاں اسطرح ہے۔ جب پیغمبر نے خدا (Ahura) سے پوچھا کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے تو ان بتایا کہ مرنیکے تین دن بعد تک روح مردہ جسم کے سر کے پاس رہتی ہے۔ اگر وہ نیک آدمی تھا تو اس روح کو راحت وخوشی ملتی ہے۔ اور اگر بدتھا تو روح تین دن تک بہت تکلیف میں رہتی ہے چوتھی صبح کو جنوب کی طرف سے نہایت خوشبودار نسیم چلتی ہے اور روح ایک پل پر آتی ہے جو دوزخ کے اوپر بچھایا گیا ہے اس کو جدائی کا پل کہتے ہیں۔ یعنی پل چنوت۔ چنوت کے معنی جدائی کے ہیں۔ یہاں اگر وہ روح اچھی ہے تو اسکو ایک خوبصورت باکرہ لڑکی ملتی ہے جو اسے اہر مزدا کے پاس لے جاتی ہے جہاں وہ روح ہمیشہ رہتی ہے اور اگر وہ روح بری ہے تو اس کو یہاں ایک نہایت بدصورت بڑھیا ملتی ہے۔ وہ روح اس پل پر سے نہیں گزر سکتی اور نیچے جہنم میں گر جاتی ہے جہاں وہ اہرمن کی غلام بن کر رہتی ہے۔

زرتشتی جنت

زرتشتیوں کی بہشت اس ہی دنیا کے ایران پہاڑ پر ہے جسکو پہلوی زمانہ میں البرج کہتے تھے اور اب کوہ البرز کہلاتا ہے۔ اس کی چوٹی خدائی اہر مزدا کے رہنے کی جگہ تک پہنچتی ہے جس کی فضا ہمیشہ گیتوں اور گانوں سے معمور رہتی ہے۔ اس کی چوٹی پر نہ اندھیرا ہوتا ہے اور نہ سردی و بیماری۔ یہی کوہ دماوند ہے۔ آج کل کے سیاح کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ نہایت خوب صورت نظارہ پیش کرتا ہے۔ خصوصاً سورج کے غروب ہونے کے وقت۔ جاڑ کی دوپہر بہت ہی دلآویز ہوتی ہے۔

زرتشتی مذہب اسی طرح چلا آیا۔ آخر کار جب جنوری ۳۳۰ ق م سکندر اعظم نے دارائی ثالث کو شکست دیکر خاندان ہنجا منشی (Achaemenian) کا خاتمہ کیا اور اس کی بجائے ایران کی سلطنت کے ٹکڑے کر کے اپ یونانی امراء کو دیدیئے۔ تو پھر ایران میں یونانی اثر اور یونانی فلسفہ پھیلنا شروع ہوا۔ ایران میں یونانی تہذیب دیونانی زبان و یونانی فلسفہ اسی طرح تیزی کے ساتھ پھیلنے شروع ہوئے جس طرح ہندوستان میں انگریزیت پھیلی ہے۔ آگے چلکر سکندر اعظم نے ہندوستان کے بادشاہ پورس کو شکست دے کر بدھ مذہب کے لوگوں کے لئے بھی

راستہ صاف کر دیا۔ اور ایران میں بدھ مذہب بھی اپنا اثر پھیلانے لگا اور مشرقی ایران میں جواب افغانستان، بخارا، وخراسان کہلاتے ہیں۔ بدھ مذہب اچھی طرح پھیل گیا۔ اگر چہ یونانی تہذیب و بودھ تخیل کا اثر ہوا۔ لیکن مذہب وہی زرتشتی رہا بلکہ اس مذہب نے اپنی دوسری شکل میں جس کو متھرا ازم کہتے ہیں

(متھرا ہندوستان کا ایک خدا تھا جس کو ایرانی بھی مانتے تھے۔ سکندر اعظم کے زمانہ کے بعد یہ متھرا تمام ایشیائی قوموں کا خدا ہو گیا۔ پہلی صدی قبل مسیح میں رفتہ رفتہ متھرا کا مذہب تمام رومن سلطنت میں پھیل گیا۔ جہاں جہاں رومن سلطنت پھیلی ہوئی تھی وہاں اس کے ستون ملتے ہیں۔ متھرا کے معنی دوست کے ہیں۔ غالباً سنسکرت کے متر (مترا) سے نکلا ہوا ہے۔ متھرا نور اور عقل کا خدا تھا جو شخص اس مذہب میں داخل ہوتا تھا اس کو خون سے نہلاتے تھے۔ اس کی اور عیسائیت کی رسومات میں بہت مشابہت تھی۔ اسی نے حیات بعد ممات کی تعلیم دی اور کچھ عرصہ تک عیسائیت کا یہ بہت بڑا رقیب رہا۔ اس زمانہ کے عیسائی مصنفین کہتے تھے کہ یہ رسومات کی مشابہت شیطان کی پیدا کی ہوئی ہے تا کہ اصلی عیسائیوں کو شبہ میں ڈال دے کچھ عرصہ تک ایسا سخت مقابلہ رہا کہ یہ مشکوک امر ہو گیا کہ کونسا مذہب غالب ہوگا۔ کرسمس (بڑے دن) کی عید اور رسمیں عیسائیوں نے براہ راست اس مذہب سے لی ہیں۔ دیکھو

-Ig Frazer:golden bough ---1907page IV

رومن یورپ اور شمالی افریقہ پر بھی اثر کیا۔

اب ہم ساسانیوں کے زمانہ تک آ گئے۔ ۲۲۶ء میں اردشیر دراز دست ساسانی Artascersces longimanus نے جنگ ہر مز میں اشکانیوں۔ (Partheans) کے آخری بادشاہ اردوان (Artabanus) کو شکست دے کر ایران پر قبضہ کر لیا اور یہاں سے ایران کی مشہور سلطنت ساسانیاں کی ابتدا ہوئی۔ یہ سلطنت ۶۳۲ء تک قائم رہی جب کہ مسلمانوں نے جنگ نہاوند میں ہرزگرد ثالث کو شکست دیکر کل ایران پر قبضہ کر لیا۔

زروانی مذہب

تیسری صدی عیسوی کے شروع کا زمانہ تھا کہ جب ساسانیوں کے سلطنت کی ابتدا ہوئی۔ یہی مغربی و وسطی ایشیا میں مذہبی انقلاب کا زمانہ تھا۔ ایران میں از زمانہ میں ایک شخص جس کا نام ارسق تھا۔ ظاہر ہوا۔ اس نے اپنی زروانی تھیوری قائم کی۔ زرون کے معنی ہیں زمانہ ازلی ابدی یعنی دہر۔ اس کا خیال تھا کہ تمامیٔ عالم کا آخری سبب دہر ہی ہے۔ اس خیال نے یہاں تک زور پکڑا کہ اہرمزد کا تخیل بھی اس کے آگے ماند پڑ گیا۔ اس زرون کے دو مدد گار یا اس کے دو رخ خلا اور روشنی تھے۔ مذہب زروانی ایک فلسفہ بھی تھا اور مذہب بھی تھا۔ ساسانی زمانہ کے بہت سے ایرانی راہب زروانی تھے۔ قرآن شریف میں بھی اس کا تذکرہ آتا ہے۔ **وقالو ماھیالا حیاتنا الدنیا**

نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر ج وما لھم بذالک من علم جان ھم الا یظنون ۴۵:۲۴۔ یعنی وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس دنیا ہی تک ہے (حیات بعد ممات کے قائل نہیں) یہیں مرتے ہیں اور یہیں جیتے اور ہم کو تو زمانہ ہی (جلاتا) مارتا ہے۔ انھیں صحیح علم تو ہے نہیں۔ یہ تو ان کا گمان وقیاس ہی ہے۔

سورۂ دھر میں پھر اس خیال کی تردید کی ہے۔ جہاں فرمایا ہے کہ زمانہ تو محض ایک حالت ہے۔ وہ حالت انسان پر ہم ہی وارد کرتے ہیں۔ پہلے یہ کچھ نہ تھا۔ ہم نیاس کو پیدا کیا اور علم ونطق عطا فرمایا۔ پہلے تو انسان کچھ بھی نہ تھا۔ جب ہم نے اس کو اعلیٰ کیا تو اتنا اعلیٰ کیا کہ یہ انسانیت کی آخری اعلیٰ منزل پر پہنچ گیا۔ اور پھر اس اعلیٰ منزل پر پہنچنے والوں کی صفات بیان کی ہیں۔ اور وہ صفات آل محمدؐ کی ہیں یوفون بالنذر الآیہ ویطعمون الطعام علیٰ حبہ الآیہ انسانیت کی اعلیٰ ترین منزل کے نمونہ آل محمدؐ ہیں۔ دہر یا زمانہ میں کیا طاقت کہ ایسے آدمی پیدا کرے۔ دہریت کے اعتقاد سے ملتا ہوا یا اس کی شاخ ارتقاء مادیت کا اعتقاد (Evolution) ہے یعنی رفتہ رفتہ زمانہ کی مدد سے مادہ بذات خود حالتیں بدلکر کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف نے نہایت عمدہ طریقہ سے اس کی تردید کی ہے۔ زمانہ تو سب پر یکساں آتا ہے۔ حالات بھی ایک سے ہی تھے۔ وہی عرب وہی مکہ وہی مدینہ تو پھر زمانہ نے سب کو محمدؐ اور آل محمدؐ کی طرح ایک ہی طرح کا کیوں نہ کر دیا۔ ناظرین کو چاہیئے کہ سورہ دہر کو سامنے رکھ کر ہماری یہ عبارت پڑھیں ۔اس طرح امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقرؑ کی خود ہستیاں ہی دہریت اور اعتقاد ارتقا کی تردید کرتی ہیں۔

مذہب متھرا کی طرح اس زروانی مذہب نے بھی ستاروں کو بہت اہمیت دی۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ستارے ہی انسان کی قسمت بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ ستاروں پر اعتقاد کسی زمانہ میں عام تھا اور تمام دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ مسلمان بھی گردش ایام کے قائل ہوئے اور ہر ایک انسان کے لئے ایک ستارہ مقرر کیا کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا ستارہ عروج پر ہے۔ انگریزی میں ایسے فقرے ہیں۔ مثلاً بد بخت کو کہیں گے۔

(All starred) مرفع الحال شخص کو کہیں گے۔ His stars are in the ascendant مصریوں اور یونانیوں کے بہت سے خدا آخر کار ستاروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

ابن دیصان

یہ ایرانی تھا اور الروحہ (E dessa) میں ۱۵۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ ۲۲۲ء اس نے بھی ایک مذہب جاری کیا تھا۔ جس کو دیصانی مذہب کہتے تھے۔ دیصانی مذہب کا ایک شخص ابوشاکر دیصانی امام جعفر صادق کے زمانہ میں تھا جس نے آپ سے کئی دفعہ آن کر مباحثہ کیا اور مغلوب ہوا۔ یہ الیگزینڈریا کے بشپ کلیمنٹ (Clement) کا استاد بھی رہا تھا۔ اس کا نام انگیرزی میں (Bardesanes) تھا۔ اس نے بھی نیک وبد کے دو عقائد کو اختیار کیا تھا۔ حضرت عیسےؑ کی نسبت کہتا تھا کہ ان کا جسم روحانی تھا۔ معمولی جسم مٹی کا خمیر نہ تھا لیکن وہ ان کی رجعت

(Resurrection) کا قائل نہ تھا۔ اس کی تعلیم شام میں ہوئی تھی اور یہ شامی زبان جانتا تھا۔ ۲۵ برس کی عمر میں اس نے عیسائی مذہب اختیار کیا۔ اس کا مذہب عیسائیت اور زرتشت کا مرکب تھا۔ اس کے مذہبی گیت (Hymns) بھجن یا ترنہ محمد شامی زبان کی شاعری کے بہترین نمونے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سارا عالم ایک اعلیٰ ترین ہستی کے جسم سے نکلا ہے۔ پہلے عقل روح میں آتی ہے اور روح جسم میں داخل ہوتی ہے۔ شر کو خدا نے نہیں پیدا کیا۔ انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ لیکن موت مرض، مصائب اور دیگر دنیا کے معاملات سب تقدیر کے حکم میں ہوتے ہیں اور انسان کے لئے مقدر ہوتے ہیں۔ گویا انسان کی زندگی کے تین عناصر ہیں۔ ارادہ، قسمت، اور نیچر۔ وہ دوبارہ زندگی یعنی حیات بعد ممات کا قائل نہ تھا۔ عیسے حضرت میریم کے جسم میں سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کے ذریعہ سے پیدا ہوئے تھے۔

مانی اور اس کا مذہب

مانی کے مذہب اور سوانح حیات کی واقفیت مندرجہ ذیل کتابوں سے اچھی طرح حاصل ہوتی ہے: فہرست ابن الندیم، تاریخ یعقوبی، تاریخ ابن واضح ملل ونحل شہرستانی، مسٹر براورن کی لٹریری ہسٹری او پرشیا (تاریخ ادبیات ایران) اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اور تھکس (ذخیرہ معلومات مذاہب والٰہیات) مانی ۲۱۵ یا ۲۱۶ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ نیشاپور کا رہنے والا تھا۔ پھر وہ ہمدان چلا گیا۔ اس کے بعد مدائن میں آن کر مستقل سکونت اختیار کی۔ مانی نے یونانی زبان، یونانی فلسفہ، علم ہیئت، علم ادویہ اور مصوری میں تعلیم حاصل کی۔ جب بارہ سال کا تھا تو اسے وحی آنی شروع ہوئی۔ یعنی ۲۸-۲۲۷ء میں۔ ۲۴ سال کی عمر میں اس کو تبلیغ دین کا حکم ملا۔ اس نے اپنی پیغمبری کا اعلان ۲۰ مارچ ۲۴۲ء کو کیا۔ یہ وہی دن تھا جس دن شاپور تخت پر بیٹھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد شاپور نے اس کو جلاوطن کر دیا۔ اور یہ ہندستان تبت وچین کی طرف چلا گیا۔ بہرام اول کے زمانہ میں جب اس نے جلاوطنی کے حکم کی خلاف ورزی کی تو یہ قتل کر دیا گیا۔ بہرام نے ۲۷۳ء سے ۲۷۶ء تک صرف تین سال تک حکومت کی۔

جب مانی نے تبلیغ شروع کی تو شاپور نے اس کا مذہب قبول کر لیا۔ یہ تبدیل مذہب شاپور کی رعایا کو بہت برا لگا۔ دس سال اسی طرح گزر گئے۔ پھر ملک کے موبدان مل کر شاپور کے پاس گئے اور فریاد کی کہ مانی نے ہمارا مذہب خراب کر دیا۔ شاپور نے مناظرہ کرایا جس میں مانی کو شکست ہوئی۔ اور شاپور نے مانی کا مذہب چھوڑ کو پھر زرتشتی مذہب اختیار کر لیا۔ اور ارادہ کیا کہ مانی کو قتل کر دالے۔ لیکن مانی بھاگ کر ہندستان چلا گیا اور شاپور کی موت تک وہیں رہا۔ شاپور کے بعد اس کا لڑکا ہرمز تخت نشین ہوا۔ لیکن ایک سال کے اندر مر گیا۔ پھر ہرمز کا نوجوان لڑکا بہرام تخت نشین ہو۔ یہ عیش وعشرت میں مشغول رہنے لگا مانی نے سمجھا کہ اب واپس وطن جانے کا موقعہ ہے۔ چنانچہ وہ واپس آگیا۔ بہرام نے مانی کو بلا کر کچھ سوالات کئے اور ایک موبد سے مناظرہ کرایا۔ آخر کار بہرام نے مانی کو قید کر دیا اور کہا کہ کل رات کو میں تجھ کو اس طرح قتل کراؤں گا کہ آج تک اس طرح کوئی قتل نہیں ہوا۔ رات ہی کو

جلادوں نے اس کی کھال کھینچ کر اس کو قتل کر دیا۔ صبح ہوئی تو بہرام نے اس کا سر کٹوا کر اس کے جسم میں بھوسا بھروا دیا اور اس کے مقلدین کو چن چن کر مارا۔

اسلام کے زمانہ تک جو مذہب ایران میں جاری ہوئے، ان میں سے ہر ایک زرتشتی مذہب کی ثانویت پر مبنی تھا۔ چنانچہ مانی کا مذہب بھی عیسائیت اور زرتشتی مذہب کا مرکب تھا۔ جس نے زروانی مذہب کو بالکل مغلوب کر لیا۔ مانی کا مذہب زیادہ تر زرتشتی مذہب پر مبنی تھا۔ اس کے مذہب نے عیسائیت پر بھی بہت کچھ اثر ڈالا۔ مانی نے زروانیوں اور زرتشتیوں سے کئی امور میں اختلاف کیا۔ برخلاف زرتشتیوں کے اس نے مادہ کو روح کے لئے ایک ظرف نہیں قرار دیا۔ بلکہ اس کے خیال میں مادہ روح کو جذب کر لیتا ہے اور وہ اچھی اور بری طاقتوں کو بھی اپنے اندر لے لیتا ہے۔ انسان کی روح کو جو ارادہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور عقل کی روشنی سے کام کرتی ہے۔ ان دونوں طاقتوں میں سے ایک کے ساتھ شرکت کرنی پڑتی ہے اور اس طرح روح خود اپنی تشکیل کر لیتی ہے اور اپنی قسمت خود بنا لیتی ہے۔ مانی کا خیال تھا کہ مادہ اور روح دو بالکل متضاد چیزیں ایک دوسرے سے آزاد ہستی رکھنے والے ہیں۔ ظاہری دنیا نور و ضلالت کی آمیزش سے بنی ہے۔ یہ آمیزش غیر فطری ہے۔ لہٰذا ان میں جدائی لازمی ہے۔ مادہ بالکل ایک بے بصیرت بے عقل شے ہے۔ وہ اس وقت ہی کارفرما ہوتا ہے کہ جب روح سے مل جائے۔ آخرکار مادہ ضرور اندھیری خندق میں جا کر گرے گا۔ روح کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تئیں مادہ کی قید سے آزاد کرے۔ دنیا خدا کی پیدا کی ہوئی نہیں بلکہ شیطان کی پیدا کی ہوئی ہے۔ مادہ بذات خود اور اپنی فطرت میں شر محض ہے۔ سب سے اعلیٰ ہستی کا نام مانی نے بابائی سلطنت نور رکھا تھا۔ وہ اپنی ذات سے مطہر ہے۔ ہمیشہ رہنے والا ہے، عاقل ہے در اصل وہی حق ہے۔ ہمیشہ رہے گا اور اپنی ماہیت سے آگاہ ہے۔ مادہ اپنے تئیں نور کی سلطنت میں داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مادہ کی ضلالت سے مقابلہ کرنے کے لئے بابائے سلطنت نور نے اپنے میں سے مادر زندگی کو نکالا۔ یہ ہبوط اول تھا۔ اس مادر سے انسان پیدا ہوا۔ دوبارہ خلقت ثانی کے لئے اس نے اپنی مدد کے واسطے تین ہستیاں پیدا کیں۔

(۱) نرسف سنہا جو زندگی کا دوست و مددگار تھا۔ (۲) بان یعنی تعمیر کنندہ اور

(۳) متھر امادر زندگی عقل کل ہے

اور چونکہ وہ پدر نور میں سے نکلی ہے۔ لہٰذا یہ دونوں مادر و پدر ایک ہی فطرت، طبیعت و خلقت کے ہیں۔ اب تیسری دفعہ کی خلقت میں اس نے نور کی شکل میں ظہور کیا۔ مادر زندگی نے انسان اور کو پیدا کیا جو روح کل ہے اور تمام لوگوں کی روح میں اس کا عکس ہے۔ انسان اول یعنی روح کل کا کام مادہ کو مغلوب کرنا تھا۔ دنیا کے پیدا ہونے کو مانی نے اس طرح بیان کیا کہ انسان اول سے بھی پہلے ایک فرشتہ آیا تھا اس کا نام شیت تھا۔ اس کے سر پر فتح کا تاج تھا۔ لیکن جب مادہ یعنی شیطان سے لڑائی ہوئی۔ تو فرشتہ شکست کھا گیا۔ اور اس کی روشنی کا حصہ زائل ہو کر

تاریکی (ضلالت) سے مل گیا اور اس ملنے سے دنیا پیدا ہوئی۔ اس امتزاج ضلالت و نور سے ضلالت و نور دونوں کی تیزی کم ہوگئی۔ اس طرح تھوڑا سا نور شیطان کو دیدینے سے بابائے سلطنت نور کا مقصد تھا کہ اب ضلالت (شیطان) اور زیادہ آگے نور کی مملکت میں نہ بڑھے اور مقید نور کو شیطان کے قبضہ سے نکال لے۔ لہٰذا دنیا کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ مقید روح کو مادہ سے رہائی دلائی جائے۔ اگرچہ جسم روح کے لئے ایک قید خانہ ہے لیکن یہ ہی ایک ذریعہ ہے جس سے روح آزاد ہوسکتی ہے۔ روح کی طہارت ترک لذات دنیاوی سے ہوتی ہے۔ جب وہ طاہر ہوجائیگی تو سورج و چاند میں سے ہوتی ہوئی وہ نور کے میدان میں پہنچ جائے گی۔ انسان دراصل پدر نور کا ایک آلۂ کار ہے جس کے ذریعہ سے پدر نور مقید روح کو باہر کھینچتا ہے۔ انسان خود ایک چھوٹی سی دنیا ہے۔ یہ ایک عالم صغیر ہے اور زمین اور آسمان کی طاقتوں کا آئینہ ہے اس کے یعنی انسان کے اندر روح نور ہے اور مادہ تاریکی ہے۔ جب تمام روحیں اس طرح اجسام سے آزاد ہوجائیں گی تب دنیا کا خاتمہ ہوجائے گا۔

مانی کے مذہب کا جزو اعظم ترک لذات ہے۔ بت پرستی، جھوٹ حرص، طمع قتل و غارت، جادو، مکرو فریب ان سب کو چھوڑنا ضروری ہے۔ یہ ہی بودھ مذہب کے اصول ہیں۔ مانی کے مذہب میں بودھ مذہب کی طرح دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک صدیق دوسرے ساعون یعنی ایک استاد و راہنما، پیرومرشد، دوسرے مقلدین، صدیق لوگوں کے لئے ترک لذات ضروری تھا۔ شادی، خانہ داری، شراب، گوشت، کسب ہنر و طلب رزق سب ممنوع تھا۔ ان کا فرض تھا۔ کہ وہ درویشانہ زندگی سیاحت میں گزاریں۔ ان کے لئے صرف ایک دن کا رزق اور ایک سال کا کپڑا ضروری تھا۔ اور یہ چیزیں بھی وہ خود محنت مزدوری کر کے نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ بلکہ ساعون کا فرض تھا کہ وہ ان کو یومیہ خوراک بہم پہنچائیں۔ وہ بھی کئی دن کی خوراک ایک دفعہ نہیں دے سکتے تھے۔ ان صدیق لوگوں کے لئے ہر ایک پیشہ تجارت، زراعت سب ممنوع تھے اپنا کھانا بھی نہیں پکا سکتے تھے۔ بلکہ ساعون کا فرض تھا کہ دونوں وقت پکا ہوا کھانا ان کو دیں۔ عورت بھی صدیقی زندگی اختیار کر سکتی تھی ۔ ساعون عام خانہ داری کی زندگی اختیار کر سکتے تھے۔ لیکن گوشت شراب ان کے لئے بھی ممنوع تھے یہ لفظ صدیق اب تو عربی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل عبرانی لفظ صدیقائی سے نکلا ہے جو فارسی میں زندیق بن گیا۔ جس طرح عیسائیوں کا (sabbath) فارسی شنبہ بن گیا۔

یعقوبی کی تاریخ میں بھی مانی کے مذہب کی یہی تفصیلات لکھی ہیں۔ دو خداؤں کا ماننا اس مذہب کی اصل ہے۔ اور یہ دونوں ہی تمام عالم کے خلاق ہیں۔ یعنی نور و ظلمت کے خدا نیکی و بدی۔ نیکی کا خالق بدی کے خالق سے الگ ہے۔ ان دونوں میں یہ پانچ صفات مشترکہ ہیں رنگ، ذائقہ، شامہ، مس اور سامعت، یا یوں کہو کہ قوت باصرہ، شامہ، لامسہ، ذائقہ اور سامعہ، اور ان قوتوں کے ذریعہ سے یہ خدا دیکھتے ہیں، سنتے ہیں اور علم حاصل کرتے ہیں۔ دنیا میں جو اچھی اور مفید شے ہے وہ خدائی نور کی طرف سے ہے اور جو بری و مضر ہے وہ خدائی ظلمت کی طرف سے ہے۔ ازل میں یہ دونوں علیحدہ علیحدہ تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت کوئی اور ظاہری شے نہ تھی۔ سورج اور

سایہ کی طرح ایک دوسرے سے وابستہ تھے۔ پھر ظلمت نے نور سے ملنے کی کوشش کی اور اس کی ابتدا کی۔ نور کیوں ابتدا کرتا۔ اس کے لئے تو یہ امتزاج مضر تھا۔ اس بات کا ثبوت کہ یہ ازل سے ہیں یہ ہے کہ اگر ایک چیز کو لو تو اس سے دو متضاد و نتیجے نکلیں گے۔ اگر ایک خدا ہوتا تو اس سے یہ دو متضاد باتیں (نیکی و بدی) نہ پیدا ہوتیں۔ لہٰذا یہ دونوں ازلی ہوئے۔ مانی کے مذہب میں یہ کہنا کہ انسان و شیطان یا نیکی و بدی کا پیدا کرنے والا ایک ہی خدا ہے گناہ تھا۔ جیسا کہ یہ کہنا گناہ تھا کہ چاند و سورج بے جان چیزیں ہیں اور انکے طلوع و غروب میں ان کی مرضی کو دخل نہیں ہے۔

مانی کا مذہب تمام مذاہب کا مرکب

مانی کا مذہب بھی ایک عجیب مرکب شے ہے۔ اس نے بدھ مت اور بابل مت سے مصالحت کر کے اس سے بھی کچھ لیا۔ اس کی خاص کوشش یہ تھی کہ زرتشتی مذہب اور مسیحیت کے اصولوں کی باہم آمیزش کر کے ایک اپنا نیا مذہب بنائے۔ مانی ایرانی تھا اور زرتشتی مذہب ورثہ میں پایا تھا۔ لہٰذا اسکے مذہب کو عیسائی نما زرتشتی مذہب کہنا بجا ہوگا نہ کہ زرتشتی نما عیسائیت۔ اس کوکوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں یعنی زرتشتی مذہب اور مسیحیت اسکے دشمن ہو گئے۔ زرتشتی تو اس وجہ سے اس سے ناراض تھے کہ اس نے ان کے اصولوں کو توڑ مروڑ کے عیسویت کے اصولوں کے تابع کرنا چاہا اور عیسوی تخیل کا اثر ان پر ڈالا اور عیسوی مذہب اس وجہ سے اس کے خلاف تھا کہ عیسویت کے اصولوں کو زرتشت کے اصولوں کے مطابق کرنا چاہا اگر چہ اعتقاد ثانویت دونوں مذاہب میں مشترکہ ہے۔ لیکن زرتشت کے مذہب کے دیگر اصول مانی کے مذہب کے خلاف ہیں۔ زرتشتی مذہب تو کہتا ہے کہ انسان کا جسم ایک برتن ہے جس میں رہ کر روح پاک و مطہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی تعلیم ہے کہ بہت بچے پیدا کرو، زراعت میں مشغول رہو اور دنیا کی زندگی قبول کرو۔ برخلاف اس کے مانی کہتا ہے کہ ظلمت و نور کا ملنا یہ ایک شر ہے۔ برائی ہے۔ یہ اہرمن یا شیطان کی پیدا کی ہوئی ہے۔ مادہ میں رہ کر روح کبھی صاف و مطہر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اسکی نجات تو اس میں ہے کہ مادہ سے نجات حاصل کرے جسم کا فقط اتنا فائدہ ہے کہ یہ روح کی نجات کا ایک ذریعہ ہے۔ جو چیز مادہ و روح کے اس امتزاج یا وصل کے دوران کی طوالت کا باعث ہو وہ ہی بری ہے۔ لہٰذا شادی، بیاہ زراعت، بچے پیدا کرنا یہ سب برا ہے۔ بلکہ ترک دنیا لازمی ہے۔ زرتشت ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا۔

اسلام کو جو خدائے وحدہٗ لاشریک کو تمام عالموں کا خالق و رب واحد مانتا ہے اور نور و ظلمت سب پر اسکے سلطنت کو حاوی کہتا ہے۔ اس ثانویت سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ لیکن وہ مقلدین مانی جو مسلمانوں کے اقتدار کے زمانہ میں تھے چاہتے تھے کہ اسلام سے بھی کچھ تعلق پیدا کر کے مسلمانوں کو اپنی طرف کریں۔ لہٰذا انھوں نے کہا کہ انبیا کے متعلق مانی کا اعتقاد تھا کہ سب سے پہلے خدا نے حضرت آدمؑ کو علم و حکمت کے ساتھ مبعوث کیا۔ پھر حضرت شیثؑ کو پھر نوحؑ کو پھر ابراہیمؑ کو اور پھر ہندوستان میں گوتم بدھ کو مبعوث کیا۔ زردشت کو ایران میں۔ مسیح کلمۃ اللہ و

روح اللہ کو ملک روم و مغرب کی طرف بھیجا۔ مسیح کے بعد پولیوس کو بھیجا۔ پھر اب عرب کے ملک میں خاتم النبیین پیدا ہو گئے۔ (ملل والنحل سحبرستانی الجزء الثانی صفحہ نمبر ۸۲،۸۱)

اگر چہ جیسا ہم او پر لکھ چکے ہیں۔ اسلام کو اس مانویت سے کچھ لگاؤ نہیں۔ لیکن پھر بھی بہت سے مسلمانوں نے دل سے مانی کا مذہب اختیار کر لیا وجہ ظاہر ہے۔ اول تو یہ کہ ابھی اسلام کے اصول ان کے دل میں بذریعہ تکرار عمل راسخ ہی نہیں ہوئے تھے کہ وہ عرب سے باہر آ گئے اور فوراً اس طوفان سے ملاقی ہوئے۔ دوسرے یہ کہ امور مذہب وفقہ میں انھیں قیاس کی اجازت شروع خلافت ہی سے مل گئی تھی۔ تیسرے یہ کہ یونان کے فلسفہ و منطق نے ان میں نکتہ چینی و کج بحثی کی عادت پیدا کر دی تھی۔ ان لوگوں نے روح و مادہ اور خیر وشر کے جال میں پھنسا کر مسلمانوں کو بہت بے وقوف بنایا۔ ہم ابھی بتائیں گے کہ جناب امام جعفر صادق نے کس طرح اس جال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

بہر صورت اس مذہب کے اصول حکومت کے لئے مناسب نہ تھے۔ حکومت ہمیشہ ایسی تحریک کو جس سے اسے نقصان پہنچے دبایا کرتی ہے۔ چنانچہ نوشیرواں نے مزدک اور اس کے مذہب کی مخالفت محض اس بنا پر کی کہ اس کے اصول سلطنت کے بیخ و بن کو ہلانے والے تھے۔ ایسے ہی اصول مانی کے تھے۔ لہذا سلطنت عباسیہ نے اس کو خاموش کرنا چاہا۔ زندیق کا لفظ پہلے صرف پیروان مانی کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ مانوی مذہب میں ایک گروہ صدیق کا تھا۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ صدیقائی سے نکلا ہے رفتہ رفتہ فارسی میں زندیق ہو گیا۔ (Browne''s literary History of persia vol i page number, 160) بعد میں ہر ملحد وکافر کو زندیق کہنے لگے۔ یہ بھی ایک وجہ تسمیہ ہے کہ زندیق کے معنی ہیں زند کے پیرو۔ وہ لوگ جو کتب آسمانی کی تاویل اپنے قیاس سے کرتے ہیں ان کو بھی زندیق کہتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ دوسرے مذاہب کی آسمانی کتب کی تاویل اپنے مطلب کے موافق کرتے تھے۔ لہذا ان کو بھی زندیق کہنے لگے۔

مانی کے قتل نے اس کے مذہب کی اشاعت کو نہ روکا۔ بلکہ یہ مذہب چین، ہندوستان، تبت، افریقہ اور یورپ تک پھیل گیا۔ ہارون الرشید کے زمانہ تک اس تحریک کو نہایت سختی سے روکنے کی ضرورت ہوگئی۔ بہت سے مسلمان جو زبان سے اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے دراصل مانی کے مذہب کے پیرو تھے۔ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں ۷۷۵ء تا ۷۸۵ء زندیقوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ اس نے ایک عہدہ دار صاحب الزنادقہ مقرر کر دیا تھا۔ جس کا کام یہ تھا کہ مانی کے مقلدین کی تلاش کرے اور ان کو قتل کرائے۔ ابن الندیم نے اپنی فہرست میں صرف بغداد کے ۳۰۰ مسلمانوں کے نام لکھے ہیں جن کو وہ جانتا تھا اور وہ دراصل زندیق تھے۔ یہ ۹۸۸ء کی بات ہے۔ البیرونی (۱۰۰۰ء) ان کی کتابوں سے واقف تھا۔ خالد ابن عبداللہ القصیری جو کسی زمانہ میں عراق کا گورنر بھی رہ چکا تھا۔ مانی کے مقلدین کا بڑا محافظ اور حامی تھا۔ کئی دفعہ انھوں نے بغداد کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں رہائش اختیار

کر لی۔ آخری دفعہ مقتدر ۹۳۲ء ۹۰۸ء کے زمانہ میں یہ بغداد چھوڑ کر خراسان چلے گئے۔ کچھ سمرقند میں آ گئے۔ اگر جناب امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور بعد کے آنے والے ائمہ اہلبیت علیہ السلام ان کے خلاف جہاد نہ کر چکے ہوتے تو اسلام کی جگہ مانویت نے لے لی ہوتی۔

اردو اور ایران کی شاعری میں مانی کو مصور کی حیثیت بھی دی گئی ہے۔ مانی نے مصوری ضرور سیکھی تھی۔ لیکن اس کی شہرت بطور بانئ مذہب زیادہ ہے۔ اس کے مذہب کی کتابیں نہایت خوشخط، مطلا و مذہب ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا خیال ہو گیا کہ مانی اس ہنر میں بہت ماہر تھا۔

مزدک اور اس کا مذہب

مزدک تبریز کا باشندہ تھا اور زرتشت کے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کا مذہب مانی کے مذہب کی ترمیم شدہ شکل ہے۔ مانی کا اعتقاد تھا کہ مادہ اور روح کے ملنے کی وجہ سے یہ عالم ظہور پذیر ہوا اور اس باہمی امتزاج کا باعث مادہ تھا۔ لیکن مزدک نے کہا کہ چونکہ مادہ میں نہ عقل ہے اور نہ ارادہ اس امتزاج کا باعث نہیں ہو سکتا۔ بلکہ روح خود مادہ میں داخل ہوئی اور اس امتزاج نے مادہ کو صاحب عقل و ارادہ بنایا۔ اوری امتزاج اتفاقیہ تھا۔ مادہ کے ارادہ سے نہیں ہوا تھا۔ روح جو مادہ میں مقید ہے عقل و ارادہ رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کو اپنی قید کا علم ہے اور وہ اپنی رہائی کی کوشش کرتی ہے تاکہ اپنے اصلی منبع سے جا کر مل جائے۔ عالم تین عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی، اور خاک ۔جس میں یہ تینوں عناصر مناسب مقدار میں ہیں اور اعتدال پر ہیں وہ تو اچھا ہے اور جس میں یہ اعتدال نہیں ہے، وہ برا ہے۔ سب سے اعلیٰ ہستی (خدا) میں چار صفات ہیں۔ معرفت اشیا، حافظہ، عقل اور قناعت اور ان ہی چار صفات سے وہ بذریعہ سات ماتحت طاقتوں کے دنیا پر حکومت کرتا ہے اور یہ ہی سب مل کر دنیا بنی ہے۔ ان سات ماتحت طاقتوں کے نیچے بارہ اور صفات ہیں جو تمام اشیاء عالم میں پائی جاتی ہیں۔ ان بارہ صفات کے ذریعہ سے انسان وہ سات طاقتیں حاصل کرتا ہے اور ان کو حاصل کر کے چار صفات الہیہ مزکورہ بالا تک پہنچ جاتا ہے۔ مزدک نے گوشت، لڑائی اور قتل کو منع کیا۔ بے ضرر جانوروں کا مارنا بھی اس کے نزدیک گناہ تھا۔ مزدک نے اپنی یہ تعلیم ۴۸۷ء میں شروع کی اور ۲۹۔۵۲۸ء میں اس کو نوشیرواں کے حکم سے قتل کیا گیا۔ مزدک اگرچہ اپنے تئیں زرتشتی مذہب کا پیرو کہتا تھا۔ تاکہ لوگ اس سے برگشتہ نہ ہوں لیکن دراصل وہ اپنا نیا ایک نیا مذہب جاری کرنا چاہتا تھا جس کا منشا یہ تھا کہ ایران کی سوسائٹی کو بالکل درہم برہم کر دے۔ وہ بھی کمیونزم کی تعلیم دیتا تھا جو اب اس زمانہ میں اتنی زور شور سے ظاہر ہوئی ہے۔ اس کی بحث تھی کہ تمام آدمیوں کو قدرت نے ایک سا پیدا کیا ہے ہر بات میں ان کو مساوی ہونا چاہیے یہ ناانصافی ہے کہ ایک شخص تو خوبصورت سلیقہ والی عورت کو اپنے پاس رکھے اور دوسرے کے لئے بدصورت و بے ڈھنگم عورت ہو۔ ایک آدمی مال دار ہو دوسرے کو نان شبینہ بھی نہ ملے۔ لہٰذا اس نے اصول قائم کیا کہ تمام مال تمام لوگوں پر مباح ہے۔ اور عورتیں بھی چونکہ بمنزلہ مال کے ہیں وہ بھی سب پر یکساں مباح ہیں۔

نوشیروان نے اس میں اپنی سلطنت کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ اگرچہ اسکا باپ قباد مزدک کے دین میں آ گیا تھا۔ لیکن نوشیرواں نے آخر کار اپنے باپ کو سمجھالیا۔ اور ایک دن تمام پیروان مزدک کو جس اس وقت تک بارہ ہزار تھے۔ ایک دعوت میں بلایا۔ بہت اچھے کھانے کھلا کر بیس بیس کی ٹولیوں میں رقص وسرور کے لئے بھیجتا گیا۔ وہاں جو محافظین تھے انھیں حکم تھا کہ گڑھے کھود کر ان سب کو زندہ اس طرح گاڑ دو کہ سر اندر رہے اور تھوڑے سے پیر باہر رہیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب سب ختم ہو گئے تو مزدک کو بلایا گیا۔ نوشیرواں بھی اس کے ساتھ آیا۔ اور کہا دیکھ یہ تیرے عقائد بارآور ہوئے ہیں۔ تو نے چاہا تھا کہ ہمارے خاندان سے بادشاہت نکال کر اس پر قبضہ کر لے لوگوں کو حکم دیا۔ اور اس کو بھی اسی طرح سر اندر پیر باہر کر کے دفن کر دیا گیا (Browne's literary of perrsia vol chapt 5 . page 168-172) سیاست نامہ نظام الملک فصل ۴۴ ایک مصنف کہتا ہے یہ غلط خیال ہے بلکہ یونان کا فلسفہ یونان کی پیدائش ہے دیکھو۔ (Critical History of greek philosophy by stace page .17) یہ ۵۲۸ء ۲۹ کا واقعہ ہے۔

یونانی فلسفہ Greek Philosophy

یونان نے اپنا فلسفہ اور مذہب اپنے ہمسایوں اور استادوں یعنی مصر، اشوریا بابل سے لیا۔ یونان کے عوام الناس کا مذہب وہی قدرت کی طاقتوں کی پرستش تھی جو اس زمانہ میں جاری تھی۔ ان طاقتوں کو انسانی جسم و خواہشات دیکر انھیں خدا بنالیا اور خداؤں کی یہ جماعت کوہ المپس پر اپنے کھیل کود اور خواہشات نفسانی میں مشغول رہتی تھی۔ عوام الناس محض اس وجہ سے ان کی پرستش کرتے تھے کہ وہ ان کی تکلیف نہ دیں لیکن یونان کے فلسفہ نے خدا کے اس ذرا سے تخیل کو بھی اپنے میں جگہ نہ دی۔ یونان کے فلسفہ کا دارومدار محض عقل انسانی پر ہے اور اس کی ہی تربیت اس کا مقصد ہے۔ یونانی فلسفہ کے اوپر ہم نے اس باب کے آخر میں تنقید کی ہے۔

چند حکماوان کے فلسفہ وتالیس ملیطی

تاریخ کے ابتدائی زمانہ میں مصر، بابل اور اشوریا تہذیب کے گہوارے تھے جنھوں نے اپنے فلسفہ کے رنگ میں ساری دنیا کو رنگ دیا تھا۔ یونان کے طالبان علم بھی ان ملکوں میں جا کر علم فلسفہ حاصل کیا کرتے تھے۔ آخر کار یونان خود تہذیب کا مرکز اور فلسفہ کا مخزن بن گیا اور ساری دنیا کو صدیوں تک اپنے فلسفہ کے زیر اثر رکھا۔ یہاں تک کہ دنیا کے جتنے مذاہب ہوئے انھوں نے کچھ نہ کچھ یونان کے فلسفہ کا اثر ضرور لیا۔ یونان کے اولین حکما میں سے تالیس ملیطی حکیم (Thales of Miletus) تھا ۶۲۴ ق م میں پیدا ہوا ۵۵۰ ق م میں مر گیا۔ ملیط یا (Miletus) ایشائی کوچک میں ایرانیوں کا بڑا شہر تھا۔ یہ حکیم وہیں پیدا ہوا تھا۔ پھر یونان چلا گیا۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی Solon کا ہمعصر تھا یونان کے سات بڑے حکما میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس نے سبق

دیا کہ قدرت کو مناظر قدرت کے ذریعہ سے سمجھو۔ اس کا عقیدہ تھا کہ تمام عالم پانی سے بنا ہے اور آخر کار پانی ہی ہو جائے گا۔

انکبانس ملیطی

اس کا جانشین اس ہی کے ملک کا باشندہ انکبانس ملیطی (Anascamander) تھا جو غالباً ۶۱۰ ق م میں پیدا ہوا اور ۵۴۷ ق م میں مر گیا۔ اس نے ثالیس کے فلسفہ میں اتنی ترمیم کی کہ سب سے پہلا قدیم ہیولیٰ غیر معین لیکن ازلی ہے اور وہ زمانہ اور فضائی بسیط کے لحاظ سے غیر محدود ہے۔ زمین پانی قائم نہیں ہے بلکہ فضا میں معلق ہے۔

انکباغورس ملیطی

اس ہی تہر کا تیسرا حکیم انکباغورس ملیطی (Anascimenes) تھا اس نے پانی کے بجائے ہوا کو سارے عالم کی بنیاد بتایا اور کہا کہ اصلی ہیولیٰ ہوا ہے جو سردی یا گرمی کی وجہ سے اپنی شکل تبدیل کرتا رہتا ہے۔ غالباً اس کے وقت میں کروش اعظم (Cyrus The great) نے ایشیائی کوچک پر حملہ کیا اور اس کو اپنے قبضہ میں لے آیا۔ اس طرح ایرانی براہ راست یونانیوں کے ہمسایہ ہو گئے اور یہ حالت رومن ایمپائر کی ابتداء تک اسی طرح رہی۔ کروش اعظم کی لسلطنت ۵۶۰ ق م سے ۶۲۹ ق م تک رہی۔ Anascimenes ۵۸۸ ق م میں پیدا ہوا ۵۲۴ ق م میں مر گیا۔

فیثاغورث

فیثاغورث (pythagoras) ۵۸۰ ق م اور ۵۷۰ ق م کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ اس نے مشرقی ممالک میں بہت سفر کیا تھا اور آخر کار Croton میں اس نے اپنا اسکول قائم کیا۔ کمبوجیا اول شاہ ایران (Cambyses 1) اس کو قید کر کے شام لے آیا لیکن پھر کمبوجیا مر گیا۔ فیثاغورث نے تعداد ہندسہ پر بہت زور دیا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ نمبروں میں بڑی طاقت ہے۔ طاق نمبر ہمیشہ جفت نمبر سے زیادہ کار آمد اور بہتر ہوتے ہیں لیکن نمبر چار کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ اس حکیم کے بہت سے مقولے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ چار چیزوں سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اول عجلت جس کا انجام پشیمانی ہے۔ دوم لجاجت جس سے انسان کی آبرو جاتی ہے۔ سوم عجب او غرور جس کا نتیجہ ذلت ہے۔ چہارم کاہلی جو باعث نقصان ہوتی ہے۔ ثانویت میں یہ زرتشت کا ہم خیال تھا۔ علاوہ اس کے اس کا فلسفہ ہندو فلسفہ سے بہت ملتا ہے۔ اس کا اعتقاد تھا کہ صرف جان دار ہی نہیں بلکہ عالم کی تمام چیزوں کی روح ہوتی ہے اور ایک روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں اپنے اعمال کے مطابق جاتی ہے اس کے جانشین جن میں سقراط افلاطون اور ارسطو شامل ہیں اس کے فلسفہ سے بہت متاثر ہوئے یورپ کے سائنس اخلاقیات اور مذہب کا یہ بابائی اول مانا جاتا ہے۔

ہرقلاطیس

ہرقلاطیس (Heraclitus) ۵۳۵ ق م میں پیدا ہوا اور ۴۷۵ ق م میں مرگیا اس نے آگ کو بنیادی عنصر مانا اور تمام عالم کو اس پر مبنی کیا اسکا خیال تھا کہ تمام عالم ایک دوامی حرکت کے اندر کام کر رہا ہے اور انقلاب یا تغیر لازمی ہے۔ بودھ کی طرح یہ بھی ایک دوامی تغیر حالت کا قائل تھا۔ زرتشتیوں کی طرح یہ بھی عالم کی ثانویت کا قائل تھا۔ لیکن کہتا تھا کہ دنیا میں تضاد اشیا نہیں ہے بلکہ دو متضاد چیزیں دراصل ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں برعکس اس کے حکیم۔

پارمنیدیز

پارمنیدیز۔(Parmenides)۔(پیدائش ۵۱۴ ق م) کہتا ہے کہ حرکت وانقلاب یا تغیر کوئی شے نہیں دنیا میں مختلف حالتیں آگ اور خاک کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اس کے خیال میں ہستی ایک غیر متغیر چیز ہے اسکے شاگرد

امپیڈوکلس

امپیڈوکلس (۴۹۵ سے ۴۳۵ ق م) (Empedocles) نے یہ اعتقاد قائم کیا کہ انسان کی روح قبل اس کے کہ وہ انسانی جسم میں آئے بہت سے سبزوں اور جانداروں کے جسموں میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ اس وقت مجھے مولوی روم کی مثنوی کا یہ شعر یاد آگیا۔

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہفت صد و ہفتاد قالب دیدہ ام

امپیڈوکلیز نے گوشت کھانے کو منع کیا اور جانداروں کی زندگی کو متبرک سمجھا۔ اس کا یقین تنازع ولڑائی پر نہ تھا۔ اور اس کو وہ اچھا نہیں سمجھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عالم میں دو طاقتیں ہیں ایک وصل کی اور دوسری فصل کی۔ یعنی ایک محبت جو جاذبیت وانس پیدا کرتی ہے اور دوسری نفرت جو جدائی پیدا کرتی ہے۔

دمیقراطیس

لیوسی پس اور دمیقراطیس (Lenciphus Democritus) نے ایٹم کی تھوری کا غور سے مطالعہ کیا۔ یہ تھیوری یونان اور ہندوستان دونوں جگہ مانی جاتی تھی۔ اور پھر مسلمانوں نے بھی اس کو صحیح سمجھا۔ یونانی حکما کی بحث ہے کہ شے اور لاشے دوسرے نام ہیں ہستی اور نیستی کے یہ ہستی کیا ہے۔ غیر محدود فضا میں غیر محدود تعداد کے ایسے ذرات کا اجتماع یا امتزاج جو نظر بھی نہ آسکیں۔ وہ دوامی ہیں۔ ازلی ہیں۔ کسی حالت میں بھی ضائع نہ ہونے کے قابل۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ہستی کی ابتدا ہی نہیں۔ نہ تو ان کی تقسیم ہوسکتی ہے اور نہ وہ محسوس ہوسکتا ہیں۔ اگرچہ مختلف قد و قامت کے ہیں۔ لیکن ہیں ایک ہی قسم کے مادّے کے۔ ان کے امتزاجی تناسب کا مختلف ہونا ہی اختلاف شکل اور

مقدار کا باعث ہوتا ہے۔ جب وہ مل جاتے ہیں تو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ تو وہی چیزیں نیست ہو جاتی ہیں۔ ان کا وصل و فصل دونوں حرکت پیدا کرتے ہیں اور حرکت کے لئے جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا فضا اور حرکت دونوں ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں اور وہ حقیقی چیزیں ہیں۔ ہر ایک شے کا ایٹم یا ذرہ خاص ہوتا ہے۔ روح بھی ذرات کے باہر کوئی شے نہیں ہے۔ وہ آگ کے ایٹوں (ذرات) سے مرکب ہے جو خیال کی شکل میں دماغ میں کام کرتے ہیں۔ جرأت کی شکل میں دل میں کام کرتے ہیں اور خواہش یا حرص کی شکل میں جگر مین کام کرتے ہیں۔ جب کسی شے کی تصویر اس شے کو چھوڑ کر انسان کے کسی عضو حس پر اثر ڈالتی ہے تو اس چیز کا احساس پیدا ہوتا ہے قد وزن اجسام کے ساتھ ہیں۔ پر مینائڈیز (Parmenides) کا خیال ہے کہ تغیا اور حرکت محض اعضا حس کے دھوکے ہیں دراصل یہ کوئی شے نہیں ہے ہستی حقیقی تغیر اور حرکت سے بالاتر ہے۔ ویدانت اور تصوف میں جو خدا کا تخیل ہے یہ اعتقاد اس سے ملتا ہے۔ انکباس غورس (Anascagoras) نے جو ۵۰۰ ق م کے نزدیک پیدا ہوا تھا۔ سورج اور چاند کو یونانیوں میں خدا سمجھے جاتے تھے۔ محض اجسام سمجھا سورج کو تو آگ سے دہکتا ہوا پتھر اور آگ کو ایک ارضی جرم تصور کیا اور عقل کل تمام عالم کے انتظام کا باعث تھا۔ اس کے نزدیک مادہ اپنی خاصیت اور مقدار میں تغیر پذیر نہیں ہے۔

دقیانوس

دقیانوس (Diogenes) کے نزدیک روح ہوا ہے اور صرف وہی نیچر میں ایک صاحب عقل سبب ہے یہ۔ Apollinia کا باشندہ تھا۔

سوفسطائی حکماء

منطیقوں کی یہ ایک پیشہ ور جماعت تھی جن کا کام بحث کر کے دولت پیدا کرنا اور یونان کے نوجوانوں کو ایسی تعلیم دینا تھا کہ جسکے ذریعہ سے وہ حکومت در رسوخ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ جائیں یونان میں یہ پہلی جماعت تھی جس نے لوگوں سے عقل و علم سکھانے کی فیس وصول کی۔ حق معلوم کرنے کے لئے بحث نہیں کرتے تھے بلکہ اپنا خاص مضمون لے لیتے تھے اور اپنے نظریہ کو ثابت کرنا انکا مقصود ہوا کرتا تھا ان کی وجہ ہست و بود اور ان کی تعلیم سمجھنے کے لیے اس زمانہ کی حالت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے کہ جسکی وہ پیداوار تھے۔ اور چونکہ اس قسم کی حالت ہر ملک میں اور تاریخ کے اکثر زمانوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور چونکہ وہی حالت دنیا پر اب بھی طاری ہے اور اس وقت بھی اسلام ممالک میں یہی حالت تھی کہ جب عرب کو چھوڑ کر مسلمان ایک نئے زمانہ میں سے گزر رہے تھے اور ان کی ساری زندگی پر یونانی فلسفہ کا اثر غالب تھا۔ لہٰذا یہ مطالعہ ضروری ہی نہیں بلکہ مفید بھی ہوگا۔

یونان کا یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ایک پورانا دور ختم ہو رہا تھا۔ نئے دور کی ابتداء تھی۔ وہ طولانی امرا اور عوام

الناس کی کش مکش ختم ہو رہی تھی۔ امرائیت مغلوب ہو کر جمہوریت کا آغاز تھا۔ ہر جگہ جمہوریت کامیاب ہوگئی تھی۔ جمہوریت اپنے ساتھ اپنے ضروری لوازمات لائی تھی۔ خود غرضی، حرص، خودستائی، بیحد لالچ کے جذبات نے لوگوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ جمہوریت کے عروج کے ساتھ ہی مذہب کا تنزل ہوگیا اس تنزل کی دو وجوہات تھیں۔ اول تو یونان کا مذہب ہی بے معنی ولایعقل مذہب تھا۔ انھوں نے اپنے خداؤں کو انسانوں کی اچھی و بری صفات دیکر کوہ اولمپس پر آباد کر دیا تھا۔ وہاں وہ اسی طرح زنا بازی، فریب، دغا بازی، ولہو ولعب میں مشغول رہتے تھے۔ جس طرح انسان یہاں اس دنیا میں رہتے ہیں۔ ایک خدا دوسرے خدا کی بیوی یا بیٹی پر عاشق ہو جاتا تھا۔ اس کے حصول کی کوشش کرتا تھا۔ وہ بھاگتی تھی اور اس سے بچنے کے لئے گائے بن جاتی تھی۔ پیچھے بھاگتا ہوا خدا فوراً سانڈ بن جاتا تھا اور اپنی خواہش پوری کرتا تھا۔ کبھی وہ بچنے کے لئے اڑ کر آسمان پر ستارہ بن جاتی تھی۔ یہ تھے ان کے خدا۔ انسان اپنے برے سے برے فعل کی جوازیت ان خداؤں کے فعل کی مثال سے ثابت کر سکتا تھا۔ مذہب کے انحطاط کی دوسری وجہ فلسفہ اور سائنس کا فروغ تھا۔ ایسے مذہب کی حماقت بہت آسانی سے ثابت ہوگئی۔ خفیہ طور سے یونان کے تمام فلاسفران عوام الناس کے اس مذہب کے خلاف تھے اور بعض ان میں سے اپنی مخالفت کو ظاہر بھی کر دیتے تھے۔ مذہب کے خلاف یہ حملہ xenophanes نے شروع کیا اور Heracleitus نے جاری رکھا۔ Democritus نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ مذہب وغیرہ کچھ نہیں۔ ارضی وسماوی حالات وتغیرات سے جو انسان کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے لوگوں میں مذہب کا تخیل پیدا ہوگیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مذہب کے جو ارکان تھے یعنی معجزات، پیشین گوئیاں اور غیبی الہامات، ان پر کسی تعلیم یافتہ شخص کا اعتقاد نہیں رہا۔ یہ زمانہ گویا عام نکتہ چینی اور پرانے مختارات ومعتقدات کے انہدام کا تھا۔ جمہوریت نے پرانی امر کی قائم کی ہوئی معاشرت کو ختم کر دیا اور سائنس نے مذہب کی جڑ کھوکھلی کر دی۔ اخلاقیات، سابقہ رسومات وحکومت اور قدیمی روایات سب کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا اور جن رسومات وروایات واصول وقواعد معاشرت ومعیشت کو انکے آبا واجداد عزت عظمت وجلالت کی نگاہ سے دیکھتے آئے تھے یہ نوجوان یونانی ان کا مذاق اڑاتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ انسان کے قدرتی قوائے ارادہ وفعل پر یہ امور ناجائز بندشیں پیدا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان بندشوں کے ہٹ جانیکے بعد شہوات وحرص اور خود غرضانہ خیالات انسان میں عام ہوگئے۔

سوفسطائی حکماً اپنے زمانہ کی پیداوار بھی تھے اور اسکے ترجمان بھی تھے۔ جمہوریت کی فتح نے عوام الناس کے دل میں حکومت کی کرسیوں پر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا کر دی۔ ہر ایک شخص جس کی زبان تیز، طبیعت چالاک اور سچ وجھوٹ کی طرف سے لاپرواہی ہوتی، وہی عوام الناس کے جذبات کو بھڑکا کر اپنا الوسیدھا کر لیا کرتا تھا اور حکومت پر قبضہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا ایسی تعلیم وتربیت کی ضرورت محسوس ہوئی جو لوگوں میں یہ صفات پیدا کر دے۔ سوفسطائی حکما نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا ذمہ اپنے اوپر لیا تمام یونان میں سفر کرتے تھے اور شاگرد پیدا کر کے

ان سے روپیہ وصول کرتے تھے۔

سوفسطائی حکما کا فلسفہ

سوفسطائی حکما میں Protagoras,gorgias, Hippias زیادہ مشہور تھے سب سے پہلا یونانی سوفسطائی حکیم Protagoras تھا۔ یہ ۴۸۰ ق م میں پیدا ہوا اور بہت سفر کرنیکے بعد ایتھنز میں قیام اختیار کیا۔ ایک کتاب لکھی جس میں یونان کے خداؤں کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا۔ لوگوں کے ڈر سے یہ سسلی کی طرف بھاگا۔ لیکن راستہ میں ۴۱۰ ق میں غرق ہو کر مرگیا۔ اس کا نہایت مشہور مقولہ یہ ہے Man is the measure of all things فلسفہ میں اس مقولہ کے بہت دوررس نتائج نکلتے ہیں۔ اور سوفسطائی حکما نے اپنے معتقدات کو ان ہی پر مبنی کیا۔ اس مقولہ کا ترجمہ یہ ہے، انسان تمام چیزوں کا معیار و پیمانہ ہے۔ اس کا مطلب ہوا اور یہ ہی سوفسطائی حکماً کی تعلیم تھی کہ حق و باطل دراصل کوئی شے نہیں ہے۔ جس امر کو ایک شخص حق سمجھتا ہے وہی اس کے لئے حق ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ انسانی عقل جس کو اچھا کہے وہ اچھا ہے۔ اگر ایسا کہتا تو کچھ معنی ہوتے۔ اس نے تو یہ کہا کہ جو ایک شخص کے نزدیک حق معلوم ہوتا ہے وہ حق ہے۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ عقل و جذبات یا احساسات Protagroas نے عقل کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ صرف جذبات و محسوسات ہی کو معیار ٹھیرایا۔ حق و باطل کا فرق جاتا رہا۔ ان دونوں لفظوں کے کچھ معنی ہی نہ رہے حق کی تلاش اور حق کا علم سب ناممکن ہو گیا۔ اس کے بعد آنے والے سوفسطائی اس سے بھی بہت آگے چلے گئے۔ انھوں نے جب اس اصول کو اخلاق و سیاست پر آزمایا تو نتیجہ نکالا کہ اچھے اخلاق کوئی شے نہیں ہر ایک شخص جو اپنی مرضی اور اپنے جذبات کی رو میں کرنا چاہتا ہے وہ ہی نیک اخلاقی ہے۔ جب اخلاق انصاف و رحم کوئی شے نہیں تو اس ہی اصول کے مطابق ملک کے قانون طاقت و رواج کی بنا پر بن سکتے ہیں اگر کوئی شخص اتنا طاقت ور ہے کہ وہ ملک کے قوانین کے خلاف بغاوت کر سکتا ہے تو کر دے اس میں کچھ غلطی نہیں۔ غرض کہ ان کا اصول یہ ہے کہ حق وہ ہے جو میں سمجھتا ہوں کہ حق ہے اور نیکی وہ ہے جو میں سمجھتا ہوں کہ نیکی ہے۔

چونکہ یہ نہایت آسان اور خوشگوار فلسفہ ہے لہٰذا ہر ملک نے کسی نہ کسی زمانہ میں اس پر عمل کیا ہے۔ فرانس و انگلستان میں اٹھارھویں صدی عیسوی کے شروع کا زمانہ ایسا ہی تھا اور آج کل کے لوگ اس ہی فلسفہ پر عمل کرتے ہیں۔ حق کی بذات خود کوئی اصلیت نہیں ہے اور نہ وہ ایسی شے شمار کی جاتی ہے کہ لوگ اس کی پابندی کریں۔ برخلاف اس کے حق کو چاہیئے کہ لوگوں کی مرضی کے مطابق بدلتا رہے جو عقیدہ مفید اور کارآمد سمجھا جاتا ہے وہ ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ Protagoras نے تو حق کو لوگوں کے محسوسات پر مبنی کیا تھا۔ آج کل وہ لوگوں کی مرضی پر منحصر سمجھا جاتا ہے۔ نتیجہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے عقل کو دخل کہیں نہیں۔

مذہب و سیاست پر عمل کر کے اس عقیدہ نے بہت خراب نتائج پیدا کئے۔ اگر قانون وہی ہے جو ہر شخص کرتا ہے تو پھر جمہوریت غنڈہ گردی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور مذہب میں اپنے قیاس ہی کو حق سمجھنے سے سینکڑوں فرقے

پیدا ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے کئی زمانہ آئے ہیں کہ جب انھوں نے مذہب کے مرکز سے انحراف کر کے اپنے پیاس کے مطابق حق کو ڈھال لیا۔ عقل کو کام میں نہیں لاتے تھے بلکہ اپنے قیاس کو ہی حق سمجھ کر اس پر اصرار کرتے تھے۔ قرآن شریف نے اس عقیدہ کی تردید کس خوبصورتی سے کی ہے۔

قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۵:۱۰۴

کہتے ہیں کہ ہم نے جس (طریقہ) پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اگر چہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے ہی ہوں اور نہ ہدایت ہی پائی ہو۔

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ○ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ○ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ○ ۲۶:۷۱ تا ۷۴

بولے ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انکے ہی مجاور بن جاتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو وہ کچھ تمہاری سنتے ہیں یا کچھ تمہیں نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں کہنے لگے (کہ یہ تو نہیں) بلکہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے گویا قرآن شریف نے سوفسطائیوں کی بحث کی تردید میں فرمایا کہ انسان کو عقل سلیم سے کام لینا چاہیے۔ اپنی یا اپنے آباؤ اجداد کی خواہشات کی پیروی نہ کرنی چاہیئے۔

اسلامی تاریخ پر شروع سے نظر ڈالئے اگر چہ بنو امیہ نے اور بنو عباس نے یونان کے فلسفہ کی خاص طور سے پرورش و حمایت کی اور ان کے زمانہ میں اس کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے بھی عرب یونانی خیالات سے واقف تھے اور ہمسایہ ہونے کی وجہ سے ان کا فلسفہ کسی نہ کسی صورت میں عربوں پر اثر پذیر ہوتا رہا تھا۔ قرآن شریف مین اس بحث کی تردید ظاہر کر رہی ہے کہ عرب اس سے واقف تھے مسلۂ جبر بھی یونانی فلسفے کی ایک شاخ تھی۔ سوفسطائیوں کی اس بحث نے مسلمانوں پر بہت اثر ڈالا۔ ہر ایک فرقہ نے ہر ایک آدمی نے یہ سمجھا اور اس پر اصرار کیا کہ جو ہم کہتے ہیں وہ درست ہے خواہ عقل سلیم اس کی تردید ہی کرے۔ جناب رسولؐ خدا کے مقرر کردہ نظام اور ائمہ عظام سے انحراف کرنے میں اس فلسفہ نے منحرفین کو بہت مدد دی۔ انکے ظالم بادشاہوں نے بھی یہ ہی ذہنیت اختیار کر لی تھی سوفسطائیوں اور انکے فلسفہ کے حالات کے لئے دیکھو۔

A critical History of greek philosophy chapt IX p 106 to 126

سقراط پیدائش ۴۷۰ یا ۴۸۰ ق م فوتیدگی ۳۹۹ ق م

سقراط کا باپ آذر کی طرح بت ساز تھا اور اس کی ماں دائی تھی۔ سقراط کا وہ زمانہ تھا کہ جب ایران میں سلطنت ہجامنش اپنے پورے عروج پر تھی۔ اس کی اوائل عمر کے حالات زیادہ نہیں معلوم اپنی تقریباً ساری عمر اس نے اتھنز میں گزاری۔ اپنی تعلیم کی فیس نہیں لیتا تھا۔ ساری عمر غریبی میں گزری۔ دنیا کی طرف اس نے کبھی خیال نہیں کیا۔ سیدھی سادی زندگی گزارتا تھا۔ ارادہ کا بہت پکا تھا اپنے جذبات پر اس کو پورا اختیار تھا اپنی عقل کو کبھی

مغلوب نہیں ہونے دیتا تھا۔ شراب کے نشے میں بھی اس کی عقل کام کرتی تھی۔ اگرچہ شراب شاذ و نادر پیتا تھا تو بہت زیادہ پیتا تھا ایک رات اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بہت شراب پی لی۔ تمام ساتھی بے ہوش ہو گئے۔ لیکن سقراط پر مطلقاً نشہ کا اثر نہ ہوا۔ اور نہ یہ سویا۔ صبح ہوئی تو حسب معمول کپڑے پہن کر بازار گیا اور وہاں جا کر بدستور سابق لوگوں سے بحث کی۔ اس کا معمول تھا کہ ہر روز بازار میں جا کر لوگوں کے ساتھ مکالمہ کیا کرتا تھا۔ موت اور زندگی اس کے خاص مضمون تھے دوست دشمن ہر ایک سے بحث کرتا تھا۔ بحث کرنے کا عجیب طریقہ تھا اپنے تئیں جاہل قرار دیکر لوگوں سے علم سیکھنے کے لئے گفتگو کرتا تھا۔ دوران گفتگو میں سوال کرتا جاتا تھا وہ سوال ہی ان پر اعتراض ہوتے تھے اور پھر آخر کار حق بات پر ختم کر دیتا تھا۔ سقراط کا یقین تھا کہ ایک غیبی آواز اسکے روزانہ افعال کی رہنمائی کرتی ہے اور پہلے ہی سے اسکے مجوزہ کاموں کے نیک و بد کے نتائج سے آگاہ کر دیتی ہے۔ اس کو وہ اپنے ہمزاد کی آواز کہتا تھا۔ یہ بھی اس کا خیال تھا کہ خداوند تعالیٰ نے اسے خاص کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ یونان کے خداؤں سے نفرت کرتا تھا۔

سقراط کا فلسفہ

سقراط کے فلسفہ کا حال زیادہ تر xenophon اور افلاطون کی تحریرات سے ملتا ہے۔ اس سے پہلے کے حکماً دنیا کی ابتداء اور حقیقت اول کی ماہیت پر بحث کرتے تھے سقراط نے ادھر توجہ نہیں کی۔ بلکہ انسان کی زندگی، اس کے مقصد حیات اور موت کو اپنے فلسفہ کا خاص موضوع قرار دیا۔ اس نے علم پر بہت زور دیا اور بیان کیا کہ علم ہی نیکی ہے اور علم کا نہ ہونا جہالت ہی سوفسطائیوں نے علم کی بناء محسوسات یعنی Perceptions پر رکھی۔ لیکن سقراط نے علم کی بناء عقل (Concepts یا Reason) پر رکھی۔ سقراط کا اعتقاد تھا کہ کوئی شخص نیک یا اچھا کام کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ نیک یا اچھا کیا ہے۔ آخر کار اس نے نتیجہ نکالا کہ علم رکھنے والا شخص غلط کام کر ہی نہیں سکتا۔ بدی جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

سقراط کے فلسفہ پر نکتہ چینی

سقراط کہتا ہے کہ نیکی علم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم کس شے کا گویا نیکی کا علم اب نیکی کی تعریف یہ ہوئی کہ نیکی نام ہے نیکی کا۔ ظاہر ہے کہ یہ مہمل ہے۔ ارسطو نے سقراط کے فلسفہ پر اچھی تنقید کی ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ سقراط یہ بھول گیا کہ انسان کے افعال صرف عقل ہی پر مبنی نہیں ہوتے۔ اس نے تو یہ خیال کر لیا کہ اگر ان کی منطق صحیح ہے تو ان کے افعال بھی درست ہونگے۔ لیکن دراصل بہت سے انسانوں کے افعال کے محرک ان کے جذبات ہوتے ہیں۔ یہ تنقید بالکل درست ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ جانتے ہوئے کہ نیکی کیا ہے بدی کرتے ہیں۔

سقراط کا انجام

سقراط کی عمر کا ستر واں سال تھا کہ اس کے اوپر تین الزام قائم کر کے مقدمہ چلایا گیا (۱) سقراط ملک کے خداؤں کی توہین کرتا ہے (۲) اس نے اپنے علیحدہ خدا قائم کر لئے ہیں۔ (۳) ملک کے نوجوانوں کے خیالات کو خراب کرتا ہے۔

یہ تینوں الزام محض ایک بہانہ تھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ سقراط اپنے روزانہ کے مکالموں میں بہت سے با اثر بڑے آدمیوں کے عیوب بیان کرتا تھا۔ ان لوگوں نے تین معمولی آدمیوں کو بطور مستغیث کے کھڑا کر کے اپنا بدلہ لیا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ملک کی جمہوری حکومت کے خلاف تھا اس کا خیال تھا کہ جو لوگ حکومت کر رہے ہیں وہ حکومت کرنیکے اہل نہیں ہیں۔ وہ اپنے لیکچروں میں کہتا تھا کہ صرف وہ اہل علم و عقل ہی حکومت کر سکتے ہیں جو انصاف کرنے کی بھی اہلیت رکھتے ہوں۔ اس وجہ سے اہل حکومت بھی ناراض ہو گئے ججوں کے سامنے سقراط کی خوددارانہ روش اور اپنے جرم سے نہایت آزادی و بے باکی کے ساتھ انکار بھی کسی حد تک اس کی ظالمانہ سزا کے باعث ہوئے۔ اس زمانہ کا دستور تھا کہ ملزمان عدالت کے سامنے خوب گریہ وزاری کرتے تھے۔ فریاد کرتے تھے ججوں کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے اپنی عورتوں اور بچوں کو کمرۂ عدالت میں لا کر ان سے فریاد کرایا کرتے تھے تا کہ ججوں کو رحم آ جائے لیکن سقراط نے یہ کچھ نہ کیا۔ جس طرح داروغہ جیل کو رشوت دیکر Anascagoras جیل خانہ سے بھاگ گیا تھا اسی طرح سقراط بھی بھاگ سکتا تھا۔ لیکن اس نے اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ دراصل سقراط ججوں کو ایسا ہی منصف مزاج ذاتی جذبات سے بالاتر سمجھتا تھا جیسا کہ وہ خود تھا اور جیسا کہ اسکے خیال میں ججوں کو ہونا چاہئے تھا لیکن ججوں کا اخلاقی معیار ملزم کے اخلاقی تصور سے بہت گرا ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذاتیات کی بنا پر سقراط کو موت کا حکم سنایا گیا۔ جس استقلال صبر اور اطمینان قلب کے ساتھ سقراط نے موت کا حکم سنا۔ جیل خانہ کا درمیانی زمانہ گزارا اور پھر جام زہر نوش کیا۔ وہ سقراط کی عظمت کردار بلندئ اخلاق کا دائمی ثبوت ہے اور آج کل کی مہذب دنیا کے گرے ہوئے اخلاق کے لئے باعث شرم۔ ہم حیران ہیں کہ آجکل کی دنیا اپنے کس علم پر نازاں ہے۔ اس علم پر جو انکے اخلاق کو بھی درست نہ کر سکا اور ان کی بہیمی فطرت کو ذرا بھی نہ بدل سکا۔

افلاطون ۴۲۷ ق م تا ۳۴۶ ق م

افلاطون اتھنز کا خاندان امراء میں سے تھا ۴۲۷ ق م میں پیدا ہوا اور ۸۲ سال کی عمر میں ۳۴۶ ق م میں مر گیا۔ سقراط کا شاگرد تھا جس کی عمر کے آخر دس سالوں میں اسکے ساتھ رہا۔ افلاطون کے فلسفہ میں دو امور نہایت اہم ہیں۔ ایک تو اس کا یہ نظریہ کہ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہ حقیقی و اصلی نہیں ہے یعنی اس میں نہ حقیقت ہے اور نہ اصلیت۔ بلکہ دنیا اس سے علیحدہ ہے جس میں اس دنیا کے محسوسات کے اصلی ہیاکل (Idealform) رہتے

ہیں۔ دوسرا اس کا یہ خیال کہ علم حقیقی محسوسات سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ بلکہ خرد یا عقل (Intellect,reason) کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اس سے پہلے کے سب حکمایہ کہتے آئے تھے کہ علم دنیا کی محسوس اشیأ سے حاصل ہوتا ہے اصل اسکے یہ دونوں نظریئے ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور افلاطون نے اپنے سارے فلسفے کو ان پر مبنی کیا ہے اس کے سمجھنے کیلئے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے۔ افلاطون کی بحث یہ ہے۔

دنیا کی کسی چیز کی ہم کو حقیقت نہیں معلوم۔ ہم کو تو ان کا وہ اثر معلوم ہے جو ہمارے حواس خمسہ پر ہوتا ہے۔ مثلاً نیم گرم پانی کو ایک برف و باراں میں سے آیا ہوا مسافر گرم بتائے گا اور گرم حمام میں سے نکلا ہوا شخص اس کو ٹھنڈا کہے گا۔ خرگوش کو ہاتھی بہت چھوٹا جانور سمجھے گا۔ لیکن چیونٹی اس کو بڑا سمجھے گی۔ ایک ہی پانی ایک ہی وقت میں گرم بھی ہے اور ٹھنڈا بھی۔ ایک ہی جانور ایک ہی وقت میں چھوٹا بھی ہے اور بڑا بھی یہ ناممکن ہے۔ ایک ہی تصویر کو ایک آدمی اچھا سمجھتا ہے۔ دوسرا اس کو برا سمجھتا ہے حقیقت معلوم نہیں کیا ہے۔ دنیا میں جو چیزیں ہیں ان میں حقیقت کچھ نہیں۔ مثلاً اگر ہم آپ سے سوال کریں کہ حسن یا خوبصورتی کیا ہے آپ کہیں گے کہ فلاں عورت خوبصورت ہے یا گلاب کا پھول خوبصورت ہے۔ ہمارا اعتراض یہ ہوگا کہ یہ تو خوب صورت چیزیں ہیں۔ دراصل خوب صورتی یا حسن کیا ہے۔ اسی طرح انصاف نیکی، وزن اور سفیدی کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ دراصل جو خیال حسن و انصاف و نیکی اور سفیدی کا ہے وہی افلاطون کا ہیکل یعنی Idea Concept ' form ہے اسی طرح گھوڑا، ہاتھی اور اونٹ کی نسبت کہہ سکتے ہیں۔ یہ سب مختلف رنگ و مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ جو امور تمام گھوڑوں میں مشترک ہوگا وہ گھوڑوں کا ہیکل ہے۔ یا جو تمام اونٹوں مین مشترک ہوگا وہ اونٹوں کا ہیکل یا پیکر ہے اور حقیقت وہی ہے۔ یہ چیزیں جو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ وہ غیر حقیقی ہیں گویا۔ (Concept 'Idea) یا پیکر کیا ہوا کسی شے یا صفت کی حدو تعریف۔ حسن کا پیکر تمہارے دماغ سے بھی علیحدہ شے ہے اور حسین شے سے بھی علیحدہ ہے ایسے ہی ہیاکل یا پیکروں سے افلاطون کی دنیا آباد ہے۔ دنیا کی چیزیں اس وجہ سے بھی غیر حقیقی و مجازی ہیں کہ ان میں ہر دم، ہر لحہ تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔ ان پیکروں یا ہیاکل کا علم حاصل کرنا ہماری زندگی کا مقصد ہونا چاہیئے تا کہ ہماری روح اس دنیا سے دوسری اصلی دنیا میں ہیاکل کی صحبت میں چلی جائے۔ اس ہی وجہ سے افلاطون نے کہا کہ اصلی علم Concept یا خرد و عقل سے حاصل ہوتا ہے محسوسات سے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود غیر حقیقی اور تغیر پذیر ہیں۔

افلاطون کے فلسفے پر تنقید

افلاطون کے اس فلسفہ کی رو سے علم طبعیات و کیمسٹری وغیرہ تو سب بے معنی ہو گیا۔ کیونکہ وہ تو محض Percoption یعنی حس پر مبنی ہے علاوہ اس کے ان خیالی پیکروں کی دنیا کو اصلی دنیا کہنا اور جس دنیا میں ہم رہتے ہیں۔ اس کو اس دنیا کا غیر عکس کہنا کوئی معقول بات تو نہیں کہی جا سکتی۔ اگر چہ افلاطون کے منہ سے نکلی ہو۔ دنیا میں بہت سی چیزیں تغیر پذیر ہیں لیکن بہت سی ایسی ہیں کہ اگر چہ صدیوں میں شاید معدوم ہو جائیں فی الحال تو باوجود

روزانہ تغیر کے وہ اچھی خاصی مستقل ہیں۔ مثلاً پہاڑ، سمندر، دریا وغیرہ۔ اور انکے اوپر علم کو مبنی کیا جا سکتا ہے۔ ایک اور اعتراض بھی اس فلسفہ پر عائد ہوتا ہے وہ یہ کہ علم حاصل ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ ہم معلوم سے غیر معلوم کی طرف جاتے ہیں۔ ہیاکل یا پیکر کی حقیقت کا علم ہمارے لئے بالکل نیا ہے۔ لہٰذا اس کا حاصل کرنا ناممکن ہوا۔ افلاطون نے اس اعتراض کو محسوس کیا۔ وہ کہتا ہے کہ موجودہ جسم میں آنے سے پہلے روح اس ہی حقیقی دنیا میں ہیاکل کی صحبت میں رہتی تھی لیکن اب وہاں سے گر پڑی ہے اس کی مثال وہ اس طرح دیتا ہے۔ ایک رتھ چلانے والا رتھ چلا رہا ہے جس میں دو پر دار گھوڑے لگے ہوئے ہیں۔ ایک خواہشات دوسرا روحانی جو ہر وہ شخص اس رتھ کو لئے ہوئے خداؤں کی معیت میں دنیائے حقیقت کے ہیاکل کی طرف دیکھتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ یکا یک گھوڑے مچلتے ہیں اور اس کے قابو سے نکل جاتے ہیں۔ اب روح گر پڑتی ہے اور کسی جسم میں چلی جاتی ہے۔ اور پھر وہ اس آسمانی پرواز کو بھول جاتی ہے اور ہیاکل کی یاد بھی دل سے نکل جاتی ہے۔ لہٰذا اب وہ ان ہیاکل کو اچھی طرح تو نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن چونکہ ایک دفعہ دیکھا ہوا ہے اور کچھ نہ کچھ اس کی شکل آنکھوں میں سما گئی ہے۔ لہٰذا یہ موجودہ شکلیں دیکھ کر اس کا پچھلا تجربہ اسے مدد دیتا ہے اور کبھی کبھی ان ہیاکل کی دھندلی سی شکلیں اس کو نظر آ جاتی ہیں اور وہ ان مادی چیزوں میں روحانی جھلک دیکھ لیتی ہے گویا موجودہ چیزوں میں بھی وہ روحانی ہیاکل کا جلوہ نظر آ جاتا ہے اس ہی تخیل سے ہندوؤں نے تناسخ کا مسئلہ مرتب کیا ہے اور مسلمانوں اور ہندوؤں نے تصوف اور ویدانت بھی افلاطون کی حقیقت ومجاز سے لی ہیں۔ لیکن ہمارے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ محض ایک شاعرانہ تخیل ہے۔ ایک مصنف نے افلاطون کے فلسفہ پر اچھی بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب افلاطون اپنے نظریہ کو دلائل و منطق سے نہیں ثابت کر سکتا تو وہ شاعرانہ تخیل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو حقیقت سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ افلاطون حکیم و شاعر ہے اور" اس کا فلسفہ شاعری اور حکمت کا مجموعہ ہے دیکھو۔

A criticl History of greek philosophy by W.T stace pp. 170, 171

افلاطون کے فلسفہ روح و وحدانیت پر ہم آگے چل کر بحث کرینگے۔

ارسطو ۳۸۴ ق م سے ۳۲۲ ق م تک

تھریس (Thrace) کے ساحل پر ایک یونانی شہر تھا، سٹاگیرس (Stagrus) وہاں ۳۸۴ ق م میں ارسطو پیدا ہوا۔ اس کا باپ شاہ میسیڈون (Macedonia) کا درباری حکیم تھا۔ ابھی ارسطو بچہ ہی تھا کہ اسکا باپ مر گیا اور ۱۷ سال کی عمر میں اس کو اتھنز کی Academy میں برائے تعلیم بھیجا گیا۔ جہاں اس نے افلاطون سے عرصہ بیس سال تک تعلیم حاصل کی افلاطون کے مرنے پر یہ اتھنز سے نکل آیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو فلپ شاہ میسیڈون Macedonia نے اپنے بیٹے سکندر کی تعلیم کے لئے بلایا۔ وہاں فلپ کے مرنے تک ارسطو سکندر کو پڑھاتا رہا۔ فلپ کے بعد جب سکندر اعظم تخت نشین ہوا اور اپنی فتوحات کے لئے باہر نکلا تو ارسطو بھی وہاں سے اتھنز آ گیا اور ایک

جگہ (lyceum) میں اپنا علیحدہ کالج قائم کیا۔ اس کے شاگردوں اور مقلدین کو Peripatetics- (مشائین) کہتے تھے کیونکہ ارسطو کی عادت تھی کہ ٹہلتے ٹہلتے لیکچر دیتا تھا۔

ارسطو کے فلسفہ کی تفصیل اس کتاب کا مقصد نہیں ہے۔ ارسطو نے افلاطون وسقراط کے فلسفہ پر بہت تنقید کی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ ارسطو اپنے استاد افلاطون کے خلاف تھا لیکن یہ غلط ہے۔ ارسطو نے اس فلسفہ کی تشریح کی ہے۔ ارسطو نے اوسط پر زیادہ زور دیا ہے۔ ارسطو کو طب سے زیادہ لگاؤ تھا اور اس زمانہ کی طب کا نظریہ یہ تھا کہ انسان کا جسم چار عناصر سے مرکب ہے۔ آتش آب، خاک اور باد اور ان چاروں عناصر کے اعتدال کا نام صحت اور انکے تناسب میں فرق کا نام مرض ہے اور بالکل ہی تناسب کا نہ قائم رہنا موت ہے۔ ارسطو نے اپنے فلسفہ کو بھی اس ہی اصول پر مرتب کیا اور کہا کہ خیر الامور اوسطھا۔ متضاد خواہشوں کے درمیانی حصے کا نام اوسط ہے۔ مثلاً ایک بہادرانہ فعل وہ ہوگا جو بزدلی اور ناعاقبت اندیشانہ جرأت کے درمیان ہے بخل واسراف کے درمیان سخاوت ہی مناسب انکسار وہ ہے جو ذلیل عاجزی اور خود پسندانہ تکبر کے درمیان ہے۔ لہٰذا ارسطو کے نزدیک کردار کی بہتری اس میں ہے کہ روح اس عمل کو اختیار کرکے جو دو حدوں کی اوسط ہے۔

روح اور خدا کا تخیل یونانی فلسفہ میں

یہ دو اعتقادات کہ انسان کی روح جسم کے مرنیکے بعد زندہ رہتی ہے اور یہ کہ دنیا کا بنانے والا کوئی ہے۔ ہمیشہ سے انسان کے ساتھ چلے آئے ہیں یا یوں کہو کہ اسکی فطرت میں داخل ہیں اس سلسلہ میں یہ سوالات دل میں پیدا ہونے قدرتی تھے کہ روح کیا ہے اور خدا کیسا ہے۔ ان اعتقادات وسوالات پر مذہب نے بھی بحث کی اور فلسفہ نے بھی بحث کی۔ اول تو قرآن شریف نے اس امر واقعہ کا اظہار کیا کہ۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ تمھیں بہت قلیل علم دیا گیا ہے اور پھر روح کے متعلق ارشاد ہوا۔ قل الروح من امر ربی۔ اے رسول کہہ دو ان سے کہ روح تو امر رب ہے۔ قرآن شریف میں روح کے متعلق کئی جگہ ارشادات ہیں جن سے کچھ پتہ چلتا ہے۔ مثلاً الست بر بکم قالوا بلیٰ۔ روز الست ارواح موجود تھیں اور اس حالت میں تھیں کہ انھیں معرفت خداوندی حاصل تھی۔ پھر نفخت فیہ من روحی۔ آدم کے جسم میں خاص روح پھونکی گئی۔ حضرت مریم کے بدن میں روح پھونکی گئی جس سے حضرت عیسےٰ پیدا ہوئے۔ مرنے کے بعد روح زندہ رہتی ہے۔ عذاب قبر و برزخ وحساب، روز حشر، قیامت کے دن لوگوں کا زندہ ہونا، ان کے اجسام میں ان کی ارواح کا داخل ہونا۔ پھر جسم میں داخل ہوکر جنت ودوزخ کے ثواب وعذاب میں سے گزرنا۔ یہ سب امور بتا رہے ہیں کہ ہماری روح ہمارے جسم میں آنے سے پہلے زندہ تھی اور ہمارے جسم کے مرنے کے بعد رہے گی۔ یعنی جسم کے ساتھ وہ نہیں مرے گی۔ ازل وابد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ روح کب سے ہے اور کب تک رہیگی۔ لیکن خداوند تعالیٰ خالق کل اشیا ہے۔ روح کو بھی اس نے پیدا کیا۔ لہٰذا روح خداوند تعالیٰ کے ساتھ قدیم نہیں ہے حادث ہے۔ اگرچہ زمانہ

کے لحاظ سے اس کی ابتداوانتہا کی ہم کو خبر نہیں دی گئی۔

خداوندتعالیٰ کا تخیل جتنا ارفع واعلیٰ اسلام میں ہے ایسا نہ کسی مذہب میں ہے نہ کسی فلسفہ میں۔اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔خداوندتعالیٰ خالق کل شے ہے۔زمین وآسمان ستارے، سیارے غرض ہر ایک شے جان دار بے جان خداوندتعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔اسکے حکم کے تابع ہے۔اپنا اپنا کام وفرض اس کی مشیت کے مطابق ادا کررہے ہیں۔خداوندتعالیٰ علیم وبصیر وسمیع ہے دل کے بھیدوں سے واقف ہے۔ہر ایک بندہ کے حال سے واقف اوراس کا نگراں ہے واحد اوراحد ہے نہ اس کی زوجہ ہے نہ مشیر ہے نہ صلاح کار۔ہر ایک امر پر قادر ہے۔عادل ہے۔بندوں کا حساب کتاب لیکر ان کو سزا وجزا دیگا۔لیکن اس کی کنہ میں بحث نہ کرنی چاہیے۔جناب امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ خدا کی ذات میں غور وخوض نہ کرو۔اور یہ سچ ہے کہ مخلوق کے ذہن کے اندر خالق کی ماہیت کا تصور نہیں سماسکتا بہرصورت اس کی معرفت ضروری ہے اوروہ اس کی صفات سے ہوسکتی ہے۔دراصل خدا کی صفات کی معرفت ہی اس کی معرفت ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ خدا کا اعتقاد تو ہر مذہب میں ہے۔بت پرست تک خدا کو مانتے ہیں۔اختلاف اس کی صفات کے متعلق ہے۔کوئی کہتا ہے خدا کے ساتھ اور بھی شریک ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ اس کے ایک بیٹا ہے۔کوئی کہتا ہے کہ اس کی مدد کے لئے مختلف چھوٹے خدا ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ اس کی قدرت بس اس قدر ہے اوراسکے آگے نہیں۔قرآن شریف نے ان صفات کو اچھی طرح بیان کیا ہے لیکن زیادہ تشریح وبحث کی الہامی کتاب میں گنجائش نہیں ہوتی اور بغیر تفصیل وتشریح کے عام دماغ ان رموز کو سمجھ نہیں سکتا یہ کام صاحب کتاب اوراسکے جانشینوں کا ہے۔چنانچہ خداوندتعالیٰ کی صفات اوراسکی وحدانیت کی تشریح جس طرح حضرت علی ابن ابیطالبؑ نے اپنی خطبوں اوردعاؤں میں اور جناب امام زین العابدینؑ نے اپنی ادعیہ میں کی ہے اس سے بہتر تفسیر وتشریح ان مضامین کی نہیں ہوسکتی۔ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان جو خداوندتعالیٰ کی صحیح معرفت کا نقش اپنے دل ودماغ پر بٹھانا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ ان تین کتابوں کو بہت غور سے اور بار بار پڑھے (۱) قرآن شریف (۲) نہج البلاغہ جس میں جناب امیر علیہ السلام کے خطبے اور فرامین درج ہیں اور (۳) صحیفہ کاملہ جو امام زین العابدین کی ادعیہ کا مجموعہ ہے چونکہ حقیقت مقابلہ سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور کارکنان قضاوقدر نے اسی نہج پر دنیا کو چلایا ہے لہٰذا ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد وہ ایران ویونان وہندستان اور موجودہ فرنگستان کے فلسفے پڑھے۔پھر اس کو اچھی طرح معلوم ہوجائے گا کہ یہ فلسفہ کتنے ناقص ہیں۔حیف ہے کہ ان ناقص فلسفوں کے ماننے والے تو اپنے مذہب پر اتنے نازاں ہوں اور مسلمان کو یہ بھی خبر نہ ہو کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اتنے مصائب ومشکلات سے مقابلہ کرتے ہوئے کس طرح ان مضامین کو اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچایا ہے۔یہ بے خبری، یہ لاعلمی، یہ جہالت نتیجہ ہے اس تعصب کا جو مسلمانوں کے دل میں سیاسی اغراض کے لئے شروع سے ان کے حکام نے آئمہ اہلبیت کے خلاف پیدا کردیا ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ روح وخدا کو یونانی فلسفہ نے کیا سمجھا ہے۔

روح

Heraclatus کہتا ہے کہ ساری دنیا اور اس کی چیزیں آگ سے بنی ہیں۔ دنیا کو نہ کسی خدا نے بنایا اور نہ کسی آدمی نے۔ شروع سے یہ دنیا ایک زندہ جاوید آتش تھی۔ اب بھی وہی ہے۔ اور آئندہ بھی یہ آگ ہی رہے گی۔ اپنے ماحول سے آگ لیتی رہتی ہے اور دنیا اسی طرح آگ کی کمی کو پورا کر کے زندہ ہے۔ آتش ازل ہوا بن جاتی ہے۔ ہوا پانی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پانی مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ تنزلی راستہ ہے۔ پھر مٹی پانی بن جاتی ہے۔ پانی ہوا میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہوا آگ میں بدل جاتی ہے۔ یہ عروجی راستہ ہے۔ زندگی اور عقل بھی آگ ہی ہیں۔ آگ سے حرکت و زندگی پیدا ہوتی ہے روح بھی آگ ہے۔ یہ آگ یعنی روح جل کر کم ہوتی رہتی ہے اور پھر اپنے حواس کے ذریعہ سے دنیا کی آگ و خرد میں سے یہ روح آگ حاصل کر لیتی ہے اور اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔

Atomists یعنی ذراتی حکماء، دنیا کی ترکیب و ساخت کو چھوٹے چھوٹے ذروں پر مبنی کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں ہر ایک نوع کی شے کے ذرات علیحدہ ترکیب و ساخت کے ہوتے ہیں۔ انکے خیال میں آگ چھوٹے گول و ہموار ذرات سے بنی ہوئی ہے۔ اور روح بھی ایسے ہی گول و ہموار ذرات سے بنی ہوئی ہے روح دراصل صاف شدہ آگ ہے۔ موت آنے پر یہ تمام روح کے ذرات بکھر جاتے ہیں اور روح ختم ہو جاتی ہے۔ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ خیالات صحیح اس وقت ہوتے ہیں جب روح کا درجۂ حرارت معتدل ہوتا ہے۔

افلاطون کا خیال یا عقیدہ روح کے متعلق یہ ہے۔ شروع میں دنیا کے بنانے والے کے پاس ایک تو ہیاکل یا خیالات تھے اور دوسرے مادہ تھا۔ گویا افلاطون کے نزدیک یہ تین چیزیں قدیم ہیں۔ (۱) دنیا کا بنانے والا (۲) مادہ اور (۳) ہیاکل ۔ سب سے پہلے اس بنانے والے نے جہان کی روح پیدا کی جس کا ترجمہ انگریزی مصنفین نے world soul کیا ہے۔ یہ جہان کی روح جسم نہیں رکھتی لیکن جگہ گھیرتی ہے بنانے والے نے اس روح کو جال کی طرح فضائے عالم میں پھیلا دیا۔ پھر اسکے دو برابر کے حصے کئے۔ دونوں کے دائرہ بنائے۔ ایک دائرہ دوسرے کے اندر۔ ایک دائرہ میں بعد کو سیارے رکھے گئے اور دوسرے میں ستارے رکھے گئے۔ ایک دائرہ کو دوسرے کے اندر رکھا۔ باہر والا ستاروں کا اور اندر والا دائرہ سیاروں کے لئے ہوا۔ اب اس نے مادہ کو لیا اور اس کو چار عناصر میں تقسیم کر دیا اور یہ چاروں عناصر روح عالم کے لئے ڈھانچہ کی صورت میں بنائے گئے۔ اب تمام عالم کی خلقت مکمل ہو گئی۔ افلاطون کے خیال میں یہ دنیا تمام مخلوقات کی مرکز ہے اور ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔

دنیا کی خلقت کا یہ بیان محض ایک خیالی افسانہ ہے اور افلاطون بھی اس کو یہ خیال کرتا تھا۔ لیکن روح عالم پر اس کا یقین اور اعتقاد تھا۔ افلاطون کے نزدیک روح دونوں دنیاؤں یعنی محسوسات کی دنیا اور خیالات یا ہیاکل کی دنیا کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ ہیاکل کی دنیا کی طرح وہ بغیر جسم کے ہی اور باقی ہے۔ محسوسات کی دنیا کی طرح وہ جگہ گھیرتی ہے۔ افلاطون نے خیال کیا کہ نظام عالم کو چلانے کے لئے عقل و خرد کی ضرورت ہے اس کے خیال میں وہ

عقل روح عالم میں رہتی ہے اور یہ روح عالم تمام حرکات عالم بیرونی کا سبب ہے اسی طرح انسان کی روح اس کے جسم کی حرکات کا سبب ہوتی ہے۔

افلاطون نے روح انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک عقل وخرد دوسرا جذبات وحسیات۔جذبات والے حصے کے پھر دو حصے کئے ہیں۔ایک اعلیٰ جذبات۔دوسرے سفلی جذبات۔یہ عقل وخرد والا حصہ ہی ہیا کل کو سمجھ سکتا ہے اور قابل تقسیم نہیں ہے۔اس کو فنا بھی نہیں ہے۔دوسرا حصہ جذبات والا فانی ہے۔اعلیٰ جذبات میں ہمت، بہادری، خواہش، ترقی، سخاوت وغیرہ ہیں۔سفلی جذبات میں کینہ، بغض وحسد، چغلخوری وغیرہ ہیں۔

یہ تو افلاطون ہیں۔کون ان سے کہے کہ جن کو یہ جذبات اعلےٰ کہتے ہیں وہ کیوں اعلیٰ سمجھے جاویں اور جن کو یہ جذبات سفلی کہتے ہیں وہ کیوں برے سمجھے جاویں۔کیا فلسفہ میں یہ بحث نہیں ہوسکتی کہ ایثار وسخاوت و بہادری نہایت حماقت کی نشانیاں ہیں۔اپنے اوپر کیوں دوسرے کو ترجیح دیں۔اپنا مال کیوں بغیر اجر کے دے دیں۔اپنی جان کیوں خطرہ میں ڈالیں۔کینہ کیوں برا ہے جو ہمارے ساتھ برائی کرے۔اسے کیوں نہ یاد رکھ کر اس کا بدلہ لیں۔اپنا مال، ہم دوسرے کو نہیں دیتے۔اپنے اوپر بھی نہیں خرچ کرتے۔تم کون ہو اعتراض کرنے والے۔اس میں کیا برائی ہے۔فلسفہ نے یہ بحث کی ہے اور آخر میں اس کی وجہ سے کئی جماعتیں ہوگئی ہیں۔یہ اسلام ہی ہے جو اس کا جواب دیتا ہے اور تسلی بخش جواب دیتا ہے۔سخاوت بلا اسراف جہاد فی سبیل اللہ، ایثار۔نیکی کرو۔اس کا اجر خدا تم کو دے گا اور دس گنا دیگا۔حسد، بخل، کینہ ناجائز بدی سے بچو کیونکہ خدا ان کو برا سمجھتا ہے اور ان کی وجہ سے تم کو معذب کریگا معاملہ ختم ہوا۔اب مزید بحث نہیں ہوسکتی۔لیکن یونا فلسفہ یہ بحث نہیں کر سکتا۔کیونکہ اس میں سزا وجزا دینے والے خدا کا تخیل ہی نہیں۔

ارسطو کا تخیل

ارسطو کا تخیل روح موجودہ دہریت کے پسند خاطر ہے۔روح کی تقسیم ثلاثہ جو افلاطون نے کی ہے اسکو ارسطو نہیں مانتا۔وہ کہتا ہے کہ روح ایک ہے اس کے ٹکڑے نہیں ہوسکتے۔ہاں تقسیم کار یا فعل کے لحاظ سے تین نہیں بلکہ روح کے بہت سے کام اور طریقہ عمل ہیں۔وہ کہتا ہے کہ مادہ قسم کا ہے (۱) نامیاتی (Organic) اور غیر نامیاتی (Inorganic) نامیاتی یعنی نشو ونما پانے والے ہر ایک مادہ میں روح ہے۔یہاں تک کہ درختوں میں بھی روح ہے۔اس کے خیال میں زندگی اور روح ایک شے ہے۔روح جسم سے علیحدہ کوئی شے نہیں ہے۔نامیاتی مادہ کے اندر جو ترکیب وساخت اس کے بڑھانے کی ہے جس قوت سے وہ بڑھتا ہے وہی روح ہے۔نامیاتی مادے کی اس نے بہت قسمیں کی ہیں۔درختوں اور سبزہ کی روح کو Nutritive soul یعنی روح تغذ یہ کہتا ہے درختوں سے اوپر جانور آتے ہیں۔ان کی روح کو Nutritive and sensitive یعنی روح تغذیاتی وحساس کہتا ہے۔اس کے بعد انسان آئے ان کی روح کو۔Sensitive and rational Nutritive یعنی روح تغذیاتی حساس عاقلانہ کہتا ہے۔

اب روح عالم اپنے اصلی شکل یعنی عقل میں نمودار ہوئی۔ لیکن عقل انسانی کی بھی مختلف قوتیں ہیں۔ ذہن، حافظہ، تخیل وغیرہ ان تمام قوتوں کے مجموعے کا نام روح ہے۔ روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی جسم کے ساتھ روح کا مرنا بھی ضروری ہے۔ اس نظریہ سے نتیجہ نکلا کہ ارسطو روح یا انسانی شخصیت کی حیات بعد موت کا قائل نہیں ہے۔ شخصیت کے قائم رکھنے کے لئے حافظہ ضروری ہے حافظہ ہی تو ہے جو انسان کی گزشتہ زندگی سے اس کی موجودہ زندگی کا سلسلہ یا ربطہ قائم رکھتا ہے۔ اگر حافظہ نہ ہو تو اس کا ماضی کچھ بھی نہیں۔ ارسطو کہتا ہے کہ حافظہ بھی روح کی ایک قوت ہیا ور روح کے ساتھ ہی مرجاتا ہے۔

۳۰۸ ق م میں اتھنز میں ایک شخص زینو باشندہ جزیرہ قبرص (Zeno of Cyprus) نے ایک فلسفہ کا اسکول ایجاد کیا جس کو رواقی فلسفہ (Stoicism) کہتے ہیں یہ ۳۴۲ ق م میں پیدا ہوا اور ۲۷۰ ق م میں اس نے خودکشی کرلی۔ فلسفہ کی طرف رجوع کرنے کی یہ وجہ تھی کہ اس کا سارا دنیا کا اثاثہ ایک جہاز میں ڈوب گیا تھا۔ لہٰذا دنیا کو چھوڑ کر اس نے فلسفہ اختیار کیا۔ اس ہی کی وجہ دنیا کی طرف سے دل برداشتگی اور دنیا کی چیزوں کو ہیچ سمجھنا اسکے فلسفہ کا بنیادی اصول ہے۔ اس نے اپنا اسکول ایک مقام (Stoa poccile) (مختلف رنگوں کی دہلیز) میں جاری کیا تھا۔ اس ہی وجہ سے اس کو staicism کہتے ہیں۔ روم کے مشہور اشخاص مثلاً Seneca, Marcus Aurelius۔ اور Epictetus اس فلسفہ کے پیرو ہیں۔ ان کو رواقی حکما کہتے ہیں۔ انھوں نے افلاطون کے ہیاکل اور خیالات کی دنیا سے قطعی انکار کیا۔ ان کے خیال میں علم صرف محسوسات سے حاصل ہوتا ہے خیال کو اس میں دخل نہیں ہے۔ خیال تو ہمارا خود اپنا ایجاد کردہ ہے۔ ان کے خیال میں کوئی بے جسم والی چیز نہیں ہے یہ کہتے ہیں کہ روح اور خود خدا جسم والے ہیں۔ مادہ کے سوا کوئی شے نہیں۔ انھوں نے بھی۔ Heracleitus کی طرح قرار دیا کہ مادہ کی حالت اولین آگ تھی۔ روح بھی آگ ہے اور اس کا منبع آتش ازلی ہے، انسان کی روح اپنے لئے خدا کی روح سے آگ لیتی ہے وہ آتش ازلی ہی خدا ہے۔ خدا کا تعلق دنیا سے ایسا ہی ہے کہ جیسے روح کا تعلق جسم سے ہے۔

یہ روح انسان کے تمام جسم میں سرایت کرجاتی ہے۔ انسان کی روح خدائی آتش کا ایک حصہ ہے لہٰذا روح صاحب عقل ہے۔ لیکن ہر ایک انسان کی روح براہ راست خدا سے نہیں آتی۔ خدائی آتش انسان اول میں پھونک دی گئی۔ اور اب وہ والدین سے بچوں میں آجاتی ہے۔ موت کے بعد تمام ارواح (بعض کے نزدیک صرف نیک آدمیوں کی ارواح) زندہ رہتی ہیں اور ان کی شخصیت علیحدہ رہتی ہے اور یہ ایک آخری آتش زدگی تک ایسا ہی رہے گا۔ جب وہ عظیم الشان آتش زدگی ہوگی تو یہ ارواح خدا میں چلی جائیں گی۔

یہ کہتے ہیں کہ دنیا قانون پر مبنی ہے۔ قانون ضرور پر مبنی ہے۔ لہٰذا دنیا میں اسباب وعلل کا سلسلہ جاری ہے۔ اور انسان اپنے فعل میں مختار نہیں بلکہ ضرورت کے تابع ہے اسباب وعلل انسان کے فعل کے ذمہ دار ہیں۔

یہ لوگ دنیا کی ابتدا کا قصہ خوب سناتے ہیں۔ خدا تو آگ تھا۔ اس نے اپنے تئیں پہلے ہوا میں پھر پانی میں

اور پھر مٹی میں تبدیل کو دیا۔ اس طرح دنیا بن گئی۔ گویا یہ دنیا کیا ہے؟ خدا کا جسم مٹی میں تبدیل ہوا ہوا۔ اب ایک عام زآتش زدگی سے یہ دنیا پھر آگ ہو جائے گی۔ پھر اسی طرح خدا اپنے تئیں ہوا و پانی و مٹی میں تبدیل کرے گا اور دنیا ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ مزید ار بات یہ ہے کہ ہر ایک دنیا مین وہی ہو گا جو پہلے کی دنیا میں ہو چکا ہے۔ وہی واقعات ہونگے جو پہلے کی دنیا میں ہو چکے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عام آتش زدگی کے بعد وہی پہلے آدمی پھر زندہ ہو جائیں گے اور وہی واقعات پھر رونما ہوں گے جو اس سے پہلے کی دنیا میں گزر چکے ہیں گویا یہ لفظی معنی ہیں اس مشہور فقرہ کے کہ تاریخ اپنے تئیں دہراتی ہے۔

یونانی فلسفہ میں روح کے تخیل کی صورت آپ نے ملاحظہ کی۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی اس کے خلاف کچھ اور کہتا ہے۔ اتفاق کسی پر نہیں اور یہ بھی نہیں سمجھ میں آتا کہ کہتے کیا ہیں اتنا کچھ کہا گیا۔ لیکن روح کی ماہیت تو مطلق نہ ظاہر ہوئی۔ اندریں صورت کیا یہ مطابق واقعہ نہیں ہے کہ۔ **قل الروح من امر ربی**۔ یہ ان علوم میں سے ایک ہے جو انسان کو نہیں دیا گیا اور ان یونانی فلاسفر ان کی ناکامیابی کے بعد معلوم ہو گیا کہ قرآن کا یہ نظریہ درست ہے۔ اپنی قوتوں کی حدود کا علم ہونا بھی بڑی بات ہے۔ اگر یونانی حکما کو یہ معلوم ہو جاتا تو اپنا وقت اور اپنی عمر اس بے فائدہ کی تلاش میں نہ صرف کرتے۔

خداوند تعالیٰ

یونانی فلسفہ میں خدا، عاقبت، جزا و سزا و حیات بعد ممات کا تخیل نہیں تھا۔ اس فلسفہ نے انسان زندگی کا خاتمہ محض دنیا کی زندگی پر کر دیا۔ او اس زندگی کی اچھائی برائی کو محض عقل انسانی پر مبنی کیا دنیا اور امور دنیا پر حدوث و تغیر دوام حاوی ہے۔ عقل انسانی بھی ایک مستقل شے نہیں ہے ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے۔ ہر انسان کی عقل میں اختلاف ہے اور کسی کی عقل کامل نہیں کہی جا سکتی۔ اور ناقص شے کامل نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت کو نہ پا سکے۔ ان کا فلسفہ محض قیاس پر مبنی تھا اور کسی کا قیاس معیار کامل کا کام نہیں دے سکتا تھا۔ یہ فلسفہ کوئی مذہب نہ پیش کر سکا۔ درس اخلاقیات سے آگے اس نے ترقی نہ کی خود کوئی مذہب نہ پیش کیا اور جو مودہ ملکی مذہب تھا اس کو نہایت آسانی سے درجہ اعتبار سے گرا دیا۔ کیونکہ وہ مذہب ہی ایسا تھا۔ وہ تو اس قابل ہی تھا۔ لیکن خرابی یہ ہوئی کہ ہمیشہ کے لئے فلسفہ و مذہب میں ایک بے معنی عداوت پیدا ہو گئی۔ کیونکہ رائج الوقت مذہب کو گرانے کے بعد ان حکما نے کوئی اپنا مذہب نہ پیش کیا۔

زنوفینز کی تعلیم

ان حکماء میں سب سے زیادہ سختی کے ساتھ جس نے ملکی مذہب پر حملہ کیا وہ۔ Xenophanes (زنوفینز) تھا۔ ۵۷۶ ق م کے نزدیک آؤنا (Ionia) کے شہر Colophon میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی کوچک کے ساحل کو Ionia

کہتے ہیں۔ پھر اتھنز میں آگیا اور اسکے بعد لمبی سیاحت پر باہر نکل گیا۔ اس نے یونان کے مذہب پر بہت سختی سے حملہ کیا کہتا تھا کہ انسانی جسم اور اس جسم کے خواہشات رزیلہ رکھنے والے خیالی خدا جو یونان نے اپنے لئے مقرر کر لئے ہیں باطل محض ہے۔ یہ کہنا کہ خداؤں کی ابتداء کا زمانہ بھی تھا اور وہ انسانوں کی طرح زنا مکر و فریب اور چوری کے مرتکب ہوتے ہیں بیہودہ خیال ہے۔ یونان کے بہت بڑے شاعر ہومر Homer کو جس نے ان خداؤں کا ایک منظم خاندان مرتب کر لیا تھا۔ یہ فلاسفر بہت برا کہتا تھا۔ متعدد خداؤں کا ماننا بھی فضول ہے (Xenophanes) کہتا تھا کہ خدا صرف ایک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا محض ایک خدا کا تصور کرو اور یہ خدا انسانوں کی طرح جسم و حواس نہیں رکھتا۔ نہ کوئی اور عضو اس کا ہے۔ وہ سمیع و بصیر بغیر آنکھوں اور کان کے ہے۔ یہ خیالات بنی اسرائیل کے انبیا سے ملتے جلتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کنعان و ایشیائی کوچک و سیریا میں آپس میں رابطہ تھا۔ کنعان و سیریا میں ان انبیاؑ کے خیالات کا اثر تھا۔ وہاں سے وہ ایشائی کوچک و یونان میں پہنچا۔ لیکن پھر بھی Xenophanes کو موحد نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ خداوند تعالیٰ کی صفات سے نا آشنا تھا۔ اس کی عقل نے فیصلہ کر دیا کہ خدا ایک ہونا چاہیئے۔ انسان کا جسم و خواہشات رکھنے والے متعدد خدا بے معنی ہیں اس کے اس فلسفہ کے Parmenides نے مزید ترقی دی۔

سقراط کی تعلیم

اسی طرح سقراط نے اگرچہ یونانیوں کے خیالات کی تصیح کرنی چاہی لیکن وہ بھی متعدد خداؤ کو عزت سے دیکھتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ ان کی پرستش کرو۔ لیکن ان خداؤں کے علاوہ اس کے خیال میں ایک سب سے بڑا خدائے واحد بھی تھا جو دنیا کا انتظام کرتا تھا۔

افلاطون کی تعلیم

افلاطون کا بھی تقریباً یہی خیال تھا۔ اس کی تحریرات میں خدا واحد جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس نے جو ہیاکل کا نظریہ قائم کیا ہوا تھا اس میں خدا اور سب سے بڑے نیکی کے ہیکل Idea of The good کا آپس میں امتیاز کرنا مشکل تھا۔ افلاطون کے نزدیک وہ خیال نیک ہے بہت بڑا خدا ہے۔ دراصل خدا کا لفظ استعمال تو کر دیا۔ لیکن افلاطون کا منشا اس خیال ہی سے تھا۔ اس نظریہ کے ہوتے ہوئے افلاطون کو یہ بتانا مشکل ہو گیا کہ دنیا کیونکر پیدا ہوئی۔ محض خیالات تو دنیا کو پیدا نہیں کر سکتے اور افلاطون کے نزدیک خیالات ہی حقیقت محض تھے۔ محسوسات تو فقط خیالات کی نقلیں ہیں۔ لیکن خیالات نے اپنی نقلیں کیوں پیدا کریں اور نقلیں کیونکر پیدا ہوئیں۔ افلاطون نے Timaens میں اس کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ محض ایک افسانہ ہے اور وہ کچھ معقل بحث نہ کر سکا۔ ہم اس کا بیان پہلے کر چکے ہیں۔ دراصل افلاطون کے یہاں اس بحث کا کوئی جواب نہیں ہے۔

افلاطون کی توحید کثرت سے ملی ہوئی تھی۔ جس طرح عیسائی کہتے ہیں کہ تین میں ایک اور ایک میں تین۔ اسی طرح افلاطون کہتا ہے کہ ایک کثرت میں اور ایک میں کثرت۔ اس کے نزدیک ایک کا تخیل بغیر کثرت کے ممکن ہے۔

ارسطو کی تعلیم

ارسطو کے اعتقاد میں خدا صرف حرکت دینے والا ہے۔ تمام عالم کو ارسطو ایک مشین خیال کرتا ہے۔ پہلی حرکت جس نے اس کو دی وہ پہلا سبب یا کامل سبب (Efficient Cause) یا محرک اول تھا۔ خدا ارسطو کے نزدیک ایک خیال ہے۔ ایک ہیکل ہے انگریزی میں اس کو Form کہا جاتا ہے۔ ارسطو کی خدا کی تعریف یہ ہے کہ وہ خیال کا خیال ہے۔ وہ اپنے ہی متعلق سوچتا ہے اور اپنے ہی کمال کو سوچ کر خوش ہوتا رہتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا خدا کوئی ذات یا شخصیت ہے۔ اس پر نہ تو افلاطون نے اور نہ ارسطو نے بحث کی۔ ہم فقط قیاس کر سکتے ہیں کہ ارسطو کا اس پر کیا خیال تھا۔ ارسطو بھی خدا کو مخلوق کا پیدا کرنے والا نہیں سمجھتا۔ مادہ اور خدا سب ساتھ ساتھ تھے۔

پلاطینس

تیسری صدی عیسوی کے شروع میں حکماء کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے افلاطونی فلسفہ کی اپنے خیال میں تشریح کی۔ اس فرقہ کا اصلی بانی پلاطینس۔ Plotinus تھا۔ جو ۲۰۵ء میں مصر میں بمقام لائی کو پولس Lycopolis پیدا ہوا تھا۔ ۲۴۵ء میں وہ روم میں چلا گیا۔ جہاں اس نے اپنے فلسفے کا اسکول قائم کیا۔ یہ افلاطون کی بحث کثرت میں ایک اور ایک میں کثرت کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا۔ اس کے خیال میں خدا یا حقیقت اول ایک ہی ہے۔ خدا کا قیاس کسی شے سے نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک خیال سے بالا ہے۔ نہ وہ حرکت کرتا ہے نہ اس کا ارادہ ہے۔ کوئی اسکی صفت نہیں ہے کیونکہ صفت سے موصوف محدود ہو جاتا ہے۔ ہم خدا کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے سوائے اس کے کہ وہ ہے۔ ان کے نزدیک بھی خدا خالق و نگہبان و رب مخلوقات نہیں ہے۔

خدا کی صفات اور اس کا تعلق اپنی مخلوقات سے یہ ہی مذہب کی جان ہیں اور یہ یونانی فلسفہ سے مفقود ہیں۔ یہ فلسفہ اس قابل نہیں ہے کہ انسان اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اپنی عاقبت کو اس کے سپرد کر دے۔ بظاہر یہ تعجب کی بات ہے کہ یہودیت، مسیحیت اور اسلام جو اپنے تیئں الہامی مذہب کہتے ہیں۔ یعنی ان کی بنیاد خدا کی وحی پر ہے ان کے مقلدین نے نیچر پرستی، دہریت ایرانی و یونانی تخیلات اور مختارات کو قبول کر کے اپنے اپنے مذہب کو مسخ کر دیا اور آج کل ان کی اکثریت میں یہ ہی مسخ شدہ مذہب رائج ہیں۔

یہودیت نے ان کافرانہ و ملحدانہ تخیلات کو اپنے میں کس طرح جذب کیا اور ان سے کتنا اثر مسٹر فلپ ہٹی نے بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے (Philip K. Hitti: History of syria part 2 pp 114,115,116)

مسیحیت نے اس مسخ شدہ یہودیت اور یونانی الحاد کو نہایت شوق سے لبیک کہا اور اپنے اندر ان کو جذب کر لیا۔

یہاں تک کہ تثلیث کا تخیل براہ راست افلاطون کے فلسفہ سے لیا گیا ہے۔

Gibbon: Decline and fall of the Roman Empireed , ward lock Ho vol, chapt XXI

P.P51S520......

مسلمانوں کا اس الحاد کو قبول کرنا اور اس کے ذریعہ سے اپنے مذہب کو مسخ کرنا ہم آئندہ باب میں ثابت کرینگے۔ یہاں اتنا بیان کر دیان کافی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے بجائے قرآن و محمدؐ کے ارسطو کو معلم اول سمجھا اور ان میں سے بہت حضرت عیسےٰ اور سقراط کو بہترین انسان سمجھتے تھے اور یہ سب کچھ یونانی فلسفے کا اثر تھا۔

(Philip k.Hitti :History of the arabs ed 1949, p. p 371,410)

یہ سوال بہت دل چسپ ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ حالانکہ یونانی فلسفہ میں کم سے کم مسلمان کے لئے کوئی جاذبیت نہیں ہے۔ وجہ ہم بتاتے ہیں۔ یہودیوں نے ہمیشہ اپنے انبیا سے بغاوت کی، ان کو قتل کیا۔ ان کی نافرمانی کی اور ان کی تعلیم کو کبھی دل سے نہ قبول کیا۔ چند راتوں کے لئے حضرت موسیٰ پہاڑ پر گئے اور انھوں نے گئوسالہ پرستی شرور کر دی۔ مسیحیت کے بانی کو اتنا موقعہ نہ ملا کہ اپنے اصولوں کی تشریح اپنے عمل سے کر کے لوگوں کے دلوں میں ان کو راسخ کرتے حضرت عیسیٰ کے بعد جن لوگوں کے ہاتھوں میں اس مذہب مذہب کی باگ ڈور گئی وہ پہلے ہی سے کفر و الحاد کی فضا میں نشو و نما پا چکے تھے اور یہ تخیلات ان کی زندگی کا جزو بن گئے تھے۔ ان کو چھوڑنا ان پختہ عمر لوگوں کے لئے ناممکن تھا زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ اپنے پرانے مذہب کے تخیلات پر نئے مذہب کا رنگ چڑھا دیتے۔ اور وہ انھوں نے کر دیا۔ اسلام کی بھی تقریباً یہی حالت ہوئی۔ بانئ اسلام جانتے تھے کہ ابھی ان لوگوں کے دلوں سے کفر پوری طرح نہیں نکلا اور اس کے لئے مدت چاہیئے آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ قرآن کی تاویل اپنے اپنے اغراض کے لئے کریں گے۔ لہٰذا صحیح تاویل و تشریح قرآن پر آپ نے بہت زور دیا۔ آپ نے اپنے بعد کا انتظام نہایت مکمل کر دیا تھا اور ایک ایسا صحیح مرکز قائم کر دیا تھا کہ اگر امت اس کو پکڑے رہتی تو کبھی تفرقہ و انتشار نہ ہوتا اس صاحب کو آنحضرت نے بچپن ہی سے لیکر اپنی آغوش میں تعلیم دی۔ تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ نے کبھی کفر کیا ہی نہیں۔ شروع ہی سے اسلام کی تعلیم ملی۔ حضرت علیؑ کے سوانح حیات بتا رہے ہیں کہ وہ اس کام کے لئے موزوں ترین شخص تھے لیکن قبائلی حسد اور حکومت کی حرص نے لوگوں کو ان کی طرف نہ آنے دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ع

چو نچتہ شدی خودارا برہنہ سلطنت جسم زن

لیکن یہ لوگ ابھی پختہ نہیں ہوئے تھے کہ سلطنت جم حکومت قیصر سے مقابلہ ہو گیا۔ جہاں تک جسمانی طاقت کا تعلق تھا ان کا جوش ان کو آگے لے گیا۔ ذہنی طاقتوں میں یہ اپنی مفتوح قوموں سے مغلوب ہو گئے۔ مسلمانوں کی وہ حالت تھی جس کا نقشہ غالب نے اس طرح کھینچا ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

جو حکومت جناب رسول خداؐ کے بعد قائم ہوئی تھی اس کا بھی مفاد اس میں ہی تھا کہ لوگ اپنے اصلی راہبر کو نہ شناخت کریں۔ کیونکہ اسلام میں دینی راہبری اور ملکی حکومت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا اس حکومت نے جناب رسول خداؐ کے مقرر کردہ رہنماؤں کی تحقیر کی، تذلیل کی اور انھیں قتل کرادیا۔ لیکن ان آئمہ علیہم السلام نے بھی جنکو جناب رسول خداؐ کی وصیت ورثہ میں ملی ہوئی تھی اپنے نانا کے دین کی حفاظت ہر حال میں کی۔ جو طرز عمل جس وقت کے لئے موزوں تھا وہی اختیار کیا۔ خاموشی کی ضرورت ہوئی تو سقیفہ بن گیا۔ تلوار کی ضرورت ہوئی تو کربلا موجود تھی اور اگر قید ہی سے معرفت امام ہو سکتی تھی تو قید بھی خوشی سے برداشت کی۔ لیکن کسی حالت میں صحیح دین کی تبلیغ کو نہ چھوڑا۔ خیر و شر جیسے ہزاروں مسئلوں کو حل کر دیا۔ زرتشت نے تو محض ساحل سے خیر و شر کے تھپیڑے دیکھ کر اپنا فلسفہ قائم کیا تھا۔ ان آئمہ نے خود سامنے ہو کر اور مقابلہ کر کے شر کی ماہیت کو لوگوں پر عیاں کر دیا۔ اور اس سے مقابلہ کرنے کا طریقہ دکھا دیا۔

یونانی فلسفہ کی رو سے جس میں دہریت بھی شامل ہے حیات انسانی نہایت حقیر شے ہے۔ ایک خیال ہی خیال ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ اور وہ بھی اس ہی دنیا میں ختم ہو گئی۔ ایک شخص یہ کہہ کر خودکشی کرتا ہے کہ آخر مرنا ہے۔ چار دن بعد نہ مرے چار دن پہلے مر گئے۔ یہ وہ بحث ہے جس کا کوئی جواب فلسفہ کے پاس نہیں ہے بلکہ فلسفہ اس بحث کی تصدیق کرتا ہے۔ یونان و روم میں اسی وجہ سے خودکشی کو ایک مستحسن فعل سمجھا جاتا تھا۔ اس فلسفہ کی رو سے اگر تمام دنیا کے آدمی ایک دفعہ خودکشی کر کے مر جائیں تو کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہوگا۔ لیکن اسلام کی رو سے حیات انسانی نہایت اہم و معزز شے ہے۔ جس کے بغیر حیات جاوداں و راحت ابدی حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے نزدیک خودکشی بہت برا فعل ہے کیونکہ وہ مواقع جو موت سے پہلے انسان نیکی کر کے راحت ابدی کے انعامات حاصل کرتا وہ منقطع ہو گئے۔ اس دنیا کی حیات انسانی میں ماضی و مستقبل ہے۔ حال نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک لذیذ نوالہ کھایا فوراً وہ پیٹ کے اندر چلا گیا۔ اس کا جو مزہ تھا وہ اب ماضی ہے دوسرا نوالہ جو لیا جائے گا وہ مستقبل میں ہے۔ کسی حسین عورت کی صحبت کا لطف بھی ایسا ہی ہے۔ ہر ایک لمحے کا مزا جو اس سے حاصل ہو رہا ہے۔ ماضی میں جا رہا ہے۔ دوسرا لمحہ بوس و کنار کا جو آئے گا وہ مستقبل میں ہے۔ ہر ایک نظر جو میں آنکھ اٹھا کر کسی دلکش منظر پر ڈالتا ہوں وہ فوراً ماضی میں چلی جاتی ہے۔ دوسری نظر جو اٹھا کر دیکھوں گا وہ مستقبل میں ہے۔ ہر ایک لفظ جو میں منہ سے نکالتا ہوں۔ وہ فوراً ماضی میں چلا جاتا ہے صرف ان باتوں کا خیال رہ جاتا ہے۔ انسان کی ساری زندگی کا لطف ہی ماضی و مستقبل میں ہے اور وہ محض خیال ہے ایک شخص اپنی گزری ہوئی زندگی کے پرلطف لمحوں کی یاد سے دل خوش کرتا ہے۔ دوسرا شخص آنے والی زندگی کے خوابوں میں مست ہے۔ اندریں صورت یونانی فلسفہ کے مطابق

انسانی زندگی محض ایک خیال ہوئی ماضی کی خوشی یا رنج مستقبل کی امید و یاس۔ لیکن اسلام نے ان دونوں زمانوں کے درمیان ایک ذرا سے وقفے کو اتنا وسیع کر دیا کہ عقبیٰ سے ملا دیا اور عقبیٰ بھی وہ عقبےٰ جہاں موت اور زمانہ دونوں پر انسان کو فقط اس ایک لمحہ کی بدولت فتح دیدی۔ جہاں وہ زندگی ہوگی جس کے لئے موت نہیں اور وہ نعمتیں ہونگی جنکو منقطع کر نے کے لئے زمانہ نہیں کسی کو خیرات دی۔ کسی سے نیکی کی۔ یہ سب ایک لمحہ کا فعل ہے پھر تو وہ ماضی میں چلا گیا۔

لیکن ایسی کتاب میں لکھا گیا کہ جہاں سے وہ مٹ نہیں سکتا۔ فلسفے نے یوں تو بہت دور تک دیکھا یہ عالم کیونکر بنا کس نے بنایا۔ سبب اول کی ماہیت کیا ہے۔ روح کیا ہے۔ لیکن اپنے قدموں کے پاس نہ دیکھ سکا۔ انسان کی زندگی میں دو نہایت مہیب چیزیں ہیں۔ موت اور ظلم۔ یہ ہر انسان کے ساتھ ہیں اور انھوں نے انسان کی زندگی کو نہایت تلخ بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ جنکے پاس مذہب نہیں ہے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آیا زندگی اس قابل ہے کہ انسان اس کے لئے زندہ رہے۔ موت اس سختی اور لا پرواہی کے ساتھ محبوب کو محبوب سے جدا کرتی ہیکہ اس وقت خدا یاد آ جاتا ہے۔ اور پھر معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا نے کیوں فرشتوں کو انسان کے آگے تعظیمی سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور ظلم تو جدھر بھی نظر اٹھا کر دیکھو موجود ملیگا۔ ظلم بھی شروع ہی سے سایہ کی طرح حیات انسانی کے ساتھ چلا آیا ہے۔ ہابیل کے زمانہ سے جو شروع ہوا تھا اب تک ختم نہیں ہوا۔ ظلم بھی ایک قسم کا نہیں سینکڑوں قسم کا۔ حکومت کا ظلم۔ سوسائٹی کا ظلم۔ خاندان والوں کا ظلم، رشتہ داروں کا ظلم، دوستوں کا ظلم، آپس میں معاملہ کرنیوالوں کا ظلم، رسومات کا ظلم، رائے عامہ کا ظلم۔ بہت سے مظلوم ایسے ہوئے ہیں جنکی داد نہ فریاد اور دنیا سے مظلوم ہی اٹھے۔ عرب اور ہندوستان کی مظلوم بچیاں جو زندہ زمین میں دفن کر دی جاتی تھیں، ہندوستان کی نوجوان بیوہ عورتیں جنکو مجبوراً رشتہ داروں یا رائے عامہ کے ظلم سے آگ پر بیٹھ کر زندہ جلنا پڑتا تھا۔ اگر ان کو ہی شمار کیا جائے تو ان کی تعداد گنتی کی تمام حدوں سے باہر ہو جائے گی۔ بہت سے ایسے مظلوم ہوئے ہیں جنہیں خود بھی اپنا مظلوم ہونا معلوم نہ ہوا اور دنیا سے چل بسے۔ وہ قانون، وہ مذہب، وہ فلسفہ جو ظلم کا بدلہ نہ دے سکے اور عدل کا انتظام نہ کر سکے کس کام کا۔ موت و ظلم سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دنیا کی زندگی مکمل زندگی نہیں ہے۔ وہ زندگی کیا مکمل ہوئی جس میں مظلوم اپنی دادرسی کو نہ پہنچا اور ظالم مزے لے کر چلتا بنا۔ جن لوگوں کو خدا نے محبت والا دل اور غور و فکر کرنے والا دماغ عطا کیا ہے وہ کبھی نہ مانیں گے کہ انسان کی فطرت میں عشق محبت جیسا قیمتی گوہر تو رکھ دیا لیکن اسے پورا اپنا جوہر دکھا نے کا موقع بھی نہ ملا کہ موت نے آکر منقطع کر دیا۔ تمام فلسفہ کی بنا تجربہ اور انسانی جذبات و عقل پر ہے۔ میں بھی تجربہ سے اپیل کرتا ہوں ان لوگوں کے تجربہ سے جن کی گود سے ان کے پیارے پیارے بھولی بھولی باتیں کرنے والے بچوں کو زبردستی موت نے چھینا ہے۔ ان کے تجربہ سے جنھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے نوجوان ہونہار بچوں کو تہہ خاک چھپایا ہے۔ ان محبت کے ماروں کے تجربہ سے جن کی حیات کا دار و مدار ہی محض ان کے محبوب پر تھا جس کا مردہ جسم انکی نظروں کے سامنے پڑا ہے کیا ان کا دل اندر سے نہیں کہتا کہ ہم ہمیشہ کے لئے جدا نہیں ہوئے

پھر ضرور ملیں گے۔ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ تو خواہش ہے۔ اس کا ثبوت کیا۔ اس کے دو جواب ہیں۔ فلسفہ نے جو افلاطون کے ہیاکل اور ارسطو کی عقل کامل اور دیگر فلاسفروں کے بیان تکوین عالم کو مان لیا ان کا کیا ثبوت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تم اکثر نیچر کا ذکر کرتے ہو۔ نیچر میں دیکھو جو جاندار جن خواہشات کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اس کی خواہشات کو پورا کرنے کا سامان بھی مہیا ہے۔ کیا یہی ایک خواہش ایسی ہے جس کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خبر دیتے ہیں۔ **المرء مع من احب**۔ مرنے کے بعد انسان اس کے ساتھ ہی رہے گا جس سے وہ اس دنیا میں محبت کرتا تھا۔

غرضکہ موت اور ظلم سے جو انسان کو مصائب وآلام اس دنیا میں پہنچ رہے ہیں ان کا عوض وائے اسلام کے کوئی اور فلسفہ یا مذہب نہیں دیتا۔ یہاں اسلام سے ہمارا مطلب اس دین قیم سے ہے جو ابتدائے عالم سے اب تک خداوند تعالیٰ اپنے انبیاء ورسل کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو تلقین کرتا چلا آرہا ہے۔ جب پہلے زمانے کی تلقین دھندلی ہوگئی اور لوگوں کو یاد نہ رہی تو جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے قرآن میں انسانوں کے لئے ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیگئی۔ اس کی تعلیم ہے کہ انسان کی زندگی اس دنیا کی موت سے منقطع نہیں ہوتی۔ موت فقط ایک جگہ سے دوسری جگہ کا انتقال ہے۔ اس کے بعد حشر نشر ہوگا انسان اپنے اس ہی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس کو تمام حالات وواقعات جو اس دنیا میں گزرے تھے یاد ہوں گے اور اچھی طرح یاد ہونگے۔ اس طرح کہ وہ ان کے متعلق سوالات کا جواب دے سکے گا۔ اس کے دوست، دشمن، رشتہ دار سب اس کے سامنے ہونگے اور مالک حقیقی وظاہری خداوند تعالیٰ ہوگا جس سے کوئی واقعہ چھپا نہ ہوگا۔ کوئی ظلم چھپا نہ ہوگا اور ظالم اس کی گرفت سے باہر نہ جاسکے گا۔ اعمال میزان عدل میں تولے جائیں گے اور لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ ہر ایک مظلوم کی دادرسی کی جائے گی۔ **ولا یظلمون فتیلا**۔ جنھوں نے نیکی کی ہے وہ ذرا ذرا سی دیکھ لیں گے۔ جو بدی کی ہے وہ ذرا ذرا سی دیکھ لیں گے اور اس کے مطابق سزا و جزا ہوگی۔ عذاب کی آخری حد جہنم اور ثواب کی آخری حد جنت ہے۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ اس ناقص فلسفہ یونان نے جس نے حیات انسانی کے نہایت اہم مسائل کو حل تو کرنا کیا تھا۔ ان پر غور تک نہیں کیا اس زمانہ کے مسلمانوں پر بوجہ ان کی جہالت کے کتنا اثر ڈالا تھا۔

☆

باب (۲۹)

نشر علوم و تبلیغ دین و تنظیم ملت!

(۵) غیر ادیان و فلسفہ کا حملہ اسلام پر اور جناب امام جعفر صادق علیہ اسلام کا جہاد اسکے خلاف

خلافت صدر اول کی سرعت فتوحات نے اگرچہ عربوں کے لئے ملک حاصل کر دیا لیکن اسلام کے لئے بڑی خرابی پیدا کی۔ وہ یہ کہ اسلام پر حملہ کرنے کے لئے کفر کے واسطے ایک دروازہ کھول دیا۔ جہاں سے ایران و یونان کے فلسفوں نے داخل ہو کر مسلمانوں کے اعتقادات کو متزلزل کر دیا۔ جناب امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں دونوں فلسفوں کا بہت زور تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں بے شمار امام اور سینکڑوں فرقے بننے شروع ہو گئے اور دہریت کو موقع مل گیا۔

مسلمانوں کو فخر ہے اور ان کا یہ فخر بجا ہے کہ ازمنہ وسطےٰ کی تاریکی میں فقط ان ہی کی ایک مشعل علم فروزاں تھی۔ یونان کا فلسفہ اور یونان کی تہذیب مردہ ہو چکے تھے اور اگر مسلمانوں نے ان میں ازسر نو روح نہ پھونکی ہوتی تو آج ان کو کوئی جانتا نہیں۔ بابل، اشوریا اور فنیقیا کی تہذیبوں کی طرح یونانی تہذیب کے نشانات بھی کہیں کہیں کے کھنڈرات کھود کر ہی معلوم کئے جاتے۔ اور یونانی زبان بھی ہندوستان کی سنسکرت کی طرح ایک مردہ زبان ہوتی۔ قصہ مختصر یہ کہ آج کو یورپ یورپ نہ ہوتا۔ اگر مسلمان نہ ہوتے۔ یورپ میں جرمن وحشیوں اور امریکہ میں سرخ وحشیوں کی حکومت ہوتی۔ یہ دوسرا سوال ہے کہ اگر آج یورپ و امریکہ اپنی موجودہ صورت میں نہ ہوتے تو دنیا کے لئے اچھا ہوتا یا برا ہوتا۔ وہ لوگ تو یہی کہیں گے کہ اگر ہم نہ ہوتے اور ہماری خوبصورت عورتیں نہ ہوتیں تو پھر دنیا کی زندگی میں جاذبیت کیا ہوتی۔ لیکن اگر یہ کہتے تو وہ اپنے ہی فلسفے کے خلاف کہتے جو انھوں نے یونانی فلسفہ کی بنیاد پر بنایا ہے کیونکہ اس فلسفہ نے انسان کی زندگی کا مقصد خوشی کو قرار دیا ہے اور آج کل یورپ کی بدولت دنیا میں سب کچھ پایا جاتا ہے سوائے خوشی کے۔ یہ نہایت دلچسپ امر واقعہ ہے اور حکما کے غور کے لئے نہایت مناسب مضمون کہ جس فلسفہ نے حیات انسانی کا مقصد خوشی کو قرار دیا موجودہ عدم خوشی کی حالت اس ہی فلسفہ کے اصول پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔

مسلمانوں نے غیروں کو کیا دیا کیا لیا۔

اسلام نے دنیا کو بہت کچھ دیا اگر کچھ اور نہ دیتے تو کیا کم تھا کہ انھوں نے دنیا کو توحید کا سبق دیا۔ ایران و یونان کی دہریت کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔ اگر اسلام کی توحید کو کوئی سیکھنا چاہتا ہے تو قرآن شریف، نہج البلاغہ اور

جناب امام زین العابدین کی ادعیہ یعنی صحیفۂ کاملہ کا مطالعہ کرے اب یہ حالت ہے کہ دنیا کے ہر ایک مذہب ہر ایک قوم کا یہ دعوے ہے کہ ہم موحد ہیں۔ یہاں تک کہ ہندستان کے بت پرست بھی ایک خدا کے قائل ہو گئے۔ یہ کیا کم تھا جو اسلام نے دنیا کو دیا۔

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت نے دوسری قوموں سے کیا کیا لے کر اپنے مذہب کو کفر کے ہمشکل بنایا۔ انھوں نے یونان کی لامذہبیت، ایران کی دو خدائی، عیسائیت کی سہ خدائی اور ہندوستان کی صد خدائی لی۔ اپنی طرف تو دیکھتے نہیں، خدا سے الٹا شکوہ کرتے ہیں اور وہ بھی کافرانہ الفاظ میں کہ

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جائی ہے

یہ گستاخی وہی یونان کے تخیل کا اثر ہے جس نے اپنے خداؤں کو جبل اولمپس پر نچوایا تھا اور ایک خدا دوسرے کی بیوی پر اور پھر تیسرے کی لڑکی پر عاشق ہوا کرتا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ہوا۔ اسلام تو کامل مذہب ہے اس میں کیا کمی تھی جسکو مسلمانوں نے غیروں کے فلسفہ سے لیکر پورا کیا۔ جواب یہ ہے کہ اسلام میں تو کمی نہ تھی مسلمانوں نے فلسفہ اسلام کو نہیں سمجھا تھا جس کی وجہ سے وہ یونان و ایران کے فلسفہ سے مرعوب ہو گئے۔ باہر کی دنیا سے اور اس کے فلسفہ سے ان مسلمانوں کا تصادم ہوا جو سیاسی وجوہات کی بنا پر، بہت جلد عرب سے فوجوں کی صورت میں نکال دیئے گئے۔ ان افواج میں وہی لوگ تھے جو پہلے کافر رہ چکے تھے۔ پشتوں سے کافر چلے آئے تھے۔ تخیلات کفران کے اندر عادت ثانیہ پیدا کر چکے تھے۔ مرور ایام و زمانہ نشوونما نے جس کو سن طفولیت کہتے ہیں ان کے دل میں کافرانہ تخیل، کافرانہ رسوم و کافرانہ طرز رہائش کے لئے محبت و جاذبیت پیدا کر دی تھی اسلام ان کے لئے نیا مذہب دینا تخیل اور بالکل متضاد و مخالف طرز رہائش لے کر آیا وہ اسلام سے مرعوب ہو گئے۔ لیکن اس سے محبت نہ کر سکے۔ ان کے ذہن نے اس کی منطق کو قبول کر لیا ان کا دل انکے دماغ کے ساتھ ہم آہنگی نہ کر سکا۔ پورانے عقائد عادت ثانیہ بن کر دل میں راسخ ہو چکے تھے۔ دماغوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ ذہنی عقائد طبیعت ثانیہ کب بنتے ہیں جب زیر عمل آ کر اعضاء و جوارح کو اپنے مطابق بنا لیتے ہیں۔ آپ نے بائیسکل تو چلائی ہو گی۔ پہلا درجہ اس کے چلانے کا وہ ہوتا ہے جب آپ دماغ سے سوچ سوچ کر اسے چلاتے ہیں۔ وزن قائم رکھتے ہیں اور دائیں بائیں مڑنے میں دماغ کو کام میں لانا پڑتا ہے۔ یہی حالت موٹر ڈرائیور کی ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ عادت ثانیہ ہو جاتی ہے تو جس وقت مڑنا ہوتا ہے ارادہ کے ساتھ بائیسکل مڑ جاتی ہے آپکو معلوم نہیں ہوتا کہ کب آپ نے ہینڈل کو گھمایا تھا۔ اگر روکنا ہوتا ہے تو خود بخود موٹر ڈرائیور کا پیر بریک پر چلا جاتا ہے۔ یہ استمرار عمل کی وجہ سے ہوا۔ اعتقادی امور میں اس سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے وہ اعتقادات عادت ثانیہ میں منتقل ہوتے ہیں۔ موٹر کا چلانا ہو یا اعتقادات کا اختیار کرنا ہو۔ ان کا فائدہ اس وقت ہی

ہوتا ہے کہ جب عادت ثانیہ میں یہ تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اگر عادت ثانیہ میں تبدیل ہونے سے پہلے ان کو چھوڑ دو پھر روز اول ہو جاتا ہے۔ جناب رسول خداؐ کا زمانہ زمین کو ہموار کرنے اور جسمانی طاقت سے کفر کو مغلوب کرنے میں گزر گیا اسلام کے فلسفہ پر غور کرنے کا زمانہ شروع ہونے والا ہی تھا کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا عمل کا کام آنحضرتؐ کے جانشین کے لئے چھوڑ آگیا۔ اس ہی امر واقعہ کو جناب رسول خدا نے ان الفاظ میں ظاہر کیا تھا کہ میں تو تنزیل قرآن پر لڑا ہوں اور اب میرے بعد علی تاویل قرآن پر لڑے گا یہ تاویل قرآن ہی فلسفہ قرآن واسلام تھا۔ لیکن فلسفہ اسلام کے شروع ہونے سے پہلے بربنا وجوہات سیاسیہ مسلمانوں کو عرب سے بصورت افواج نکال دیا گیا۔ وہ اس صورت میں دنیا میں پھیلے کہ ابھی اسلام انکے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ سیاسی حالات نے حکومت کو مجبور کیا کہ لوگوں کی نکتہ چینیوں سے بچنے اور قوم کا دل ہاتھ میں لینے کے لئے افواج کو باہر بھیج دیں تاکہ ان کے خیالات دوسری طرف لگ جائیں اور مال غنیمت کے ذریعہ سے ہر دل عزیزی مول لی جاوے ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ مسلمانوں کو ابھی اسلام سے دلی محبت نہ ہوئی تھی۔ ابھی تو وہ قومی جذبہ کی صورت میں تھا۔ اور اب ہم کہہ رہے ہیں کہ شوق ملک گیری اور عشق غنیمت ان کو باہر لے گیا۔ اس کا کوئی ثبوت بھی ہے یا یہ فقط ہمارا وہم ہے۔

مولوی شبلی کی گواہی۔

ہم گواہی میں مولوی شبلی کو پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا..... جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی۔ تعجب ہے کہ اسلام میں بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آنحضرت (صلعم) نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے۔ قبیلے والے روتے ہوئے آئے۔ انھوں نے کہا کہ۔ لاالہ الا اللہ۔ کہو تو بچ جاؤ گے ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اور حملہ سے بچ گئے۔ اس پر ساتھیوں نے ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کردیا۔

جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کردی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری۔

یریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ

یہ لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہیں اور خدا آخرۃ چاہتا ہے۔

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین میں جو ۸ھ میں واقع ہوا تھا اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری میں غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے۔

فاقبل المسلمون علی الغنائم و استقلونا بالسھام۔

یعنی مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا۔

سیرۃ النبی تقطیع کلاں۔ حصہ اول 'جلد' اول ص ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶۔ ثابت ہوا کہ ان لوگوں کی لڑائیوں کا سب سے بڑا سبب مال غنیمت کا شوق تھا۔ یہ تو جناب رسول خداؐ کے زمانہ میں دولت تھی۔ اس کے بعد شوق ملک گیری اور اس میں شامل ہو گیا۔ سرعت فتوحات نے دولت و ثروت کا رخ مدینہ و مکہ کی طرف کر دیا۔ اس سے اور شوق ''جہاد'' میں ترقی ہو گئی۔ ہم اپنی کتاب۔ التفریق والتریف فی السلام۔ میں بتا چکے ہیں کہ وہ کیا سیاسی وجوہات تھیں جنھوں نے حکومت کو، ساری قوم کو ملک سے باہر

لڑائیوں پر بھیجنے پر مجبور کیا۔ لیکن مسلمانوں کی مذہبی حالت ابھی اس قابل نہ تھی کہ گھر سے باہر نکالے جاتے۔ انھوں نے ابھی فلسفہ اسلام کو سمجھا بھی نہ تھا۔ ابھی تو نماز، روزہ و حج کے ارکان ہی کی تعلیم ہو رہی تھی۔ ابھی پہلا کفر بقول جناب رسول خداؐ دلوں میں جاگزیں تھا آپ نے اپنے ایک ضعیف العمر صحابی سے فرمایا کہ تم لوگوں میں سابقہ کفر چیونٹی کی چال کی طرح پنہاں ہے نیا عقیدہ اس وقت راسخ ہوتا ہے جب تختیِ دل صاف ہو اور پرانے عقیدوں کا حرف حرف مٹ گیا ہو۔ اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک نئے عقیدہ کو بھی کم سے کم اتنے ہی سال نہ گزر جائیں جتنے کہ پرانے عقیدہ کو دل میں جمے ہوئے گزرے ہیں۔ اگر اتنی مدت بھی گزر جائے تب بھی کم ہو گی۔ کیونکہ کفر نے اپنا نقش عمر کے اس حصہ میں انکے دل پر جمایا تھا جب ہر نقش بہت جلد بیٹھ جاتا ہے۔ اور بیٹھتے ہی جم جاتا ہے۔ تب ہی تو ابن عبدالبر و حاکم، طبری و ابن الاثیر وغیرہ ہم نے حضرت علیؑ کے فضائل میں یہ فضیلت بہت جلی قلم سے لکھی ہے کہ آپ نے عمر کے کسی حصہ میں کفر نہیں کیا۔ یونان و ایران کے فلسفوں میں ان مسلمانوں نے اپنا ہی پرانا جاہلیت کا تخیل کارفرما پایا لہٰذا نہایت شوق و انسیت کے ساتھ اسکے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اسلام سے پہلے کے دو الہامی مذہب یہودیت اور مسیحیت پہلے ہی ایران کی ثانویت اور یونان کی سوفسطائیت کے زیر اثر آن کر مسخ ہو چکے تھے۔ جب مسلمانوں نے شام کو فتح کیا تو انھیں وہاں اس ہی مسخ شدہ مسیحیت سے واسطہ پڑا۔ بنوامیہ کے خلفاؑ جو کبھی دل سے مسلمان نہ ہوئے تھے بجائے اسلام کے اس مسیحیت کی سر پرستی کرتے تھے معاویہ ابن ابی سفیان کے دربار میں بہت سے عیسائی امراء حکماء کا دخل تھا اس کا طبیب اعلیٰ عیسائی تھا اور اس ہی نے معاویہ کی مرض الموت میں اس کے گلے میں صلیب لٹکوائی تھی۔ سرجیئس (S ergies) جو یوحنا دمشقی کا باپ تھا۔ عبدالملک کا مشیر اول تھا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے یوحنا کو یہ اعلیٰ منصب ملا۔ ایک عیسائی اخطل خلیفہ کا درباری شاعر تھا۔ عیسائی مسجدوں میں بہت آزادی سے آتے جاتے تھے اور مسلمانوں

سے نہایت جوش کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے تھے ایک جرمن مورخ لکھتا ہے۔(اس کی تحریر کا انگریزی ترجمہ یہ ہے)

By associating . with greek Theologians finely disciplined in The art of dialectic ,The Arabs firse learned philosophical reasoning which later on They prized so highly. It was from Them again That They received Their first lesson in dogmatic subtlities- an art in which The Byzantine scholarship revelled.

In This way alone is to be explaned The remarkable similarity which we notice in The main fertures of Byzontine christianity and islamic dogmatics.

Foremost is The enquiry into The essence and attributes of God which fills The first place in The writings both of the Greek fathers and of The oldest Arab The ologians. The oldest Muslim The ologians just as much as The fathers of the Greek church busy Themse lves with discussions about fate and free will . in opposition to The western Church, The fathers of The Greek Church declared Themselves against The eternity of The punishment of Hell and The very same view was Takn by The oldest The ological school of Islam, Known as The Murji, ah)Von Kremer :culturgeschicht liche streifzuge auf dem Gelriete des Islam, Translated by Khuda Bakhsh in contributions to The History of Islamic cvilisation, pp , 58,59)

ترجمہ: یونانی عیسائی پادری منطقی بحث کرنے میں بہت مشاق تھے۔ مسلمانوں نے انکے ساتھ میل جول شروع کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان یونانی مسیحی پادریوں سے مسلمانوں نے پہلی مرتبہ فلسفانہ بحث کرنے کا طریقہ سیکھا جس کو بعد میں انھوں نے نہایت گراں بہا نعمت سمجھا۔ ان یونانی پادریوں ہی سے مسلمانوں نے اپنے پہلے سبق مذہبی عقائد میں بال کی کھال نکالنے کے ہنر میں لئے۔ یہ ایک ایسا ہنر تھا جس میں بیزنطیونی پادری بہت مشاق تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی عقائد اور بیزنطانی مسیحیت میں مماثلت اور ہمرنگی پائی جاتی ہے۔

اس یگانگت اور مماثلت کی سب سے بڑی مثال وہ تحقیقات ہیں جو دونوں یعنی یونانی پادریوں اور مسلمان عرب فقہانے خداوندتعالیٰ کی کنہ اور خصوصیات میں نہایت تن دہی کے ساتھ کی اور اس پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ سب سے پہلے مسلمان فقہا بھی اسی طرح تقدیر وجبر واختیار کے مسائل کی بحث میں مشغول رہتے تھے جس طرح یونانی مسیحی پادری ان مسائل پر بحث کرتے تھے۔ یونانی چرچ کے پادریوں نے برخلاف مغربی چرچ پادریوں کے یہ اعتقاد قائم کیا کوئی شخص ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیگا اور یہ ہی اعتقاد اسلام کے سب سے پرانے فرقہ مرجیہ کا ہے۔ فان کریم جرمن مورخ کی یہ کتاب مسلمانوں میں بہت معتبر سمجھی گئی ہے۔ چنانچہ ایس۔ کے خدا بخش نے

اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اور خدا بخش کے انگریزی ترجمہ کا ترجمہ مصری عالم طٰہٰ بدر نے کیا ہے اور اس کا نام الحضارۃ الاسلامیہ رکھا ہے۔ اس مورخ کی رائے میں اسلام کے مختلف فرقوں کی ابتداء کا باعث یہی اثر تھا۔ آگے چل کر یہ مورخ کہتا ہے۔

''مرجیہ کے عقائد دمشق کے عیسائی پادری یحیٰی کے مطابق ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا فقہ بالکل مرجیہ عقائد پر مبنی ہے۔ اور وہ خود مرجیہ بیان کئے جاتے ہیں..... مرجیہ کے عقائد کی بنا یونانی چرچ کے فلسفہ پر ہے..... اسی طرح قادر یہ فرقہ بھی عیسائیت کے اثر کے تحت میں پیدا ہوا ہے...... غرض کہ اسلام کے تقریباً تمام فرقے اور انکے عقائد مسیحیت کے اثر کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں'' (ص ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴)

اسی طرح فان کریمر اسلام پر ایرانی فلسفے کے اثر کا تذکرہ کرتا ہے وہ کہتا ہے ''ایرانی اثر خلیفہ کے دربار میں اپنے درجہ معراج پر، ہادی، ہارون اور مامون کے زمانہ میں پہنچا۔ بہت سے وزرا ایرانی تھے۔ خلیفہ کے دربار میں ساسانی بادشاہوں کے رسوم ولباس کی نقل کی جاتی تھی...... بصرے میں یہ غیر اسلامی تاثرات بہت اچھی طرح نمایاں ہوئے یہیں اسلام کے پہلے آزاد خیال علما پیدا ہوئے۔ یہاں ہی مذہب اسلام سے وہ تنفر و بدمذاقی پیدا ہوئی جنکا اثر خلیفہ کے دربار تک پہنچا۔ اور یہیں وہ زنادقہ پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام پر بہت اثر ڈالا۔ مثلاً بشار ابن برد...... بشار کی طرح بہت سے لوگ تھے جو بظاہر تو مسلمان تھے۔ لیکن دراصل دل سے زندیق تھے...... پہلے زندیق اس کو کہتے تھے جو ایرانی (زرتشتی) عقائد رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ مانوی عقائد رکھنے والوں کو زندیق کہنے لگے اور آخر کار دھریوں کو زندیق سے تعبیر کرنے لگے۔ اموی خلیفہ ولید ابن یزید کا استاد ایک زندیق تھا۔ جس نے خلیفہ کو شراب کی عادت ڈلوائی اور اسلام سے برگزشتہ کردیا...... مانوی مذہب کی طرف مسلمانوں کو بہت جاذبیت تھی۔ مانوی مذہب مسیحی وزرتشتی عقائد کا ایک ایسا مجموعہ تھا جس کی طرف زرتشتی اور مسیحی دونوں جھکتے تھے...... مسلمانوں میں مانوی مذہب رکھنے والوں کی کثرت ہوگئی تھی۔ یہ لوگ حکومت کے نزدیک خطرناک ہوگئے تھے جنھوں نے انکے خلاف بہت سزائیں مقرر کیں۔ ایک افسر مقرر کیا گیا تھا۔ جو محض مانوی لوگوں کو سزائیں دیتا تھا...... اسی طرح مطیع ابن الیاس شاعر جو خلیفہ مہدی کے زمانہ میں تھا۔ اگرچہ وہ خالص عرب تھا۔ لیکن مانوی اعتقاد رکھتا تھا جب اس کی لڑکی کا بیان خلیفہ ہارون الرشید نے لیا تو اس نے صریح اقبال کیا کہ اس کو مانوی عقائد کی تعلم دی گئی تھی اور وہ مانوی مذہب کی کتابیں پڑھتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خالص عربوں میں بھی مانوی عقائد پھیل گئے تھے۔ ایک نہایت معتبر مورخ کہتا ہے کہ برمکہ سوائے ایک ممبر کے سب دل سے مانوی تھے...... ہارون رشید کا مشہور شاعر ابونواس اس زمانہ کے خلیفہ کے دربار کی بے حیائیوں اور لامذہبیت کا ذکر خوب کرتا ہے۔ ایسی فضا میں خالص مذہبی عقائد کہاں قائم رہ سکتے ہیں۔'' (دیکھو صفحات ۹۴ لغایتہ ۱۰۵) ارسطو اور افلاطون کے خیالات کا اثر جو اسلام پر ہوا اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ نامور مورخ کہتا ہے۔

"افلاطون کے فلسفہ کے زیر اثر مسلمانوں نے ایک ایسا فلسفہ قائم کیا جس نے غیر اسلامی تاثرات اپنے اندر لیکر اسلام کو تصوف کے ذریعہ سے موجودہ شکل دی۔

افلاطون کے فلسفے کا مسلمانوں پر اثر۔

مسلمانوں نے افلاطون کے اس فلسفہ کا نام اشراقی رکھا ہے۔ اس کا سب سے زبردست معتقد اور حامی سہر وردی تھا۔ اس نے اس جدید افلاطونی فلسفہ کے خیالات کو زرتشتی یا مانوی عقیدۂ نور کے تانے بانے میں ملا کر دنیا کا ایک عجیب تخیل قائم کیا ہے اس کے اس فلسفہ نے بہت فروغ پایا" (دیکھو صفحہ ۱۰۷)

مولوی شبلی کی پھر گواہی۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ فقط غیر مسلم مورخین کی رائے ہے ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ مسلم علماء نے اس کتاب کو بہت معتبر سمجھا ہے علاوہ اس کے ہم مولوی شبلی کو پھر گواہی میں پیش کرتے ہیں وہ اپنی کتاب الکلام کے حصہ اول میں لکھتے ہیں ہیں کہ:

دولت عباسیہ میں جب یونان وفارس کے علمی ذخیرے عربی زبان میں آئے اور تمام قوموں کو مذہبی مباحثات ومناظرات میں عام آزادی ہوگئی تو اسلام کو ایک بڑے خطرے کا سامنا پیش آیا۔ پارسی، عیسائی، یہودی، زنادقہ ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور فتوحات اسلام کے آغاز میں ان کو صدمہ اسلام کی تلوار سے پہنچ چکا تھا۔ اس کا انتقام قلم سے لینا چاہا۔ عقائد ومسائل اسلام پر اس آزادی و بے باکی سے نکتہ چینیاں کیں کہ ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے اعتقاد متزلزل ہوگے۔ (الکلام حصہ اول ص۔۲)

اختلاف عقائد یعنی تفرقہ اسلام کے اسباب بیان کرتے ہوئے مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ جو قومیں اسلام لائیں ان کے قدیم مذہب مسائل عقائد مثلاً صفات خدا، قضا وقدر، جزاوسزا کے متعلق خاص خیالات تھے۔ ان خیالات میں جو علامہ عقائد اسلام کے خلاف تھے۔ مثلاً تعدد آلہتہ، شرک بت پرستی وہ تو بالکل دلوں سے جاتی رہی۔ لیکن جہاں اسلامی عقائد کے کئی پہلو ہو سکتے تھے اور ان میں سے کوئی پہلو انکے قدیم عقائد سے ملتا جلتا تھا وہاں وہ بالطبع اسی پہلو کی طرف مائل ہو سکتے تھے۔ اور چونکہ مختلف مذاہب کے لوگ اسلام کے دائرہ میں آئے تھے اور انکے قدیم عقائد آپس میں بالکل مختلف تھے۔ اس نے ان مختلف عقیدوں کا جو اثر ہو سکتا تھا اس کا مختلف ہونا بھی ضروری تھا۔ مثلاً یہودیوں کے یہاں خدا بالکل ایک مجسم آدمی کے پیرایہ میں تسلیم کیا جاتا تھا اس کی آنکھیں دکھنے آتی ہیں۔ آنکھوں میں نہایت درد ہوتا ہے۔ فرشتے عیادت کرتے ہیں۔ کبھی وہ کسی پیغمبر سے کشتی لڑتا ہے اور اتفاق سے چوٹ

کہا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اس قسم کے اعتقاد والے جب اسلام لائے تو ضرور تھا کہ ان کا میلان طبع ان آیتوں کی طرف ہو جن میں خدا کی نسبت ہاتھ منہ وغیرہ الفاظ وارد ہیں اور ضرور تھا کہ وہ ان الفاظ کے یہی معنی قرار دیں کہ خدا کے واقعی ہاتھ پاؤں ہیں۔

اس کے علاوہ بعض مسائل ایسے ذوجہتین تھے کہ انکے متعلق جب رائیں قائم کی جاتیں خواہ مخواہ رایوں میں اختلاف ہوتا۔ مثلاً جبر وقدر کا مسئلہ کہ ایک طرف نظر آتا ہے کہ ہم اپنے افعال کے آپ مختار ہیں۔ دوسری طرف زیادہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ افعال ایک طرف، ہمارا ارادہ بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ (الکلام حصہ اول ص۱۰،۱۱)

دوسرے اختلاف (جبر وقدر) کا منشا یہ تھا کہ انسان کے افعال کو اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز بھی ہمارے بس کی نہیں یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہمارے اختیار میں نہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو ثواب وعقاب جو مذہب کی جان ہے اس کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں۔ بعض میں صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کراتا ہے قل کل من عند اللہ بعض کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے مااصابك من سيئة فمن نفسك اس بنا پر اسلام میں دو رائیں قائم ہو گئیں جو لوگ زیادہ آزاد تھے انھوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے جو اس لفظ سے جھجکتے تھے انھوں نے کسب اور ارادہ کا پردہ رکھا۔ یہ پردہ بھی ابوالحسن اشعری نے ایجاد کیا۔ ورنہ قدما اس کا نام بھی نہیں لیتے۔ برخلاف اس کے معتزلہ نے یہ رائے قائم کی کہ انسان اپنے تمام افعال میں مختار محض ہے البتہ یہ اختیار اس کو خدا نے دیا ہے اور اس لئے خدا کے اختیار مطلق میں فرق نہیں آتا۔

تیسرا اختلاف اس بنا پر تھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں۔ چونکہ اکثر حدیثوں میں حیا وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں انه من الايمان اس لئے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں لیکن اہل نظر نے جن میں امام ابوحنیفہ سب سے پیشرو تھے اس سے اختلاف کیا اور اعتقاد وعمل میں تفریق کی۔ محدثین نے ان لوگوں کا نام مرجیہ رکھا چنانچہ امام ابوحنیفہ کو بھی بہت سے محدثین مرجیہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اختلاف عقائد کے اسباب بیان کرنے کے بعد مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے۔ لیکن ابتداء پالیٹکس یعنی ملکی

ضرورت سے ہوئی۔ بنوامیہ کے زمانہ میں چونکہ سفا کی کا بازار گرم رہتا تھا۔ طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی۔ لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت اس کو یہ کہہ کر چپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہیئے

'امنا بالقدر خیرہ وشراہ (الکلام حصہ اول ص ۱۷)

بقول حضرت عمر خدا اور رسول خدا کی خواہشات الگ الگ۔

چونکہ مولوی شبلی نے بنوامیہ کی حکومت پر سارا الزام عائد کر کے اوروں کی سیاست پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ لہذا یہ بتانا ضروری ہوا کہ بنوامیہ سے پہلی حکومت کا بھی طرز عمل یہ ہی تھا اور یہ ہی سیاست وہاں بھی کارفرما تھی۔ علامہ ابن ابی الحدید نے حضرت عمر اور عبداللہ ابن عباس کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے۔ جس کو ہم یہاں لکھتے ہیں۔ مکالمہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

حضرت عمر: میں تم سے تمہارے ابن عم یعنی علی کی شکایت کرتا ہوں میں نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ انھوں نے انکار کر دیا اور اکثر میں ان کو اپنے سے غضبناک ہی دیکھتا ہوں اس کا کیا سبب ہے۔

عبداللہ ابن عباس۔ یہ درست ہے۔ ان کا یقین ہے کہ جناب رسول خدا نے خلافت ان کو عطا کی تھی۔

حضرت عمر: اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے۔ لیکن جناب رسول خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے اسکے خلاف چاہا اور خدا کی مرد جاری ہوگئی۔ اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو رسول خدا نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے۔ لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسول خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں لیکن میں نے فتنہ وامر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسول اللہ بھی میرے دل کی بات سمجھ گئے اور رک گئے۔ اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا۔

(شرح نہج البلاغہ بحر و الثالث ص ۱۱۴)

اس عبارت سے ہمیں یہ انکشاف ہوا کہ جناب رسول خدا کی خواہش اور خدا کی خواہش میں مخالفت تھی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خدا پیغمبر کو تو کافۃ الناس کے لئے بھیجتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ سب کو تبلیغ کرو۔ لیکن دل میں خواہش چھپا رکھتا ہے کہ فلاں فلاں شخص ایمان نہ لائے۔ اتفاق سے یہاں یہ خواہش ایسے شخص کے متعلق اس نے کی جو اسکے رسول کا عاشق ومحافظ تھا۔ اور جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس کے رسول کو بچایا۔ وجہ خواہش تو

معلوم نہ ہوئی۔ نتیجہ خواہش حضرت عمر نے بتادیا۔

مولوی شبلی کی منطق پر تو ہم البلاغ لاموئنین اور کتاب التفریق والتحریف میں بحث کر چکے ہیں۔ یہاں ہم ان امور کو شمار کرتے ہیں جو ان کی ان عبارات متذکرہ بالا سے ثابت ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

(۱) یونان و فارس کے فلسفہ کا لوگوں پر بہت اثر پڑا۔

(۲) اس سے اسلام کو ایک بڑے خطرے کا سامنا ہوا۔

(۳) پارسی' یہودی' عیسائی' زنادقہ ہر ایک نے اسلام پر حملے شروع کر دیے۔

(۴) جس طریقے سے اسلام کی فتوحات ہوئی تھیں۔ اس کی وجہ سے یہ لوگ اسلام کے دشمن ہو گئے تھے۔

(۵) انھوں نے آزادی سے اسلام پر نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور اسلام سے بدلہ لینا چاہا۔

(۶) اس کا نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کے اعتقاد متزلزل ہو گئے۔

(۷) اسلام کے عقائد کی تشریح ان لوگوں نے جو مسلمان ہوئے تھے اسی طرح کی جو ان کے پہلے مذہب کے مطابق ہو سکتی تھی۔

(۸) مثلاً خدا کے ہاتھ پیر ہیں، جسم ہے، آنکھیں ہیں۔ یہ غلط عقیدہ ہے اور ان مسلموں کا داخل کیا ہوا ہے جو پہلے یہودی تھے۔

(۹) قرآن میں آیتیں بھی ایسی ہیں جن سے ان سابقہ یہودی مسلمانوں کے اعتقاد کی حمایت ہوتی ہے۔

(۱۰) جبر و قدر کا مسئلہ بھی ان ہی کافر نو مسلموں کا داخل کیا ہوا ہے۔

(۱۱) سارے ذو وجہین مسائل اس ہی ضمن میں داخل ہیں۔

(۱۲) یہ مسئلہ کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال داخل ہیں یا نہیں ان ہی ذو وجہین مسائل میں سے ایک ہے۔

(۱۳) وہ مسائل جو حکمرانان سلطنت اسلامیہ کو ان کی سیاست میں مدد دے سکتے تھے اس مدد کے لئے کام میں لئے گئے اور ان کی تشریح ایسی کی گئی جو ان کے ظلموں پر پردہ ڈالے۔

مولوی شبلی کی تحریر پر جو ہم نے مختصر تنقید کی ہے وہ اس کتاب کے دیباچہ ص ۱۸ الغایت ۲۰ میں دیکھو۔

خیالات کی اس درہمی و برہمی میں سے جو عقائد اشاعرہ نے اختیار کئے وہ مندرجۂ ذیل ہیں۔ اشاعرہ وہی ہیں جو آجکل اہل سنت و جماعت کہلاتے ہیں (رازی تفسیر کبیر سورۂ انعام الکلام حصہ اول ص ۱۳) عقائد ملاحظہ ہوں۔

(۱) خدا کے احکام مصلحت پر مبنی نہیں۔

(۲) کوئی چیز دنیا میں کسی کی علت نہیں۔

(۳) اشیا میں خواص و تاثیر نہیں۔

(۴) خدا نیک آدمیوں کو بے وجہ سزا دے سکتا ہے اور اس کا سزا دینا ناانصافی نہ ہوگا۔

(۵) انسان کو اپنے افعال پر قدرت نہیں (نوٹ۔ یہ لوگ جبریہ تھے۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ اہل نظر جن میں امام ابو حنیفہ شامل ہیں یہ ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔)

(۶) خدا ہی انسان سے نیکی بھی کراتا ہے اور برائی بھی۔

(۷) خدا کے ہاتھ پاؤں آنکھیں ہیں۔ اور وہ عرش پر ہماری طرح بیٹھتا ہے۔

(دیکھو الکلام حصہ اول ص ۱۲، ۲۰)

ان پر غور کیجئے۔ کس خوب صورتی کے ساتھ خدا کو فقہ اسلام میں سے نکال کر اس کو یونان کا فلسفہ بنایا جا رہا ہے۔ اوپر کے جتنے عقاید ہیں وہ سب فقہ اسلام کی مخالفت اور رد کرتے ہیں۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ حکیم مطلق ہے۔ اس کے سب احکام مصلحت پر مبنی ہیں۔ دنیا میں اسباب کا سلسلہ جاری ہے اور ان سب کا سبب خداوند تعالیٰ ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی چیز کسی کی علت نہیں ہے۔ یعنی کسی چیز نے کسی کو نہیں بنایا۔ فقہ اسلام کہتا ہے کہ اشیا میں خواص خداوند تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں نہیں۔ یہ غلط ہے۔ خدا عدل کا حکم دیتا ہے۔ عدل کی تعریف کرتا ہے قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ ایک پر کاہ کے برابر کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ یہ کہتے ہیں کہ نہیں خدا ظلم کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ یہ کہتے ہین کہ انسان کو اپنے فعل پر قدرت نہیں۔ خدا ہی نیکی کراتا ہے خدا ہی بدی کراتا ہے اور پھر معاذ اللہ خاکم بدہین یہ ظلم عظیم کرتا ہے کہ برائی کی سزا بھی دیتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ خدا کے اعضا ہیں فقہ اسلام کو ختم کر دیا اور اس کی بجائے مانی و مزدک کا مذہب جاری کر دیا۔ یہ سب ایران و یونان کے فلسفہ کا اثر ہے۔ مولوی شبلی خود مانتے ہیں کہ بہت سے عقائد مندرجہ بالا یہودی، عیسائی اور مجوسیوں نے مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں میں رائج کر دیئے۔ یہ وہ اعتقادات ہیں جو صحاح ستہ میں بھی روایتوں کی صورت میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً خدا کا جسم ہونا، دوزخ میں اپنی ٹانگ ڈال دینا۔ جبر و قدر ظلم کرنا وغیرہ۔ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ تو ثابت ہو گیا۔ اب یہ کرنا چاہیئے کہ ایسی تمام روایات کو کتب احادیث میں سے نکال دیا جائے اور ان کے راویوں کے نام کی ایک فہرست مرتب کر لی جائے۔ جہاں جہاں ان کی مرویات ہوں یا تو ان کو بالکلیہ حذف کر دیا جائے یا مشتبہ نظر سے دیکھ کر ان کی سخت تنقید کی جائے۔

علم کلام

کا لفظی مفہوم تو گفتگو کرنے کا سلیقہ ہے۔ اصطلاح میں اس بحث کو کہتے ہیں جس سے عقائد اسلام کی صحت اور حقیقت ثابت کی جاوے۔ اگرچہ ژرف نگاہ والوں کے لئے قرآن شریف میں خود ان عقائد کو بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے اور دہریت وثنویت، وتثلیث کا رد باحسن وجوہ کر دیا گیا ہے۔ اور قرآن ہی میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ علم کس سے حاصل کیا جاوے۔ ان کو راسخون فی العلم کا لقب دیا گیا ہے۔ اور جناب رسول خدا نے اس کی

تشریح کی کہ اس سے مراد ان کی عترت ہے۔ جس کے راس و رئیس حضرت علی تھے۔ مسلمان کچھ نہ کرتے صرف قرآن شریف کی اس ہی ہدایت پر عمل کرتے تو اس سارے طوفان کا مقابلہ بہت اچھی طرح کر سکتے تھے۔ لیکن اس راہ میں مسلمانوں کو تین دقتیں درپیش آئیں۔ اول تو اہل حکومت نے ان راسخون فی العلم کو اپنی حکومت کا رقیب سمجھا اور ہمیشہ ان سے وہ سلوک کیا جو دنیا کی حکومت والے اپنے رقیبوں کے ساتھ کرتے آئے ہیں۔ لوگوں کو ان کی طرف رجوع کرنے سے روکا اور اپنی طرف سے ایسے آدمی کھڑے کر دیئے جنکو آئمہ کا خطاب دیا۔ یہ بھی نہ دیکھا جیسا مولوی شبلی نے لکھا ہے کہ گھر والے ہی جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے اور یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کے ساختہ و پرداختہ ائمہ کا آپس ہی میں اختلاف تھا۔ اور حق کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اختلاف سے مبرّا ہے۔ دوم یہ کہ صحیح تاویل سے ان کی حکومت کو مدد نہیں ملتی۔ اور تاویل ایسی ہونی چاہیئے تھی جو ان کی حکومت کو مضبوط کرے مثلاً آیہ یا ایھا الذین آمنو ااطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم کی تشریح میں انکے منصوب آئمہ نے ہر ایک صاحب حکومت کو داخل کر کے لوگوں سے اس کی اطاعت لے لی۔ یہ بھی دیکھا کہ حاکم تو ظالم بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور یزید و حجاج و عبید اللہ ابن زیاد اور عمر ابن سعد بھی ان میں داخل ہیں۔ سوم یہ کہ جب تک ہر ایک شخص کے قیاس کو آزادی نہ دیتے۔ اصلی راسخون فی العلم سے اعراض ناممکن تھا۔ وہ بھی تو خاموش نہ تھے۔ ان کے ذمہ تو اسلام کی حفاظت تھی وہ صحیح تاویل قرآن کا درس دیتے تھے۔ جب تک ہر ایک آدمی کو قیاس آرائی کی اجازت نہ دی جاتی مطلب حل نہ ہوتا۔ لہٰذا یہ آزادی گئی۔ احادیث رسول کی جن میں زیادہ تر فضائل اہلبیت تھے ممنوع قرار دیا گیا اور قیاس کی اجازت دیگئی۔ (تاریخ فقہ اسلامی از مولوی عبد اسلام ندوی ص ۱۶۱ تا ۱۶۳)

اور اب تفرقۂ اسلام و غلبۂ ادیان و تخیلات مختلفہ اس کا لازمی نتیجہ ہو گیا۔

کسی تہذیب یا فلسفہ کے اصول اتنا اثر نہیں کرتے جتنا وہ ذہنی تشکیل اور تربیت و طریقہ تخیل کرتے ہیں جو اس تہذیب یا فلسفہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ انگریزی تہذیب و تمدن نے صراحتاً مسلمانوں کے کسی اعتقاد کو برا نہ کہا لیکن ذہن کو ایسی تربیت دی کہ وہ خود بخود ان خیالات کی طرف راجع ہو گیا۔ یہ ہی وہ بات ہے جو فان کریم کہتا ہے۔ ہم اس کا قول اوپر نقل کر چکے ہیں وہ کہتا ہے کہ یونانی مسیحی پادریوں کے ساتھ مل جل کر مسلمانوں نے مذہبی عقائد کی بال کی کھال نکالنے کی عادت سیکھی۔ اور محض سوفسطائی طریقہ بحث اختیار کر لیا۔ وہ یہ طریقہ تھا کہ بحث محض بحث کی خاطر کرتے تھے۔ کذب و صدق کا خیال نہ ہوتا تھا۔ یہ بحث کیا تھی کج بحثی تھی۔ جو اپنا قیاس ہو گیا۔ اس کو کسی طرح ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ ذہنی حالت نہایت خطرناک ہوتی ہے اور جب یہ پیدا ہو جاتی ہے تو پھر محض سچائی دریافت کرنے کے لئے بحث نہیں کی جاتی ہم فلسفہ اور عقل کے خلاف نہیں ہیں۔ اسلام کی بنا عقل پر ہے اور قرآن میں انسان کو غور و فکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ بلکہ تاکید کی گئی۔ قابل اعتراض وہ بحث ہے جو محض بحث کے خاطر کی جاوے۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانہ میں یونانی حکما سے اخذ کردہ عقلیت نے اسلامی

عقائد کو منطق اور علم الکلام کی ایک چیستان بنا دیا تھا۔ اسلام بھی انسان کو تدبر اور تفکر اور مظاہر ارض و سماوات کا صحیح مطالبہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور جو لوگ عقل کو استعمال نہیں کرتے ان کو محض حیوان تصور کرتا ہے۔ لیکن جس قسم کی عقل کو قرآن استعمال کرنے کی ہدایت دیتا ہے وہ عقل سلیم ہونی چاہیئے جو اپنی حدود سے بھی واقف ہو۔ اس کو معلوم ہو کہ میری رسائی کہاں تک ہے وہ عقل انفس و آفاق کے وسیع مطالعہ پر مبنی ہو۔ اور غیر ملوث بصیرت سے صحیح نتائج اخذ کر سکے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو عقل فقط ظنیات کے ساتھ کھیلتی رہتی ہے اور اس کھیل میں اس کو لذت ملنے لگتی ہے۔ مثلاً کلام الٰہی حادث ہے یا قدیم، ذات صفات سے الگ ہے یا ان سے غیر منفک طریقہ سے وابستہ ہے تعدد صفات سے توحید میں شرک پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ خدا ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے یا نہیں ان لاطائل بحثوں کی وجہ سے مسلمانوں میں بے شمار فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ جو لوگ اپنے تئیں اہل عقل کہتے تھے ان کا یہ حال تھا کہ وہ یونانی حکما کے مرید ہو گئے تھے اور ان کی ظنیات کو وحی الٰہی کا درجہ دیتے تھے جو لوگ اپنے تئیں راسخ العقیدہ مسلمان کہتے تھے۔ ان کے ہاں فقط ظاہر پرستی اور لفظ پرستی تھی۔ دین کی روح نہ اس طبقے میں تھی اور نہ اس طبقے میں۔ روحانیت کے دعویدار رہبانیت اور ترک دنیا پر مائل تھے۔ خود مائل نہ ہوں تو اس کی تعلیم تو ضرور دیتے تھے۔

جب کہ قیاس کو وہ آزادی مل گئی جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے تو وہ قیاس فقط علم فرائض و قضا تک تو محدود نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے چاروں طرف اپنی جولانیاں دکھائیں اور چونکہ فلسفہ یونان کے بھی بحث کا یہی طریقہ تھا یعنی اسکی بنیاد بھی عقل و قیاس پر تھی۔ لہٰذا انھوں نے اس فلسفہ کو سچا سمجھا اور اپنے قیاس ہی کو تحقیق حق کی بنیاد جانا۔ انھوں نے قیاس دوڑایا کہ

آں کہ مبکرد منع پرستیدن بت
درحرم رفتہ طواف درو دیوار چہ کرد

اور حضرت عمر نے بھی کہہ دیا کہ اے حجر اسود تو تو محض ایک کالا پتھر ہے۔ میں تجھ کو کبھی بوسہ نہ دیتا اگر رسول خدا کو نہ دیکھا ہوتا کہ وہ تجھے چومتے تھے۔ نہ خدا کے حکم کا ذکر اور نہ شعائر اللہ کی تعظیم کا فلسفہ۔ جناب رسول خدا یہ اپنے دل سے تو نہ کرتے تھے۔ جناب شبلی نے الفاروق میں حضرت عمر کے اس فقرہ کو ان کے فضائل میں نہایت جلی قلم سے لکھا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ مسلمانوں کی حالت یہ ہو چکی تھی۔ اہل حکومت و امرا کا تو کیا کہنا ہے۔ امام و فقہا بھی اس یونانی وایرانی دہریت کی رو میں بہہ گئے تھے۔ اب اگر کوئی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم تھا تو وہ آل محمدؐ تھے۔ جس طرح جناب رسول خدا میدان جنگ میں بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی طرف بلاتے تھے۔ اسی طرح ان کے جانشین گمراہ شدہ مسلمانوں کو اپنی طرف بلاتے تھے جنھوں نے لبیک کہی وہ کامیاب ہو گئے جنھوں نے توجہ نہ کی وہ ہلاک ہو گئے۔ یہ تھیں وہ مشکلات جن کی موجودگی میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ اور دیگر آئمہ علیہم السلام نے اس

وصیت کے فرائض کو پورا کیا۔ جو حضرت آدم کے وقت سے انبیا و آئمہ میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی آئی تھی اور جو بستر مرگ پر جناب رسول خدا نے حضرت علی کے سپرد کی تھی۔ جان جائے، آبرو جائے دولت و ملک جائے۔ کچھ ہو لیکن دین الٰہیہ کو اس کی اصلی و صحیح حالت میں رکھنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ یہ تھی وہ وصیت اور یہ تھی وہ جانشینی۔ سقیفہ بنی ساعدہ کی دیواریں۔ جناب فاطمہؑ کے گھر کے دروازے، کربلا کے میدان، دمشق و بغداد کے قید خانے قیامت کے دن گواہی دیں گے کہ ان بزرگواروں نے اس وصیت پر کن تکالیف و مصائب کے اندر عمل کیا۔

ایران و یونان کے فلسفے کا اثر

ایران و یونان کے فلسفہ اور فقہ اسلام کے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور پر اس قیاس و عقل نے فلسفہ ایران و یونان کی مدد کی اور ان سب نے مل کر مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کر دیا۔

(۱) ہستی خداوند تعالیٰ
(۲) کنہ ذات الٰہی
(۳) صفات الٰہیہ
(۴) روح
(۵) جنت و دوزخ
(۶) حشر و نشر
(۷) حساب، کتاب، میزان عدل، سزا و جزائے اعمال
(۸) خیر و شر
(۹) قدر و جبر
(۱۰) عقل و نقل
(۱۱) ایمان و عمل
(۱۲) مقصد حیات انسانی

جعفری مذہب کی وجہ تسمیہ

ائمہ علیہم السلام نے ان امور پر نہایت مدلل و جامع بحث کی ہے۔ اگر تمام مسلمان انکی تعلیم پر متحد ہو جاتے تو ایک ایسا مرکز قائم ہوتا جو مسلمانوں کو متفرق ہونے سے بچا لیتا۔ لوگوں کو اکثر جعفری مذہب کے نام سے اشتباہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ جعفری مذہب کیوں کہلاتا ہے۔ یہ جہلا کا اعتراض ہے ورنہ اگر انھوں نے علم کلام کی کتابیں پڑھی ہوتیں تو ان کو ایسے جملے ملتے:۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ ان پر کیوں نہیں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جعفری مذہب نام رکھنے کی ایک نہایت معقول وجہ بھی تھی۔ یہ نام محض واقعات و حالات کی بنا پر رکھا گیا۔ اگر یہ کہتے کہ یہ ہی مذہب جناب رسول خدا کا ہے تو حکومت و عوام الناس کہتے کہ تم میں کیا خصوصیت ہے کہ تمہارا مذہب جناب رسول خدا کا ہے۔ ہمارا بھی تو وہی مذہب ہے۔ تم یہ نیا نام محض اپنے لئے کیوں رکھتے ہو۔ حضرت علی کے نام پر رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ ان کے نام سے تو خاص دشمنی لوگوں کو تھی۔ نوزائیدہ بچے کا نام تو علی رکھ ہی نہیں سکتے تھے جو کوئی رکھ لیتا تھا تو والدین مع بچے کے قتل کیے جاتے تھے۔ جناب امام جعفر صادق کے زمانہ میں اپنے اپنے اماموں کے نام پر مذہب کا نام رکھنے کا رواج ہو چکا تھا۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں

سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ مخالف اسلام نہیں سمجھا جاتا تھا لہذا شیعیان علی نے جعفری مذہب نام رکھ لیا۔ ورنہ مذہب تو یہ وہی ہے جو خالص اسلام جناب رسول خدا کا تھا۔

مولوی شبلی نے علم کلام کی تاریخ لکھی اور اچھی لکھی۔ لیکن یہاں بھی ان کی پورانی عادت نہ گئی۔ جس کی شکایت ہمیشہ ہم کو ان سے ہے۔ علم کلام کی اشاعت و ترقی میں حصہ لینے والوں کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں کے نام تو لئے۔ لیکن نام نہ لیا تو امام محمد باقر و امام جعفر صادق کا اور نہ ہی ان کی تعلیم کا ذکر کیا۔ ابن خلدون تو شاید اس کو جائز اور قابل تعریف عصبیت سمجھیں گے ہم تو اس کو خالص تعصب کہتے ہیں۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ امام جعفر صادق کے علم کلام کو بیان کرتے ہیں۔

خدا کی ذات میں کلام مت کرو

عقل کی سب سے بڑی عقلمندی یہ ہے کہ وہ یہ معلوم کرلے کہ میری پہنچ کہاں تک ہے اور کون سے امور میری رسائی سے باہر ہیں۔ مخلوق کبھی خالق کی کنہ وذات کو معلوم نہیں کرسکتی قرآن شریف کا ارشاد ہے۔ لیس کمثلہ شئیٌ۔ علم حاصل کرنے کا پہلا اصول یہ ہے کہ معلوم سے غیر معلوم کی طرف جاؤ۔ سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں وادیوں اور دریاؤں کی کیفیت اس ہی وقت میری سمجھ میں آسکے گی اگر میں نے پہاڑوں، دریاؤں سبزہ زاروں کو پہلے دیکھا ہوگا اگر کسی شخص نے پہلے درخت ہی نہیں دیکھے، دریا نہیں دیکھے، برف نہیں دیکھی، سبزہ نہیں دیکھا تو وہ مطلقاً نہ سمجھ سکے گا کہ سوئٹزرلیڈ کی فضا کیسی ہوتی ہے۔ جب خداوند تعالیٰ کی مثال کی کوئی اور شے ہی نہیں تو ہماری عقل میں اس کی کنہ نہیں آسکتی۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کو منطق کی عادت بہت ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ خدا کی ذات پر بھی اپنی منطق کو آزماتے ہیں۔ لہذا جب تم یہ سنو تو کہو۔ لاالٰہ الا اللہ الواحد الذی لیس کمثلہ شی ءٌ۔ جہاں تک خداوند تعالیٰ کی ذات میں منطق و فلسفہ استعمال کرنے کا تعلق ہے یہ ارشاد تمام فلسفہ اسلامیہ کا نچوڑ ہے۔

معرفت الٰہی اور صفات الٰہیہ

ہاں خدا کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ خدا ہے اور اس کی کیا صفات ہیں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

عن ابی عبداللہ قال قال امیر المومنین اعرفو اللہ باللہ والرسول بالرسالہ واولی الامر بالامر بالمعروف الاحسان العدل معنی قولہٗ اعرفواللہ باللہ ان اللہ خلق الا شخاص سالانوارہ الجوھر والاعیان والابدان والجو اھرالارواح و ھو عزوجل لا یشبہ جسماولا روحاولیس لا حد فی خلق الروح الحساس الدّراك امرولا سبب ھو المنفزدبخلق الاروح

والاجسام فاذانفی عنه الشبهین شبهه الابدان و شبهه الاروح فقد عرف الله بالله واذا شبهه بالروح اولبدن اوالنور فلم یعرف الله بالله۔

ترجمہ۔ جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب امیر المومنینؑ نے کہ خدا کی معرفت خدا کے ذریعہ سے حاصل کرو۔ اور رسول کی پہچانو اس رسالت سے۔ اور اولی الامر کو نیز امور سے پہچانو۔ ایک تو امر بالمعروف، دوسرے عدل، تیسرے احسان سے خدا کو خدا کے ذریعہ سے پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آدمیوں کو، انوار جواہر واعیان کو پیدا کیا۔ اعیان سے مطلب ابدان ہے اور جوہر سے مطلب اروح ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کسی جسم یا روح کی مانند نہیں ہے لہٰذا اسکی صفات کا قیاس ان اجسام وارواح کی نسبت سے نہیں ہوسکتا۔ ارواح وابدان کے خلق کرنے میں بھی اسے کسی سبب یا آلہ کی ضرورت نہیں ہوئی صرف نفو ذاراد ہ فحوائے قول کن فیکون تھا۔ یعنی خداوند تعالیٰ اجسام وارواح کے خلق کرنے میں منفرد ہے جن وانس میں سے کوئی انکے خلق کرنے پر قادر نہیں۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ کے اسماء وصفات کو کسی اور بنانے والے کے اسماء وصفات پر قیاس نہیں کرسکتے اس ارشاد سے دو چیزوں کی نفی فرمائی ایک تو بدن کی دوسرے روح کی، خواہ وہ کتنا ہی لطیف بدن ہو وہ خدا کے لیے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ روح سے بھی مشابہت نہیں ہوسکتی۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ روح بھی مجرد وفاعل مثل کن فیکون کے قادر ہے۔ یہود وفلاسفہ تو یہ ہی قیاس کرتے ہیں کہ خود بخود ہستی۔ Supreme Being جو مثل روح کے ہے اور روحوں کو اپنے میں سے نکال کر پیدا کرتی ہے پیدا ہوگئی۔

زنادقہ وفلاسفہ سے جناب امام جعفر صادق کی بہت بحثیں ہوتی رہتی تھیں اور آپ نے ان کو بحث میں ہر پہلو سے مغلوب کیا۔ کافی مین ار بحار الانوار میں وہ بحثیں تمام وکمال درج ہیں۔ ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں۔

ایک زندیق سے امام جعفر صادقؑ کی بحث

علی ابن منصور کہتا ہے کہ مجھ سے ہشام ابن الحکم نے بیان کیا کہ مصر میں ایک زندیق رہتا تھا۔ جب اس نے امام جعفر صادقؑ کی شہرت سنی تو وہ آنجناب کے پاس مکہ میں آیا کہ جب آپ طواف میں مشغول تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تیرا نام وکنیت کیا ہے اس نے کہا کہ نام عبد الملک اور کنیت عبداللہ۔ آپ نے فرمایا کہ تو کس بادشاہ کا بندہ ہے۔ زمین کے بادشاہ کا یا آسمان کے بادشاہ کا۔ اور تیرا لڑکا عبداللہ کس خدا کا بندہ ہے آسمان کے خدا کا یا زمین کے خدا کا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ آپ نے ہشام سے فرمایا کہ طواف کے بعد اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ طواف کے بعد وہ زندیق جناب امام جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے زندیق سے پوچھا کہ تجھ کو علم ہے کہ زمین کے تحت وفوق کیا ہے۔ اس نے کہا کہ جی ہاں میں جانتا ہوں آپ نے پوچھا کہ تو زمین کے تحت گیا تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تو جانتا ہے کہ اسکے نیچے کیا ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس

کے نیچے کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظن یقین کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تو آسمان پر گیا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو جانتا ہے کہ اس میں کیا ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہے تیرے حال پر، تو نہ مشرق گیا، نہ مغرب گیا۔ نہ زمین کے نیچے اترا نہ آسمان کے اوپر گیا تو یہاں سے کہیں نہیں گیا تا کہ معلوم کرے کہ ان کی خلقت کیسی ہے اور ان میں کیا ہے۔ باوجود اس کے اس سے منکر ہے جو ان میں ہے۔ کیا عاقل کے لئے یہ جائز ہے کہ اس چیز سے منکر ہو جس کو وہ نہیں جانتا (یعنی کسی چیز کے انکار کے لئے بھی تو علم کی ضرورت ہے۔ میں یہ کیوں نکر کہہ سکتا ہوں کہ خالد دہلی میں نہیں ہے جب تک مجھے اس کی وہاں نہ ہونے کا علم نہ ہو جائے) زندیق نے کہا کہ اس طرح کا کلام تو مجھ سے کسی نے اس سے پہلے نہیں کیا۔ امام نے فرمایا کہ اب تو خدا کے نہ ہونے کے دعوے سے درگزرا۔ اب تو شک میں ہے کہ شاید خدا ہے یا شاید خدا نہ ہو۔ زندیق نے کہا کہ شاید یہ بھی ہو سکتا ہے اس طرح ہی موجود ہو جیسے کہ میں موجود ہوں۔ یعنی اس کا موجود ہونا یقینی ہو امام نے فرمایا کہ اے شخص جو نہیں جانتا اس کو اس پر رجحت نہیں ہو سکتی کہ جو جانتا ہے اور جاہل کے لئے تو کوئی حجت ہی نہیں۔ اے اہل مصر کے بھائی مجھ سے سمجھ۔ کیونکہ ہم مطلقاً وجود باری تعالیٰ میں شک نہیں کرتے کیا تو نہیں دیکھتا سورج وقمر ورات ودن کو کہ وہ دونوں یعنی سورج وقمر مجبور ہیں اس بات پر کہ اپنے مقرر شدہ راستے کو طے کریں اور برابر چلے جائیں۔ اور پھر واپس آئیں ایک مقرر شدہ راستے کے علاوہ وہ کسی اور راستے پر نہیں جا سکتے۔ ان میں یہ بھی قدرت نہیں ہے کہ ایک دفعہ چلے جانے کے بعد واپس نہ ہوں۔ اور اگر وہ مجبور نہیں ہیں تو کیوں دن کی بجائے رات اور رات کی بجائے دن نہیں ہو جاتا۔ قسم بخدا اے اہل مصر کے بھائی مجبور ہیں اپنے آخر زمانہ تک اور جس ذات نے انہیں مجبور کیا ہے وہ دونوں پر حاکم ہے اور ان سے بڑا ہے زندیق نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے اہل مصر کے بھائی یہ جو زنادقہ کہتے ہیں کہ حوادث کی علت تامہ آخر صرف دھر (زمانہ) ہے تو جب زمانہ ان کو مار ڈالتا ہے تو پھر کیوں ان کو واپس زندہ نہیں کرتا۔ اور زندہ کرتا ہے تو پھر کیوں نہیں مارتا۔ اے بھائی اہل مصر کے آسمان کیوں بلند ہے۔ اور زمین کیوں بچھی ہوئی ہے آسمان کیوں زمین پر گر نہیں پڑتا اور زمین کیوں اپنے اطباق سے نیچے نہیں ہو جاتی۔ زندیق قائل ہو گیا۔ اور کہتا ہے کہ ان دونوں کو ان کا رب سنبھالے ہوئے اور کھینچے ہوئے۔ پس وہ زندیق امام کے ہاتھ پر ایمان لے (آیا۔ کافی ص۔ ۴۰، ۴۱)

یہ نہایت مدلل ومعقول بحث ہے۔ جتنا اس پر غور کرتے ہیں اتنے ہی زیادہ اس کے نکات سے آگاہی ہوتی ہے۔

صفات الٰہی

خصوصاً توحید پر اتنے جامع ومفصل ارشادات وخطبے حضرت فاطمہ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین۔ حضرت علی ابن الحسین، حضرت محمد باقر وحضرت جعفر صادق کے ہیں اگر ان سب میں سے انتخاب بھی کیا جاوے تو

کئی کتابیں بن جائیں۔ حضرت امام حسین کی وہ مناجات جو آپ نے اپنی شہادت سے پہلے جب سب ناصر و یاور قتل ہو چکے تھے درگاہ الٰہی میں کی ہے وہ عبد و معبود کے تعلق کو بہترین طریقے ظاہر کرتی ہے اور پھر جناب زین العابدین اور حضرت علی کے ادعیہ سے بہتر تو کسی مذہب میں خداوند تعالٰی کی صفات کا بیان نہیں ہے ادعیہ کے بعد جناب امیر علیہ السلام کی نہج البلاغہ ہے جس میں علوم کا ایک بحرِ زخار موجیں مار رہا ہے افسوس ہے کہ تعصب بے معنی نے اس کتاب کی اشاعت دنیا میں نہ ہونے دی۔ ورنہ فقہ و علم کلام اسلامیہ کے لئے پھر نہ اشاعرہ کی ضرورت رہی اور نہ معتزلہ کی۔ فقہ و علم کلام کا کوئی مسلۂ ایسا نہیں جس کا ذکر نہج البلاغہ میں نہ ہو۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ایک بڑے فرقہ کے بانی نے بالواسطہ یا بلا واسطہ جناب امیر علیہ السلام سے تعلیم حاصل کی ہے۔

تمام فقہائے اسلام کا علم حضرت علیؑ پر منتہی

معتزلہ عقل و حکمت و منطق میں ان چاروں مذاہب سے بہتر ہیں۔ ان کا بزرگ واصل بن عطاء شاگرد تھا ابو ہاشم عبداللہ ابن محمد حنیفہ کا۔ ابو ہاشم عبداللہ نے اپنا علم اپنے باپ محمد حنیفہ سے حاصل کیا اور انھوں اپنے والد حضرت علی علیہ السلام سے شاعرہ کا بزرگ اول ابوالحسن علی بن ابی الحسن علی بن ابی بشر الاشعری ہے جسکا استاد ابو علی الجبائی تھا۔ اور یہ ابو علی الجبائی معتزلہ کا ایک بہت بڑا شیخ تھا پس اشعری کا علم بھی منتہی ہوتا ہے امام حنیفہ شاگرد تھے امام جعفر صادقؑ کے امام جعفر الصادق پر جنھوں نے اس علم کو اپنے اباؤ اجداد کے ذریعہ سے حضرت علی سے پایا تھا۔ امام شافعی شاگرد تھے محمد کے جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے امام احمد حنبل نے اپنا علم امام شافعی سے حاصل کیا۔ اس طرح امام ابو حنیفہ، امام شافعی و امام حنبل کا علم امام جعفر صادق پر منتہی ہوتا ہے۔ امام مالک ابن انس نے اپنا علم ربیعۃ الرائی سے حاصل کیا۔ اور ربیعۃ الرائی نے نے عکرمہ نے عبداللہ ابن عباس سے اور انھوں نے حضرت علی سے علم حاصل کیا۔ سب کے منبع و مرجع حضرت علی ہوئے۔ لیکن افسوس ہے کہ مولوی شبلی نے اپنی علم کلام میں سب کو تو جگہ دی اور نہ جگہ دی تو حضرت علی و امام جعفر صادقؑ کو جس کا تعصب اس حد پر پہنچ جائے اس کی کتابوں کی صداقت بس معلوم ہے۔

جسم و صورت

یہ سوال بھی صفات الٰہی سے تعلق رکھتا ہے کہ خدا کے جسم و صورت ہے یا نہیں، جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کے لئے نہ جسم ہے اور نہ صورت ہے۔ جسم و صورت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ محدود ہے۔ اس کی حدیں ہیں اور حدوں میں کمی و زیادتی کا احتمال ہوتا ہے اور جس میں کمی یا زیادتی کا احتمال یا امکان ہوا۔ وہ مخلوق ہے۔ خدا کا نہ جسم ہے نہ صورت وہ جسموں کا بنانے والا ہے۔ صورتوں کا بنانے والا ہے۔ نہ اس میں کمی واقع ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ اور اگر ایسا ہی ہو جیسا یہ لوگ کہتے ہیں۔ (کہ خدا کے ہاتھ پیر اور جسم ہے) تو پھر خالق و مخلوق میں

فرق کیا ہے۔ خدا کو تو کسی شے سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی ہے۔ اشیا اس کے ارادہ و مشیت سے پیدا ہوئیں اور پیدا ہوتی ہیں۔ کلام اور فکر سے نہیں پیدا ہوتیں۔ یعنی خدا کو کلام و فکر و غور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف اردہ کیا اور چیزیں صورت پذیر ہو گئیں۔ (کافی صفحہ نمبر ۵۸)

خیر و شر

فرمایا جناب امام جعفر صادق نے کہ خداوند تعالیٰ خالق خیر و شر ہے۔ نیک بخت ہیں وہ لوگ جن کے ہاتھ سے خیر جاری کرتا ہے اور بد بخت ہیں وہ لوگ جن کے ہاتھ سے بدی جاری کراتا ہے۔ (کافی ص ۸۹)

جس طرح قرآن شریف کی نسبت کہا گیا ہے کہ **ھیدی بہ کثیر او یضل بہ کثیرا**۔ ایسی طرح ائمہ علیہم السلام کی احادیث کو نہایت سوچ سمجھ کر پڑھنا چاہیئے ورنہ غلطی کا اندیشہ ہے۔ اس روایت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا حکماً بدی چند آدمیوں کے ہاتھ سے کراتا ہے۔ قرآن شریف کا وہ جملہ یاد کیجئے۔ **مکر و او مکر اللہ**۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ خدا بھی مکر و فریب و دغا کرتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مکار لوگوں کے مکر کو چلنے نہیں دیتا اور چونکہ دنیا میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مکر کو مکر ہی کاٹتا ہے۔ لہذا مکر کا لفظ استعمال ہوا۔ دیکھئے فرعون کے جادوگروں کے سانپ اور طرح سے بھی نیست و نابود ہو سکتے تھے۔ مگر ان کو مغلوب کرایا ایک ایسے طریقے سے جو بظاہر سحر سے ملتا جلتا تھا۔ لیکن سحر نہ تھا۔ اسی طرح امام علیہ السلام کی اس حدیث کے سمجھنے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو اس زمانہ کی فضا منویت کو زیر نظر رکھنا چاہیئے جس کی جاٹ میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے اور دوسرے انسان کے اختیار اور خدا کی قدرت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ زرتشتی اور مانی کے مقلدین کہتے تھے کہ خیر و شر کے خالق جدا جدا ہیں اور دونوں آپس میں اپنی اپنی مخلوق کی حمایت میں لڑتے رہتے ہیں۔ اس لئے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ دونوں کا خالق ایک ہی ہے اور وہ خداوند تعالیٰ ہے۔ خیر و شر کوئی مجسم چیزیں نہیں ہیں اور مجوسیوں کا بھی یہ مطلب تھا کہ بری چیزوں مثلاً سانپ، بچھو، شیر، چیتا کا خالق علحدہ ہے اور اچھی چیزوں مثلاً گائے، گھوڑا، روشنی کا خدا علحدہ ہے۔ اور امام علیہ السلام کا مطلب یہی بری و اچھی مخلوق سے ہے۔ مجوسی خیر و شر کے الفاظ کو عاقل و غیر عاقل دونوں قسم کی مخلوق کے لئے استعمال کرتے تھے اور ہے بھی یہ سچ۔ غیر عاقل مخلوق مثلاً سانپ، سنکھیا، اندھیرا ان کی بھی تو شر یعنی برائی ایسی ہی ہوتی ہے کہ جیسے انسانوں کی۔ امام علیہ السلام کی حدیث میں بھی دونوں ہی قسم کی مخلوق سے مطلب ہو سکتا ہے۔ آپ کا مطلب ہے کہ خدا ہی اچھی و بری چیزوں کا خالق ہے یعنی ان چیزوں اور انسانوں کا خالق ہے جن سے برائی سرزد ہو سکتی ہے۔ یہ نہیں مطلب کہ ان کو پیدا کرنا کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ وہ برائی کریں۔ غرض و غایت تو نیکی تھی۔ برائی انھوں نے کی۔ ابھی ذرا تشریح کی ضرورت ہے۔ اگر ان کی غرض و غایت برائی ہوتی تو ملائکہ کا یہ اعتراض کہ تو امیوں کو اپنا خلیفہ بنا رہا ہے کہ جو دنیا میں فساد و قتل کرینگے درست ہوتا لیکن یہ اعتراض رد ہو گیا۔ کیونکہ آدم کی تخلیق کی غرض و غایت نیکی تھی۔ جو اپنی تخلیق کی غرض و غایت کو سمجھ کر اس

پر قائم رہیں گے وہ تم سے بہتر ہیں اور خلیفہ ہونیکے لائق ہیں۔ ان کو بدی کی طرف اپنی طبیعت کو لے جانے کا اختیار دیا تھا۔ اور تم کو بدی کا احساس ہی نہیں۔ تم میں بدی کرنیکا مادہ ہی نہیں انھوں نے باوجود اختیار کے بدی نہیں کی۔ اور جب ان لوگوں کے حالات بتادیئے گئے تو ملائکہ قائل ہو گئے۔

انسان کی تخلیق پر خداوند تعالیٰ نے مباہات کی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ کیا اس مخلوق پر جس میں بدی ہے۔ کوئی مباہات ہوسکتی ہے امر واقعہ یہ ہے کہ خدا نے دنیا کو، انسان کو اچھا ہی پیدا کیا ہے۔ لیکن اس کو اختیار بھی دیا ہوا ہے۔ بدی اس اختیار سے پیدا ہوئی نہ کہ انسان کے خمیر میں بدی تھی۔ میں یونانی فلسفہ کے نظریہ سے واقف ہوں جو کہتا ہے کہ انسان کی فطرت بدی کی طرف راجع ہے۔ فطرتاً وہ چور ڈاکو، زانی پیدا ہوا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف جائے۔ میں کہتا ہوں نہیں انسان فطرتاً نیک پیدا ہوا ہے اسے چاہیئے کہ اپنی فطرت کی طرف جائے۔ انسان میں جتنی برئیاں ہیں وہ اس کی نیک صفات کے غلط استعمال سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس نے اپنے اختیار کا غلط استعمال کیا۔ لہٰذا دنیا میں برائی پھیل گئی۔ انسان کے اندر نیک صفات رکھی گئی ہیں۔ ان کے غلط استعمال یا افراط و تفریط سے برائی نکل آتی ہے۔ ہم مثال دیکر سمجھاتے ہیں۔ چند صفات کو ہم لیتے ہیں مثلاً غصہ، خوداری، تحفظ، حقوق خود، تعلقات مرد و زن، احسان ذی القربیٰ شجاعت، عشق، نفرت، حسن، دوسروں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر خود آگے بڑھنا، یہ سب اچھی یہ صفتیں ہیں۔ یہ نہ ہوں تو انسان دنیا میں عزت کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ خداوند تعالیٰ نے یہ صفات انسان کی بہتری کے لئے دی تھیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جتنے فسادات قتل زنا چوری ڈاکے ہوتے ہیں ان ہی صفات کے غلط اور بے جا استعمال سے ہوتے ہیں لہٰذا برائی کا موجب انسان ہوا نہ کہ معاذ اللہ خداوند تعالیٰ یہی معنی ہیں آیت کریمہ کے۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ○ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ○ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ○ ۹۱: ۷ تا ۱۰

یعنی نفس کو خیر و شر کی تمیز دیدی گئی۔ جس نے نفس کو شر سے پاک کر لیا۔ وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے فجور (شر) سے دبا دیا وہ ناکامیاب ہوا۔ چونکہ خداوند تعالےٰ عادل ہے۔ لہٰذا شر کو اس کے ہاتھ سے جاری ہونے سے نہ روکیگا۔ جس کے نفس نے شر کو فوقیت دی ہے اور نیکی کو اس کے ہاتھ پر جاری ہونے کی اجازت دیدی جائے گی۔ جس نے اپنے نفس کو نیک بنالیا۔ خدا کی طرف خیر و شر کے جاری کرانے کو اس وجہ سے امام علیہ السلام نے منسوب کیا کہ خداوند تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اگر ارادہ و مشیت حتمی و قطعی ہو جائے تو پھر انسان کا ارادہ مرفوع ہو جاتا ہے اور اس کے فعل یا ارادہ کا اس میں دخل نہیں رہتا۔ نیکی و بدی، ہدایت و ضلالت آخر کار ہوتی تو خدا کی اجازت سے ہیں لیکن یہ اجازت عدل کے ساتھ جاری ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ○ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ

بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (۲:۲۶،۲۷)

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ○الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ ۴۰:۳۴،۳۵

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔ ۴۰:۲۸

مندرجہ بالا آیات میں بتادیا گیا ہے کہ کن لوگوں کو خداوند تعالیٰ ان کی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ فاسق ہیں۔ خدا کی آیات میں کج بحثی کرتے ہیں۔ درآنحالیکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو خدا گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور ان کو ہدایت نہیں کرتا۔ دیکھئے کیا عمدہ طریقہ سے امام جعفر صادق نے اس بات کو کہا ہے آپ فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ جس نے یہ گمان کیا کہ خدا بدی وفحش کا حکم دیتا ہے۔ پس اس نے خدا بہتان باندھا اور جس نے یہ گمان کیا کہ خیر وشر بغیر مشیت خدا کے ہیں تو اس نے خدا کی حکومت کو چھین لیا۔ اور جسنے گمان کیا کہ معاصی پر خدا کی قدرت وقوت نہیں ہے تو اس نے بھی خدا پر بہتان باندھا۔

روح

روح کے متعلق قرآن شریف نے اتنا کہہ کر قصہ ختم کردیا کہ قل الروح من امر ربی معلوم ہوا کہ روح کا علم خداوند تعالیٰ نے عقل انسانی کی پہنچ سے باہر رکھا ہے۔ آئمہ علیہم السلام نے بھی اس پر تفصیل سے بحث نہیں کی اس امر کا ثبوت کہ خداوند تعالیٰ نے روح کا علم انسان کو نہیں دیا یہ ہے کہ فلاسفہ ایران ویونان نے روح کی نسبت بہت کچھ بحث کی۔ ہم نے وہ اوپر نقل کردی ہے۔ اس کو پڑھئے اور پھر ہمیں بتایئے کہ اتنے طور مار کے بعد روح کی ماہیت کا کچھ علم ہوا؟ باوجود اتنی کوشش کے روح کا علم نہ ملا۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی ونفخت فیہ من روحی، آپ نے فرمایا۔

ان الروح متحرک کالریح وانماسمی روحا لانہ اشتق اسمہ من الریح وانمااخرجہ علیٰ لفظۃ الریح لان الارواح مجانس للریح وانما اضافہٗ الیٰ نفسہ لانہ اصطفاہ علی سائرالارواح کما قال لبیت من البیوت بیتی ولرسول من الرسل خلیلی واشباہ ذلک وکل ذالک مخلوق مصنوع محدث مربوب مدبر

ترجمہ۔ روح مثل ہوا کے متحرک ہے اور اس کا نام روح لفظ ریح ہوا سے مشتق ہے اور اس کا نام ریح پر اس

وجہ سے رکھا گیا کہ ارواح از قسم ہوا ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے اس کو اپنی طرف اس وجہ سے نسبت دی کہ اس روح کو باقی تمام ارواح میں سے منتخب کر لیا تھا۔ جس طرح تمام گھروں میں سے ایک گھر کی نسبت فرمایا میرا گھر (بیتی) تمام رسولوں میں سے ایک رسول کی نسبت فرمایا میرا دوست (خلیلی) اور اسی طرح اوروں کی نسبت یہ سب چیزیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور بنائی ہوئی ہیں پرورش کی ہوئی ہیں اور مدبرّہ ہیں۔

جنت ودوزخ

یہ سوال کہ جنت ودوزخ کس قسم کی ہوگی یا ہونی چاہیئے۔ منحصر ہے دوسرے سوال پر کہ انسان کا حشر ونشر کس طرح ہوگا۔ محض روح اٹھے گی یا روح معہ جسم کے ہوگی اگر محض روح کا حشر ہونا ہے تو سارے جوابات قیاسی وغیرہ یقینی ہونگے۔ اور پھر ایک ہی سوال نہیں، بہت سے سوال پیدا ہونگے حشر ونشر وحساب کتاب کے لئے ضروری ہے کہ انسان کو پہلے واقعات یاد ہوں۔ انفرادیت وشخصیت بھی اس ہی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ اپنی پہلی زندگی یاد ہو اور یہ بھی یاد ہو کہ موجودہ میں وہی میں ہوں جو دنیا میں تھا اس صورت ہی میں عدل ہو سکتا ہے اور اور عدل سے فائدہ بھی ہو سکتا ہے ورنہ یاد تو کچھ نہیں یوں ہی آگ میں دھکیل دیا تو روح یہ نہ کہے گی کہ میں نے کیا کیا تھا جو آگ میں پھینکی گئی ہوں۔ اور اگر حافظہ ہوا تو زبان بھی ہوگی۔ ورنہ زبان بھی نہ ہوگی۔ احساس، حظ، لذت کے لئے بھی ضروری ہے کہ جسم ہو۔ کیونکہ ان سب سب جذبات کا تعلق جسم سے ہے اور جسم کے ذریعہ سے روح محسوس کرتی ہے جب (Brain) مغز پر تجربات کے راستے بنتے ہیں جنکو Brain paths کہتے ہیں تب نفس (Mind) محسوس کرتا ہے۔ اچھا فرمایئے حشر میں آدمی پہچانے جا سکیں گے یا نہیں، یہ خالد ہے، یہ زید ہے، یہ بکر ہے۔ ضرور پہچانے جا سکیں گے۔ پہچانے گئے تو چہرہ ہوا۔ چہرہ ہوا تو جسم ہوا۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ حشر میں جسم کے ساتھ روح ہوگی۔

یہ اہورامزدا کے پاس بیٹھ کر ہمیشہ کے لئے گانا سننے والی روحیں ہمیں تو جچی نہیں۔ دیکھو ایک شخص خالد کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی روح تھی۔ خالد کے جسم میں روح آئی۔ بعد کے تجربات اور واقعات تو یاد ہیں۔ پہلے کیوں یاد نہیں اس وجہ سے کہ روح بغیر جسم کے تھی۔ کچھ یاد نہ رہا۔ لہٰذا اس ہی جسم کے ساتھ حشر کا ہونا لازمی ہوا۔ جسم ہوا تو مکمل جسم ہونا چاہیئے۔ مکمل جسم ہوا تو تمام جذبات واحساسات اسکے ساتھ ہونے چاہئیں۔ ان تمام جذبات واحساسات کے ساتھ تو جنت ویسی ہونی چاہیئے جیسی قرآن شریف میں درج ہے۔ دمادند کی جنت تو بس اتنی ہی بڑی ہوگی مانی کے پیرو آ سکیں۔ بھلا ہزاروں برس کی دنیا کی روحیں ایک دمادند میں کیوں کر سما سکیں گی۔

حشر ونشر۔ حساب وکتاب، میزان عدل، سزا وجزائے اعمال

دنیا بہت سے انقلابات سے گزری اور اس نے بہت سی حالتیں بدلیں، بے شمار قسم کی تہذیبیں پیدا ہوئیں اور

میں۔ سیکڑوں مذہب بنے اور بگڑے اور کچھ قائم رہے لیکن مسخ ہو کر، ہزاروں ہی انبیا آئے لیکن باوجود ان تغیرات کے دنیا کی ایک حالت ہمیشہ قائم رہی اور وہ حالت ظلم کی تھی۔ دنیا میں سے ظلم کبھی زائل نہیں ہوا۔ لوگ کہیں گے کہ جناب رسول خداؐ علی مرتضےٰؑ کے زمانہ میں ظلم نہ تھا۔ ان زمانوں کو مستثنےٰ رکھنا چاہیئے۔ لیکن نہیں۔ ان زمانوں میں حکومت کی طرف سے ظلم نہ تھا اور عدل مل سکتا تھا۔ لیکن لوگوں کا آپس میں ظلم تھا۔ اور پھر عرب کے علاوہ سینکڑوں ممالک تھے جن میں نہ اسلام تھا اور نہ مسلمانی حکومت، وہاں تو ظلم تھا۔ کفر سب سے بڑا ظلم ہے وہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں بھی تھا اور خاص مسلمانوں میں تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں کفر چونٹی کی چال کی طرح رینگ رہا ہے۔ وہ مذہب کبھی مکمل نہیں کہا جاسکتا جو ظالم کی سزا اور مظلوم کی جزا کا قرار واقعی انتظام نہ کرے اور سزا و جزا کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلا ظلم دونوں کو یاد رہے اور دونوں کی شخصیتیں برقرار ہیں۔ ایسا مکمل انتظام سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں نہ ملے گا۔ اس ہی جسم کے ساتھ حشر ہوگا ان ہی اعضاء کو تکلیف دی جائے گی۔ جن کے ذریعے ظلم ہوا تھا۔ عدل کامل کیا جائے گا۔ رتی برابر بھی کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ سب کے اعمال تولے جائیں گے اور انکے مطابق سزا و جزا ہوگی۔ جن امور میں فریقین کو شبہ تھا۔ ان کی تشریح کی جائے گی۔ اور بتایا جائے گا کہ صحیح امر واقعہ کیا تھا۔ تم نے ایران و یونان کے مذاہب و فلسفوں کا مطالعہ کیا۔ کسی ایک میں بھی ایسا انتظام نہیں ہے۔ اور ان تفصیلات کا علم ایک نبی امی کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے۔ یقیناً وہ نبی امی اپنے دماغ سے بغیر الہام و وحی کے یہ باتیں ایجاد نہیں کرسکتا تھا۔ وہ تھا تو آخر انسانی دماغ ہی۔ ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ۔ اس تعصب کی کچھ حد ہے کہتے ہیں کہ دوران سفر شام میں جناب محمد مصطفےٰؐ کی ملاقات ایک عیسائی راہب سے ہوگئی اور اس سے ساری باتیں سیکھ لیں۔ اگر ایک رواروی کی ملاقات میں اتنا سیکھا جاسکتا ہے اور ایسا مفصل، پاک، بے عیب دین ایجاد کیا جاسکتا ہے۔ تو جو ہمیشہ ہی اس راہب کے پاس رہے انھوں نے کیوں نہ ایسا دین ایجاد کرلیا۔ خود اس راہب ہی کی عقل وہاں تک کیوں نہ گئی۔ اس سے بڑے بڑے اور علم راہب اور بھی موجود تھے۔ انھوں نے کیوں نہ ایک دین ایجاد کرلیا جہاں تک بشری حالت کا تقاضا ہے کہا جاسکتا ہے کہ سقراط و افلاطون کے دماغ جناب محمد مصطفےٰؐ کے دماغ بشری سے کم نہ تھے۔ باوجود اتنی طاقت پرواز کے آپ نے دیکھ لیا کہ وہ کہاں تک دوڑے۔ بس یہیں تک کہ ایک نے کہا کہ روح ایک انفرادی شے ہے۔ دوسرے نے کہا کہ وہ تین حصوں میں تقسیم ہوسکتی ہے۔ اور علم نیکی ہے۔ بس سارا دین ختم ہوگیا۔ ظلم و عدل کا انتظام کہیں بھی نہیں۔ سزا و جزا۔ حشر و نشر کا ذکر ہی نہیں۔ اپنی کوشش سے روح ایک ڈالی سے دوسری بلند تر ڈالی پر اچکتی رہی اور افسانہ زندگی ختم ہوا۔ لیکن رسول خداؐ کی تعلیم کو دیکھیے جو سقراط و افلاطون نہ کر سکے وہ ایک نبی امی نے چشم زدن میں کر کے دکھا دیا۔ اور پھر یہی کہتے ہیں کہ انھیں وحی نہیں آتی تھی۔ ہماری خیالی جنت ان کی جنت سے بہتری اور چند مسلمان اپنی جہالت و کم علمی سے انکی باتوں کو مانتے چلے جاتے تھے۔ یہ اس تربیت تخیل کا اثر تھا جو یونانی فلسفہ کا نتیجہ تھی۔

مشیت وارادہ۔ جبر وقدر

فرمایا جناب امام جعفر صادق نے کہ خدا حکم دیتا ہے کسی شے کا اور اس کے ساتھ مشیت جبری شامل نہیں کرتا۔ اور بعض وقعہ مشیت ہوتی ہے لیکن صریح حکم نہیں ہوتا۔ خدا نے ابلیس کو حکم دیا کہ سجدہ کرے۔ لیکن اس کے حکم کے ساتھ مشیت جبری وقہری شامل نہیں کی اور اگر مشیت جبری شامل ہو جاتی تو پھر ابلیس مجبوراً سجدہ کرتا۔ اسی طرح آدم کو ثمر درخت ممنوعہ کھانے سے منع کیا لیکن مشیت جبری اس کے ساتھ شامل نہیں کی۔ اگر مشیت جبری ہوتی تو آدم ضرور ثمر درخت کھانے سے باز رہتے۔ (کافی ص ۸۷ص)

پھر آپ نے اس کی تصریح کی کہ مشیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ مشیت حتم اور مشیت عزم۔ مشیت حتم تو مثل حکم کے قطعی ہے۔ ضرور پوری ہوتی ہے۔ لیکن مشیت عزم مشروط بشرائط ہوتی ہے۔ ارادہ اور مشیت حتم ایک ہی چیز ہے۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ لوگوں کو معاصی کونے پر مجبور کرتا ہے۔ فرمایا نہیں اس نے پوچھا کہ کیا پورا اختیار اس نے انسان کو دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کا لطف ان دونوں یعنی جبر و اختیار کلی کے بین بین ہے۔ پھر آپ نے اس کو مثال دیکر سمجھایا فرمایا کہ نہ جبر حتمی ہے اور نہ اختیار کلی۔ معاملہ اس کے درمیان ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ درمیانی امر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فرض کرو کہ تو نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ معصیت کا ارادہ کر رہا ہے۔ تو نے منع کیا۔ وہ نہ مانا تو وہاں سے چلا آیا۔ پھر اس نے وہ گناہ کرلیا تو کیا تو نے اسے معصیت کرنے پر مجبور کیا۔

ایمان وعمل

امام ابوحنیفہ کی رائے میں ایمان میں عمل داخل نہیں ہے۔ چنانچہ مولوی شبلی اپنے الکلام حصہ اول ص ۲۶ پر لکھتے ہیں۔

"قاضی شریک صاحب نے امام ابو یوسف (شاگرد امام ابوحنیفہ) کی شہادت قبول کرنے سے اس بنا پر انکار کیا کہ وہ نماز کو ایمان کے مفہوم کا جز نہیں سمجھتے۔ امام ابوحنیفہ سے بہت سے محدثین اس جرم پر ناراض تھے کہ وہ اعمال کو داخل ایمان نہیں کہتے۔"

مولوی شبلی کی بھی یہی رائے ہے۔ اور اس پر بہت بڑی بحث کی گئی ہے۔ یہ عالموں کی بحث ہے جو بال کی کھال نکالتے ہیں۔ میرا اساد ماغ اس طرح بحث کرے گا۔ خداوند تعالیٰ نے مومنین کے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ۹:۷۲۔

جہاں جہاں قرآن شریف میں جنت کا وعدہ ہے اس میں یہ الفاظ ہیں یاایہا الذین آمنو وعملو الصالحات۔ یعنی وعدہ جنت ان لوگوں سے ہے جو مومنین ہیں اور عمل نیک کرتے ہیں۔ گویا جنت کا وعدہ عمل نیک کرنے والے مومن سے ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے کہ محض مومن سے بھی جنت کا وعدہ ہے معلوم ہوا کہ مومن اور عمل نیک کرنے والا مومن ایک ہی ہے۔ نتیجہ نکلا کہ ایمان میں عمل داخل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو محض مومن سے جنت کا وعدہ ہوتا نہ ہوتا۔ یا جنت کے لئے عمل صالح کی شرط ہو نہ ہوتی۔

امام جعفر صادقؑ کی تشریح

حضرت امام جعفر صادق نے اس کی نہایت مفصل تشریح فرمادی ہے آپ کے اس بیان کو ہم پورا نقل کرتے ہیں۔ دیکھو ص ۳۷۹ کافی۔

علی بن ابراهیم عن ابیه عن بکر بن صالح عن القسم بن بن یزید قال حدثنا ابو عمرو الذبیری عن ابی عبدالله علیه السلام قال قلت له ایها العالم اخبرنی ای الاعمال افضل عندالله قال مالا یقبل الله شیئاالابه قلت وما هو قال الایمان بالله الذی لااله الها هوا علی الاعمال درجته و اشر فها منزلته واستا ها حظاً قال قلت الاتخبرنی عن الایمان اقول هو وعمل ام قول بلا عمل فقال الایمان عمل کله والقول بعض ذلك العمل بفرض من الله بین فی کتابه نوره ثابته حجته یشهدله به الکتاب ویدعوه الیه قال قلت له صف لی جعلت فداك حتی افهمه قال الایمان حالات و درجات و طبقات و منازل فمنه التام المنتهی تمامه ومنها الناقص البین نقصانه و منه الراجح الذائدر جحانه قلت ان الایمان لیتم و ینقص و یزید قال نعم قلت کیف ذلك قال لان الله تبارك وتعالیٰ فرض الایمان علی جوارح ابن آدم و قسمه علیها و فرقه فیها فلیس من جواره جارحته الاوقد و کلت من الایهان بغیر ما وکلت به اختها فمنها قلبه الذی به یعقل به نفقه وهوا میر بدنه الذی لا تردالجوارح ولا تصدرالاعن رایه وا مره و منها عیناه اللتان یبصریهما واذناه اللتان یسمع بها و یداه اللتبان یبطش بهما ورجلاه اللتان یمشی بهما وفرجه الذی الباه من قبله ولسانه الذی ینطق به وراسه الذی فیه وجهه فلیس من هذه جارحة الاوقد و کلت من الیمان بغیر ماوکلت به اختها بفرض من الله تبارك اسمه ینطق به الکتاب لها ولیشهد به علیها ففرض علی

القلب غیر مافرض علی السمع و فرض علی السمع غیر ما فرض علی ا لعینین
و فرض علی العینین غیر ما فرض علی اللسان و فرض علی اللسان غیر ما
فرض علی الیدین و فرض علے الیدین غیر ما فرض علی الرجلین و فرض علے
الرجلین غیر ما فرض علے الفرج و فرض علے الفرج غیر ما فرض علے الوجہ
فاما ما فرض علے القلب من الایمان فالا قرارو المعرفتہ والعقد والرضا والتسلم
بان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الہ واحد الم یتخذ صاحبتہ ولا ولد اوان
محمد اعبدہ و رسولہ والاقرار بنا جاء من عنداللہ من بنی او کتاب فذلک ما
فرض اللہ علے القلب من الاقرار والمعرفۃ وھو عمہ وھو قول اللہ عزو جل
الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراوقال الابذکر اللہ
تطمئن القلوب وقال الذین آمنو یافو اھھم ولم تو من قلوھم وقال ان تبد و امافی
انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفرلمن یشاء ویعذب من یشا فذلک
مافرض اللہ عذوجل علی القلوب من الاقرار والمعرفتہ وھو علمہٗ وھو راس
الایمان و فرض اللہ علے اللسان القول والتعبیر عن القلب بما عقد علیہ و اقرّبہ
قال اللہ تبارک اسمہ وقولو اللناس حسنا وقال قو لو آامنّا باللہ وما انزلِ الینا وما
انز ل الیکم و آلھنا والٰھکم واحدو نحن لہ مسلمون وھذٰ ما فرض اللہ علی
اللسان وھو اعملہ وفرح اللہ علی السمع ان یتنزہ عن الاستماع الی حرم اللہ
وآن یعرض عما لا یحل لہ مما ھی اللہ عزو جل عنہ والاصفای الی ماسخط اللہ
عزوجل فقال فی ذالک وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذاسمعتم آیا ت اللہ
یدفر بھا و یستھذؤبھا فلا تقعد وا معھم حتٰی یخو ضوافے حدیث غیرہ ثم
استشنےٰ اللہ عزو جل موضع النسیان فقال واما نیسینک الشیطان فلا تقعد بعد
الذکریٰ مع القوم الظلمین وقال فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون
احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولو الالباب وقال عزوجل قد افلح
المومنون ھم فی صٰلوتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم
للذکوٰۃ فاعلون وقال واذاسمعوااللغو اعرضواعنہ وقالو النا اعمالنا ولکم
اعمالکم وقال واذا مرّوابا للغو مرواکراما فھذٰ مافرض اللہ علے السمع من
الایمان ان لایصغی الی مانیحل لہٗ وھو علمہ وھو من الإیمان وفرض علے البصر

ان لا ینظر الی ماحرم اللہ علیہ وان یعرض مما نہی اللہ عنہ مما لا یحل لہٗ وھو
علمہ وھو من الایمان فقال تبارک وتیالیٰ قل للمومنین یغضو امن ابصار ھم
ویحفظو اروجھم فنھا ھم ان ینظر و الی عورٰتھم وان ینظرالمرء الی فرج اخیہ
و یحفظ فرجہ ان ینطرالیہ وقال تل المومنا ت یغضضن من ابصار ھن و یحفظن
فروجھن من ان تنظر احداھن الیٰ فرج اختھا و تحفظ فر جھا من ان تنظر الیھا
وقال کل شیء فے القرآن من حفظ الفرج فھو من الزنا الاھذہ الآیتہ فانھا من
النظر ثم نظم ما فرض علے القلب واللسان والسمع والبصر فے آیتہ اخری فقال
وماکنتم تسترون ان یشھد علیکم سمعکم ولا ابسارکم ولا جلودکم یعنی با
الجلودا الفروح والا فحاذ وقال ولا تقف مالیس لك بہ علم ان السمع والبصرو
الفوا د کل اولئك کان عنہ مسؤ لا فھذا مافرض اللہ علے العینین من غص
البصر عما حرم اللہ وھو عملھا وھو من الایمان و فرض علی الیدین ان لا یبطش
بھما الی ماحرم اللہ وان یبطش بھما الی ما امر اللہ عزو جل و فرض علیھا من
الصدقۃ الرحم وا لجھاد فی سبیل اللہ والطھور للصلوٰت فقال یا ایھاالذین امنوا
ذاقمتم الصلوٰۃ فاعنسلو ا وجو ھکم وایدیکم الی المرافق وا مسحوا برؤسکم
وا رجلکم الی الکعبین وقال فاذالقیتم الذین کفروافضربُ الرقاب حتی
اذاثخنتموھم فشد الوثاق فاما منا یعد وا اما فِداء حتی تضع الحرب او زارھا
فھذٰ ما فرض اللہ علے الیدین لا ن الضرب من علا جھما فرض علی الرجلین ان
لا یمشی بھما الی شیءٍ من معاب اللہ و فرض علیھم الیٰ المشی الیٰ مایرضی
اللہ عزوجل وقال لا تمش فی الارض مرحاً انك لن تخرق الارض ولن تبلغ ال
جبال طولا وقال واقصد فی مشید واغضض من صوتك ان انکر اْلا صوات
لصوت الحمیر وقال فیما شھد ت الایدی والا رجل علی انفسھما وعلیٰ
اربابھما من تضعیبھما لما امر اللہ عزو جل بہ ولزضہ علیھا الیوم نختم علے
افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانو ایکسبون فھذا ایضاًمما
فرض اللہ علی الیدین والرجلین وھو عملھا و ھو من الایمان وفرض علے الوجہ
السجود لہٗ بااللیل وانھار فی مواقیت الصلوٰۃ فقال یاا یھا الذین آمنو ارکعو
اواسجد واوا عبدو اربکم وافعلو االخیر لعلکم تفلحون وھذہٖ فریضۃ جامعتہ

علی الوجه والیدین والرجلین وقال فی موضع آخرو ان لمساجد لله فلا تدعو امع الله احد اوقال فیما فرض علی الجوارح من الطهور و الصلوٰة بها وذالك ان الله عزو جل لما صرف بنیه الی الكعبته عن بیت المقدس فانزل الله عزوجل وما كان الله لیضیع ایمانكم ان الله بالناس لرؤف رحیم فسمی صلوٰة ایمانا فمن نفی الله عزوجل حافظاً لجوارحه مو فیاكل جارحته من جوارجه مافرض الله عزوجل علیها لقی الله عزو جل مستكملا لایمانه وهو من اهل الجنته ومن خان فی شیئی منها اوتعدی ما امرالله عزوجل فیهانقی الله عزوجل ناقص الایمان قلت قد فهمت نقصان الایمان وتمامه فمن این جاعت زیادته فقال قول الله عزوجل واذاما انزلت سورة فمهم من یقول ایكم ذادته هذه ایمانا فاما الذین آمنو افذا دتهم ایمانا وهم یستبشرون واما الذین فی قلوبهم فرض فذا دتهم رجساً الیٰ رجسهم وقال نحن نقص علیك نباء هم بالحق انهم فتیة آمنو ابربهم و زدنا هم هدی ولوكان كله واحد الا زیاده فیه ولا نقصان لم یكن لا حد منهم فضل علے الاخرو لا ستوت النعم فیه لا ستوی الناس وبطل التفضیل ولكن تبمام الایمان دخل المومنون لاجنته وبالزیادة فی الایمان تفاضل المومنو ن بالدرجات عندالله وبا لنقصان دخل المفرحون النار۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی شبلی نے بھی مسجد کے ملاؤں کی طرح اپنے دل میں شیعوں کی کتابوں کے نہ دیکھنے کا عہد کرلیا تھا۔ ورنہ اگر انھوں نے جناب امام جعفر صادق کی اس بحث کو کافی میں دیکھا ہوتا تو امام ابوحنیفہ کے اعتقاد کی کہ ایمان میں عمل داخل نہیں ہے تائید نہ کرتے۔ امام ابوحنیفہ کا امام جعفر صادق سے اختلاف کرنا تو سمجھ میں آسکتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں استاد سے اختلاف کر کے ہی شاگرد علیحدہ امام بنتا تھا۔ ان کے دونوں شاگردوں محمد و یوسف نے ایسا ہی کیا اور امام بن گئے۔ اب ہم اس مقدس عبارت کا ترجمہ کرتے ہیں۔

ابوعمرو الزبیری راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے عالم اسرار الٰہی مجھے بتایئے کہ سب سے بہتر عمل خدا کے نزدیک کیا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ عمل جس کے بغیر کوئی چیز قبول نہیں ہوتی۔ میں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے۔ فرمایا کہ خدا پر ایمام اور وہ لا الہ الا اللہ ہے۔ درجے میں وہ سب اعمال سے بلند ہے۔ منزلت میں سب سے زیادہ اشرف ہے اور سب سے زیادہ اس کا ثواب ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں نے عرض کی کہ ایمان کی نسبت کچھ ارشاد فرمایئے۔ کیا وہ قول اور عمل ہے۔ یا محض قول ہے بلا عمل کے یعنی کیا عمل جزو ایمان ہے۔ یا محض منہ سے کہ دینا ہی ایمام کامل ہے۔ جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ایمان

توکل کا کل عمل ہے اور قول محض اس عمل کل کا ایک جزو ہے۔ اس عمل کو خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب واضح میں ظاہر کر دیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اسکو تفصیل سے بیان فرمایئے تا کہ میں بھی سمجھ لوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان کے حالات ودرجات وطبقات ومنازل ہیں۔ ایک درجہ تو کمال ایمان کا ہے اور ایک درجہ ناقص ایمان کا بھی ہے جس کا نقصان یعنی کمی ظاہر ہے۔ اس میں ایک درجہ راجح ہے جس کا رجحان زائد ہے۔ میں نے عرض کی کہ کیا ایمان کامل بھی ہوتا ہے۔ کم بھی ہوتا رہتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہے۔ میں نے عرض کی یہ کس طرح۔ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالےٰ نے ایمان کو انسان کے جوارح واعضاء پر بھی فرض کیا ہے اور ان پر تقسیم کیا ہے اور ان میں فرق کیا ہے انسان کا کوئی عمل کرنے والا عضو ایسا نہیں ہے کہ جس پر ایمان کا کچھ حصہ تفویض نہ کیا ہو اور یہ جزو ایمان دوسرے عضو عامل کو نہیں دیا گیا۔ چنانچہ قلب ہے جس کے ذریعہ سے انسان سمجھتا ہے۔ پہچانتا ہے اور وہ اس کے بدن کا سردار ہے۔ دیگر اعضا سکے ہی زیر فرمان کام کرتے ہیں جن سے وہ کام کرتا ہے۔ دو پیر ہیں جن سے وہ چلتا ہے۔ عضو تناسل ہے جس سے وہ کام لیتا ہے۔ زبان ہے جس وہ لوتا ہے سر ہے جس میں اس کا چہرہ ہے۔ پس ان سب اعضاء کو ایمان کے حصے علیحدہ علیحدہ دیئے گئے ہیں۔ ایک کو جو حصہ دیا ہے وہ دوسرے کو نہیں دیا۔ یہ سور خداوند تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے ہوئے ہیں جیسا کہ کتاب اللہ اس کی شہادت دیتی ہے۔ پس قلب پر جو فرض کیا گیا وہ اس سے مختلف ہے جو سمع پر فرض کیا گیا اور سمع پر جو فرض کیا گیا وہ مختلف ہے اس سے جو آنکھوں پر فرض کیا گیا۔ آنکھوں پر جو فرض کیا گیا وہ مختلف ہے اُس سے جو زبان پر فرض کیا گیا۔ زبان پر جو فرض کیا گیا ہے وہ جداگانہ ہے اس سے جو ہاتھوں پر فرض کیا گیا۔ جو ہاتھوں پر فرض کیا گیا وہ مختلف ہے اس سے جو پاؤ.....ں پر ض کیا گیا۔ پانوں پر جو فرض کیا گیا وہ مختلف ہے اِن سے جو آلہ تناسل پر فرض کیا گیا جو آلہ تناسل پر فرض کیا گیا وہ مختلف ہے اس سے جو منہ پر فرض کیا گیا۔ ایمان کا جو حصہ قلب پر فرض کیا گیا وہ اقرار، معرفت، عہد رعناو تسلیم ہیں۔ معرفت اس میں کوئی خدا نہیں سوائے اس وحدہٗ لاشریک کے جس نے نہ زوجہ اختیار کی اور نہ اولاد اور یہ کہ محمدؐ اسکے بندہ ہیں اور رسول ہیں۔ اور اقرار کہ جو کچھ رسول لائے اور قرآن میں ہے وہ سب خدا کی طرف سے ہے پس یہ وہ ہے جو اقرار و معرفت کا فرض خدا نے قلب پر عائد کیا اور یہ ہے اس کا عمل ہے۔ یہ آیات قرآنی اس بحث پر دلاست کرتی ہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۔(۱۰۶:۱۶)

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (۲۸:۱۳)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (۴۱:۵)

وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ (۲:۲۸۴)

یہ ہے جوخداوندتعالیٰ نے اقرار ومعرفت کے متعلق قلب پر فرض کیا ہے اور یہ ہی قلب کا علم ہے اور یہ راس الایمان ہے۔ خداوندتعالیٰ نے زبان پر قول کے ساتھ قلب کا اقرار ومعرفت ظاہر کرنا فرض کیا ہے۔ (یعنی زبان سے بھی قلب کی حالت اقرار ومعرفت بیان کی جائے) چنانچہ خداوندتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً (۲:۸۳)

وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (۲۹:۴۶)

یہ وہ ہے جوخداوندتعالیٰ نے زبان پر فرض کیا ہے۔ اور یہ ہی اس کا عمل ہے اسی طرح خدا نے کانوں پر فرض کیا ہے کہ جس چیز کو خدا نے سننا حرام کیا ہے اس کو نہ سنیں اور اس سے اعراض کریں۔ جس سے خدا نے منع کیا ہے اور اس بات کو نہ سنیں جن سے خدا ناراض ہوتا ہے اس باب میں خداوندتعالیٰ نے یہ آیات نازل کی ہیں۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ (۴:۱۴۰)

لیکن نسیان کو مستثنیٰ فرمادیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (۶:۶۸)

فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (۳۹:۱۸)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ○ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ○ (۲۳:۱،۲،۳)

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ (۲۸:۵۵)

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً (۲۵:۷۲)

پس یہ وہ ہے جوخداوندتعالیٰ نے قوت سامعہ پر بطور ایک حصہ ایمان کے فرض عائد کیا ہے۔ یعنی یہ کہ کان وہ بات نہ سنیں جوان کے لئے حلال نہیں ہے اور یہ ہی عمل بھی ہے اور یہ ہی ایمان ہے اسی طرح قوت باصرہ پر خداوند تعالیٰ نے فرض عائد کیا کہ ادھر نہ دیکھیں جس کو دیکھنا خدا نے اس پر حرام کردیا ہے اور جو اس کے لئے حلال نہیں اس سے اعراض کریں اور یہ ہی اس کا عمل ہے اور یہ ہی ایمان ہے چنانچہ خداوندتعالیٰ فرماتا ہے۔

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ (۲۴:۳۰)

خداوند تعالیٰ نے ان کو اپنی فروج کی طرف دیکھنے سے ممانعت کی ہے۔ اور ایک شخص کو دوسرے شخص کا ستر دیکھنے سے بھی منع کیا ہے۔ پھر خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ (۳۱:۲۴)

گویا منع کر دیا کہ کوئی عورت نہ اپنی شرمگاہ کی طرف دیکھے اور نہ دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھے۔ قرآن شریف میں جو کچھ بھی شرمگاہوں کے حفاظت کے متعلق کہا گیا ہے وہ زنا ہے سوائے اس آیت کے کہ یہ صرف نظر کے متعلق ہے۔ اور پھر ایک دوسری آتی میں وہ تمام فرائض جمع کر دیئے ہیں جو قلب، لسان، سمع، و بصر پر عائد کیے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ (۴۱:۲۲)

جلود سے مراد یہاں شرمگاہیں اور ران ہیں اور پھر خداوند تعالیٰ نے فرمایا

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولًا ○ (۱۷:۳۶)

پس یہ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے آنکھوں پر فرض کیا گیا ہے کہ جو ان سے حرام کیا گیا ہے اس کو نہ دیکھیں یہ ان کا عمل ہے اور ایمان کا بھی جزو ہے۔ اور ہاتھوں پر فرح کیا گیا ہے کہ اس کو نہ پکڑیں جس کو خدا نے ان کے لئے حرام کیا ہے بلکہ اس کی طرف جائیں جس کی طرف جانا خدا نے ان کے لئے حلال کیا ہے۔ پس ان پر فرض کیا ہے صدقہ، صلہ رحم، جہاد فی سبیل اللہ اور نماز کے لئے طہارت کرنا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (۵:۶)

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (۴۷:۴)

پس یہ وہ ہے کہ جو خدا نے ہاتھوں پر فرض کیا کہ ان سے دشمنان خدا کو ماریں اور پاؤں پر یہ فرض کیا ہے کہ ان کے ساتھ کسی برائی کی طرف نہ جائیں بلکہ ان کے اوپر یہ فرض کیا ہے کہ وہ ادھر جائیں جدھر خدا کی رضا ہوئے اور فرمایا خداوند تعالیٰ نے:-

ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض و لن تبلغ الجبال طولا

واقصد فی مشیك واغضض من صوتك ان انكر الاصوات لصوت الحمیر

اور ہاتھ وپاؤں کی اپنے خلاف اور اپنے مالک کے خلاف شہادت دینے کے متعلق خداوندتعالیٰ فرماتا ہے:۔

الیوم نختم علیٰ افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانو یکسبون

پس یہ بھی وہ ہے جو خداوندتعالیٰ نے ہاتھ اور پاؤں پر فرض کیا ہے۔ یہ ان دونوں کا عمل ہے اور یہ جزو ایمان بھی ہے۔ خداوندتعالیٰ نے چہرے پر دن ورات نماز کے اوقات میں سجدہ کا فرض رکھا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے:۔

یا ایھا الذین آمنوا ارکعو ا واسجدو ا و اعبدوا ربکم و افعلو ا الخیر لعلکم تفلحون

یہ فریضہ جامعہ ہے۔ منہ ہاتھ اور پیروں پر۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے:۔

و ان المساجد للہ فلا تدعو ا مع اللہ احداً

جب خداوندتعالیٰ نے اپنے نبی کو بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیرا (تحویل قبلہ) تو فرمایا:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (۲:۱۴۳)

اس جگہ خداوندتعالیٰ نے نماز کو ایمان کہا ہے پس جب کوئی شخص خداوندتعالیٰ سے ملاقات کرے گا در آنحالیکہ اس نے اپنے تمام اعضاء کی حفاظت کی ہوگی اور اعضاء کے وہ تمام فرائض جو خدا نے ان کے اوپر عائد کئے ہیں ادا ہو چکے ہوئے ہوں گے تو وہ شخص اپنے ایمان میں کامل ہو کر خدا سے ملاقات کرے گا اور وہ اہل جنت میں سے ہوگا۔ اور اگر کسی نے ذرا سی بھی خیانت اپنے فرائض میں کی ہوگی یا خدا کے مقرر کیے ہوئے فرائض سے تجاوز کیا ہوگا تو وہ خدا سے ناقص الایمان کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ میں نقصان وکمال ایمان کو تو سمجھ گیا۔ لیکن زیادتی ایمان کیونکر ہوئی۔ جناب امام علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ○ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ (۹:۱۲۴،۱۲۵)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ○ (۱۸:۱۳)

اور اگر یہ ہوتا کہ ہر ایک کا ایمان مساوی ہوتا اس میں نہ کمی ہوتی نہ زیادتی تو کسی کو کسی پر فضل نہ ہوتا اور خدا کی نعمتیں سب پر برابر ہوتیں۔ اسی طرح سب آدمی برابر ہوتے تو پھر تفضیل نہ رہتی بلکہ تمام ایمان کی وجہ سے سب مومنین جنت میں جاتے۔ لیکن زیادتی ایمان کی وجہ سے مومنین کے درجے ہو گئے۔ خداوندتعالیٰ کے نزدیک اور نقصان ایمان کی وجہ سے زیادہ نقصان والے دوزخ میں داخل کردیے گئے۔

(ختم ہوا ترجمہ عربی عبارت کا)

اس سے بہتر مدلل ومعقول بحث اس مسئلہ پر ممکن نہیں۔ حضرت ابوحنیفہ کی رائے میں تو فقط منہ سے کہہ دینا کہ ہم خدا اور رسول کے اوپر ایمان لائے کافی ہے۔ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں قتل مومن کے مجرم ہیں نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں، رسوم جاہلیت ساری ادا کرتے ہیں۔ بتوں کے آگے چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ کعبہ سے روگرداں ہیں۔ صنم خانہ کی طرف پویاں ہیں۔ یہ سب باتیں ہیں لیکن پھر بھی جنت کے مستحق۔ کیونکہ ایک دفعہ زبان سے یہ جو کہہ دیا کہ ہم خدا اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ خواہ دل نے یہ کہتے وقت بھی رضامندی نہ دی ہو۔ لیکن حضرت ابوحنیفہ کو تو حضرت امیر معاویہ وحضرت یزید اور ایسے ہی اصحاب کو جنت میں داخل کرنا مطلوب تھا۔ اگر اعمال کو ایمان میں داخل کر لیتے تو پھر ان لوگوں کو مومن ثابت کرنا مشکل ہوتا۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے اعمال تو ایسے ہی ویسے تھے جو خدا خود فرماتا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تم نے منہ سے کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے۔ ابھی تو تمہارا امتحان نقصان مال وجان وبھوک پیاس وخوف سے لیا جائے گا۔

ردمرجیہ

محمد بن حفص بن خارجہ کہتا ہے کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے مرجیہ کے اس قول کی نسبت سوال کیا کہ کفر وایمان محض قول ظاہر سے ہوتا ہے اور کہا کہ وہ بحث کرتے ہیں کہ جس طرح خدا کے نزدیک بھی وہ کافر ہے جو ہمارے نزدیک کافر ہے۔ ہم اس کو صرف اس کے قول کی وجہ سے کافر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہم مومن کو صرف اس کے قول کی وجہ سے مومن سمجھتے ہیں لہٰذا جو ہمارے نزدیک مومن ہے وہی خدا کے نزدیک مومن ہے۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ سبحان اللہ کافر ومومن کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ (یعنی تشبیہ مکمل نہیں) کفر تو زبان سے کہہ دینا کافی ہے۔ اب اس کے لئے کسی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں۔ اور ایمان ایک دعویٰ ہے جو بغیر دلیل وبراہان کے ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل وبرہان انسان کی نیت وعمل ہے جب نیت وعمل کی موافقت ہو گی تب خدا کے نزدیک مومن کامل ہوگا اور کفر ان تینوں موجبات میں سے ایک ہو جائے گا۔ عدم، تصدیق، دل، عدا قرار زبان اور عدم عمل جوارح۔ احکام تو ظاہری قول وعمل پر جاری ہوتے ہیں۔ تصدیق دل کا علم تو بجز خدا کے اور کسی کو نہیں ہوتا۔ اکثر ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی نسبت مومنین گواہی دیں کہ وہ مومن ہے اور دراصل وہ کافر ہو۔

درجات ایمان

فرمایا امام جعفر صادقؑ نے کہ ایمان کو خداوند تعالیٰ نے سات حصوں پر تقسیم کیا ہے:-

(۱) نیکی:- (مثل تصدقات مستحبہ، نمازہائے نافلہ ومانند آں)

(۲) صدق (۳) یقین:- (اطمینان خاطر بوعدہ الٰہی بثواب طاعات وکمروہ طبع وصبر از معاصی)

(۴) رضا:- (خیر وشر کے متعلق قضائے الٰہی سے راضی ہونا اور اس کو دل وجان سے قبول کرنا)

(۵) وفا:۔ (جو جس کا حق ہو تعظیم وغیرہ میں وہ اس کو پورا دینا)

(۶) علم:۔ (دانش مراد عبرت گرفتن از اشتغالات احوالات اہل دنیا بحیات وموت وصعود ونزول۔ الصافی جزء چہارم اول ص ۹۸)

(۷) حلم:۔ (بردباری وخردمندی) پھر ان حصوں یا اجزا کو خداوند تعالیٰ نے لوگوں میں تقسیم کیا۔ جس کو اس نے یہ ساتوں حصے دے دیے۔ وہ کامل الایمان ہوا۔ کسی کو ایک حصہ دیا کسی کو دو کسی کو تین۔ یہاں تک کہ ساتوں حصے دیدیے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک حصہ والے پر دو حصے والوں کا بوجھ نہ رکھو اور دو حصے والوں پر تین حصے والوں کا بوجھ نہ رکھو۔ علی القیاس۔ (کافی صفحہ نمبر ۳۸۴)

اساس اسلام

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ اسلام عریاں ہے۔ اس کا لباس حیا ہے۔ اس کی زینت وفا ہے۔ اس کی مروۃ عمل صالح ہے اور اس کا رکن زہد ہے۔ ہر شے کی ایک جڑ بنیاد ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد ہم اہل بیتؑ کی محبت ہے۔

یہ عاجز قول رسول کی تصدیق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جن لوگوں نے واقعی محبت کی ہے حقیقی یا مجازی، وہ جانتے ہیں کہ اصل واساس محبت واطاعت ہے اور اہل بیت رسولؐ کے اقوال واعمال کی اطاعت ہی عین اسلام ہے۔

ارکان اسلام

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب امیر المومنینؑ نے کہ اسلام کے چار ارکان ہیں:۔

(۱) توکل علی اللہ　　(۲) تفویض الامر الی اللہ

(۳) رضا بقضاء اللہ　　(۴) تسلیم لامر اللہ عزوجل

دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ہی بات کو جناب امیرؑ نے دوسری طرح فرمایا ہے اور ایمان کی صفات کو اس طرح بیان کیا ہے:

تشریح ایمان

(۱) صبر　　(۲) یقین

(۳) عدل　　(۴) جہاد

صبر

(۱) شوق　　(۲) اشفاق

(۳) زہد　　(۴) ترقب

یقین

(۱)	بتصرۃ الفطنۃ	(۲)	تاول الحکمت
(۳)	معرفۃ العبرۃ	(۴)	سنت الاولین

عدل

(۱)	غامض الفہم	(۲)	غمر العلم
(۳)	زہرۃ الحکم	(۴)	روضۃ العلم

جہاد

(۱)	امر بالمعروف	(۲)	نہی عن المنکر
(۳)	صدق فی المواطن	(۴)	شنان الفاسقین

اور پھر اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے:۔

شوق۔ جنت کا شوق شہوات نفسانی سے دور رکھتا ہے

اشفاق۔ دوزخ کا ڈر حرام چیزوں سے بچاتا ہے

زہد فی الدنیا۔ اس سے دنیا کے مصائب کی سختی دور ہو جاتی ہے۔

ترقیب۔ موت کا خیال خیر کرنے پر مائل کرتا ہے۔

تبصرۃ الفطنۃ۔ عاقلانہ وفہمیدہ غور وفکر سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

تاول الحکمۃ۔ حکمت کو سمجھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے ۔

معرفۃ العبرۃ۔ عبرت کو سمجھنے سے پہلے لوگوں کی سنت معلوم ہوتی ہے۔

سنۃ الاولین۔ جن نے سنۃ الاولین کو معلوم کر لیا ایسا ہے کہ گویا وہ ان کے ساتھ رہائش رکھتا ہے۔ اور پھر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کیا چیز بہتر وقوی ہے۔ کس نے نجات پائی اور کس وجہ سے نجات پائی۔ کون ہلاک ہوا۔ اور کس وجہ سے ہلاک ہوا۔ یہ تحقیق کہ جو ہلاک ہوا وہ اپنی معصیت سے ہلاک ہوا۔ اور جس نے نجات پائی اس نے خدا کی اطاعت سے نجات پائی۔

غامض الفہم۔ فہم سے علوم کی تفسیر وتشریح معلوم ہوتی ہے۔

علم۔ علم سے شریعت کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔

حکمت وحلم۔ ان سے انسان تعجیل سے بچتا ہے اور اپنے کاموں میں افراط نہیں کرتا اور اس طرح زندگی

بسر کرتا ہے کہ لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔

جس نے امر بالمعروف کیا اس نے مومن کی حمایت کی، جس نے نہی عن المنکر کی اس نے منافق کی کمر کو توڑا یا اس کی ناک کو مروڑا اور اس کے کید سے محفوظ رہا۔ جس نے ہر موقعہ پر سچ بولا اس نے اپنا حق ادا کیا جس نے منافقین پر خدا کے لئے غضب کیا پس خدا اس کے دشمنوں پر غضب کرتا ہے۔

یقین ۔ فرمایا امام جعفر صادقؑ نے کہ ایمان افضل ہے اسلام سے اور یقین افضل ہے ایمان سے اور دنیا میں یقین سے کمیاب تر کوئی اور شئے نہیں ہے۔

جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہر ایک چیز کی ایک حد ہے۔ راوی (ابوالبصیر) کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ توکل کی کیا حد ہے۔ فرمایا یقین۔ میں نے عرض کہ یقین کی کیا حد ہے فرمایا کہ یقین کہ حد یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی سے نہ ڈرے۔ یعنی اس کی رضا حاصل کرنے میں کسی سے نہ ڈرے۔

رضا بقضاء الٰہی

فرمایا جناب امام جعفر صادقؑ نے کہ سب سے زیادہ معرفت الٰہی اس کو حاصل ہے جو سب سے زیادہ قضائے الٰہی پر راضی ہے۔

امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صبر و رجا بقضاء اللہ جسم طاعت الٰہی کے سر ہیں۔ جس نے صبر کیا یعنی جس کو وہ چاہتا ہے یا جس سے اس کی کراہیت ہے اس مین جو خداوند تعالیٰ کی قضا ہے اس پر صبر کرتا ہے اور اس سے راضی ہے تو خداوند تعالیٰ ان امور میں وہی کرتا ہے جو اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔

جناب امام محمد باقرؑ اپنے آباو اجداد کے سلسلہ سے جناب رسول خدا کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ فرمایا خداوند تعالیٰ نے کہ میرے بندوں میں سے چند ایسے بندے ہیں کہ جن کے امور دین صرف استغنا وسعت مال و صحت بدن ہی سے پورے ہوتے ہیں تو میں ان کے ساتھ استغنا وسعت مال وصحت بدن ہی میں معاملہ کرتا ہوں (آزماتا ہوں) اور بعض میرے ایسے بدن ہیں جن کا امر دین صرف حاجت وتنگی مال و بیماری بدن میں تکمیل پاتا ہے۔ لہٰذا میں ان کے ساتھ ان ہی امور میں معاملہ کرتا ہوں۔ (آزمائش کرتا ہوں) پس ان کا امر دین درست ہو جاتا ہے اور میں سب سے بہتر جانتا ہوں کہ میرے بندوں کا امر دین کس طرح درست ہوتا ہے۔

فرمایا جناب امام جعفر صادقؑ نے کہ خدا نے موسیٰ بن عمران کی طرف وحی بھیجی کہ مین نے کوئی شئے مخلوق نہیں کی جو میرے نزدیک مرد مومن سے زیادہ محبوب ہو اور میں اس کو تکلیف دیتا ہوں اس شئے کے لئے جو اس کے لئے بہتر ہوتی ہے پس مین جانتا ہوں کہ اس کے لئے کیا بہتر ہوگا۔ پس اسے چاہئے کہ میرے آزار دینے پر صبر کرے اور میری نعمتوں پر شکر کرے اور میری قضا وقدر سے راضی رہے اور میرے احکام پر عمل کرے۔

مسلم و مومن کا فرق

جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جس نے خدا کے دین (اسلام) کا اقرار زبان سے کیا وہ صرف مسلم ہے اور جس نے خدا کے اوامر و نواہی پر عمل بھی کیا وہ مومن ہے۔ (کافی صفحہ نمبر ۳۸۲)

راوی نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ کیا اسلام و ایمان مختلف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان میں اسلام شامل ہے۔ لیکن اسلام ایمان شامل نہیں۔ یعنی اگر کوئی مومن ہے تو وہ مسلمان ضرور ہوگا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو مسلمان ہے وہ مومن بھی ہو۔ راوی نے عرض کہ تفصیل فرمایئے آپ ے فرمایا کہ اسلام تو فقط شہادت وحدانیت خدا نبوت محمد مصطفیٰؐ ہے اور یہ ہی اسلام ہے اس پر نکاح ہوتے ہیں۔ ورثہ جاری ہوتا ہے خون محفوظ رہتے ہیں اور لوگوں کی اکثریت اس ہی ظاہری اسلام پر ہے اور ایمان ہدایت ہے اور دل میں راسخ ہوتا اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایمان بہت ارفع و اعلیٰ ہے اسلام ہے۔

عقل و نقل

مولوی شبلی عقل و نقل کے اختلاف کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:-

> ''یہ اختلاف درحقیقت ایسا اختلاف ہے جو حقیقی اختلاف کہا جا سکتا ہے اور جہاں ارباب ظاہر اور اہل نظر کی حدیں بالکل الگ الگ ہو جاتی ہیں اس اختلاف کا اصل اصول یہ ہے کہ عقل و نقل میں کس کو ترجیح ہے؟ یا یہ کہ عقل و نقل کی کیا حدود ہیں۔ تمام اشاعرہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں اور معتزلہ وغیرہ عقل کو۔'' (الکلام حصہ اول صفحہ نمبر ۲۲)

اشاعرہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی بنا پر انہوں نے مندرجہ ذیل عقائد قائم کئے ہیں

(۱) کوئی شئے فی نفسہ اچھی یا بری نہیں۔ شارع جس چیز کو اچھی کہہ دیتا ہے وہ اچھی ہو جاتی ہے اور جس کو بری کہتا ہے وہ بری ہو جاتی ہے۔

(۲) خدا محالات کا حکم دے سکتا ہے اور دیتا ہے

(۳) خدا کو عدل اور انصاف کرنا ضروری نہیں۔

(۴) خدا عبادت کے عوض میں عذاب دے سکتا ہے اور گناہ کے بدلہ میں انعام اور اگر وہ ایسا کرے تو نا انصافی نہیں ہے۔

اشاعرہ کے عقائد شرح مواقف و الکلام میں درج ہیں۔

مولوی شبلی اس کو حقیقی اختلاف کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کوئی اختلاف ہی نہ ہونا چاہیے قرآن شریف کی کون سی آیت یا اس کی تفسیر یا جناب رسول خداؐ کی کون سی حدیث ہوگی جو عقل کے خلاف ہو۔ سارا فقہ اسلام و شریعت و

احادیث و قرآن شریف مطابق عقل کے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ عقل سلیم ہو۔ یہ کوئی عقل سلیم ہے کہ خدا عبادت کے عوض میں عذاب دیگا یا دے سکتا ہے اور گناہ کے بدلہ انعام۔ خدا کیا ہوا ہارون الرشید ہو گیا کہ

گاہ بسلامے برنجند د

گاہ بد شنا ے انعام دہند

خدا تو یہ کہتا ہے کہ ولا یظلمون فتیلا۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی عبادت کرتا ہے تو دوزخ ملتی ہے اور دوسرا گناہ کرتا ہے تو جنت ملتی ہے اور یہ اس خدا کی بابت کہا جاتا ہے جو اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ انصاف و عدل کرو۔ یونان کے خدا جو کوہ اولمپس پر خود مزے اڑاتے تھے اور انسانوں کو تکلیف میں دیکھ کر ہنستے تھے ان کی نسبت یہ کہا جائے تو ممکن ہے کہ سمجھ میں آجائے مسلمانوں کا خدا ویسے احکام صادر نہیں کرتا۔ وہ تو یہ فرماتا ہے۔

ما کان اللہ لیظلمهم و لکن کانو اانفسهم یظلمون

ان اللہ لا یظلم الناس شیئا و لکن الناس انفسهم یظلمون

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها

ام یجعل الذین امنوا وعملوا الصالحات کا لمفسدین فی الارض

ام نجعل المتقین کالفجار

و ما اللہ یرید ظلما للعباد

شامی سے مناظرہ

شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی کتاب الارشاد سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ یونس بن یعقوب راوی کہتا ہے کہ میں جناب ابوعبداللہ جعفر الصادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شامی آیا اور آپ سے عرض کی کہ میں فقہ و فرائض کا عالم ہوں اور علم کلام سے واقف ہوں آپ کے اصحاب سے مناظرہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے اس سے پوچھا کہ تیری یہ بحث کلام رسول سے ہے یا اپنی منطق سے۔ اس نے جواب دیا کہ کچھ تو کلام رسولؐ سے ہے اور کچھ میری خود غور و خوض کا نتیجہ ہے۔ جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ کیا تو رسولؐ خدا کا شریک ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تجھے خدا سے وحی پہنچی ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تیری اطاعت بھی ایسی ہی واجب ہے جیسی کہ رسول خداؐ کی۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر جناب امام جعفرؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے یونس بن یعقوب یہ شخص خود اپنے نفس سے مخاصمہ کرتا ہے قبل اس کے کہ ہم سے کلام کرے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے یونس کیا اچھا ہوتا کہ تو کلام کر سکتا تو اس شخص سے کلام کرتا۔ میں نے جواب دیا کہ میں آپ پر قربان ہوں۔ آپ ہی تو علم کلام سے منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اصحاب کلام پر وائے ہو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کھرا ہے یہ کھرا نہیں ہے۔ کبھی کہتے ہیں یہ گفتگو اچھی ہے۔ یہ گفتگو اچھی و مسلسل

نہیں ہے اس کو ہم سمجھتے ہیں۔ اس کو ہم نہیں سمجھتے (یہ فلسفہ قیاسی کی مذمت ہے) جناب امام جعفرؑ نے فرمایا کہ میں نے تو کہ کہا تھا کہ وائے ہو اس قوم پر جنہوں نے میرے قول کو چھوڑ دیا اور جہاں ان کا جی چاہا چلے گئے۔ پھر مجھ سے کہا کہ دروازے پر جا کر دیکھو کہ متکلمین میں کون ہے اگر کوئی ہو تو اسے اندر بھیج دو راوی کہتا ہے کہ میں گیا تو ہاں میں نے حمران ابن ایمن محمد بن النعمان الاحوال، ہشام بن سالم وقیس الماصر متکلمین کو پایا۔ میں ان سے کو اندر بلا لایا۔ ہم سے امام جعفر صادقؑ کے خیمہ میں جمع ہو گئے جو پہاڑ کی طرف حرم کعبہ کی جانب تھا اور یہ ایام حج سے کچھ دنوں پہلے کی بات ہے۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے اپنا سر مبارک خیمہ سے نکالا تو دیکھا کہ ایک شتر سوار آ رہا ہے آپ نے فرمایا بخدا یہ ہشام ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں سمجھا کہ وہ ایک شخص ہشام اولاد عقیل سے ہے جس کو جناب امام جعفر صادق سے بہت محبت تھی لیکن دیکھا کہ وہ ہشام بن الحکم تھا۔ وہ ہم سب میں عمر میں چھوٹا تھا۔ جناب امام جعفر صادق نے اس کے لئے مجلس میں جگہ کر دی اور فرمایا کہ یہ دل و زبان و ہاتھ سے ہمارا ناصر ہے۔ پھر آنجناب نے حمران سے کہا کہ شامی سے گفتگو علم کلام میں کرو حمران نے گفتگو کی اور غالب آیا۔ پھر محمد بن نعمان نے اس سے گفتگو کی۔ وہ بھی شامی پر غالب آیا۔ پھر آپ نے ہشام بن سالم وقیس الماصر سے باری باری کہا اور دونوں شامی پر غالب آئے اب جناب امام جعفر صادقؑ ان کے کلام کو سن کر مسکرانے لگے۔ اور شامی خجل و شرمندہ ہوا۔ پھر آپ نے کہا کہ اے شامی اب اس لڑکے سے گفتگو کر۔ یعنی ہشام بن الحکم سے۔ شامی نے کہا کہ اچھا۔ اب شامی نے ہشام سے کہا کہ اس شخص (امام جعفر صادقؑ) کی امامت کے متعلق مجھ سے پوچھو۔ ہشام غصہ کے مارے کانپنے لگے اور اس سے کہا کہ اچھا بتا خدا تعالیٰ لوگوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے یا وہ لوگ خود اپنے نفس کو جانتے ہیں۔ شامی نے کہا خدا بہتر جانتا ہے ہشام نے کہا کہ اپنے مخلوق کے دین و مذہب کے لئے خدا نے کیا انتظام کیا۔ شامی نے کہا کہ خدا نے انہیں شرع کی تکلیف دی اور اس کے لئے اس نے حجت و دلیل قائم کی۔ ہشام نے پوچھا کہ وہ کیا حجت و دلیل ہے جو خدا نے ان کے لئے قائم کی۔ اس نے کہا کہ وہ حجت و دلیل جناب رسول خداؐ ہیں۔ ہشام نے پوچھا کہ رسول خداؐ کے بعد۔ شامی نے کہ کتاب خدا و سنت۔ ہشام نے کہا کہ آج کل جو ہم میں آپس میں اتنے بڑے اختلافات ہیں کیا کتاب خدا و سنت سے ہمیں کچھ نفع ہو رہا ہے تا کہ اختلاف جاتا رہے اور اتفاق پیدا ہو جائے۔ شامی نے کہ کہ ہاں فائدہ ہو رہا ہے۔ ہشام نے کہا کہ پھر تجھ میں اور ہم میں کیوں اختلاف ہے کہ تو شام سے محض ہم سے تنازعہ کرنے کے لئے آیا ہے اور تیرا خیال ہے کہ تیری رائے ہی صحیح دین ہے۔ اور یہ تو جانتا ہے کہ جب دو اشخاص یا جماعتیں آپس میں اختلاف کر رہی ہوں تو ایک کی رائے پر اتفاق نہیں ہوتا۔ اب شامی خاموش ہو کر غور و فکر کرنے لگا۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اے شامی اب تو کیوں نہیں بولتا۔ شامی نے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ ہم میں اختلاف نہیں ہے تو جھوٹ خلاف واقعہ ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں کہ کتاب وسنت ہے ہمارا اختلاف رفع ہو جاتا ہے تو یہ بھی غلط ہوگا کیونکہ ان دونوں کی تاویلات ہو سکتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو ہشام

سے سوال کرتو اس کو ایماندار آدمی پائے گا۔ شامی نے ہشام سے پوچھا خدا اپنی مخلوق کے حالات کا بہتر انتظام کرتا ہے یا وہ خود بہتر انتظام کرتے ہیں۔ ہشام نے کہا کہ خدا۔ شامی نے کہا کہ کیا خدا نے کسی آدمی کو مقرر کیا ہے کہ لوگوں کے اختلافات کو دور کردے اور حق کو باطل سے جدا کردے ہشام نے کہا کہ ابتدائی شریعت میں تو جناب رسول خداؐ تھے اور ان کے بعد ان کے علاوہ اور لوگ تھے شامی نے کہ کہ وہ کون لوگ تھے جو حجت میں جناب رسول خداؐ کے قائم مقام تھے۔ ہشام نے کہ ہمارے وقت میں یا اس سے پہلے۔ شامی نے کہا کہ ہمارے وقت میں۔ ہشام نے کہ کہ یہی جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں یعنی امام جعفر صادق جن کے پاس لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ اور وہ ہم کو آسمانوں کی خبریں دیتے ہیں جو اباد و اجداد سے وراثتاً ان کو ملی ہیں۔ شامی نے کہا کہ اس کا کیا ثبوت۔ ہشام نے کہا کہ تو خود ان سے سوال کر کے دیکھ لے۔ شامی نے کہا کہ اب تم نے میرا عذر قطع کر دیا۔ اور مجھ پر سوال کرنا عائد ہو گیا۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ میں تجھ کو اس مشکل سے نکال دیتا ہوں۔ بغیر سوال کے میں تجھ کو تیرے سفر کے حالات بتاتا ہوں۔ کس دن تو گھر سے نکلا۔ کن کن مقامات سے گزرا۔ کون کون لوگ تجھ سے ملے ا آپ نے بتانا شروع کیا۔ حالات بالکل ٹھیک تھے۔ شامی نے کہا کہ بخدا آپ جو فرمارہے ہیں وہ صحیح ہے۔ میں اس ہی وقت خدا کے لئے اسلام لایا۔ آپ نے فرمایا کہ یوں کہو کہ اب ہی میں ایمان لایا۔ کیونکہ اسلام پہلے ہوتا ہے ایمان سے (شامی مسلمان تو تھا ہی) اسلام پر تو ورثہ تقسیم ہوتا ہے۔ نکاح ہوتے ہیں اور ایمان سے ثواب ملتا ہے۔ شامی نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ میں ایمان لایا۔ اور کہا:

اشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله و انك وصي الا وصياء۔

اب جناب امام جعفر صادقؑ نے حمران ابن اعین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تو کلام کو نظائر دیگر بیان کرتا ہے۔ پس تو کامیاب ہوتا ہے۔ ہشام ابن سالم کو طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو ارادہ کرتا ہے اثر (نظائر) کا لیکن اسکی معرفت نہیں تجھ کو پھر احول کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ قیاس و چالبازی باطل کو باطل سے کاٹتے ہیں لیکن تیرا باطل غالب تھا۔ پھر قیس الیاصر کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ تو متکلم ہے اور تیرا کلام حق اور اخبار رسول اللہؐ سے نزدیک تر ہے۔ قلیل حق کثیر باطل پر غالب رہتا ہے تو اور احول ہوشیار و ماہر ہیں۔ یونس ابن یعقوب کہتا ہے کہ میں نے خیال کیا کہ یہ ہی باتیں آپ ہشام بن الحکم سے کہیں گے۔ لیکن آپ نے ہشام سے فرمایا! تو بحث کرنے میں عمدگی سے دوڑتا ہے اور اڑتا ہے لوگوں سے بحث کر۔ خدا سے لغزش سے خوف کر شفاعت تیرے ساتھ ہے۔

اس واقعہ سے جناب امام جعفر صادقؑ کے اخبار غیب کی واقفیت کے علاوہ مندرجہ ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱) جناب امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں کم سے کم تین ہشام تھے۔ یعنی ہشام ابن سالم ہشام ابن الحکم

اور ایک ہشام جو اولاد عقیل میں سے تھے۔ بعض دفعہ مغالطہ ہو جاتا ہے۔

(۲) علم کلام جب تک حدود فقہ و شریعت کے اندر اور ان کی حمایت کیلئے استعمال ہو تو اچھی چیز ہے۔ لیکن اس کو فلسفہ سے ممیز کرنا چاہئے جس میں دور دراز کار بحثیں ہوتی ہیں۔

(۳) جو شخص بذریعہ بحث و مناظرہ اپنے دین و حقوق ائمہ کی حمایت و حفاظت کرتا ہے وہ گویا ائمہ کی نصرت کرتا ہے اور انشاء اللہ ان کے ناصروں میں داخل و شامل ہوگا۔

(۴) مناظرہ میں کبھی قیاس و چالاکی سے کام نہ لینا چاہئے۔

زنادقہ کے خلاف آپ کی بحث

یہ واقعہ بھی ہم الارشاد سے نقل کرتے ہیں۔ ایک دفعہ موسم حج میں مسجد الحرام میں ابن ابی العوجاء ابن طالوت، ابن الاعمی، ابن المقفع معہ دیگر لوگوں کے جمع تھے اور وہاں جناب امام جعفر صادق بھی تشریف رکھتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ نے درس تفسیر قرآن و مسائل شروع کر دیا اور فتووں کے جواب دیتے جاتے تھے۔ لوگوں نے ابن ابی العوجا سے کہا کہ کیا تو اس درس دینے والے (امام جعفرؑ) کی تردید کر سکتا ہے اور ایسے سوال کر سکتا ہے کہ جو اس کو لوگوں میں ذلیل کر دے۔ یہ علامہ زمانہ ہے۔ ابن ابی العوجا نے کہا کہ ہاں میں ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا لوگ ہٹ گئے اور اس نے کہا کہ اے ابو عبداللہ اس قسم کی مجلسیں امانات ہوتی ہیں۔ ہر ایک شخص کا دل سوال کرنے کو چاہتا ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے سوال کروں۔ جناب امام جعفرؑ نے فرمایا کہ جو تیرا جی چاہے سوال کر۔ ابی ابی العوجا نے پوچھا کہ کب تک تم لوگ لوگوں کو دھوکا دو گے اور اس پتھر کو چومتے رہو گے۔ اور کب تک اس گھر کے گرد اونٹوں کی طرح چکر لگاتے رہو گے جو اس میں غور کرے گا وہ معلوم کرے گا کہ یہ عقلمند آدمی کے افعال نہیں ہیں۔ آپ جواب دیں کہ کیوں کہ اس امر (طواف کعبہ) کے سردار ہیں۔ اور تمہارے آباو اجداد اس کے منتظم تھے۔ جناب امام جعفرؑ نے فرمایا کہ جس کو خدا گمراہ کرے اور اس کے دل کو اندھا کرے اس کو حق ناگوار معلوم ہوتا ہے وہ خدا سے مدد نہیں چاہتا ہے بلکہ شیطان اس کا دوست ہو جاتا ہے۔ اور اس کا خدا اس کو ہلاکت کی منزلوں پر لے جاتا ہے۔ یہ گھر وہ ہے کہ خدا نے ارادہ کیا کہ اس میں اس کی عبادت کی جائے تاکہ وہ ان کی عبادتوں کو اور وہاں آنے کو قبول کرے۔ پس خداوند تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی تعظیم کریں اور زیارت کریں اور نمازیوں کے لئے اس کو قبلہ قرار دیا۔ کعبہ گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کا ایک شعبہ ہے اور ایک راستہ ہے جو اس کی غفران و عفو کی طرف لے جاتا ہے وہ نصب کیا ہوا ہے کمال و جلال عظمت کے اوپر، خداوند تعالیٰ نے اس کو زمین کے قائم ہونے سے دو ہزار برس پہلے پیدا کیا۔ ابن ابی العوجا نے کہا یہ ساری باتیں آپ نے غائب کی طرف منسوب کی ہیں غائب سے مطلب اس کا خدا سے تھا امام جعفر صادق نے فرمایا کہ وہ کیونکہ غائب کہا جا سکتا ہے جو اپنی مخلوق کے ساتھ ان کا شاہد ہے۔ حبل الورید سے زیادہ قریب تر ہے۔ ان کا کلام سنتا ہے ان کے بھید کی باتیں جانتا ہے۔

کوئی جگہ اس سے خالی نہیں کوئی مکان اس کو روک نہیں سکتا اور اس مکان سے زیادہ نزدیک تر نہیں ہو سکتا جس مقام سے تو اس کے وہ آثار دیکھتا ہے جو اس کی ہستی کا ثبوت دیتے ہیں اور وہ اس کے کام دیکھتا ہے جو اسکی طرف دلالت کرتے ہیں اور جس کو اس نے آیات محکمات و براہین باہرہ کے ساتھ مبعوث کیا۔ وہ محمد رسول اللہ ہیں جو اس کی ہی عبادت کی ہم کو تلقین کرتے ہیں۔ جس پر تو اعتراض کرتا ہے۔ اب بھی اگر کسی شئے کی طرف سے تیرے دل میں کچھ شک ہے تو تو مجھے بتا تا کہ میں واضح کر دوں۔ اب ابی العوجا مبہوت ہو گیا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے ۔شرمندگی کے ساتھ واپس ہوا اور اپنے اصحاب سے کہا کہ تم نے تو ایک صغیر جمرہ کی طرف بھیجا تھا وہ تو دہکتا ہوا انگارہ نکلا۔ ان لوگوں نے کہا کہ خاموش رہ۔ قسم بخدا ہم تیری حیرت کی وجہ سے ذلیل ہوئے اور آج ہم نے تجھ سے زیادہ کوئی حقیر شئے اسکی مجلس میں نہیں پائی۔

یہ دوسری روایت بھی ہم شیخ مفیدؒ کی کتاب الارشاد سے نقل کرتے ہیں ایک دن ابو شاکر الدیصانی جناب امام جعفر صادق کی مجلس میں حاضر تھا۔ اسنے آپ سے عرض کی کہ آپ ایک درخشندہ ستارے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد روشن چاند تھے۔ آپ کی مائیں صاحب عقل ہوتی ہیں آپ کا عنصر اکرم عناصر میں سے ہے۔ جب علماء کا ذکر ہوتا ہے تو آپ کی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں آپ ہم سے حدوث عالم کی دلیل بیان کریں۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ میں تجھ کو نہایت صاف دلیل بتاتا ہوں۔ آپ نے ایک انڈا منگوایا۔ اور اس کو اپنی ہتھیلی پر رکھا اور فرمایا کہ یہ ایک چاروں طرف بند قلعہ ہے۔ اس میں ایک رقیق شئے مثل فضہ سیال کے ہے اور ایک سنہری چیز ہے کیا تجھ کو اس میں کچھ شک ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں مجھے اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اب یہ انڈا کھلے گا اور اس میں سے ایک طاؤس کی شکل کا بچہ نکلے گا۔ کیا اس میں کوئی بیرونی شئے داخل ہوئی ہے سوائے اس کے جو پہلے سے تھی۔ ابو شاکر نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ہی دلیل ہے حدوث عالمپر اس نے عرض کی کہ واقعی آپ نے نہایت عمدہ بحث کی اور بہت اچھی طرح اس مسئلہ کو واضح کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ صرف اس کو ہی قبول کرتے ہیں جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، یا کانوں سے سن لیں، یا زبان سے چکھ لیں یا ناک سے سونگھ لیں یا ہاتھ سے مس کر لیں۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ تو نے حواس خمسہ کا ذکر کیا۔ لیکن وہ استنباط میں بغیر دلیل کے فائدہ نہیں دیتے ہیں۔ جس طرح کہ تاریکی بغیر صبح کے نہیں جاتی۔ شیخ مفید فرماتے ہیں کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ حواس خمسہ بغیر عقل کے غائب چیزوں کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ خود آپ نے حدوث صورت کا ثبوت دیا وہ معقول ہے جو محسوس پر مبنی ہے۔

یہ روایت ہم سید مرتضیٰ کی امالی سے نقل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جعد بن درہم نے ایک شیشی میں پانی بھرا اور اس میں مٹی ڈال دی۔ کچھ دنوں میں اس میں کیڑے پیدا ہو گئے تو وہ کہنے لگا کہ دیکھو میں نے ان کیڑوں کو پیدا کیا۔ میں خالق ہوں۔ جب امام جعفر صادق تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا وہ بتائے کہ اسمیں کتنے نر ہیں کتنے مادہ

ہیں کیونکہ وہ تو ان کا خالق ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا کتنا وزن ہے اور جس کے ذریعہ سے ان کیڑوں کو بنایا ہے اس کو حکم دے کہ اب ان کے علاوہ دوسری قسم کے بنائے یہ سن کر جعد بن درہم نے یہ کہنا چھوڑ دیا اور بھاگ گیا۔

خیرات۔ توکل۔ طلب رزق

یہ روایت ہم تحف العقول سے نقل کرتے ہیں۔ ایک دفعہ سفیان الثوری جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کے عمدہ لباس پر جو سفیان نے اعتراض کیا ہے وہ پہلے ہم لکھ آئے ہیں۔ اس ہی سلسلہ میں سفیان الثوری کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں ایک جماعت حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہ وہ لوگ تھے جو زہد کا اظہار کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ تنگی و درویشی سے زندگی بسر کرنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر چہ ہمارے صاحب یعنی سفیان الثوری نے آپ کے کلام کا جواب نہیں دیا۔ لیکن آپ نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ تم اپنے اعتقادات کے لئے حجت پیش کرو۔ انہوں نے کہا کہ ہماری حجت قرآن شریف ہے۔ چند اصحاب رسول کا ذکر کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۹:۵۹)

یعنی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اگر چہ خود ان پر تنگی ہو اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے۔

خیرات اسراف

گویا خدا نے ان کے فعل کی تعریف کی۔ اور ایک دوسری جگہ فرماتا ہے:۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (۸:۷۶)

اور وہ لوگ خداوند تعالیٰ کی محبت میں مسکین و یتیم و قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

فی الحال ہم ان دونوں آیات ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ کہ اے لوگوں یہ تو بتاؤ کہ قرآن کی ناسخ و منسوخ و محکم و متشابہات کا بھی علم ہے کہ جس کی وجہ سے اس امت کے بہت سے لوگ گمراہ و ہلاک ہوئے۔ ان لوگون نے کہا کہ سب تو ہم نہیں جانتے ان مین سے کچھ کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسی طرح احادیث رسول ہیں۔ تم نے جو اصحاب رسول کی طرف اشارہ کیا جن کا ان آیات میں ذکر ہے تو خداوند تعالیٰ نے (اپنا حکم نہیں دیا) ان کے فعل نیک کی خبر دی ہے یہ فعل مباح و جائز تھا اور اس سے خدا نے ان کو نہیں روکا۔ اور ان کا ثواب خدا کے اوپر ہے اس کے بعد خدا نے (اس امر میں) ان کے فعل کے خلاف اپنا حکم بھی دیا اور وہ حکم ان اصحاب کے اس فعل کا ناسخ ہے اور خداوند تعالیٰ نے یہ نہی جو فرمائی وہ مومنین کے لئے رحمت ہے تا کہ وہ اپنے نفس

اور اپنے اہل وعیال کو تکلیف میں نہ ڈالیں۔ان اہل وعیال میں ضعیف، بچے، بوڑھے اور بوڑھیاں بھی ہوں گے جو بھوک کی تاب نہیں لا سکتے۔اگر میں اپنی روٹی خیرات میں دے دوں اور کوئی روٹی میرے پاس نہ ہو تو وہ ضعیف و کمزور بچے و بوڑھے بھوک سے ہلاک ہو جائیں۔اسی وجہ سے جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس پانچ کھجوریں، یا پانچ روٹیاں یا پانچ دینار یا درہم ہیں اور وہ ان کو خرچ کرنا چاہتا ہے تو سب سے افضل تو یہ ہے کہ وہ اپنے والدین، پر خرچ کرے پھر اپنے نفس وعیال پر پھر تیسرا اپنے مومنین قرابت داروں اور بھائیوں پر۔پھر چوتھا اپنے غریب ہمسایہ پر اور پھر پانچواں خدا کی راہ میں اور اس کا اجر سب سے کم ہے۔

کس قسم کا زہد ممنوع

ایک انصار نے اپنی موت کے وقت اپنے پانچ یا چھ غلاموں کو آزاد کر دیا۔ان کے علاوہ اور کوئی غلام اس کی ملکیت میں نہ تھا۔اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔جب جناب رسول خداؐ کو اسکی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ مجھے اس کی اطلاع پہلے کر دیتے تو میں اس شخص کو مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن ہونے دیتا۔اس نے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں اور اب ان کی کفالت لوگ کریں یعنی لوگوں پر ان کا بوجھ ڈال دیا۔پھر فرمایا۔امام جعفر صادق نے دیکھو تمہارے قول کی تردید اس آیت سے ہوتی ہے اور اس کی نہی ہوتی ہے جو تم نے فرض کر لیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے وہ آیت سے ہوتی اور اس کی نہی ہوتی ہے جو تم نے فرض کر لیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (۲۵:۶۷)

یعنی اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ اس کے درمیان اوسط درجے کا رہتا ہے۔دیکھا تم نے خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید کر دی جس کی طرف تم بلاتے ہو۔ مسرفین کے متعلق دوسری آیت میں فرماتا ہے:

الله لا يحب المسرفين

خداوند عالم مسرفین کو دوست نہیں رکھتا۔خداوند تعالیٰ نے اسراف سے منع کیا اور نیز تقسیر (نفقہ را بر عیال تنگ کردن) سے بھی منع کیا۔صحیح بات دونوں کے درمیان ہے۔ایسا نہ کرنا چاہئے کہ سب کچھ جو اپنے پاس ہے وہ تو خیرات کر دو اور پھر خدا سے دعا کرو کہ اللہ رزق دے۔

وہ لوگ جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

ایسی دعا کو خدا قبول نہیں کرتا جناب رسول خداؐ کی حدیث ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ میری امت میں چند قسم کے لوگ ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۱) وہ شخص کی بددعا اپنے والدین کے خلاف۔

(۲) اسکی بددعا جو اپنے مقروض کے خلاف کرے جس نے اس کا قرض مار لیا۔ درآنحالیکہ اس نے قرض لیتے وقت نہ کوئی تحریر لی اور نہ گواہ کرایا۔

(۳) خاوند کی بددعا اپنی زوجہ کے خلاف حالانکہ خدا نے اسے اجازت دی ہے کہ اس کو چھوڑ دے۔

(۴) اس کی دعا جو اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے دعا مانگتا ہے کہ خدا روزی دے اور روزی کی طلب کے لئے باہر نہیں نکلتا۔ خدا کہتا ہے کہ اے میرے بندے کیا میں نے تجھے صحیح وسالم اعضاء نہیں دیئے کہ تو روزی کی تلاش کرے اور اس کی طلب میں سفر کرے۔

(۵) اس کی دعا جس کو خدا نے مال کثیر عطا کیا اور اس نے سارا خرچ کر دیا اور پھر کہتا ہے کہ اے خدا رزق عطا کر۔ خدا کہتا ہے کہ کیا میں نے تجھ کو وسیع رزق نہیں دیا تھا تو نے اس کو اس طرح خرچ نہیں کیا جیسا کہ میں نے حکم دیا تھا۔ تو نے کیوں اسراف کیا حالانکہ میں نے منع کیا تھا۔

(۶) قطع رحم کرنے والے کی دعا۔

پھر خداوند تعالیٰ نے اپنی نبی کو بتایا کہ کس طرح مال خرچ کرن چاہئے اور یہ اس طرح کہ فرض کرو جناب نبی صلعم کے پاس ایک اوقیہ سونا ہے آپ نے یہ پسند نہ کیا کہ رات کو وہ ان کے پاس رہے۔ لہٰذا رات ہوتے تک سارا سونا خیرات کر دیا۔ صبح ہوئی تو آپ کے پا کچھ نہ رہا۔ اب ایک سائل آتا ہے آپ کے پاس کچھ نہیں کہ اس کو دیں۔ وہ سائل آپ کو ملامت کرتا ہے اور آپ کو رنج ہوتا ہے کہ کچھ پاس ہوتا تو اس کو دیتے۔ آپ رحیم ورقیق القلب تھے۔ پس خدا نے اپنے نبی کی تادیب کی اور فرمایا:

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسوراً

خدا نے فرمایا کہ لوگ تجھ سے سوال کریں گے اور معذور نہ سمجھیں گے اگرچہ تو نے سب کچھ خیرات کر دیا ہوگا۔

سلمان وابوذر

یہ ہیں جناب رسول خداؐ کی احادیث جس کی تصدیق کتاب خدا کرتی ہے۔ تم لوگ سلمانؓ وابوذرؓ کے فضل و زہد سے واقف ہو۔ پہلے سلمان کی نسبت سنو۔ جب ان کو عطا ملتی تھی تو وہ اس کو رکھ لیتے تھے اور اس سے سال بھر کا خرچ چلاتے تھے۔ یہاں تک کہ دوسرے سال کی عطا ملتی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ باوجود اپنے زہد کے آپ ایسا کرتے ہیں۔ کیا معلوم کہ آپ آج مر جائیں یا کل آپ کی موت آجائے تو ان کا جواب یہ تھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم میرے زندہ رہنے کی امید کیوں نہیں کرتے۔ تم جانتے ہو یا نہیں جانتے کہ انسان کا نفس اس سے فریاد کرتا ہے کہ جب اس کو وہ راحت نہیں ملتی جس کی اس کو امید ہوتی ہے اور جب وہ راحت محفوظ کر لی جائے تو نفس کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

اب ابوذر کی سنو۔ان کے پاس ناقے اور بھیڑیں تھیں جن کا وہ دودھ لیتے تھے اور ذبح کرتے تھے۔جب ان کے اہل وعیال کو گوشت کی خواہش ہوتی تھی یا مہمان آتا تھا یا جب وہ غریب لوگوں کو دیکھتے تھے تو ان کے لئے جانور ذبح کرتے تھے اور ان میں تقسیم کرتے تھے۔یا اس تک کہ ان کی خواہش گوشت کی پوری ہو جاتی تھی اور خود بھی اس میں سے سب کے برابر حصہ لیتے تھے اور ان دونوں سے کون زیادہ زہد تھا اور جناب رسول خداؐ ان کی کتنی فضیلت بیان کرتے تھے۔ہم نے یہ کبھی نہیں سنا کہ کوئی وقت ایسا ہوا کہ ان دونوں کے پاس کچھ نہ ہو جس کطرح کہ تم لوگوں سے کہتے ہو کہ اپنے مال ومتاع کو لٹا دو۔اور اپنے نفس پر زبردستی کرو اور اپنے اہل وعیال کو تنگ دست رکھو۔اب دیکھو کہ قاضی کیا کرتے ہیں۔جب وہ حکم دیتے ہیں خاوند کو کہ اپنی زوجہ کو نان ونفقہ ادا کر و حالانکہ خاوند کہتا ہے کہ میں تو زاہد ہوں میرے پاس کچھ نہیں۔اگر تم کہتے ہو کہ قاضی نے جور کیا تو تم شریعت اسلامی پر ظلم کرتے ہو اور اگر تم کہتے ہو کہ انصاف کیا تو تمہارا دعویٰ باطل ہوتا ہے۔

اچھا تو یہ بتاؤ کہ اگر تمام انسان ایسے ہی زاہد (مفلس بغیر مال ومتاع) کے ہو جائیں جیسا کہ تم کہتے ہو تو انہیں کسی سے مال لینے کی حاجت نہ ہو۔پھر قسموں کے کفارے،نذریں،صدقات وزکوۃ کس کو دیئے جائیں۔زکوۃ دینے کا موقعہ بھی نہ آئے گا کیونکہ تم کہتے ہو کہ کسی کو مال نہ جمع کرنا چاہیے۔

> ”کیسی عمدہ بحث ہے۔قرآن شریف میں قسمون کے کفارے،نذرون وصدقات وزکوۃ کے احکام کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ خداوند تعالیٰ اس بات کو جائز رکھتا ہے کہ صدقات وزکوۃ وغیرہ لینے والے بھی ہوں اور دینے والے بھی۔اور اگر سب غریب قلاش اور نہ لینے والے ہو جائیں گے تو ان دونوں قسموں کی جماعت میں سے کوئی بھی نہ ہوگا۔“

دولت فضل خدا کب

کیا خراب عقیدہ ہے ہے جس کی طرف تم گئے ہو۔اور لوگوں کی اس کی طرف لے جا رہے ہو۔یہ کتاب اللہ وسنت نبی واحادیث نبوی کی طرف سے جہالت کا نتیجہ ہے۔تم قرآن شریف کو نظر غور سے نہیں دیکھتے ہو۔اس کے ناسخ ومنسوخ ومحکم ومتشابہات واوامر ونواہی کو تم نے چھوڑ دیا ہے۔اچھا مجھے بتاؤ تو سہی تم زیادہ عالم ہو یا سلیمانؑ جنہوں نے خداوند تعالیٰ سے ایسے ملک کی دعا کی تھی جو ان کے بعد کسی کو نہ دیا جائے اور یہ بات انہوں نے حق کہی تھی۔پھر ہم نے تو نہیں دیکھا کہ خدا نے اس کو برا کہا ہو یا مومنین نے اس دعا کو معیوب سمجھا ہو۔ان سے پہلے حضرت داؤدؑ کی بھی سلطنت تھی اور پھر حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر سے درخواست کی کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مالک بنا دے۔میں امین ہوں اور پھر ان کو بادشاہت مصر ویمن تک مل گئی۔لوگ ان سے اپنا طعام لیتے تھے اور وہ حق کی بات کرتے تھے۔ہم نے تو نہیں دیکھا کہ کسی نے اس بات کو معیوب سمجھا ہو اسی طرح ذوالقرنینؑ کے پاس مشرق ومغرب کے ملک تھے اور وہ حق کہتے تھے اور کرتے تھے ان کی بھی اس سلطنت کو کسی نے معیوب نہ سمجھا۔

اے لوگو! خدا نے مومنین کے لئے طریقے وقواعد مقرر کیے ہیں ان پر عمل کرو۔ خداوند تعالیٰ کی اوامر ونواہی پر اکتفا کرو۔ اور جس مغالطہ میں تم پڑ گئے ہو اس کو چھوڑو جس کا تم کو علم نہ ہو وہ اہل علم سے پوچھو۔ تو پھر تم کو ثواب ملے گا اور عنداللہ معذور سمجھے جاؤ گے۔ اور قرآن شریف کے ناسخ کو منسوخ سے اور محکم کو متشابہات سے علیحدہ کرو اور اس کی معرفت حاصل کرو۔ قرآن شریف کے حلال وحرام کی واقفیت حاصل کرو۔ یہ بات تم کو خدا سے نزدیک اور جہالت سے دور کر دے گی۔ جہالت کو جاہلوں کے لئے چھوڑ دو۔ اہل جہل کی کثرت ہے۔ اہل علم کی قلت ہے۔ اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ہر ذی علم کے اوپر علیم ہے۔ ختم ہوا کلام امام جعفرؑ۔

یہ بحث بہت غور سے پڑھنے کی ہے۔ آج کل یہی قرار دیا جانے لگا ہے کہ ایمان کی نشانی غربت اور بے ایمانی کی نشانی ثروت ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ایمان و بے ایمانی کی نشانی دل کی حالت اور ظاہر کا طرز عمل ہے۔ وہ قوم دنیا میں کیونکہ زندہ رہ سکتی ہے جس کے افراد سب کے سب فقیر ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ دولت کے حصول کے لئے خلاف شریعت وذرائع نہ استعمال کئے جائیں۔ ورنہ وہ دولت حرام ہو جائے گی۔ اور جب حلال وذرائع سے دولت مل جائے تو پھر اس کا خرچ عدل و بموجب حکم شریعت ہونا چاہئے۔ ایمان و بے ایمانی کا انحصار دولت کی موجودگی یا فقدان پر نہیں بلکہ اس کے طریقہ حصول وخرچ پر ہے۔ ایک بادشاہ حضرت سلیمانؑ تھے۔ ایک بادشاہ فرعون تھا۔ دولت دونوں کا جزو مشترک تھی لیکن ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔

صراط مستقیم

صراط مستقیم کو جناب امام جعفر صادقؑ نے نہایت واضح کر کے بتایا ہے۔ حضرت امام حسنؑ بن علی العسکری سے منقول ہے کہ جناب امام جعفر صادقؑ نے آیہ مبارکہ اهدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں فرمایا پر چلا۔ ایسے راستہ پر جو تیری محبت تک ہم کو لے جائے اور تیرے دین کی طرف ہم کو پہنچائے۔ اور اپنی ہوا و ہوس کے پیروی کرنے سے ہم کو روکے۔ کیونکہ اگر ہم اپنی خواہشات پر پیروی کریں گے تو ہم اپنے عیش وآرام کے بندے ہو جائیں گے اور اپنی رائے وقیاس پر عمل کریں گے جس سے کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔

تفسیر آیہ مبارکہ

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ومن جاء بالسيئة فلا يجزى الا مثلها

ایک مشہور و با اثر عالم کو جس کی پیروی عوام الناس صدق دل سے کرتے تھے جناب امام جعفر صادقؑ نے دیکھا کہ اس نے ایک بھٹیارے کی دوکان سے دو روٹیاں چرائیں۔ آپ چپکے چپکے اس کے پیچھے ہو لئے۔ پھر اس نے ایک پھل والے کی دوکان سے دو انار چرا لئے اور آگے چل کر وہ دونوں روٹیاں اور دونوں انار ایک مریض کو دیدیئے جس کو ان کو احتیاج تھی۔ جناب امام جعفر الصادقؑ نے اس سے پوچھا۔ جب کہ وہ ایک صحرا جا کر کھڑا ہو گیا

کہ تم تو بڑے عالم معلوم ہوتے ہو۔ یہ تم نے کیا کیا۔ اس نے کہا کہ تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ایک بندہ خدا امت محمدؐ سے۔ اس نے کہا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ فرمایا کہ مدینہ کا اور اہل بیت رسولؐ سے ہوں۔ اس نے کہا کہ شاید تم جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ باوجود اتنے علم وفضل والے خاندان اور باوجود اپنے اباؤاجداد کے شرف کے تم قرآن شریف سے اتنے جاہل ہوا کہ اعتراض کرتے ہو ان افعال پر جن کی تم کو مدح کرنی چاہئے۔ آپ نے فرمایا وہ کیونکہ اس چور نے کہا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ من جاء بالحسنة فله عشرا مثا لها و من جاء بالسيئة فلا يجزى الامثلها۔ میں نے دو روٹیاں چرائیں یہ دو برائیاں ہوئیں اور جب دو انار چرائے تو یہ دو اور برائیاں ہوئیں۔ یہ چار برائیاں ہو گئیں۔ اور جب یہ چاروں میں نے اس مریض کو دیدیں تو مجھے چالیس نیکیاں ملیں ان میں سے چار برائیاں نکال دو تب بھی ۳۶ نیکیاں میرے لئے رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے تو کتاب خدا سے بالکل جاہل ہے۔ کیا تجھے قول خدا یاد نہیں ہے۔ انما يتقبل الله من المتقين ۔خداوند تعالیٰ تو متقین سے قبول کرتا ہے، جب تو نے دو روٹیاں چرائیں تو دو برائیاں کیں۔ دو انار چرائے تو دو برائیاں کیں۔ اور جب ان چاروں کو ایسے شخص کو دیا جو ان کا مالک نہ تھا تو تو نے چار برائیوں کو چوگنا کر دیا۔ چار برائیوں سے چالیس نیکیاں حاصل نہیں کیں۔ اب وہ شخص امامؑ کو غور سے دیکھنے لگا اور امامؑ وہاں سے چلے آئے۔ امام جعفر صادقؑ نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ ایسی قبیح تاویلیں لوگوں کو گمراہ کرتی ہیں۔ یہ ویسی ہی تاویل ہے جیسی معاویہ نے حدیث رسولؐ کی کی تھی جب معاویہ کی فوج نے عمار یاسر کو قتل کیا تھا اس وقت معاویہ کی فوج میں ہیجان پیدا ہو گا ی اور انہیں یہ حدیث یاد آ گئی کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ عمار کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی عمرو بن العاص معاویہ کے پاس گیا اور کہا کہ بڑا غضب ہو گیا۔ لوگوں میں عمار کے قتل سے ہیجان پیدا ہو گیا ہے معاویہ نے کہا کہ لوگ غلط سمجھے ہیں۔ عمار کو تو علی ابن ابیطالب نے قتل کیا جنہوں نے عمار کو ہمارے نیزوں اور تلواروں کے سامنے بھیجا۔ جب یہ خبر حضرت علیؑ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا یوں تو جناب رسول خداؐ نے حضرت حمزہ کو قتل کیا کیونکہ انہیں کفار سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے صحیح فرمایا ہے کہ بہت نیک ہیں ہو لوگ جو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، باطل لوگوں کی قیاس آرائیوں اور جاہلوں کی تاویل سے علم کو پاک وصاف کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (۴:۳)

یعنی عورتوں میں سے جو تم کو پسند آ جائیں دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔ پھر اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ عدالت نہ کر سکو گے تو ایک ہی منکوحہ بیوی کرو۔

دوسری آیت یہ ہے:-

ولن تستطیعو ا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة

یعنی اور اگر چہ تم اس بات کے حریص بھی ہو کہ اپنی کل ازواج کے مابین مساوات برتو تم ہرگز مساوات نہ برت سکو گے۔ پھر پورا ایک کی طرف بھی نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ ادھر میں چھوڑ دو۔

اس میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے حتمی طور سے کہہ دیا کہ تم کئی بیویوں میں عدل نہیں کر سکتے تو پھر پہلی آیت مین یہ اجازت دینی کہ دو یا تین یا چار کر لو بے سور ہے ایک سے زیادہ کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ جب امام جعفر صادقؑ سے یہ اعتراض بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلی آیت میں تو نان ونفقہ کا عدل مقصود ہے اور دوسری آیت میں دلی محبت مذکور ہے اس سے بہتر جواب نہیں ہوسکتا۔

گناہان کبیرہ۔

عمرہ بن عبید جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کتاب اللہ سے بتایئے کہ گناہان کبیرہ کون کون سے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

شرک۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔

ناامیدی روح اللہ سے۔ ولا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔

حقوق والدین۔ لان العاق جبار شقی۔ وبر الوالدتی و لم یجعلنی جبارا شیقا۔

قتل النفس۔ ومن یقتل مو منا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا و غضب اللہ علیہ ولعنہ و اعدالہ عذاباً عظیماً۔

قذف المحصنات۔ ان الذین یرمون المحصنات الغافلا ت المومنات لعنو ا فی الدنیا و الاخرۃ ولھم عذاب عظیم۔

اکل مال الیتیم۔ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً و سیصلون سعیراً۔

فرار از جہاد۔ ومن یو لھم یو مئذو برہ الا متحرفا فقتالٍ او متحیزاً الی فئة فقدبا ء لغضب من اللہ و ما واہ جھنم و بئس المصیر۔

سودخواری۔ الذین یو کلون الریاء لا یقومون الا کمایقوم الذی یتخبطہ الشیطان من

المس۔

جادو۔ ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الآخرۃ من خلاق ۔

زنا۔ ولا تقربو الزنا انہ کان فا حشۃ و ساء سبیلا ۔ وَلا یزنون و من یفعل ذلک یلق اثاما۔

سوگند دروغ۔ ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایما نھم ثمنا قیلا اؤلئک لا خلا ق لھم فی الآخرۃ ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیا مۃ ولا یذکیھم ولھم عذاب الیم ۔

خیانت۔ و من یغلل یا ت بما غل یو م القیا مۃ ۔

منع زکاۃ۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقو نھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیھا فی نا ر جھنم فتکویٰ بھا جبا ھھم و جنو بھم و ظھورھم ھذا ما کنزتم لا نفسکم فذو قواما کنتم تکنزون ۔

جھوٹی گواہی۔ والذین کا یشھدون الزور ۔

کتمان شہادت۔ ومن یکتمھا فا نہ آثم قلبہ ۔

شراب پینا۔ لقولہ علیہ السلام شارب الخمر کعابدوثن ۔

ترک نماز۔ لقولہ علیہ السلام من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد بدی من ذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ۔

شکست معاہدہ۔ قطع رحم۔ الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل و یفسدون فی الارض اولئک ھم الخاسرون ۔

جھوٹ بولنا۔ واجتنبو قول الزور ۔

خدا کے عذاب کی پرواہ نہ کرنی۔ افآمنو ا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون۔

کفران نعمت۔ ولئن کفر تم ان عذابی لشدید ۔

کم تولنا و کم ناپنا۔ ویل للمطففین ۔

اغلام۔ الذین یجتنبو ن کبائر الا ثم والفواحش۔

بدعت۔ لقولہ علیہ السلام من تبسم فی وجہ مبتد ع فقد اعان علی ھدم دینہ ۔

یہ سن کر عمرو نے چیخ ماری اور روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ہلاک ہوئے وہ لوگ جنہوں نے تمہارا ورثہ تم کو نہ دیا اور علم و فضل میں تم سے تنازعہ کیا۔ (مناقب شہر آشوب)

کاش آج کل کے مسلمان ان گناہوں کبیرہ ہی سے اجتناب کریں۔ تو اسلامی ممالک تو دنیا کے لئے نمونہ

بن جائیں۔ بدعت کے متعلق جو حدیث ہے ذرا اس پر غور تو کریں۔ بدعت کرنے والے کا کتنا مقاطعہ کیا ہے۔ اس کو دیکھ ہنسنا بھی نہ چاہئے۔ آج کل تو بدعت کرنے والوں کی اتنی عزت کی جاتی ہے کہ خدا کی پناہ۔

مسئلہ قتل بعد موت

مناقب ابن شہر آشوب میں تہذیب الطوسی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابو جعفر منصور کے پاس جبکہ وہ طواف میں تھا اس کا وزیر ربیع آیا اور اطلاع دی کہ اس کا ایک غلام مر گیا اور مرنے کے بعد فلاں شخص نے اس کی گردن کاٹ لی۔ اسے بہت غصہ آیا اور اس کے پاس ابن شیرمہ و ابن ابی البلاد وغیرہ جو فقہاء و قضاۃ بیٹھے تھے ان سے پوچھا کہ اس کی کیا سزا ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا علم نہیں ہے اور ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔ وہاں اس نے امام جعفر صادقؑ کی بھی مقام سعی میں دیکھ لیا۔ ربیع سے کہا کہ ان کے پاس جا کر اس مسئلہ کا حل پوچھو۔ ربیع امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے اوپر یک صد دینار کی دیت ہے۔ ربیع نے آ کر منصور کو بتایا۔ اس کے مصاحبین نے کہا کہ یہ تو ان سے پوچھو کہ یک صد دینار کس طرح ہوئے۔ ربیع دوبارہ امام کی خدمت میں آیا آپ نے فرمایا کہ یہ مردہ پہلے نطفہ بنا اس کے ۲۰ دینار، پھر علقہ ہوا۔ اس کے ۲۰ دینار، پھر مضغہ ہوا اور اس کے ۲۰ دینار، پھر ہڈیاں ہوئیں اس کے ۲۰ دینار، پھر گوشت ہوا اس کے ۲۰ دینار، ابھی تک اس میں روح نہیں پھونکی گئی تھی اور اب جبکہ اس کی گردن اتار دی گئی تب بھی اس کا جسد تھا روح اس میں نہ تھی ربیع نے جا کر ان لوگوں کو یہ بتایا انہیں یہ جواب بہت پسند آیا۔ پھر ربیع کو بھیجا کہ جا کر پوچھے کہ اس رقم دیت کو ورثاء پر تقسیم کیا جائے آپ نے فرمایا نہیں۔ ورثہ اس کے حقدار نہیں ہیں کیونکہ یہ رقم اس وقت کی ہے کہ اس کے بدن میں روح نہ تھی۔ اس رقم کو اس کے نام پر خیرات کر دو یا فی سبیل اللہ کسی کو دیدو۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

اولی الامر

آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ میں اولی الامر۔ سے مراد ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

اصول کافی۔

صادقین

آپ نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ اتقو اللہ و کونوا مع الصادقین میں صادقین سے مراد محمد و علی علیہما السلام ہیں۔ (اعیان الشیعہ الجزء الرابع القسم الثانی صفحہ نمبر ۱۲۶)

جناب امام صادقؑ نے زنادقہ سے بہت سے مباحثے اور مناظرے کئے ہیں جن میں آپ نے علم کے دریا

بجائے۔ زنادقہ میں وہ سب لوگ محسوب ہوتے ہیں جو اسلام اور وحدانیت سے منحرف تھے اگرچہ بظاہر مسلمانوں کے ذرے اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے مثلاً مجوسی، مانوی، دہریے، مادئیتین، حکماء وفلاسفہ وغیرہ، افسوس یہ ہے کہ ان علمی خزانوں سے اردوداں حضرات محروم ہیں۔ ان مباحثات میں سے یہاں ہم صرف تین کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) توحید مفضل یا کنز الحقائق والمعارف

مفضل ابن عمر جناب جعفر صادقؑ کے نہایت خاص شاگردوں اور اصحاب میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں جناب رسول خداؐ کے روضہ میں قبر و منبر کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک دھریہ ابن ابی العوجا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آیا وہ خدا کے وجود کا منکر تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ گیا اور وہ آپس میں گفتگو کرنے لگے ابن ابی العوجاء نے کہا کہ دنیا اور اسکی چیزیں کسی کی پیدا کی ہوتی نہیں ہیں۔ نہ کوئی ان کا خالق نہ کوئی ان کا مدبر و منتظم۔ بلکہ یہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور یونہی یہ دنیا چلی آئی ہے اور چلی جائے گی۔ مفضل یہ سن کر رنجیدہ ہوئے۔ سیدھے جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارے حالات عرض کئے آپ نے فرمایا کہ کل آنا۔ یہ دوسری دن گئے اور سامان کتابت لئے گئے۔ جناب امام جعفر صادقؑ نے اپنا کلام شروع کای اور مفضل نے آپ کی اجازت سے لکھنا شروع کیا۔ یہ بہت طویل رسالہ ہے جو الٰہیات، طبعیات، علم الحیوانات، نباتات، فلکیات، طب، تشریح الاجسام، سائنس اور سائنس کے مختلف علوم پر مشتمل ہے۔ مصر و استنبول سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ ملا محمد صالح قزوینی نے ۱۰۸۰ ہجری میں کیا تھا اور ۱۳۲۵ میں اس کا اردو ترجمہ مولوی سید محمد ہارون زنگی پوری نے توحید الائمہ کے نام سے کیا تھا۔ اس کو تمام و کمال علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد دوم میں نقل کیا ہے ہر ایک مسلمان خصوصاً شیعہ کا فرض ہے کہ اس کتاب کو غور سے پڑھے۔ بحار الانوار کا پورا دورہ عالیجناب مولوی سید محمد مصطفیٰ صاحب جوہر ساکن کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے افسوس ہے کہ اب یہ کتابیں ناپید ہوتی جارہی ہیں کتاب مفضل بحار الانوار جلد ثانی کے صفحات ۵۷ لغایت ۱۹۹ پر ہے۔

(۲) کتاب اہلیلجیہ

مفضل بن عمر جعفی نے جناب امام جعفرؑ کو خط لکھا کہ کچھ لوگ اس ملت کے ایسے نکل پڑے ہیں جو خداوند تعالیٰ کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور امامؑ سے درخواست کی کہ آپ ان کے اقوال کی بھی تردید فرمایئے جس طرح اوروں کی دلیلوں کو آپ نے باطل کیا ہے۔ جناب امامؑ نے اس کے جواب میں ایک طویل خط لکھا جس میں تحریر فرمایا۔

"میں نے تمہارے لئے ایک مضمون لکھا ہے جس پر میں نے منکرین میں سے ایک شخص سے بحث کی تھی۔ ایک ہندی طبیب میرے پاس آیا کرتا تھا اور اپنی ضلالت اور اپنی رائے پر برابر مجھ سے

بحث کیا کرتا تھا ایک روز وہ دوا میں ملانے کے لئے جس کی مجھے ضرورت تھی ہلیلہ کوٹ رہا تھا کہ اتنے میں وہ بولا کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی ایک درخت اُگتا ہے اور دوسرا گرتا ہے۔ ایک جان پیدا ہوتی ہے اور دوسری تلف ہو جاتی ہے۔ (یہاں آپ نے اس کا دعویٰ تحریر کیا۔)''

جو رد آپ نے زندیق کا کیا وہ تحریر کر کے مفضل بن عمر و جعفی مذکور کے پاس بھیج دیا۔ اس میں آپ نے اس کا اعتراض نہایت عمدہ اور مفصل نہایت عالمانہ طریقے سے لکھا ہے۔ اس میں محض اہلیلج (ہڑ) اور اس کی بنا پر بحث کر کے خداوند تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ بھی ایک ایسی کتاب ہے جس کا پڑھنا ہر ایک شیعہ کے لئے ضروری ہے اس کو تمام و کمال علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد دوم میں ۱۹۹ سے ۲۵۹ صفحات پر نقل کیا ہے۔ شیخ صدوق نے بھی ان دونوں رسالون کر اپنی کتاب التوحید میں نقل کیا ہے۔

(۳) احتجاج طبرسی

میں جناب امام جعفر صادقؑ کی وہ بحث نقل ہے جو جناب نے زنادقہ کے بھیجے ہوئے قاصد سے کی تھی یہ بحث احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران کے صفحات ۱۷۵ سے ۱۸۵ پر نقل ہے چونکہ یہ مختصر ہے اور اس میں بھی تقریباً ہر قسم کے زندیق کے اعتراضات اور ان کے جوابات ہیں لہذا ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کا ترجمہ تمام و کمال اس جگہ نقل کردیں۔ اگرچہ اس سے طوالت ضرور ہوگئی ہے لیکن اس سے ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ جناب ائمہ اثنا عشر علیہم السلام تک دنیا میں جتنی قسم کے دعاوی الحاد ہو سکتے تھے وہ ہو چکے اور ان کا جواب آچکا۔ اب اگرچہ بارہوں امامؑ نظروں سے غائب ہیں تاہم تعلیم ائمہ ختم ہو چکی ہے۔ زبان سے جتنا سمجھایا جاسکتا تھا سمجھایا گیا۔ اب تو فقط تلوار کے ذریعہ سے ملحدین کا استیصال باقی ہے۔ وہ بھی انشاء اللہ ہو جائیگا۔

اب ہم ترجمہ شروع کرتے ہیں۔

زندیق:۔ بندے کیونکر اس خدا کی عبادت کر سکتے ہیں جس کو انہوں نے نہیں دیکھا۔

امامؑ:۔ ایمان والے دل خدا کو ایمان کے نور سے دیکھتے ہیں، صاحبان عقل اپنی عقل کی تیزی سے خدا کی ہستی سے واقف ہوتے ہیں۔ صاحبان بصیرت کی آنکھیں نظام عالم اور قوانین قدرت کے ذریعہ سے اس کو دیکھتی ہیں اور پھر رسول و انبیاء کتب وسماویہ اور ان کی آیات سے خدا کا پتہ چلتا ہے۔ اور علماء جب اس کی عظمت پر غور کرتے ہیں تو اس کی رویت سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

زندیق:۔ کیا خداوند تعالیٰ اس امر پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے تئیں اپنے بندوں کو دکھاوے تاکہ وہ اس کو دیکھ کر اس کی معرفت حاصل کریں اور پھر یقین کے ساتھ اس کی عبادت کریں۔

امامؑ:۔ امر محال کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ (امامؑ نے فرمایا اور زندیق نے تسلیم کیا کہ یہ امر محال ہے آگے بحث نہیں کی

۔محال اس وجہ سے ہے کہ دیکھنے کے فعل کے لئے یہ ضروری ہے کہ شئے یعنی موضوع مشاہدہ سے روشنی کی کر نیں ہمارے آنکھ کے پردے پر پڑ کر اسکی تصویر بنائیں تصویر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موضوع مشاہدہ ایک محدود شئے ہوتا کہ اس کے ہر ایک ذرہ سے ایک ایک کرن، شعاع پڑ کر تصویر بنائے۔لہٰذا دو با توں کی ضرورت ہوئی ایک تو یہ کہ موضوع مشاہدہ محدود ہو، دوسرے یہ کہ روشنی کی شعاعیں ہماری آنکھ تک پہنچ سکیں خداوند تعالیٰ نور السمٰوت والارض ہے۔عین گرمی کی دو پہر کے وقت سورج پر کوئی آنکھ نہیں ٹھہر سکتی یہ تو ایک ذرا سی روشنی ہے اس نور مطلق کی تجلی کو کس بندہ کی آنکھ سہار اسکتی ہے اور وہ محدود نہیں اس کا دیکھنا لہٰذا محال ہوا۔ایک اور بات بھی ہے لمس و بصر کیلئے ضروری ہے کہ موضوع مشاہدہ کثیف ہو۔محض اپنی کثافت کی وجہ سے اجسام نظر آتے ہیں۔ہوا میں کثافت کم ہے لہٰذا وہ اگر چہ نظر نہیں آتی محسوس ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ کثافت سے بالکل بری ہے)

زندیق:-انبیاء ورسل کی موجودگی کیونکر ثابت ہوئی۔

امامؑ:-جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہمارا خالق وصانع ہے جو ہم سے اور تمام جہاں سے اعلیٰ ہے اور یہ صانع حکیم بھی ہے یہ ممکن نہیں ہے مخلوق اس کو دیکھ سکے یا ہاتھ لگا سکے یا ساتھ رہ سکے اور گفتگو کر سکے تو اب ضروری ہوا کہ اس کی مخلوق میں اس کے سفیر وقاصد ہوں تا کہ خدا کے بندوں کو ان امور کی طرف دلالت کریں جن سے لو گوں کو نفع پہنچتا ہے اور جو ان کی بقا کے لئے ضروری ہیں جن کے ترک میں ان کی فنا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ خداوند علیم کی طرف سے اس کی مخلوق میں اوامر ونواہی کا حکم دینے والے ہوں اور ہو دنیا میں اس کی طرف سے قائم اور باقی رہیں اور وہی انبیا اور رسول ہیں اس کے بندوں میں سے جو لوگوں کو حکمت سکھاتے ہیں ان کے احوال میں مشارکت کرتے ہیں ان کے پاس خداوند تعالیٰ کی طرف سے علم وحکمت، دلائل، برا ہین وشواہد ہوتے ہیں مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھیوں کو تندرست کرنا لہٰذا زمین کبھی ایک ایسی حجت (امام) سے خالی نہیں رہ سکتی جن کے پاس علم جو رسول کی صدق مقال اور اس کے عدل کی طرف دلالت کرے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ زمین کبھی حجت اللہ سے خالی نہیں رہتی ہے اور یہ حجت (امام) صرف انبیاء کی نسل ہی میں سے ہوتے ہیں اور خداوند تعالیٰ انبیاء کی نسل ہی میں سے نبی مبعوث کرتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ خداوند تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے روشن راستہ مقرر کر دیا ہے اور آدم میں سے ایک نسل طاہر وطیب نکالی اور اس نسل میں سے انبیاء ورسل مبعوث کئے۔وہ خدا کے منتخب اور انسانیت کے جوہر ہوتے ہیں۔ان کو ان کے آباؤ اجداد کے اصلاب ہی میں پاک وطاہر کر دیا جاتا ہے اور ان کی ماؤں کے ارحام میں ان کی حفاظت کی ہے اور ان کو جاہلیت کی ناپاکی نے نہیں مس کیا اور نہ ان کے بعد مخلوط ہوئے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ان کو ایسے درجہ میں رکھا ہے کہ جس سے اعلیٰ اور زیادہ شرف والا کوئی

اور درجہ نہیں ہے۔ پس ضروری ہے کہ جو خدا کے علم کا خزینہ دار، اس کے غیب کا امین، اس کے اسرار کا حامل، اس کے بندوں پر اس کی حجت اس کا ترجمان اور اس کی زبان ہو وہ اس ہی صفت کا ہونا چاہئے۔ پس حجت، (امام) انبیاء ہی کی نسل میں سے ہوتا ہے تا کہ لوگوں میں نبی کے علم کے ساتھ نبی کا قائم مقام ہو اور اس کا وارث ہوتا کہ اگر لوگ انکار کریں تو وہ ان کو ساکت کر سکے۔ رسول کا جو علم لوگوں کے پاس تھا وہ (رسول کے بعد) بہت قلیل عرصہ تک رہا کیونکہ بہت جلد آپس میں اختلاف ہو گیا اور انہوں نے اپنے درمیان اپنی رائے و قیاس کو قائم کر لیا۔ اور اگر وہ اس حجت (امام، خلیفہ، رسول) کو تسلیم کر لیتے اور اس کی اطاعت کرتے، اور اس سے تمسک کرتے تو اس حجت سے عدل ظاہر ہوتا۔ اختلاف و تنازعات مٹ جاتے۔ امر دین استوار و محکم ہو جاتا اور یقین کا غلبہ شک پر ہو جاتا۔ رسول خدا کی رحلت کے بعد لوگوں نے اس حجت پر اتفاق نہ کیا اور نہ اس کی اطاعت کی اور کوئی ایسا رسول و نبی نہیں گزرا جس کی امت نے اس کے بعد اختلاف نہ کیا ہو ان کے اختلاف کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس حجت کی مخالفت کرتے ہیں جو رسول کے بعد قائم ہوتی ہے اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

زندیق:- حجت کے ساتھ کیا برتاؤ کریں جو اس صفت کا ہو۔

امام:- لوگوں کو چاہئے کہ اس حجت کی پیروی کریں۔ اس حجت سے ایسی ہی چیزیں صادر ہوں گی جو لوگوں کو نفع پہنچائیں گی۔ اگر وہ دین میں احداث کرنے لگیں گے تو وہ ان کو متنبہ کر دے گا اگر اس میں کچھ زیادہ کریں گے تو وہ بتائے گا اور اگر کچھ کم کریں گے تو وہ جتائے گا۔

زندیق:- خدا نے یہ سب چیزیں کس شئے سے یا کن اشیاء سے پیدا کی ہیں۔

امام:- کسی شئے سے پیدا نہیں کیں۔

زندیق:- اگر کوئی شئے موجود نہ ہو تو اس لاشئے سے کیونکہ اشیاء پیدا ہو سکتی ہیں۔

امام:- دو امر سے خالی نہیں یا تو یہ دنیا کی اشیاء کسی شئے سے بنائی گئی ہیں یا عدم شئے سے بنائی گئی ہیں اگر کسی شئے سے بنائی گئی ہیں تو وہ شئے خدا کے ساتھ قدیم ہوئی، قدیم وہ ہے جس میں حدث نہ ہو نہ وہ فنا ہوتی ہے اور نہ وہ متغیر ہوتی ہے اور یہ لازمی ہے کہ یہ قدیم شئے ایک ہی جوہر اور ایک ہی رنگ ہو۔ تو پھر یہ جو عالم میں مختلف جوہر اور مختلف رنگ پائے جاتے ہیں یہ کہاں سے آئے اور یہ بہت سے اقسام کیوں ہیں اگر وہ شئے قدیم جس سے یہ سب اشیاء نکلے ہیں صاحب حیات تھی تو پھر یہ موت کہاں سے آئی۔ اور اگر وہ شئے بغیر زندگی کے ہے تو پھر ان اشیاء میں زندگی کہاں سے آئی اور یہ جائز نہیں ہے کہ ہمیشہ وہ قدیم ہوں ایک جاندار اور ایک بے جان۔ کیونکہ جاندار میں سے بے جان نہیں نکل سکتا۔ وہ تو ہمیشہ جاندار رہے گا اور یہ بھی جائز نہیں کہ بے جان قدیم ہو کیونکہ بے جان میں نہ قدرت ہے نہ اس کو بقا ہے۔

زندیق:۔ پھر کیوں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اشیاء ازلی ہیں۔

امامؑ:۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو حقیقی مدبر اشیاء کا انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے رسل وانبیاء کی تکذیب کی اور ان کے قول کو نہ سنا اور جو خبر انہوں نے پہنچائی اس کی تکذیب کی ان کی کتابوں کو اساطیر الاولین کہا۔ انہوں نے اپنی رائے وقیاس سے اپنے لئے ایک علیحدہ دین بنا لیا۔ یہ تحقیق اشیاء خود اپنے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں، فلک گردش میں ہے ان سب چیزوں کے ساتھ جو اس میں ہیں۔ زمین بھی ان سب چیزوں کے ساتھ جو اس پر ہیں گردش کر رہی ہے زمانوں کے انقلاب وقت کے اختلاف اور حوادث جو دنیا میں ہوتے رہتے ہیں اور عالم میں زیادتی کمی، موت اور کہنگی کا باعث ہوتے ہیں اور عقل انسانی کا مجبور ہو کر اقرار کرنا کہ اس تمام عالم کا ایک صانع اور مدبر ہے۔ یہ تمام امور دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ عالم حادث ہے۔ ہر ایک شئے تغیر اور فنا کی طرف جا رہی ہے۔

زندیق:۔ اس تمام عالم کا بنانے والا ان تمام احداث وتغیرات سے واقف تھا جس میں سے عالم کو گزرنا تھا قبل اس کے کہ عالم کو بنائے۔

امامؑ:۔ وہ ہمیشہ یہ علم رکھتا تھا۔ پس اس نے وہ عالم پیدا کیا۔ جس کا اس کو پہلے سے علم تھا۔

زندیق:۔ کیا خداوند تعالیٰ مختلف ہے یا موتلف ہے۔

امامؑ:۔ دراصل اس کے لائق نہ مختلف ہوتا ہے نہ موتلف۔ کیونکہ مختلف وہ ہوتا ہے جس کے مختلف اجزا ہوں اور موتلف وہ ہوتا ہے جس کے حصے، بخرے علیحدہ ہوں اور آپس میں ملے ہوئے ہوں۔

زندیق:۔ پس وہ خدا کس طرح واحد ہے۔

امامؑ:۔ وہ اس طرح واحد ہے کہ ذات میں واحد ہے نہ دیگر اشیا کی طرح اکیلا ہے کیونکہ خدا کے سوا جو واحد (اکیلا) ہے اس کے اجزا ہیں اور خداوند تعالیٰ وتبارک کے اجزا نہیں ہیں اور نہ وہ شمار میں آسکے۔

زندیق:۔ اس نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا درآنحالیکہ اسکو ان کی احتیاج نہ تھی اور نہ وہ اس کے پیدا کرنے کے لئے مجبور تھا اور نہ ہی یہ اس کے لائق ہے کہ اس نے ہمیں عبث پیدا کیا۔

امامؑ:۔ اس نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ اس کی حکمت ظاہر ہو، اس کا علم جاری ہو اور اس کی تدبیر پھیلے۔

زندیق:۔ اس نے فقط اس دنیا ہی کے پیدا کرنے پر کیوں نہ اکتفا کیا۔ اس ہی کو دار ثواب بنا دیتا اور اس ہی کو دار عذاب، یعنی اس دنیا ہی میں جزا مل جاتا کرتی اور اس ہی میں سزا۔

امامؑ:۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا تو دار آزمائش ہے جس کے ذریعہ سے ثواب ملتا ہے، رحمت حاصل ہوتی ہے، اس میں آفات ہیں، طبقے ہیں اور خواہشات ہیں تا کہ اس کے بندے، جس کو چاہیں اختیار کرلیں، دار عمل کبھی دار جزا نہیں ہوسکتا۔

زندیق:- اپنے نفس کے لئے دشمن پیدا کرنے کی اس کو کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے اس کا کوئی دشمن نہ تھا ۔لیکن اب اس نے جیسا کہ آپ کا خیال ہے ابلیس کو پیدا کیا اور اس کو اپنے بندوں کے اوپر مسلط کر دیا جو ان کو خدا کی نافرمانی کی طرف بلاتا ہے اور معصیت کرنیکا حکم دیتا ہے اور جیسا کہ آپ کا خیال ہے اس کو طاقت بھی دیدی جس کی وجہ سے وہ بہت سے طریقوں سے ان لوگوں کے دل تک پہنچ جاتا ہے اور اس میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ خدا کے متعلق ان کو مشکوک میں ڈالتا ہے اور ان کے دین میں شبہ پیدا کرتا ہے۔ ان وجوہات سے وہ خدا کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ وہ جن کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا تھا خدا کی ربوبیت سے منکر ہو گئے۔ اس کے سوا اوروں کی اطاعت و بندگی کی۔ کیا وجہ ہے کہ اس نے دشمن کو اپنے بندوں کے اوپر مسلط کر دیا اور ان کو بہکانے کا اسے موقعہ دیا۔

امام:- وجہ یہ ہے کہ اس دشمن کی عداوت اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ اس کی محبت اس کو یعنی خدا کو نفع دیتی۔ ابلیس کی عداوت خدا کے ملک میں سے کچھ کم نہیں کر دیتی ہے اور نہ اسکی محبت اس کے ملک میں کچھ زیادتی کرتی دشمن سے اس وقت پرہیز کیا جاتا ہے کہ جب اس کی قوت نفع یا نقصان پہنچا سکے اور اگر عدو کھڑا ہو تو ملک چھین لے یا قہر سے غلبہ کر لے۔ ابلیس تو اس کا ایک بندہ ہے جس کو اس نے پیدا کیا تا کہ اس کی عبادت کرے اور اس کی توحید کا قائل ہو اور جس وقت خدا نے اسکو پیدا کیا۔ خدا جانتا تھا کہ اسکی اصلیت کیا ہے اور آخر کیا نتیجہ ہوگا۔ پس ابلیس ہمیشہ ملائکہ کے ساتھ رہ کر خدا کی عبادت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے سجدہ آدم کے ذریعہ سے اس کا امتحان لیا۔ ابلیس نے حسد و شقاوت کی وجہ سے جو اوس پر غالب ہو گئے سجدہ کرنے سے انکار کیا خدا نے اس پر لعنت کی اور اس کو ملائکہ کی صفوف سے نکالکر زمین پر ایسی حالت میں بھیج دیا کہ وہ ملعون تھا۔ اس وجہ سے وہ آدم اور آدم کی اولاد کا دشمن ہو گیا۔ ابلیس کو اولاد آدم پر حکومت حاصل نہیں ہے وہ صرف وسوسہ اور دغا کے ذریعہ سے ان کو بہکاتا ہے۔ درآنحالیکہ خود وہ خدا کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔

زندیق:- کیا غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہے۔

امام:- نہیں۔

زندیق:- تو پھر خدا نے کیوں ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔

امام:- جس نے خدا کے حکم سے سجدہ کیا اس نے گویا خدا کو سجدہ کیا۔ اس کا سجدہ خدا کے لئے سجدہ ہوگا کیونکہ خدا کے حکم سے سجدہ کیا تھا۔

زندیق:- کہانت کی اصلیت کیا ہے۔ کہانت سے آنے والے واقعات کیونکر معلوم ہو جاتے ہیں۔

امام: کہانت ایام جاہلیت میں یعنی رسولوں کے زمانہ کے درمیان کے زمانہ میں تھی۔ کاہن بمنزلہ حاکم کے ہوتا تھا جن امور

میں ان لوگوں کو شبہ ہوتا تھا تو ان امور کو کاہن کے پاس لے جاتے تھے اور کاہن ان کو آنے والے واقعات کی خبر دیتا تھا اور اس کی کئی وجوہ تھیں۔ یعنی فراست العین (منظر کی شناخت) ذکاء القلب، وسوسۂ شیطانی، روح کی ذہانت، درآنحالیکہ دل میں القاء شیطانی ہوتا تھا کیونکہ شیطان ان تمام امور سے آگاہ ہوتا تھا جو دنیا کے کسی حصہ میں واقع ہوتے یا ہونے والے ہوتے تھے۔ اور کاہن کو ان اخبار سے آگاہ کر دیتا تھا۔ اور آسمان کی باتیں جو ہیں ان کے لئے شیاطین ایسے مقام سرقہ میں بیٹھ جاتے کہ جہاں سے وہ وہاں کی باتوں کو سن سکتے تھے اور اس زمانہ میں شیاطین کو نہ روکا جاتا تھا اور نہ نجوم کے ذریعہ سے مارے جاتے تھے، لیکن اب وہ استراق السمع سے روک دیئے گئے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو وحی اور ان اخبار سما میں شبہ نہ ہو جائے اور وہ یہ نہ معلوم کر سکیں کہ ان کے پاس اثبات حجت کے لئے خدا کی طرف سے کیا آیا ہے۔ شیطان اس زمانہ میں اخبار سماء میں وہ کلمہ بھی سن لیا کرتا تھا جو خدا کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے جاری ہوتا تھا اور اس کو وہاں سے لے اچکتا تھا اور پھر زمین پر آکر کاہن کو بتا دیتا تھا اور پھر کاہن بھی اپنی طرف سے کچھ کلمات زیادہ کر دیا کرتا تھا۔ اس طرح حق و باطل کو مخلوط کر دیتا تھا۔ کاہن کی وہ پیشنگوئی جو بسا اوقات صحیح ہوتی تھی وہ وہ کلمہ خدا کا ہوتا تھا جس کو سن کر شیطان اس کے پاس پہنچا دیتا تھا اور جس پیشنگوئی میں خطا ہوتی تھی وہ باطل ہوتا تھا جو خود کاہن کا اضافہ ہوتا تھا۔ جب سے شیاطین استراق السمع سے منع کر دیئے گئے ہیں۔ اس وقت سے کہانت ختم ہو گئی ہے اب تو شیاطین اپنے کاہنوں کو وہی باتیں بتاتے ہیں۔ جو لوگوں سے سن لیتے ہیں اور وہ بھی بتاتے ہیں جو شیاطین دور کی خبریں شیاطین کو بتاتے ہیں۔ مثلاً چور کی چوری، غائب آدمی کی خبر، قاتل کی اطلاع، اور ان میں بھی انسانوں کی طرح سچے اور جھوٹے ہیں۔

زندیق:- شیاطین آسمان کی طرف کیونکہ چڑھ سکتے ہیں حالانکہ وہ بھی خلقت و کثافت میں انسانوں کی طرح ہیں اور وہ حضرت سلیمان کے لئے اتنی بڑی بڑی عمارتیں تیار کرتے تھے جن کے تیار کرنے سے انسان عاجز ہیں۔

امامؑ:- چونکہ حضرت سلیمان نے ان کو مسخر کر لیا تھا لہٰذا حضرت سلیمان کے لئے انہوں نے کثیف جسم اختیار کر لیا تھا۔ وہ تو رقیق جسم رکھتے ہیں اور ان کی غذا نسیم ہے اور اسکی یہ دلیل ہے کہ وہ آسمان پر وہاں کی باتیں سننے کے لئے صعود کر جاتے تھے درآنحالیکہ جسم کثیف آسمان کی جانب بغیر سیڑھی یا رسی کے چڑھ نہیں سکتا۔

نوٹ۔ اس زمانہ میں مسلمان لوگ ہر ایک غیر مسلم کو زندیق کہتے تھے اس میں آتش پرست، زرتشتی، دہریئے، فلاسفر سب آ گئے یہاں تک کہ تصویر پوجنے والے اور شراب پینے والے عیسائیوں کو زندیق کہتے تھے۔ معترض نے شیطانوں کا آسمان پر صعود کرنا تو مانا ہوا ہے۔ وہ تو یہ پوچھتا ہے کہ کثیف جسم کے ساتھ کیونکر آسمان پر جاتے تھے۔ یہ سب فرقے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے روح جیسی شے کے آسمان پر جانے کے تو قائل تھے۔ زرتشت افلاطون وسقراط نے اس کو صاف طور سے تسلیم کیا ہے اسی طرح زندیق سائل بھی اس کا منکر نہیں ہے۔)

زندیق:- اچھا فرمایئے سحر کی اصل کیا ہے اور ساحر کیونکہ وہ سب باتیں کر لیتا ہے جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔

امامؑ:- جادو مختلف وجوہات سے ہے۔ ایک تو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ بمنزلہ طب ہے جس طرح اطباء نے ہر ایک مرض کے لئے ایک دوا تجویز کر لی ہے اسی طرح علم سحر کو انہوں نے صحت کے لئے آفت، عافیت کے لئے مصیبت اور در ہر ایک معنی کے لئے حیلہ مقرر کر لیا ہے۔ جادو کی دوسری قسم نظر بندی، تیزی عمل، خرق عادات اعمال، وزنی اشیاء کو سبک دکھاتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو شیاطین کے دوست ان سے لیتے ہیں۔

زندیق:- شیاطین کا علم کہاں سے آتا ہے۔ یعنی شیاطین کو علم کیونکر حاصل ہوتا ہے۔

امامؑ:- جس طرح کہ طبیب اپنا طب حاصل کرتا ہے۔ کچھ تجربہ سے اور کچھ علاج سے۔

زندیق:- دونوں فرشتگان ہاروت و ماروت کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں۔ اور وہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔

امامؑ:- یہ موقع ابتلاء و امتحان ہے۔ ان دونوں کا قول یہ تھا کہ اگر انسان ایسا ایسا کرے تو ایسا ایسا نتیجہ ہوگا۔ اگر اس طرح علاج کرے تو اسکا یہ اثر ہوگا۔ لوگ ان سے سیکھ لیتے تھے جو ان دونوں کے منھ سے نکلتا تھا اور وہ کہتے تھے۔ ہم تو فتنہ ہیں تم ہم سے وہ بات نہ سیکھو جو تم کو نقصان پہنچائے اور فائدہ نہ پہنچائے۔

زندیق:- کیا جادوگر اس بات پر قادر ہیں۔ انسان کو اپنے جادو کے زور سے کتے یا گدھے کی شکل میں بدل دیں۔

امامؑ:- جادوگر یہ بات کرنے سے عاجز ہے اور ضعیف ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی شکل کو متغیر کر کے دوسری شکل میں پلٹ دے اور جو ایسا کر سکے کہ جو خدا نے بنایا ہے اس کو باطل کر دے اور متغیر کر دے تو پھر وہ تو خلق کرنے میں خدا کا شریک ہے اگر جادوگر یہ باتیں کرنے پر قادر ہو تو اپنے نفس سے وہ رنج و غم و آفت و امراض کو دور کر سکتا۔ اپنے بڑھاپے کو جوانی میں تبدیل کر سکتا اور اپنی مفلسی کو امیری میں تبدیل کر دیتا۔ سب سے بڑا جادو تو چغل خوری ہے جو دوستوں کے درمیان دشمنی کروا دیتی ہے۔ لڑنے والوں کی عداوت کو بڑھا دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے خون بہتا ہے اور گھر برباد ہوتے ہیں۔ پردے چاک ہوتے ہیں اور چغل خور روئے زمین پر قدم رکھنے والوں میں سب سے زیادہ شر والا ہے سب سے صحیح بات جو سحر کی نسبت کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ سحر بمنزلہ طب ہے ساحر ان لوگوں پر اثر ڈال کر ان کو عورت کی مقاربت سے عاجز کر دیتا تھا، لیکن طبیب اس کے خلاف علاج کر کے اس کو صحیح کر دیتا تھا۔

نوٹ۔ سحر کی ماہیت اور اس کے حدود دائرہ کو امام جعفر صادقؑ نے کس عمدگی سے بتایا ہے اور یہ کتنی معقول بات ہے اور قرآن شریف میں بھی سحر کی بس اتنی ہی حد لکھی ہے کہ سحر سے مرد و عورت میں جدائی ہو جاتی تھی۔ اب اس کا مقابلہ بائبل کی تعلیم سے کرو۔ بائبل کا حکم ہے۔

Thou shalt not suffer a witch to live escodees 22 18

ہم تجھ کو حکم دیتے ہیں کہ ایک جادوگرنی کو بھی زندہ نہ چھوڑے اس حکم کا یہ اثر ہوا کہ سترھویں صدی عیسوی تک یعنی سترہ سو سال تک پادریوں کے حکم سے بے شمار عورتیں جن پر ذرا بھی شبہ ہوا یا جس کی کسی نے چغلی کھاوی کہ یہ جادوگرنی ہے نہایت دردناک طرح پادریوں کے حکم سے قتل کردی گئیں یا جلادی گئیں۔

زندیق:- بنی آدم کی یہ کیا حالت ہے کہ کوئی شریف ہے اور کوئی کمینہ ہے۔

امام:- شریف وہ ہے جو خدا کا مطیع ہے اور ذلیل و کمینہ وہ ہے جو عاصی و گنہگار ہے۔

نوٹ۔ شریف و ذلیل کی یہ بہترین تعریف ہے ظاہر ہے کہ جو خدا سے ڈریگا وہ کبھی کمینی باتیں مثلاً چوری، جھوٹ، دغابازی و مکروفریب نہیں کریگا۔

زندیق:- کیا ان میں فاضل و مفضول نہیں ہیں۔

امام:- فضیلت بھی تقویٰ ہی سے ہوتی ہے۔

زندیق:- تو ہم کو یہ کہنا چاہیئے کہ اصل میں بنی آدم برابر ہیں۔ ایک دوسرے پر ان کو فضیلت محض تقویٰ سے ہوتی ہے۔

امام:- ہاں یہ ہی بات ہے میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ سب مٹی سے بنائے گئے ہیں اور سب کے ماں باپ آدم وحوا ہیں اور ایک ہی خدا نے ان کو پیدا کیا ہے وہ سب خدا کے ہی بندے ہین ہاں یہ ضرور ہے کہ خداوند تعالیٰ نے چند اولادِ آدم کو منتخب کرلیا، اور ان کی پیدائش پاکیزہ کی۔ ان کے بدنوں کو طیب کیا، اصلاب پدران وارحام مادران میں ان کی حفاظت کی۔ اور ان منتخب لوگوں میں سے انبیا و رسل مبعوث کیے۔ بس وہ بنی آدم کی پاکیزہ ترین شاخ ہیں، یہ اس وجہ سے نہیں کہ منتخب ہونا اور انبیاء و رسل ہونا ان لوگوں کا حق تھا۔ لیکن جب انکی ارواح کو خلق کیا تو خداوند تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ ان لوگوں نے اطاعت کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں کرامت و منزلت رفیعہ حاصل کی، یہ وہ لوگ ہیں جن کو شرف و فضل ہے، باقی سب لوگ برابر ہیں، ان میں سے وہ لوگ جو اس سے ڈریں گے خدا ان کو بزرگی دیگا اور جو اس کی اطاعت کریں گے خدا ان سے محبت کریگا اور جن سے خدا محبت کریگا ان کو آگ کے عذاب میں نہیں ڈالیگا۔

زندیق:- خدا نے سب کو ہی کیوں نہ مطیع و موحد بنایا حالانکہ اس پر قادر تھا

امام:- اگر سب کو مطیع بناتا تو ان کو کوئی ثواب نہ ملتا۔ کیونکہ اس صورت میں طاعت ان کا فعل نہ ہوتا اور جب ان کا فعل نہ ہوتا تو جنت و دوزخ بھی نہ ہوتا بلکہ اس نے ان کو پیدا کیا۔ پھر ان کو طاعت کا حکم دیا اور معصیت سے منع فرمایا، اور ان پر رسل و انبیاء بھیج کر حجت قائم کی اور اپنی کتابوں سے ان کی بحث و دلیل کو منقطع کیا۔ تا کہ جو طاعت کریں وہ مستحق جنت اور جو نافرمانی کریں وہ مستوجب عذاب ہوں

زندیق:- تو پس عمل صالح بھی بندہ کا ہوا اور عمل بد بھی بندہ ہی کا ہوا

امام:- عمل صالح بندہ کا فعل ہے خدا کے حکم سے، عمل بد بندہ کا فعل ہے درآنحالیکہ خدا نے اس کو اس سے منع کیا تھا۔

زندیق:- کیا بندہ کا فعل ان اعضاء و جوارح کے ذریعہ سے نہیں ہے جو خدا نے اس کو عطا کیے۔

امام:- ہاں جن اعضاء کے ذریعہ سے وہ خیر کا عامل ہے ان ہی کے ذریعہ سے شر پر قادر ہے مگر خدا نے شر سے منع کر دیا ہے۔

زندیق:- تو کیا امور تکلیفیہ میں بندہ کا کوئی دخل ہے۔

امام:- جس شے سے خدا بندہ کو منع کرتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اس کے ترک پر وہ قادر ہے اور جس فعل کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو خدا جانتا ہے کہ اس فعل کے کرنے پر وہ بندہ قادر ہے پس اس میں نہ جور ہے نہ عبث ہے اور نہ ظلم ہے اور خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔

زندیق:- پس جس کو خدا نے کافر بنایا کیا وہ ایمان کو استطاعت رکھتا تھا (یعنی ایمان لانا اس کی قدرت میں ہے) اگر ایسا تھا تو کیا اس شخص پر خدا کے لئے ترک ایمان پر کوئی حجت ہے۔

امام:- خداوند تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو مسلمان ہی بنایا اور چند امور کا ان کو حکم دیا اور چند امور سے منع کیا۔ اور کفر کا لفظ تو کسی فعل کے ساتھ اس وقت ملحق ہوتا ہے کہ جب اس فعل کو بندہ کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس پر حجت آتی ہے۔ اس پر حق پیش کیا جاتا ہے اور وہ انکار کرتا ہے اور اس طرح حق سے انکار کرنے سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

زندیق:- کیا یہ جائز ہے کہ خدا ایک بندہ کے اوپر شرارت کو مقدر کر دے لیکن حکم دے اس کو نیکی کرنے کا۔ اور وہ نیکی کرنے پر قادر نہ ہو اور پھر خدا اس کو عذاب کرے۔

امام:- یہ خدا کے عدل و رحمت کے شایان نہیں ہے کہ خدا کسی بندہ کے لئے شر مقدر کر دے اور ارادہ خداوندی میں ہو کہ وہ شر کرے۔ لیکن پھر اس کو ایسے کام کرنے کا حکم دے جن کا ذکر خدا جانتا ہے کہ اس بندہ کی طاقت سے باہر ہے یا ایسے کام سے منع کرے درآنحالیکہ خدا جانتا ہے کہ اس کام کا ترک کرنا بندہ کی قدرت سے باہر ہے اور پھر اس کو عذاب کرے اس بات کے ترک کرنے پر جن کا کرنا بندہ کی طاقت سے باہر تھا۔

زندیق:- جن لوگوں کو خدا نے امیر بنایا اور ان کا رزق وسیع کر دیا تو غنا و وسعت رزق کے وہ کیونکر مستحق ہوئے اور فقیر غربت و تنگی کا کیوں مستحق ہوا۔

امام:- یہ بغرض امتحان بنا۔ خدا نے دونوں کا امتحان لیا۔ امرا کا شکر سے اور فقراء کا صبر سے۔ یعنی دیکھیں کہ یہ دوست کا شکر کرتے ہیں یا نہیں اور فقراء کا صبر سے تاکہ دیکھے کہ اپنی غربت میں کس طرح صبر کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ امراء کے لئے ثروت میں تعجیل کر کے اس کو اس دنیا کے لئے کر دیا اور غرباء کی دولتمندی

کی تاخیر اس دن تک کے لئے کردی کہ جس دن ان کو اس کی ضرورت ہوگئی۔ ایک اور وجہ بھی تھی وہ یہ کہ خدا وند تعالیٰ کو ہر ایک جماعت کی قوت برداشت کا بھی علم تھا، پس ہر ایک کو اس کی برداشت کے مطابق دیا اور اگر سب لوگ دنیا کے اغنیاء ہو جاتے تو دنیا میں خرابی پیدا ہو جاتی اور انتظام میں فساد پیدا ہو جاتا۔ اور وہ سب فنا ہی کی طرف جاتے۔ بلکہ اس نے ایک کو دوسرے کا مددگار بنایا اور ان کے رزقوں کو النواع عمل وانواع صناعت میں رکھا۔ اور اسی میں ان کی بقاء وصحت تدبیر تھی، اغنیاء کا امتحان اس نے لیا کہ فقراء پر مہربانی کرتے ہیں یا نہیں اور یہ سب کچھ حکیم مطلق کی رحمت ولطف ہے۔ جس کی تدبیر میں کوئی عیب نہیں ہے۔

زندیق:- طفل صغیر کو کیوں درد وامراض بغیر گناہ کے ہوتے ہیں حالانکہ اس نے ابھی کوئی عمل وجرم نہیں کیا۔

امامؑ:- امراض کئی اسباب سے ہوتے ہیں مرض بلاء (امتحان) مرض عقوبت اور وہ مرض جو باعث مرگ ہوتے ہیں۔ تیرا خیال تو یہ ہے کہ یہ سب خراب غذا و پانی کی وجہ سے ہوتے ہیں یا ان کی وجہ بچہ کی ماں میں ہوتی ہے، تیرا گمان ہے یہ سب سے بہتر تدبیر بدن کی صحت واحوال نفس کی یہ ہے کہ ایسی غذا کھائی جائے جو مرض نہ پیدا کرے اور تیرا خیال ان لوگوں کی طرف میلان رکھتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مرض اور موت صرف کھانے اور پینے سے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ارسطا طالیس جو معلم اطبا تھا وہ بھی مرگیا۔ اور افلاطون رئیس الحکماء بھی مرگیا اور جالینوس بڈھا ہوگیا اس کی بنیائی گھٹ گئی اور موت کو نہ روک سکا جب وہ آگئی۔ اتنی وسیع نظر رکھنے والا بھی مرگیا۔ ان لوگوں نے اپنے جسم کی حفاظت میں تساہل نہیں کیا تھا۔ کتنے مریض ہیں کہ جنکے مرض کو طبیب ان کا علاج کر کے بڑھا دیتا ہے اور کتنے عالم وبصیر و ماہر طبیب مرجاتے ہیں اور وہ شخص جو طب سے جاہل ہوتا ہے اس کے بعد تک زندہ رہتا ہے۔ جب طبیب یا مریض کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور اجل آجاتی ہے تو اس کا علم طب اس کو فائدہ نہیں پہنچاتی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اکثر اطباء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علم طب سے ناواقف تھے۔ لہٰذا ہم اس علم میں ان کے قول کی پیروی نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ گمان کیا کہ انبیاء اس علم سے واقف نہیں ہیں حالانکہ انبیاء خدا کی حجت اس کی خلق پر، خدا کے امین اس کی زمین پر ہیں، اس کے علم کے خزینہ دار اور اس کی حکمت کے وارث ہیں، خدا کی طرف راہ دکھانے والے اور اسکی طاعت کی طرف لوگوں کو بلانے والے ہیں۔ میں نے اکثر فلاسفران کو پایا کہ وہ اپنے مذہب میں انبیا کی بتائی ہوئی راہ پر نہیں چلتے۔ اور ان کی کتابوں کی تکذیب کرتے ہیں جو خدا نے اپنے انبیاء پر اتاری ہیں۔ اس ہی وجہ سے میں اس کو پسند نہیں کرتا۔

زندیق:- آپ اس جماعت سے کیونکر گریز کر سکتے ہیں درآنحالیکہ آپ ان کے سردار ہیں۔ اور ان کی تربیت کرتے ہیں۔

امامؑ:- میں نے ان میں سے ایک آدمی کو دیکھا جو علم طب میں ماہر تھا۔ جب میں نے اس سے سوالات کئے تو معلوم ہوا

کہ وہ اپنے نفس کی حدود اور اپنے بدن کی تالیف اور اپنے اعضا کی ترکیب سے ناواقف تھا اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کس طرح غذا اس کے اعضا میں پہنچتی ہے اور کس طرح سانس باہر آتا ہے کس طرح زبان حرکت کرتی ہے وہ کلام کس طرح کرتا ہے آنکھ کس طرح اپنا فعل کرتی ہے۔ خواہش جماع اور اختلاف شہوات کیا ہیں۔ آنسو کس طرح بنتے ہیں۔ سماعت کس طرح ہوتی ہے۔ عقل کا مقام اور روح کا مسکن کونسا ہے۔ چھینک کیوں آتی ہے، غم کیا کیفیت پیدا کرتا ہے، اسباب سرور کیا ہیں۔ کس طرح آدمی گونگا اور بہرہ ہو جاتا ہے، غرضکہ صحیح اصلیت و ماہیت ان امور کی اس کو معلوم نہ تھی۔ صرف چند قیاس کی باتیں جمع کر لی تھیں۔

زندیق:۔ خداوند تعالیٰ کی نسبت کچھ فرمایئے کیا اس کی سلطنت میں کوئی اور شریک ہے اور اس کی تدبیروں کو کوئی بگاڑنے والا ہے۔

امامؑ:۔ نہیں۔

زندیق:۔ تو پھر یہ فساد کیوں ہے جو عالم میں ہر طرف نظر آتا ہے، درندے تکلیف دیتے ہیں، آدمی تکلیف دیتے ہیں، کیڑے، مچھر، سانپ، بچھو یہ سب تکلیف دیتے ہیں اور آپکا خیال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی چیز کو بغیر کسی فائدے کے نہیں پیدا کرتا اور کوئی چیز اس نے عبث پیدا نہیں کی۔

امامؑ:۔ کیا تو نہیں جانتا کہ بچھو سے درد مثانہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ پتھری کو فائدہ دیتا ہے اور جو شخص بچھونے پر پیشاب کر دیتا ہے اس کے لئے مفید ہے سب سے بہتر تریاق وہ ہے جو افعی کے گوشت سے بنتا ہے۔ جذامی جب افعی کا گوشت کھاتا ہے تو اس کو فائدہ ہوتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ کرم سرخ جو زمین کے اندر پائی جاتی ہیں خارش کے لئے مفید ہیں۔

زندیق:۔ ہاں یہ تو میں جانتا ہوں۔

امامؑ:۔ مچھر طائروں کا رزق ہے اور تیز سرکشوں کو مجبور کرنے کیا ذریعہ۔ ایک جبار تھا جس کو خدا نے مچھر کے ذریعہ ذلیل کیا۔ وہ خداوند تعالیٰ کی ربوبیت سے انکار کر رہا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس پر مچھر کو مسلط کیا جو خداوند تعالیٰ کی سب سے کمزور مخلوق ہے مچھر اس کی ناک میں گھس کر دماغ میں چلا گیا۔ جس سے وہ سرکش ہلاک ہو گیا اگر ہم ہر ایک مخلوق کی نسبت واقف ہو جائیں کہ خدا نے اس کو کس لئے پیدا کیا ہے تو پھر ہم علم میں خدا کے مساوی ہو جائیں۔ اور ہم کو وہ سب علم ہو جاتے جو اس کو ہے پھر ہم اس سے مستغنی ہو جائیں اور ہم اور وہ علم میں برابر ہو جائیں۔

زندیق:۔ خدا کی خلق و تدبیر میں کیا کچھ عیب ہے۔

امامؑ:۔ نہیں۔

زندیق:۔ خدا نے مرد کو غیر ختنہ شدہ پیدا کیا یہ حکمت ہے یا عبث ہے۔

امام:۔ حکمت ہے۔

زندیق:۔ تم خلق خدا کو متغیر کر دیتے ہو اور بچہ کا ختنہ کرتے ہو تم غیر ختنہ شدہ کو برا سمجھتے ہو۔ حالانکہ خدا نے غیر ختنہ شدہ پیدا کیا ہے۔ ختنہ کو تم اچھا کہتے ہو۔ گویا اپنے فعل کو اچھا کہتے ہو اور خدا کے فعل کو برا سمجھتے ہو۔

امام:۔ یہ سب کچھ تو خدا کی طرف سے حکمت و صواب ہے لیکن خدا ہی نے ختنوں کی سنت کا حکم دیا ہے اور اپنی خلق پہ واجب کیا ہے کیونکہ جب بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر نکلتا ہے تو اس کی (نال) ناف اس کی ماں کی ناف سے ملی ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا اور اس سے والدہ و مولود میں جدائی ہوگئی۔ اسی طرح انسان کے ناخنوں کے لئے حکم دیا کہ جب بڑھ جائیں تو ان کو کاٹ ڈالو۔ حالانکہ وہ قادر تو پیدائش کے وقت ایسی تدبیر کرتا کہ ناخن نہ بڑھتے۔ اسی طرح مونچھ و سر کے بال کاٹے جاتے ہیں۔ دیکھو خدا نے بیل کو نر پیدا کیا۔ لیکن اس کو خصی کر لیتے ہیں۔ ان امور میں خداوند تعالیٰ کی تقدیر و اندازہ پر کوئی عیب نہیں آتا۔

زندیق:۔ کیا آپ نہیں کہتے کہ خداوند تعالیٰ کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں جواب دونگا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے مضطر و بے قرار لوگ خدا کو پکارتے ہیں اور جواب نہیں آتا۔ اور اس کے مطیع لوگ خدا سے مدد و نصرت چاہتے ہیں اور خدا ان کی نصرت نہیں کرتا۔

امام:۔ جو اس کو پکارتا ہے خدا جواب دیتا ہے (اجابت دعا کرتا ہے) لیکن ہاں ظالم کی دعا رد کر دی جاتی ہے۔ جب تک وہ توبہ نہ کرے اور وہ لوگ جو اس کے مطیع ہیں اور حق پر ہیں جب وہ دعا کرتے ہیں تو ان کی دعا قبول ہوتی ہے اور بلا ان سے اس طرح دور ہو جاتی ہے کہ انہیں اس کے دور ہونے کا علم نہیں ہوتا یا اس دن کے لئے اس کے واسطے ثواب کا ذخیرہ ہو جاتا ہے کہ جس دن اس کو اس کی حاجت ہوگی۔ اور اگر وہ امر جس کی دعا اس کا بندہ کرتا ہے اس بندہ کے لئے مفید نہ ہو تو وہ روک لیا جاتا ہے اور مومن عارف باللہ پر یہ شاق گزرتا ہے کہ وہ خدا سے ایسے امر کی دعا کرے جس کی نسبت وہ نہیں جانتا کہ یہ اس کے لئے نیک ہے یا بد ہے یا انسان ایسے برے شخص کے ہلاک کی خواہش کرتا ہے جس کا زمانہ حیات ختم نہیں ہوا یا ایسے وقت بارش کی خواہش کرتا ہے جب بارش مضر ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ ہی اپنے خلق کے تدبیر و انتظام کو بہتر جانتا ہے۔

زندیق:۔ اے عقلمند حکیم۔ یہ فرمائیے کہ آسمان کی طرف سے کوئی شخص نیچے زمین پر نہیں آتا اور زمین سے کوئی آدمی آسمان پر نہیں ہے اگر ایسا ہوتا کہ ہر ایک زمانہ میں ایک دفعہ کوئی آدمی زمین سے آسمان پر چلا جاتا اور کوئی آسمان سے زمین پر آ جاتا تو اس سے خداوند تعالیٰ کی ربوبیت کا ثبوت ملتا، شک زائل ہو جاتا۔ یقین قوی ہو جاتا اور بندوں کو معلوم ہو جاتا کہ آسمان پر کوئی مدبر و منتظم ہے۔ جس کی طرف سے اوپر سے کوئی نیچے زمین پر آتا رہتا ہے اور زمین سے آسمان پر چڑھتا رہتا ہے۔

امام:- زمین پر جو تدبیر و نظام تو دیکھتا ہے وہ ہی ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ سورج طلوع ہوتا ہے اور دن کو روشن کرتا ہے اور اس میں دنیا کا قیام ہے اور اگر وہ روک لیا جاتا اور طلوع نہ ہوتا تو وہ سب جو دنیا پر ہیں حیران ہو جاتے اور ہلاک ہو جاتے، ان ہی نشانیوں میں سے ایک قمر ہے۔ وہ طلوع ہوتا ہے اور وہ رات کا نور ہے اور اس سے سالوں اور مہینوں اور دنوں کا حساب ہوتا ہے اور اگر وہ طلوع نہ ہوتا تو سب زمین والے حیران و ہلاک ہو جاتے اور نظام بگڑ جاتا۔ اور آسمان کے ستاروں سے خشکی و تری میں چلنے والوں کو ہدایت ہوتی ہے اور آسمان سے بارش ہوتی ہے جس میں ہر ذی حیات، نباتات اور زراعت کی زندگی ہے اور اگر بارش نہ ہوتی تو کوئی زندہ نہیں رہتا اور اگر ہوا کچھ دنوں کے لئے روک لی جائے تو تمام اشیاء فاسد و متغیر ہو جائیں۔ پھر بادل بجلی کی کڑک، بجلی کی چمک اور بجلی کی لپک سب اس امر کی دلیل ہیں کہ کوئی مدبر کرنیوالا ہے جو ان تمام اشیاء کا انتظام کرتا ہے اور اس سے ہی یہ سب نازل ہوتی ہیں۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا اور بخوبی کیا، عیسیٰ بن مریم کو خدا نے اوپر اٹھالیا، اور ملائکہ اس کے پاس سے نازل ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ تو اس کا یقین نہ کرے۔ جس کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا اور اگر تو سمجھے اور غور کرے تو وہ ہی تیرے لئے کافی ہے جو تو دیکھتا ہے۔

زندیق:- کیا اچھا ہوتا اگر ایک صد سال میں ایک ہی شخص کو خداوند تعالیٰ ہمارے مردہ لوگوں میں سے ہمارے پاس واپس کر دیتا تاکہ ہم اس سے پوچھ لیتے کہ جو ہم میں سے مر گئے ہیں ان کا کیا ہوا۔ ان کا حال کیا ہے اور موت کے بعد انہیں کیا پیش آیا۔ اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تاکہ لوگ یقین کے ساتھ عمل کرتے، شک زائل ہو جاتا اور دلوں سے کینے نکل جاتے۔

امام:- یہ ان لوگوں کا قول ہے جو رسولوں کا انکار کرتے ہیں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور جو آیات خدا کی طرف سے وہ لائے ہیں ان کی تصدیق نہیں کرتے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے نبی کی زبان سے ان لوگوں کے حال سے خبر دی ہے جو ہم میں سے مر چکے ہیں کیا کوئی شخص خدا اور رسول سے زیادہ اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے اور جو مر چکے ہیں ان میں سے بھی کئی آدمیوں نے اس دنیا کی زندگی کی طرف رجعت کی ہے ان میں سے اصحاب کہف ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے انہیں ۳۰۹ سال تک مرا ہوا رکھا اور پھر ان لوگوں کے زمانہ میں ان کو زندہ کیا جو مردوں کے زندہ کئے جانے کے قائل نہ تھے تاکہ ان کی حجت منقطع ہو اور ان کو اپنی قدرت دکھائے اور وہ معلوم کرلیں کہ مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ارمیا نبی کو مار ڈالا جنہوں نے بیت المقدس کو بخت نصر کی لڑائیوں سے برباد ہوا دیکھا تھا اور کہا تھا اور کہ خدا اس کو اس موت کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ خداوند تعالیٰ نے ان کو یک صد برس مردہ رکھا اور پھر ان کو زندہ کیا اور انہوں نے اپنے اعضا کی طرف دیکھا کہ کس طرح ان پر گوشت آگیا۔ اپنے جوڑوں اور رگوں کی طرف

دیکھا کہ کس طرح مل گئے پھر وہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں جان گیا کہ خداوند تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور خداوند تعالیٰ نے اس قوم کو زندہ کیا جو طاعون کے خوف سے اپنے وطنوں سے بھاگ گئے تھے اور ان کے تعداد و شمار نہیں ہو سکتی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے انہیں ایک زمانہ طویل تک مردہ رکھا یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں گل سڑ گئیں، ان کے جوڑ منقطع ہو گئے اور وہ مٹی بن گئے۔ پھر خدا نے ان کو اس وقت زندہ کیا کہ جب اس نے چاہا کہ نبی خرقیل کو اپنی قدرت دکھائے۔ پس خرقیل نبی نے ان لوگوں کو پکارا اس وقت ان کے بدن جمع ہو گئے اور بدنوں میں روح آ گئی اور وہ کھڑے ہو گئے اس طرح کہ جیسے وہ اس دن تھے جس دن وہ مرے تھے۔ ان میں کا ایک آدمی بھی نہ تھا اس کے بعد وہ ایک طویل عرصہ تک زندہ رہے۔ اور خدا نے ایک جماعت کو مار ڈالا جب وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ نکلتے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو دکھا دو۔ پس خدا نے انہیں مارا اور پھر زندہ کر دیا۔

زندیق:- اچھا آپ اس جماعت کا حال مجھے بتائیں جو کہتے ہیں کہ ارواح کا تناسخ ہوتا ہے وہ یہ کیوں کہتے ہیں اور اپنے اس مذہب پر کس حجت سے قائم ہیں۔

امامؑ:- اصحاب تناسخ نے دین کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا اور گمراہی کو اپنے نفس کے لئے زینت دیدی اپنے نفسوں کی شہوات میں ڈبو دیا۔ ان کا خیال ہے کہ آسمان خالی ہے اس میں کوئی ایسی شے نہیں ہے۔ جس کی تعریف ہو سکے اور یہ کہ اس دنیا کا تدبیر کرنے والا مخلوق کی شکل کا ہے ان کی حجت ان لوگوں کی روایت ہے جو کہتے ہیں کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا۔ نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے اور نہ حشر ہے اور نہ نشر ہے ان کے نزدیک روح کا بدن سے نکلکر دوسرے جسم میں جانا ہی قیامت ہے۔ اگر اس نے اپنے پہلے قالب میں نیک کام کئے تھے تو اس سے بہتر قالب میں داخل ہو گی اور دینا میں اعلیٰ درجہ ملے گا۔ اور اگر پہلے قالب میں برے کام کئے تھے یا بے معرفت تھا تو پھر یہ روح چوپائیوں میں یا ایسے حشرات الارض میں جو بد خلقت ہیں چلی جائے گی اور دنیا میں بری حالت میں رہے گی۔ ان کے اوپر نہ روزہ ہے نہ نماز ہے اور نہ کوئی اور عبادت ہے صرف اس کا جاننا واجب ہے۔ جس کا جاننا ان کے لئے ضروری ہے۔ اور دنیا کی خواہشات میں سے ہر ایک ان کے لئے جائز ہے مثلاً عورات، اور نیز بہنوں، بیٹیوں، خالاؤں اور خاوند والیوں سے بھی مباشرت جائز تھی۔ اسی طرح ان کے یہاں مردار، شراب و خون سب جائز ہے ان کی باتوں کو سب فرقے برا سمجھتے ہیں اور تمام امتیں ان پر لعنت کرتی ہیں اور جب ان سے حجت پوچھی جاتی ہے تو وہ حیران ہو جاتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں توراۃ ان کے اقوال کو جھٹلاتی ہے اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے ان سب باتوں کے ساتھ ان کا یہ خیال ہے کہ ان کا خدا ایک قالب سے دوسرے قالب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور ارواح قدیم ہیں اور وہی روح آدم میں تھی اور آج تک ایک جسم سے دوسرے جسم میں داخل ہو رہی ہے۔ پس

جب خالق اپنی مخلوق کی صورت میں ہے تو پھر کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کا خالق وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ملائکہ آدم کی اولاد ہیں۔ جو اپنے دین کے اعلیٰ درجہ میں آ جاتا ہے وہ امتحان کی منزل سے گزر کر فرشتہ بن جاتا ہے چند امور میں وہ نصاریٰ سے مشابہ ہیں اور چند امور میں دہریوں سے مشابہ ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اشیاء میں حقیقت نہیں ہے۔ پس ان لوگوں کو چاہیے کہ گوشت کی کوئی شے نہ کھائیں کیونکہ ان کے نزدیک سب چوپائے آدم کی اولاد ہیں جو اپنی صورتوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اقربا کا گوشت کھانا تو حلال نہیں ہے۔

زندیق:- ایک فرقہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور مادہ موذیہ بھی اس کے ہمراہ ہمیشہ سے ہے۔ خدا میں اتنی قدرت نہیں کہ اس مادہ موذیہ سے رہائی حاصل کر سکے لہٰذا خدا اوس کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے اس مادہ (طینت) سے خدا نے تمام عالم بنایا۔

امامؑ:- سبحان اللہ۔ وہ خدا جو موصوف بقدرت ہے وہ کیونکر عاجز ہو گیا کہ مادہ سے رہائی نہیں پا سکتا۔ اگر مادہ (طینت) بھی زندہ اور ازلی ہوتا تو پھر دو دو قدماء ہوتے جو مل جاتے اور تدبیر عالم کرتے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو موت وفنا کہاں سے آئی۔ اگر طینت مردہ ہے تو مردہ کے لئے ازلی کے ہمراہ بقا نہیں اور مردہ سے زندہ نہیں نکل سکتے اور یہ اعتقاد دیصانیہ کا ہے جو بدترین زنادقہ ہیں۔ انہوں نے اپنے سابقین کے مصفات میں نظر کی۔ ان کو بے معنی و بے حجت الفاظ میں نقل کیا۔ جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں خدا اور رسول کے برخلاف اور ان کی تکذیب کے لئے بنائی گئی ہیں اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ابدان ظلمت ہیں۔ ارواح نور ہیں، نور سے شر نہیں ہوتی اور ظلمت نیکی نہیں کر سکتی پس جائز نہیں ہے کہ کسی کو اسکی معصیت و فاحشہ پر ملامت کریں۔ ظلمت کے لئے یہ برائی نہیں ہے کیونکہ یہ اسکا فعل ہے اور نہ اس کے لئے جائز ہے کہ خدا کو پکارے اور اس کی طرف عاجزی کرے کیونکہ نور رب ہے اور رب اپنے ہی ناس سے عاجزی و تضرع نہیں کرتا اور نہ دوسرے سے عبادت چاہتا ہے اور اس فرقہ کے کسی فرد کے لئے حق نہیں کہ وہ کسی کو کہے کہ تو نے نیکی کی یا تو نے برائی کی۔ کیونکہ برائی تو ظلمت کا فعل ہے اور یہ اس کا فعل ہے اور یہ اس کا فعل ہے یعنی ظلمت کا۔ اسی طرح نیکی فعل ہے نور کا اور نور اپنے نفس کیلئے نہیں کہہ سکتا کہ اے محسن تو نے نیکی کی ہے اور یہاں کوئی اتیسر شخص نہیں ہے اور ان کے عقیدہ کے بموجب ظلمت اپنے فعل میں مختار ہے اور اپنی تدبیر میں محکم۔ اور نور کی نسبت طاقتور رکن ہے کیونکہ ابدان محکم ار مضبوط ہیں۔ پس جس نے ان کو بنایا ایک ہی اصول پر اگرچہ مختلف شکلوں میں تو ضرور ہے کہ وہ خدا ہو۔ ہر ایک چیز جو دیکھی جاتی ہے مثلاً درخت، پھل، پرندے چرندے وغیرہ۔ واجب ہے کہ وہ بھی خدا ہو جائیں۔ کیونکہ ان میں نور محبوس ہے اور وہ یہ جو دعوے کرتے ہیں کہ انجام کار نور ہی کا غلبہ ہوگا تو یہ صرف دعویٰ ہی ہے ان کے

قول کے مطابق نور کے لئے کوئی فعل نہیں ہے۔ یعنی نور کوئی فعل نہیں کر سکتا، وہ تو مقید ہے اور اس کی حکومت نہیں۔ پس نور نہ تو کوئی فعل کر سکتا ہے اور نہ تدبیر کر سکتا ہے اور اگر نور کو ظلمت کے ساتھ تدبیر کی قوت بھی ہوتی تو پھر اس کو مقید نہ کہتے۔ بلکہ وہ تو مختار طاقتور رہتا۔ پس اگر وہ خود مختار طاقت رکھنے والا نہیں ہے بلکہ ظلمت کا مقید ہے تو پھر اس عالم میں نیکی و خیر، فساد و شر کے ساتھ ملے ہوئی ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ظلمت نیکی کی بھی موجب ہے جیسا کہ وہ شر کو پیدا کرتی ہے۔ گویا ظلمت خیر و شر دونوں کی خالق ہوئی۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ محال ہے تو پھر نہ نور ثابت ہے اور نہ ظلمت۔ اور دونوں کا دعویٰ باطل ہوا۔ اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ واحد ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ باطل ہے، یہ مانی زندیق اور اسکے اصحاب کا عقیدہ ہے اور وہ جو کہتے ہیں کہ نور و ظلمت کے درمیان ایک تیسرا حاکم و ثالث ہے تو پھر ظاہر ہے کہ وہ تیسرا ان دونوں سے بڑا ہوا۔ کیونکہ حاکم کی طرف تو مغلوب، جاہل، مظلوم ہی رجوع کرتے ہیں یہ عقیدہ منویہ کا ہے اور ان کی حکایت طویل ہے۔

زندیق:۔ مانی کا کیا قصہ ہے۔

امامؑ:۔ مانی نے مجوسیوں کے اصول لئے اور چند امور میں نصرانیت سے موافقت کی لہٰذا دونوں مذہبوں میں غلطی کی۔ اور ایک مذہب واحد وہ نہ بنا سکا۔ اس کا اعتقاد ہے کہ عالم کو دو خداؤں نے پیدا کیا ہے۔ نور و ظلمت نے۔ اور نور و ظلمت کی بندش میں قید ہے۔ جیسا ہم نے ابھی بیان کیا۔ نصاریٰ نے اس کی تکذیب کی اور مجوس نے اس کو قبول کیا۔

زندیق:۔ مجوس کون ہیں ان کے مذہب سے مطلع فرمایئے۔ کیا خدا نے ان کی طرف کوئی پیغمبر بھیجا تھا۔ کیونکہ میں ان کے پاس کتب محکم مواعظ بلیغہ اور نظائر شافیہ پاتا ہوں وہ ثواب و عذاب کے قائل ہیں ان کی شریعت بھی ہے جسکے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔

امامؑ:۔ کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ ان کے پاس ایک نبی کتاب کے ساتھ مبعوث ہوا۔ لیکن لوگوں نے اس کو اور اس کی کتاب کو جھٹلایا۔

زندیق:۔ وہ کونسا نبی تھا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ وہ خالد بن سنان تھا۔

امامؑ:۔ خالد تو عرب بدوی تھا۔ نبی نہ تھا۔ یہ تو فقط لوگوں کا گمان ہی گمان ہے۔

زندیق:۔ کیا وہ زرتشت تھا۔

امامؑ:۔ زرتشت ان کے پاس ایک زمزمہ (قول و راگ) لیکر آیا اور نبوت کا دعویٰ کیا۔ کچھ لوگ اس پر ایمان لائے۔ کچھ لوگ منکر رہے۔ پس لوگوں نے اس کو شہر بدر کر دیا اور اس کو درندوں نے کھا لیا۔

زندیق:۔ مجوس کے متعلق کچھ فرمایئے۔ کیا اپنے دین میں وہ صواب کے نزدیک تھے یا عرب

امامؑ:۔ عرب جاہلیت میں دین حنفی کے نزدیک تر تھے بہ نسبت مجوس کے کیونکہ مجوس تو تمام انبیاء کے منکر تھے۔ ان

کتابوں کی اور براہین کی تکذیب کرتے تھے اور انبیاءؑ کی سنت میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ زمانہ اول میں کہ خسرو بادشاہ مجوس نے تین صد انبیاء کو قتل کیا تھا۔ مجوس جنابت کے بعد غسل نہیں کرتے تھے۔ لیکن عرب جاہلیت غسل کرتے تھے اور غسل خالص شرائع حنفیہ سے ہے۔ مجوس ختنہ نہیں کرتے تھے ختنہ سنت انبیاء سے ہے سب سے پہلے حضرت ابراہم نے ختنہ کیا۔ مجوس اپنے مردوں و غسل بھی نہیں دیتے تھے اور نہ کفناتے تھے اور عرب یہ سب کچھ کرتے تھے مجوس اپنے مردوں کو صحرا اور پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن عرب اپنے مردوں کو قبروں میں دفن کرتے تھے اور یہ ہی سنت انبیاء تھی۔ سب سے پہلے جن کے لئے قبر کھودی گئی وہ حضرت آدمؑ تھے۔ مجوس اپنے ماؤں نے زنا کرتے تھے اپنی بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتے تھے۔ اور عرب ان امور کو حرام سمجھتے تھے مجوس بیت اللہ کے منکر تھے اور اس کو بیت الشیطان کہتے تھے۔ عرب حج کرتے تھے اور اس کی عظمت کرتے تھے اور اپنے خدا کا گھر کہتے تھے۔ توریت و انجیل کو مانتے تھے۔ اہل کتاب سے ان کی بابت سوال کرتے تھے اور عمل کرتے تھے تمام امور میں عرب جاہلیت دین حنیف کے بہ نسبت مجوس کے نزدیک تر تھے۔

زندیق:- بہنوں سے نکاح کرنے میں مجوس کی یہ حجت تھی کہ یہ آدم سے سنت چلی آتی ہے۔

امامؑ:- بیٹیوں اور ماؤں سے نکاح کرنے میں ان کی کیا حجت تھی حالانکہ اس کو آدمؑ، نوح ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور تمام انبیاء نے حرام کیا تھا۔ خداوند تعالیٰ کی ہر ایک کتاب میں بھی یہ حرام قرار دیا گیا تھا۔

زندیق:- خداوندن تعالیٰ نے شراب کو کیوں حرام کیا۔ حالانکہ اس سے زیادہ کسی اور شئے میں لذت نہیں۔

امامؑ:- خداوند تعالیٰ نے شراب کو اس وجہ سے حرام کیا کہ یہ تمام خبائث و برائیوں کی جڑ ہے۔ جب یہ شراب پینے والے پر اثر کرتی ہے تو اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے وہ اپنے خدا کو بھول جاتا ہے اور کوئی گناہ نہیں چھوڑتا جس کا وہ ارتکاب نہ کرے اور کوئی حرمت ایسی باقی نہیں رہتی جس کی وہ ہتک نہ کرے۔ ہر ایک صلہ رحم کو قطع کر دیتا ہے۔ ہر ایک فاحشہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس مدہوش کی ایک لگام ہوتی ہے جو شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ شیطان اگر اسے حکم دیتا ہے کہ اصنام کو سجدہ کرے تو وہ سجدہ کرتا ہے اور وہیں جاتا ہے جہاں شیطان اس کو لے جاتا ہے۔

زندیق:- خدا نے خون جمندہ کو حرام کیا۔

امامؑ:- کیونکہ وہ قساوت پیدا کرتا ہے اور دل سے رحم نکالتا ہے۔ بدن میں عفونت پیدا کرتا ہے۔ رنگ کو متغیر کر دیتا ہے اور انسان کو اکثر جذام خون کے پینے سے ہوتا ہے۔

زندیق:- غدود کا کھانا کیوں ممنوع قرار دیا گیا۔

امامؑ:- اس لئے کہ وہ جذام پیدا کرتا ہے۔

زندیق:- مردہ کا کھانا کیوں حرام کیا۔

امام:- تا کہ اس میں اور اس میں فرق ہو جاوے جس پر خدا کا نام لیا گیا ہے اور مردہ میں تو خون جم جاتا ہے اور گوشت کی طرف چلا جاتا ہے یعنی گوشت میں داخل ہو جاتا ہے پس گوشت ثقیل اور ناگوار ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں خون بھی داخل ہو جاتا ہے۔

زندیق:- مچھلی بھی تو مردہ ہوتی ہے۔

امام:- پانی سے زندہ نکلنا ہی اس کا ذبح ہونا ہے پھر اس ذبح ہونے کے بعد ہو چھوڑ دی جاتی ہے اور پھر خود بخود مر جاتی ہے یہ اس کی وجہ سے ہے کہ اس مین خون نہیں ہوتا یہی حالت ٹڈی کی ہے۔

زندیق:- خدا نے زنا کو کیوں حرام کیا؟

امام:- اس لئے کہ اس سے فساد ہوتا ہے، مواریث جاتے رہتے ہیں، انساب منقطع ہو جاتے ہیں۔ عورت نہیں جانتی کہ کس کا حمل ہے اور مولود نہیں جانتا کہ اس کا باپ کون ہے۔ اس طرح نہ صلہ رحم ہو، نہ قرابت ہو۔

زندیق:- خدا نے اغلام کو کیوں حرام کیا؟

امام:- اس وجہ سے کہ اگر لڑکیوں سے مقاربت جائز کر دی جاتی تو لوگ عورتوں کے پاس نہ جاتے اور وہ بیکار ہو جاتیں قطع نسل بھی اس کا نتیجہ ہوتا اور اس کی اجازت دینے میں فساد بہت ہوتا۔

زندیق:- جانوروں سے مباشرت کرنا کیوں حرام ہوا؟

امام:- یہ یہ مکروہ سمجھا گیا ہے کہ انسان اپنی منی ضائع کرے اور بچہ اگر پیدا ہو تو دوسری شکل کا ہو۔ اگر یہ جائز کر دیا جاتا تو انسان مادہ چوپایوں کی پیٹھ پر سوار ہوتا اور فروج پر یہ فعل کرتا۔ اس سے بہت زیادہ فساد ہوتا۔ پس ان کی پیٹھ کو مباح قرار دیا اور ان کے فروج کو حرام کیا اور خدا نے مردوں کے لئے عورتوں کو پیدا کیا۔ تا کہ ان سے موانست کریں اور ان کی طرف تسکین حاصل کریں۔ اور وہ ان کی شہوت کے مقام اور ان کی اولاد کی مائیں ہوں۔

زندیق:- جنابت کے غسل کی کیا علت ہے؟ اگر چہ وہ حلال سے ہو۔ حالانکہ حلال میں کوئی نجاست نہیں ہے

امام:- جنابت بمنزلہ حیض کے ہے کیونکہ نطفہ بھی خون ہی ہے اگر چہ اس شکل پر نہیں ہے اور جماع شدید حرکت اور شہوت تیز کے ساتھ ہوتا ہے اور جب انسان فارغ ہوتا ہے تو سانس تیزی سے آتی ہے اور انسان اپنے بدن میں ایک خراب بد بو محسوس کرتا ہے اور اس وجہ سے غسل واجب ہوا۔ ان سب باتوں کے علاوہ غسل جنابت ایک امانت ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے پاس سپرد کیا ہے تا کہ اس سے اس کا امتحان لے۔

زندیق:- اے حکیم دانا! آپ ان لوگوں کے عقیدے کے متعلق کیا کہتے ہیں جن کا خیال ہے کہ یہ سب نظام عالم سات سیاروں کی تدبیر ہے۔

امام:- ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے یہ عالم اکبر ہے وہ عالم جس میں سیارہ ہیں وہ عالم اصغر ہے۔ وہ

سیارے پھرتے ہیں۔جس طرح عالم پھرتا ہے وہ تابع ہیں اور اپنے راستے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے ان کے لئے گردش مقرر کر دی گئی ہے اور وہ ٹھہرتے نہیں ہیں یہ تمام ستارے وہ سیارے وہ اپنے عمل میں معمور ہیں ایسے ہیں جیسا غلام ہوتا ہے اور اگر قدیم ازلی ہوتے تو ان میں تغیر نہیں ہوتا۔

زندیق:-ان کے حالات سے مطلع فرمائیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ طبیعت اور فطرت (نیچر) ہی سب کچھ کر لیتی ہے۔

امام:-یہ قدریہ ہیں ایسے لوگوں کے اعتقاد کی نسبت کیا کہا جائے ان کا اختیار نہ بقا پر ہے نہ حوادث پر ہے، جو ان کو رات دن ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر کرتے رہتے ہیں۔بڑھاپے کو یہ دفع نہیں کر سکتے۔ اجل کو یہ نہیں روک سکتے۔

زندیق:-ان کو لوگوں کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں کہ جن کا اعتقاد ہے کہ دنیا اسی طرح نسل بہ نسل چلی آرہی ہے اور چلی جائے گی۔لوگ پیدا ہوتے رہیں گے زمانے اور آئیں گے اور گذر جائیں گے۔امراض وعوارض لاحق ہوتے رہیں آفات آتی رہیں گی آخر اپنے اول کا پتہ دیتی ہے۔خلف اپنے سلف کو بتاتے ہیں زمانہ اپنے گذرے ہوئے زمانے کا پتہ دیتا ہے انہوں نے دنیا کو اسی حال پر پایا، درختوں نباتات کی طرح ہر ایک زمانے میں انسانوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔جو لوگوں کے فوائد ونقصان سے واقف ہوتے ہیں۔کتابیں اپنے ذہن وعقل سے لکھتے ہیں۔ان کی عقل وحکمت ان کے اور عام لوگوں کے درمیان ایک پردہ ہوتی ہے۔اور وہ عقل وحکمت ہی ان کو نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور اس پر آمادہ کرتی ہے۔ برائی وفساد سے روکتی ہے اور وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کرتے۔

امام:-وائے ہو تجھ پر۔یہ تو نے کیا کہا جو کل گذشتہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا اور کل آئندہ میں مر جائے گا۔اس کو علم نہیں ہے کہ اسکے پہلے کیا ہوا؟ اور اس کے بعد کیا ہوگا؟ تین باتوں میں سے ایک ہی ہو سکتی ہے یا تو انسان نے اپنے تئیں پیدا کر لیا یا کسی اور نے پیدا کر لیا یا وہ ہمیشہ سے ہے یعنی قدیم ہے جو کہ پہلے نہ تھا وہ خود اپنے تئیں پیدا نہیں کر سکتا۔اسی طرح جو پہلے نہ تھا اور اب ہو گیا ہے وہ نہیں جانتا کہ ابتدا کیا تھی اور اگر انسان ازلی وقدیم ہوتا تو اس میں تغیر نہ ہوتا کیونکہ جو ازلی ہوتا ہے اس کو زمانہ بدل نہیں سکتا۔اور نہ اس کے اوپر فنا آسکتی ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ ہم کوئی ایسی بنا نہیں پاتے جس کا کوئی بانی نہ ہو اور نہ ایسا اثر ہے جس کا کوئی موثر نہ ہو انہ کوئی ترکیب نظر آتی ہے جس کا کوئی ترکیب دینے والا نہ ہوا۔جس نے یہ خیال کیا کہ اس کو اس کے باپ نے پیدا کیا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ اس کے باپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور اگر اس کے باپ نے پیدا کیا ہے تو اس نے اس کی اپنی خواہش کے مطابق بنایا ہوگا اور اس کی شکل وصورت بھی عمدہ ہونا چاہئے اور اس کی زندگی پر قدرت ہونی چاہئے اور پھر جس طرح چاہے وہ اس کو آئندہ بھی اپنے حکم ومرضی کے مطابق رکھ سکتا ہے۔لیکن حالات یہ ہیں کہ وہ اگر مریض ہو جائے تو اس کا باپ اس کو

تندرست نہیں کر سکتا۔ اور اگر مرجائے تو پھر دوبارہ اس کو اس کا باپ زندہ نہیں کر سکتا اور امر واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو پیدا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس میں روح پھونک سکتا ہے یہاں تک کہ وہ چلنے لگے اور ارادہ رکھے تو اس میں اس سے فساد کو دور رکھنے کی بھی قدرت ہونی چاہیے۔

زندیق:- علم نجوم کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

امامؑ:- علم نجوم ایسا علم ہے کہ اس کے منافع کم ہیں اور نقصانات بہت زیادہ ہیں وہ مقدر کی ہوئی بات کو رد نہیں کر سکتا جن کو وہ ڈراتے ہیں ان کے محفوظ کرنے کی قدرت ان میں نہیں ہوتی۔ منجم اگر کوئی آنے والی بلا کی خبر دیگا تو وہ اس بلا سے یعنی قضا سے نجات نہیں دلا سکتا اور اگر کچھ اچھی بات کی خبر دیگا تو وہ اس کے وقت سے پہلے اس کو واقع نہیں کرا سکتا۔ اگر برائی کی پیشین گوئی کرے گا تو اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اس برائی کو دور کر دے منجم خدا کے علم میں اس کا مدمقابل بننا چاہتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مخلوقات خدا سے قضا و قدر الٰہی کو دفع کر دے گا۔

زندیق:- رسولؐ افضل ہے کہ فرشتۂ مرسل

امامؑ:- رسولؐ افضل ہیں۔

زندیق:- ملائکہ موکلین کی کیا ضرورت ہے جو بندے کی نیکیاں اور معصیت لکھتے رہتے ہیں؟ حالانکہ خدا عالم سر و جلی ہے۔

امامؑ:- خداوند تعالیٰ ملائکہ کو اس کام پر لگایا ہے اور ان کو اپنی مخلوق پر گواہ مقرر کیا ہے تاکہ بندگان خدا یہ معلوم کر کے کہ ہمارے اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ طاعت خدا پر زیادہ آمادہ ہوں اور معصیت سے دور رہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو معصیت کا ارادہ کرتے ہیں پھر انہیں فوراً یاد آجاتا ہے کہ فرشتے ہمارے ساتھ ہیں لہذا وہ یہ کہکر معصیت سے باز رہتے ہیں کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ خدا کے فرشتے ہمارے عمال کے گواہ اور وہ معصیت کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں۔ یہ بھی اس کی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی رحمت و فضل کی وجہ سے ان فرشتگان کو مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ سرکش شیاطین کو ان سے دور رکھے جن پر وہ موکل ہیں۔ اور حشرات الارض اور آفات کثیر کو ان سے دور کرتے ہیں اور اس طرح رہیں کہ دیکھے نہ جائے یہاں تک کی امر خدا آجائے۔ (موت)۔

زندیق:- خداوند تعالیٰ نے بندوں کو رحمت کے لئے پیدا کیا ہے یا عذاب کے لئے؟

امامؑ:- رحمت کے لئے پیدا کیا ہے اور ان کے لئے پیدا کرنے سے پہلے اس کے علم میں تھا کہ ان میں سے ایک جماعت اپنے برے اعمال اور انکار حق کی وجہ عذاب کے مستوجب ہوں گے۔

زندیق:- منکر اور کافر تو عذاب کا مستوجب ہوا کیونکہ اس نے انکار کیا تھا۔ اس پر کیوں عذاب کیا جائے گا جو اس کو واحد سمجھتا ہے اور اس کی معرفت حاصل ہے۔

امام:۔ منکر امام علیہ السلام تو عذاب ابدی میں گرفتار ہوگا اور اس کا مقر یعنی واحد بجھنے والا عذاب عقوبت میں اس معصیت کی وجہ سے ڈالا جائے گا جو اس نے ترک فرض میں کی اور پھر عذاب سے نکالا جائے گا تیرا خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

زندیق:۔ کیا کفر ایمان کے درمیان کوئی درجہ ہے؟

امام:۔ نہیں

زندیق:۔ ایمان کیا ہے؟ کفر کیا ہے؟

امام:۔ ایمان یہ ہے کہ خدا کی اس عظمت کی جو اس کی آنکھوں سے اوجھل ہے ایسی ہی تصدیق کرے کہ جیسی وہ اس عظمت کرتا ہے جس کو وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور اس کی عظمت سے انکار کفر ہے۔

زندیق:۔ شرک کیا ہے؟ اور شک کیا ہے؟

امام:۔ شرک تو یہ ہے کہ خدائے واحد کے ساتھ جس کے مثل کوئی شئے نہیں کسی اور کو شریک کرے شک وہ جس پر اس کے دل کا اعتقاد نہیں ہے۔

زندیق:۔ کیا عالم جاہل ہو سکتا ہے؟

امام:۔ عالم اس کا چیز کا ہے جس کا اس کو علم ہے اور جاہل اس شئے کی نسبت سے جاہل کہلاتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔

زندیق:۔ سعادت کیا ہے؟ اور شقاوت کیا ہے؟

امام:۔ سعادت موجب خیر جس سے سعید تمسک کرتا ہے پس وہ اس کو نجات کی طرف لے جاتی ہے اور شقاوت موجب خذلان ہے جس سے شقی تمسک کرتا ہے اور وہ اس کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور ہر ایک کا علم خدا کو ہے۔

زندیق:۔ چراغ کی روشنی کہاں جاتی ہے جب چراغ بجھ جاتا ہے؟

امام:۔ روشنی ایسی جگہ جاتی ہے کہ پھر واپس نہیں آتی۔

زندیق:۔ یہی حالت انسان کی ہے جب وہ مرتا ہے تو اس کی روح بدن سے مفارقت کر جاتی اور پھر کبھی اسکے پاس واپس نہیں آتی جس طرح کہ چراغ کی روشنی جا کر پھر چراغ میں واپس نہیں آتی۔

امام:۔ تو نے اپنے قیاس میں غلطی کی نار تو اجسام کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ مضمر ہے اور اجسام اپنے ارکان قائم ہیں۔ مثلاً پتھر، لوہا، جب تم ایک کو دوسرے پر مارتے ہو تو ان دونوں کے درمیان سے آگ نکلتی ہے تو ان پر چراغ کو قیاس کرتا ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے نار تو پتھر اور لوہے کے اجسام میں ثابت ہے لیکن چراغ کی روشنی جانے والی ہے معدوم ہونے والی ہے۔ روح ایک باریک و نرم جسم ہے اور اس میں (انسانی بدن میں آکر) لباس کثیف اوڑھ لیا وہ چراغ کی طرح نہیں ہے جس کا تو نے ذکر کیا جنہیں ماں کے رحم میں صاف پانی سے بنایا ہے پھر اسمیں مختلف قسم کی چیزیں ملتی ہیں مثلاً عروق، اعصاب، دانت، بال، ہڈی وغیرہ

اس جس کو خدا بعد موت کے زندہ کرے اور بعد فنا کے واپس کرے گا۔

زندیق:۔روح کہاں رہتی ہے؟

امام:۔زمین کے اندر جہاں بدن رہتا ہے جب تک کہ مردے اٹھائے جائیں وہیں رہے گی۔

زندیق:۔جس کو پھانسی دی جاتی ہے اسکی روح کہاں رہتی ہے۔

امام:۔اس فرشتے کے ہاتھ میں کہ جس نے اس کو بدن سے قبض کیا تھا یہاں تک کہ وہ زمین میں سونپ دیتا ہے۔

زندیق:۔روح کی ماہیت سے مطلع فرمایئے کیا وہ خون سے علیحدہ ہے؟

امام:۔ہاں جس کا میں نے ذکر روح مادہ خون سے ہے خون ہی جسم میں رطوبت ہے رنگ میں صفائی ہے، آواز میں عمدگی اور چلنے کی طاقت کی ہے اور جب خون جم جاتا ہے تو روح بدن کو چھوڑ دیتی ہے۔

زندیق:۔ کیا روح کی ثقل و وزن و ہلکے پن سے ہو سکتی ہے؟

امام:۔روح بمنزل ہوا کے ہے جو مشک میں بھر دی جائے اگر وہ اس میں سے نکال دی جائے تو اس کا نکلنا مشک کے وزن میں کمی نہ کر دے گا اور اس کا مشک میں بھرنا مشک کے وزن کو زیادہ نہ کر دے گا۔ اسی طرح روح ہے کہ نہ اس کا وزن ہے نہ بوجھ۔

زندیق:۔ریح (ہوا) کا جوہر کیا ہے؟

امام:۔ریح ہوا ہے جب چلتی ہے تو ریح کہلاتی ہے جب ساکن ہوتی ہے تو ہوا کہلاتی ہے اس ہی سے دنیا کی زندگی ہے اگر تین دن ہوا بند ہو جائے تو روئے زمین کی تمام چیزوں میں فساد پھیل جائے۔ ریح بمنزلہ پنکھے کے ہے کہ ہر ایک شے سے فساد کو دفع کرتی ہے اور اس کو پاک کرتی ہے۔ وہ مثل روح کے ہے جب بدن سے روح خارج ہو جاتی ہے بدن سڑ جاتا اور متغیر ہو جاتا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

زندیق:۔ کیا جسم سے خارج ہونے کے بعد روح ہوا میں پھیل کر فنا ہو جاتی ہے یا باقی رہتی ہے۔

امام:۔روح باقی رہتی اس وقت تک کہ جب نفخ صور ہوگا۔ اس وقت تمام اشیاء باطل ہو جائیں گی۔ اور فنا ہو جائیں گی نہ حس باقی رہے گا نہ محسوس۔ اس کے بعد تمام اشیاء واپس کی جائیں گی اور ویسی ہو جائیں گی۔ جیسی کہ ان کے پیدا کرنے والے نے پہلے پیدا کیا تھا۔ اس سے پہلے نفخ صور اور عود کے درمیان چار صد برس کا عرصہ ہوگا۔ پھر دوسرا نفخ صور ہوگا۔

زندیق:۔اب یہ حشر کیونکر ہوگا۔ بدن گل سڑ کر ختم ہو چکے ہوں گے۔ اعضاء متفرق ہوں گے۔ ایک عضو تو ایک جگہ ہوگا جہاں درندوں نے کھا لیا ہوگا۔ دوسرا عضو گل سڑ کر کیڑوں نے کھا لیا ہوگا۔ کوئی عضو خاک میں مل کر مٹی بن چکا ہوگا اور اس مٹی سے دیوار بنی ہوگی۔

امام:۔وہ کہ جس نے غیر شے سے ان کو پیدا کیا اور شکل وصورت میں ترتیب دی جبکہ اس کے سامنے کسی صورت کی

مثال نہ تھی کیا ہو اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کو دوبارہ پیدا کر دے۔

زندیق:۔اس کو ذرا مفصل بیان فرمایئے

امامؑ:۔فرمایا کہ روح اپنے مقام پر مقیم ہے۔ نیکی کرنے والے کی روح روشنی ومیدان میں، بدی کرنے والے کی روح تنگی وظلمت میں۔ بدن ویسی ہی مٹی بن جائے گا جیسے پہلے خلق کیا تھا۔ درندے اور وحوش اپنے پیٹیوں سے اگل دیں گے جو انہوں نے کھایا تھا۔ یہ سب مٹی میں محفوظ ہے۔ اس کے نزدیک جس سے کوئی شئے غائب نہیں۔ ایک ذرہ گہری تاریکی میں بھی اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ اشیاء کا شمار و وزن جانتا ہے روحانی لوگوں کی خاک سونے کی طرح مٹی میں ہے۔ جب بعث ہوگا تو زمین پر نشور کی بارش ہوگی۔ پھر زمین ہلائی جائے گی اور اس کو طرح کیا جائے گا۔ جس طرح دودھ کو بلوتے ہیں۔ انسان کی مٹی ایسی ہو جائے گی جیسے سونا پانی سے دھویا ہوا۔ مٹی سے علیحدہ ہو جائے، دودھ کے جھاگ کی طرح جب اس کو بلویا جائے۔ تو پھر وہ مٹی جمع ہو کر قالبون میں ڈھل جائے گی اور قالب وہاں منتقل ہو جائیں گے۔ جہاں ارواح ہیں مصور اول (خدا) کے حکم سے اپنی سابقہ صورتوں کو ہو قالب اختیار کر لیں گے اور ارواح ان میں داخل ہو جائے گی۔ پس جب وہ انسان مکمل ہو جائے گا تو اپنے میں کوئی اجنبی بات نہ پائے گا۔

زندیق:۔ کیا انسان عریاں اپنے جسم میں محشور ہوں گے۔

امامؑ:۔ نہیں۔ اپنے کفنوں میں اٹھائے جائیں گے۔

زندیق:۔ کفن ان کے کہاں سے آئیں گے۔ وہ تو گل سڑ گئے ہوں گے۔

امامؑ:۔وہ ذات جس نے ان کے بدنوں کو زندہ کیا وہ ہی ان کے کفن کی تجدید کرے گی۔

زندیق:۔اور جو بغیر کفن کے مر گیا۔

امامؑ:۔خداوند تعالیٰ اس کی عورات کو چھپائے گا اس چیز سے جو اس کے پاس ہے۔

زندیق:۔ کیا وہ صفوف میں لائے جائیں گے۔

امامؑ:۔ہاں، اس دن ایک صد بیس ہزار صفیں ان کی ہوں گی زمین کی چوڑائی میں۔

زندیق:۔ کیا اعمال نہ تولے جائیں گے۔

امامؑ:۔ نہیں۔ اعمال کے جسم نہیں ہیں وہ تو ایک صفت ہے وزن وہ کرتا ہے جو اشیاء کی تعداد سے واقف نہیں ہوتا اور نہ اس کا بوجھ جانتا ہے اور نہ ہلکا پن، خداوند تعالیٰ سے تو کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے۔

زندیق:۔ پھر میزان کے معنی ہیں۔

امامؑ:۔میزان کے عدل کے ہیں۔

زندیق:۔ قرآن شریف میں میزان کے کیا معنی ہیں۔ فرماتا ہے۔ فمن ثقلت موازینہ

امام:- اس مطلب ہے کہ جس کا عمل بھاری ہوا۔

زندیق:- کیا آگ کافی نہیں ہے کہ بچھوؤں اور سانپوں سے بھی عذاب کیا جائے گا۔

امام:- ان چیزوں سے تو ان لوگوں کو عذاب کیا جائے گا جن کا اعتقاد ہے کہ ان چیزون کو خداوند تعالٰی کے شریک نے پیدا کیا ہے۔ یہ چیزین خدا کی پیدا کردہ نہیں ہیں۔ پس خداوند تعالٰی سانپوں اور بچھوؤں کو ان پر مسلط کر دے گا تا کہ اپنے غلط اعتقاد کا وبال چکھیں۔

زندیق:- یہ کیونکر لوگ کہتے ہیں کہ اہل جنت درختون سے میوہ کھائیں گے اور پھر وہ میوہ حالت اصلی پر آجائے گا یعنی درخت سے پھل لیتے جائیں گے جو پھل لیں گے اسی وقت اس میں ویسا ہی دوسرا پھل لگ جائے گا۔

امام:- ہاں یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح دنیا میں ایک شخص چراغ سے روشنی لیتا ہے اور اپنا چراغ جلاتا ہے لیکن پہلے چراغ کی رونی کم نہیں ہوتی ہے اور دنیا میں چراغاں ہو جاتا ہے۔

زندیق:- وہاں لوگ کھائیں اور پئیں گے کیا انہیں پیشاب پاخانہ کی حاجت نہ ہوگی؟

امام:- ہاں۔ ان کی غذا بہت باریک و رقیق ہوگی۔ اس میں فضلہ نہ ہوگا بلکہ عرق کے راستہ نکل جایا کرے گی۔

زندیق:- حوریں خاوندوں سے مقاربت کرنے کے بعد کیونکر کنواری رہیں گی۔

امام:- حوریں طیب و پاکیزہ خلقت سے بنائی گئی ہیں کوئی شئے ان میں تغیر پیدا نہیں کر سکتی اور نہ ان کے جسم کو کئی آفت مس کرتی ہے اس کی اندام نہانی کوئی شئے جاری نہیں ہوتی اور نہ حیض آئے گا پس ان کا رحم متصل رہے گا کیونکہ عضو تناسل کے علاوہ اور کسی چیز کی راہ نہیں ہے۔

زندیق:- وہ ستر لباس پہنتی ہے پھر بھی اس کے خاوند کو اسکی پنڈلی کا گود نظر آتا ہے اس کے لباس و بدن کے اندر سے۔

امام:- ہاں جس طرح تم ایک نہرو کے گہرے صاف پانی کی تہہ میں پڑا ہوا درھم دیکھ سکتے ہو۔

زندیق:- اہل جنت وہاں کی نعمتوں سے کیونکر خوشی حاصل کر سکیں گے جبکہ وہ دیکھیں گے کہ وہاں یا ان کا لڑکا یا ان کا باپ یا ماں یا دوست نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر وہ وہاں نہ ہوں گے تو دوزخ میں ہوں گے۔ یہ خیال کہ ان کے عزیز دوزخ میں معذب ہو رہے ہیں کیونکر ان کو خوش ہونے دے گا۔

امام:- اہل علم نے کہا ہے کہ وہ ان کو بھول جائیں گے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں امید رہے کہ وہ لوگ اہل اعراف ہیں ہم سے آکر مل جائیں گے۔

......☆......

باب ﴿۳۰﴾

نشر علوم، تبلیغ دین اور تنظیم ملت

(۶) کیمسٹری، علم طب و دیگر سائنس

مسلمانوں میں سب سے پہلے علم کیمیا (کیمسٹری) کی طرف جس نے توجہ کی وہ امام جعفر صادق ہیں۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آپ اس علم کے موجد ہیں۔ اس وقت تک یونان کی کتابیں کیمسٹری کے متعلق جو تھیں وہ بھی ابھی عربی میں ترجمہ نہیں ہوتی تھیں اور مسلمانوں کی اس کا علم نہ تھا۔ کتاب مفضل اور کتاب اہلیلجہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام صادقؑ کو غور فکر کرنے کی بہت عادت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فلسفہ کے نہایت دقیق مسائل کو نہایت آسانی کے ساتھ عام فہم زبان میں حل کیا ہے اس غور وفکر ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ نے علم کیمیا ایجاد کیا۔ جن لوگوں نے کیمسٹری کی تاریخ پڑھی ہے۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ جابر بن حیان بہت بڑا کیمسٹری جاننے والا شخص تھا۔ اس کی کتابیں اس علم پر اور اس کی تجربات اب بھی یورپ میں بہت تعظیم کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

ایک انگریزی عالم اس کے متعلق یہ لکھتا ہے:

The rise of the Abbasids about 750 A.C inaugurated the epoch of greatest power, Splendour, and prosperity of Islimic rule. At the very dawn stands the figure of a Muslim whose shadow lies athwart the science of the middle ages in the orient as in the occident . Jabir ibn Hayyan called as sufi (That is, theemystice) The geber of medienval Latin literature, was the son of an Arabice druggist in Kufa.

who died a martyr of the shi, ite propaganda ...... Jabir is famous as the father of Arabic alchemy (P.315)......

Jabir is world famed as the father of Arabic alchemy ...... About a hundtred alchemical works ascribed to Jabir are extant ...... Thus he was enabled to make note worthy advances in both the theory and practice of the subject.

His infulence can be traced throghout the whole historice course of Eurean alchemy and Chemistry......

Sevral technical terms have passed from Jabir,s Arabic writings through Latin in to the Eurpean langinages......

A full apprecition of Jabir,s merets in chemistry will only be prossible when the bulk of his chemical writings have been pubblished, particularly his great Book of

Seventy......

The chemical writings to which Jabir,s name is attached were soon translatered into latin.

(The legacy of islam; the artical science and medicin by mace Meyerhof M.d.p.h.d pp.315 g327,328.)

ترجمہ:-

سلطنت عباسیہ کی ابتدا (۷۵۰ء) کے ساتھ مسلمانوں کی عظیم الشان طاقت اور شان وشوکت اور فلاح کا آغاز ہوا۔ اس کے ابتداء ہی مین ایک مسلمان کی شکل کھڑی ہوتی ہے جس کا سایہ زمانہ وسطیٰ کے مشرقی ومغربی سائنس پر پڑا ہوا ہے جابر ابن حیان صوفی جس کو لاطینی کتابوں میں گبر کے نام سے یاد کیا گیا ہے کوفہ کے ایک عربی دوا ساز کا لڑکا تھا جو شیعہ نقطہ خیال کی تبلیغ کرنے کے جرم میں شہید کیا گیا۔ جابر کو عربی علم کیمیا کا باپ کہا جاتا ہے۔

کیمسٹری و جابر ابن حیان

دنیا بھر میں جابر عربی علم کیمیا کا باپ مانا گیا ہے۔ جابر کے تقریباً ایک صد کتابیں جو کیمسٹری کے متعلق ہیں اب تک موجود ہیں۔۔ اس طرح جابر نے کیمسٹری کے اصول و عمل دونوں میں خوب ترقی کی۔ یورپ کی ساری کیمیا اور کیمسٹری کی تاریخ پر جابر کا اثر نمایاں ہے۔

بہت سے جابر کی عربی کے اصطلاحی الفاظ لاطینی زبان کے ذریعہ یورپ کی زبانوں میں آگئے ہیں۔ علم کیمسٹری میں جابر کے درجے کی پوری رفعت وشان اس وقت ہی معلوم ہو سکے گی جب اس کی مصنفات کا ایک بڑا حصہ خصوصاً اس کی کتاب ہفتاد شائع ہو جائیں گے۔

جابر کی مصنفات کا بہت جلد لاطینی میں ترجمہ ہو گیا۔

سلطنت بنی امیہ کے خلاف جب شیعی تحریک شروع ہوتی تو حکومت نے اسے دبانا شروع کیا اور آخر کار اس تحریک کے کارکن سلطنت کے دور دراز مقام خراسان میں چلے گئے اور وہیں سے پھر اس تحریک نے بڑھنا شروع کیا جس نے آخر کار اموی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ حیان بھی خراسان چلا گیا وہاں اس کا بیٹا جابر ۷۲۲،۷۲۱ء میں پیدا ہوا۔ جابر کی پیدائش کے چند دنوں کے بعد حیان شیعہ ہونے کے جرم میں قتل کر دیا گیا اور جابر اپنے قبیلہ بنی اسد میں کوفہ میں آگیا وہاں یہ کچھ عرصہ تک رہا اور پھر آ کر کار اس کو امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں باریابی ہو گئی اور آپ کی شاگردی اختیار کر لی۔ جابر روزانہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شدید علالت کی وجہ سے حاضری سے معذور رہے۔ امام کی خدامت میں عریضہ لکھ کر دعا کے طالب ہوئے۔

حضرت نے دعا بھی فرمائی اور دوا کا بھی ایک نسخہ لکھ دیا اور ان شفاء ہوئی۔ دیکھو طب الائمہ لابی عتاب عبد

اللہ بن بسطام ابن سابور الزیات واخیہ حسین بن بسطام جس کا قلمی نسخہ جناب مولوی سید سبط الحسن صاحب ہنسوی کے پاس موجود ہے جس کا حوالہ مولوی صاحب ممدوح اپنے مضمون میں دیتے ہیں۔

یہ امر واقعہ کہ جابر جناب امام جعفرؑ کا شاگرد تھا جو خود اس کی تصنیفات سے ظاہر ہے جس میں وہ خود اس کا ذکر کرتا ہے۔ سیدی جعفر بن محمد کہہ کر آپ کی طرف اشارہ کرتا ہے دیکھو اس کی کتابیں۔ کتاب البیان، کتاب اسطقس، کتاب الحجر و کتاب اسطقس الثانی، کہیں کہیں وہ آپ کے حق کی قسم بحق سیدی کہہ کر کھاتا ہے۔ مولوی سبط الحسن صاحب کہتے ہیں کہ جابر ابن حیان کے شاگرد جناب صادق ہونے کا ذکر الکیمیا والکیمیائیون الجزء الاول فہمی متی اسحاق صفحہ نمبر ۲۱ میں بھی ہے۔

لہٰذا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم کیمیا و کیمسٹری کے اصلی موجد جناب امام جعفر صادقؑ تھے۔

علم طب

علم طب میں جو درجہ آپ کا تھا وہ آپ کے مقالات توحید مفضل و اہلیلجہ سے ظاہر ہے۔ یہ دونوں کتابیں ۱۹۳۹ء میں مطبع حیدریہ نجف اشرف میں چھپ چکی ہیں۔ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم ان دونوں رسالوں کو یہاں نقل کریں۔ مضامین کی فہرست کے چند عنوانات سے مضمون کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

کتاب التوحید کے چند مضامین یہ ہیں

۱۷ الدما غ واغشیة والجمجم و فائدتها والجفن و اشفاره ۰

۱۷ الفواد و مدرعته و الحلقوم والمری و اللسان المزمار

۱۸ الریه و عملها ۔ اشراج منا فذ البول و الغائط المعدةعصبانیه المخ الدم۔

الاظفاالاذن وهیائتهل لحم الالتین والفخدین

۱۹ الفواد و ثقبة المتصله بالرئة ۔

فرج الرجل وحالاته منفذ الغائط ووصفه ، الطواجن من الاسنان

۲۰ الشعر و الاظفار و فائدة وقصهما ، شعر الرکب و الابطین

۲۲ الریق و منا فعه محا ذیر کون بطن الانسان کهیة القبا

۲۳ افعال الانسان فی الاکل والنوم و الجماع و شرح ذلك

۲۴ قوی الانسان الا ربع

۲۵ قوی النفس و مو قعها من الانسان

۲۶ اختصاص الانسان بالحیا ء ذون بقیة الحیوان ، اختصاصه با لنطق والکتابته و

تفصیل ذلك

۲۷ اعطاء الانسان ما یصلح دینه و دنیا ہ و منعه مما سوی ذلك

۳۰ الاحلام و امتزاج صادقها بکا ذبها و سر ذلك

غرض یہ کہ تمام فہرست کولکھنا موجب طوالت ہوگا یہ ۹۵ صفحے کی کتاب ہے اس میں بہت سے مضامین ہیں۔ بالوں کی ماہیت، مردوں کی ڈاڑھی کیوں ہوتی ہے۔ عورتوں کی کیوں نہیں ہوتی۔ بدن کی طرح نشوونما پاتا ہے یہ سب مضامین طب کے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے علم الحیوانات کا ذکر کیا ہے۔ حیوانات کی قسمیں اوران کا بیان مثلاً ہاتھی، اونٹ، زرافہ، بندر، کیڑے مکوڑے، حشرات الارض، چیونٹی، مکڑی، ان کے بیانات ہیں اوران کی خلقت وطبائع کا ذکر ہے۔ طائروں کا ذکران کے آگے آتا ہے۔ چڑیاں، خفاش، الو، شہد کی مکھی، ٹڈی، مچھلی، وغیرہ ان سب کا ذکر تفصیل سے ہے۔

علم ہیئت کوآپ نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور رات دن، سردی گرمی، ہوئیں، پانی، آگ، بارش، مٹی، پہاڑ، درخت، نجوم، مقادیر اللیل والنہار، ستاروں کا بیان، سیاروں کے راستے، ہوا سے آواز کس طرح چلتی ہے۔

نباتات کا ذکر تفصیل سے ہے۔

چوتھی مجلس میں امور فلسفہ و معرفت خالق کا بیان ہے۔

کتاب اہلیلجیہ میں وجود باری تعالیٰ پر بحث ہے اور اس بحث کو صرف ایک ہڑ پر مبنی فرمایا ہے۔
اس جگہ اس خیال کا ظاہر کرنا ناموزوں نہ ہوگا کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت بجائے ان اماموں کو قید و قتل کرنے کے ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہتی تو آج مسلمان بوجہ اپنے علم و سائنس کے تمام قوموں کے سردار ہوتے ۔ یورپ نے سائنس میں اب انیسویں صدی میں ترقی کرنی شروع کی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد تک ان کی طب بہت ناقص و نامکمل تھی۔ اگر مسلمان ائمہ اہلبیت کا دامن پکڑے رہتے تو صدیوں سے پہلے Atomatic energy جو ہر کیمیاوی کی طاقت معلوم ہو چکی ہوتی اور اس سے انسانوں کو ہلاک کرنے کی بجائے انسانوں کی ضروریات زندگی میں مدد لی جاتی۔ لیکن حکومت نے کبھی ان ائمہ کے ان اوصاف سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ان کو کام نہ کرنے دیا۔ کسی کو عمر بھر قید رکھا، کسی کو موت کے خوف میں پریشان رکھا، کسی کو قتل کر دیا۔ اور اور ان کے علاوہ سینکڑوں اپنے امام بنالئے جو بجائے لوگوں کو ہدایت کرنے کے خود حکومت کے اشاروں پر چلتے تھے۔ ان متفرق اماموں نے اپنی متفرق جماعتیں پیدا کر کے متفرق فرقے پیدا کر دیے جو متفرق خداؤں سے نقصان ہوتا وہ ہی متفرق اماموں سے نقصان ہوا، اسلام میں فساد پھیل گیا۔ ایک خدا، ایک رسول کی طرح ہر زمانہ کا ایک ہی امام پکڑے رہتے تو کتنا فائدہ ہوتا۔

......☆......

باب ﴿۳۱﴾

نشر علوم، تبلیغ دین اور تنظیم ملت

(۷) مؤلفات جناب امام جعفر صادقؑ

جناب امام جعفر علیہ السلام نے علم کو قلمبند کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے خود بھی بہت سی کتابیں املا کرئی ہیں۔ آپ کی تالیفات کی فہرست ہم اعیان الشیعہ سے لکھتے ہیں۔

(۱) رسالہ عبداللہ ابن النجاشی۔ یہ رسالہ آپ نے نجاشی حاکم اہواز کو لکھا تھا۔

(۲) رسالہ مروی عن الاعمش۔ اس میں شرائع دین، احکام وضو وغسل ونماز، زکاۃ مال، زکاۃ فطرہ، حیض، صیام، جہاد، نکاح، طلاق، احکام، درود علی النبیؐ جب اولیاء اللہ، برأۃ من اعداء اللہ، برالوالدین، احکام الاولاد، افعال العباد، جبر، تفویض، حکم الاطفال، عصمۃ الانبیاء والائمہ، خلق القرآن، وجوب الامر بالمعروف، والنہی عن المنکر، معنی الایمان، عذاب القبر، والبعث، تکبیر فی العیدین، احکام النفساء والاطعمہ، والاشربہ، شکار، ذبیحہ، کبائر پر بحث کی گئی ہے۔

(۳) توحید مفضل۔ جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

(۴) کتاب الاہلیلجہ۔ اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

(۵) کتاب مصباح، الشریعت ومفتاح الحقیقت۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ اور صاحب ریاض العلماء نے اس کتاب پر شک ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی زبان اور مضمون سے شک ہوتا ہے کہ شاید یہ کتاب امام علیہ السلام کی نہ ہو۔ لیکن سید علی ابن طاؤس، علامہ کفعمی، سید حسین القزوینی، شہید ثانی اور مولوی محسن القاشانی کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ کتاب تالیف امام علیہ السلام ہے۔

(۶) رسالۃ الی اصحابہ۔ یہ رسالہ آپ نے اپنے اصحاب کو لکھکر بھیجا تھا۔ علامہ کلینی نے اس کو روضۃ الکافی میں بسند اسماعیل بن جابر عن ابی عبداللہ علیہ السلام لکھا ہے۔

(۷) رسالۃ الی اصحاب الرائی والقیاس۔ یہ رسالہ ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے لکھا گیا جو اپنی رائے وقیاس کو امور دین میں دخل دیتے ہیں۔

(۸) رسالہ بیان غنائم، وجوب الخمس میں۔ یہ تحف العقول میں نقل کیا گیا ہے۔

(۹) وصیۃ لعبداللہ بن جندب۔

(۱۰) وصیۃ لابی جعفر محمد بن النعمان الاحول۔

(۱۱) نثر الدرر۔

(۱۲) کلام در بیان محبت اہلبیت، توحید، ایمان، اسلام، کفر وفسق۔

(۱۳) وجوہ معایش العباد و وجوہ اخراج الاموال۔

(۱۴) رسالہ فی احتجاج علی الصوفیہ۔ یہ ان صوفیوں کا رد ہے جو لوگوں کو طلب رزق سے منع کرتے تھے۔

(۱۵) کلام در خلق و ترکیب انسان۔

(۱۶) مختصر اقوال حکمت و آداب۔

(۱۷) نسخہ۔ جس کا ذکر نجاشی نے اپنی کتاب الرجال میں محمد بن میمون کے بیان میں کیا ہے۔

(۱۸) نسخہ۔ جس کا ذکر نجاشی نے الفضیل بن عیاض کے تذکرہ میں کیا ہے۔

(۱۹) نسخہ۔ جس کو عبداللہ بن ابی اویس بن مالک بن ابی عامر الاصحی نے روایت کیا ہے۔

(۲۰) نسخہ۔ جو سفیان بن عینیہ بن ابی عمران الہلالی سے مروی ہے۔

(۲۱) نسخہ۔ جو ابراہیم بن رجاء الشیبانی سے مروی ہے۔

(۲۲) کتاب۔ جو جعفر بن بشیر الجبلی کے پاس تھی۔

(۲۳) کتاب رسائل۔ جس کو آپ کے شاگرد جابر ابن حیان الکوفی نے روایت کیا ہے اور جمع کیا ہے اس کتاب کا ذکر علامہ یافعی نے مراۃ الجنان میں الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

وله کلام نفیس فی علوم التوحید و غیرہ ھاوقد الف تلمیذہ جابر بن حیان الصوفی کتابا یشتمل علیٰ الف ورقتہ یتضمن رسائلہ وھی خمس و مائتہ رسالتہ (مراۃ الجنان الجزء الاول ص ۳۰۴ ترجمہ ابوعبداللہ جعفر الصادق زیر ۱۴۸ ہجری)

یعنی امام جعفر صادقؑ نے توحید و دیگر مضامین پر نہایت عمدہ مقالے تحریر کئے ہیں آپ کے شاگرد جابر ابن حیان الصوفی نے ایک کتاب میں جس کے ایک ہزار ورق ہیں آپ کے پانچ صد رسالے جمع کئے ہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جابر ابن حیان آپ کے شاگرد تھے۔

(۲۴) تقسیم الرویاء۔ اگر کشف الظنون میں اس کتاب کو امام جعفر صادقؑ سے براہ راست منسوب کیا ہے۔ لیکن علامہ محسن الامین کی رائے میں اس کتاب کو کسی شیعہ نے جناب جعفر صادقؑ کی مرویات سے تحریر کیا ہے۔

......☆......

باب ﴿۳۲﴾

ادعیہ

دعا لدفع الظالم○ اللّٰھم احرسنی بعینك التی لاتنام واکنفني برکنك الّذی لا یرام واغفرلی بقدرتك علیّ ولا اھلك وانت رجائی اللّٰھمّ انت اکبرو اجل ممّا اخاف واحذراللّٰھم بك ادفع فی خرہٖ واستعیذبك من شرّہٖ۔

(۲)ایک دفعہ کسی نے منصور دوانیقی سے آپ کی چغلی کھائی۔ اس کو بہت غصہ آیا اس نے آپ کو بلایا اور چاہتا تھا کہ قتل کرے۔ لیکن جناب جعفر صادق کے ہونٹ اس وقت مل رہے تھے اور آپ نے دعا پڑھ رہے تھے کہ یکا یک منصور کا غصہ فرو ہوگیا اور اس کے دل پر آپ کا رعب چھا گیا فوراً اپنے پاس تخت پر بلایا۔ عزت سے باتیں کیں اور عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ربیع وزیر منصور نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیا دعا پڑھ رہے تھے جس سے اس کا غصہ فرد ہوگیا۔ آپ نے وہ دعا اس کو بتائی۔ وہ دعا یہ ہے۔

یا عدّتی فی شدّتی ویا غوثی عند کربتی احرسنی بعینك الّتی لاتنام واکنفني برکنك الّذی لایرام حسبی الرّبّ من المربوبین وحسبی الخالق من المخلوقینو حسبی الرازق من المرزوقین و حسبی اللہ رب العالمین حسبی من ھو حسبی حسبی من لم یذل حسبی، حسبی اللہ لااِلٰہ الّا ھو علیہ توکّلت وھو ربّالعرش العظیم۔

ایک دفعہ اور ایسا ہی واقعہ ہوا۔ ربیع حاجب منصور نے پھر آپ سے پوچھا کہ منصور کے ظلم سے آپ کیونکر بچے۔ آپ نے فرمایا کہ رات کو میں نے جناب رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے جعفر کیا تم کو ڈر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں مجھے ڈر ہے جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو۔

بسم اللہ استفتح وبسم اللہ استنجح و بمحمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ و سلّم اتو جّہ الّھم ذلل لی صعو بتہ امری و کلّ صعوبتہٖ وسھّل لی حذو نۃ امری واکفنی مؤدنتہ امری و کلّ مؤونۃ۔

ابن حمدون نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ منصور نے جناب امام جعفر کو لکھا کہ آپ کیوں ہمارے دربار میں نہیں آتے جس طرح اور لوگ آتے ہیں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو تجھ سے ڈریں اور نہ تیرے پاس آخرت کی خوبی ہے کہ ہم اس کی امید کریں اور نہ تیرے پاس ایسی نعمت ہے کہ ہم تجھکو مبارک باد دیں اور نہ تجھے کوئی مصیبت پہنچی ہے کہ ہم تعزیت کریں تو پھر تیرے پاس آکر کیا کریں اس کا جواب

منصور نے یہ لکھا کہ آپ ہماری محبت میں وہ کر ہماری نصیحت کریں امام جعفر صادقؑ نے جواب میں لکھا

من ارادالدنیا لا ینصحك ومن ارادالا خرة لا یصحبك

یعنی جو دنیا چاہتا ہے وہ تجھے نصیحت نہ کرے گا اور جو آخرۃ چاہتا ہے وہ تیری صحبت نہ اختیار کرے گا۔

......☆......

باب ﴿۳۳﴾

جناب ابوحنیفہ کو حضرت امام جعفر صادقؑ امور دین میں قیاس کرنے سے منع فرماتے ہیں

حافظ ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں۔

ایک دن ابن ابی لیلیٰ اور عبداللہ بن شیرمہ جناب ابوحنیفہ کے ساتھ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔امام ممدوح نے ابن ابی لیلیٰ سے ابوحنیفہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہیں۔ابن ابی لیلیٰ نے جواب دیا کہ یہ امور دین میں صاحب بصر ونفاذ ہیں۔امام ممدوح نے فرمایا کہ شاید یہ امر دین میں اپنی رائے سے قیاس کر تے ہیں۔ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہاں۔اب جناب امام جعفر صادقؑ جناب ابوحنیفہ کی طرف متوجہ ہوئے اور گفتگو ہوئی۔

امام ممدوح:۔ تمہارا نام کیا ہے؟

جناب ابوحنیفہ:۔ نعمان

امام جعفرؑ:۔اے نعمان۔اپنے سر کے متعلق کیا قیاس کیا ہے؟

جناب ابوحنیفہ:۔اپنے سر کے متعلق کیا قیاس کروں۔

امام جعفرؑ:۔ میرا خیال ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے تم جانتے ہو کہ آنکھوں میں نمکینی کیوں ہے (آنسو نمکین ہوتے ہیں) کانوں میں کڑواہٹ کیوں ہے؟ نتھنوں میں حرارت کیوں ہوتی ہے؟ ہونٹوں میں شرینی کیوں ہے؟

جناب ابوحنیفہ:۔ میں نہیں جانتا

امام جعفرؑ:۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے۔اچھا تم جانتے ہو ایسا کلمہ کہ جس کا اول کفر ہے اور آخر اس کا ایمان ہے۔

ابن ابی لیلیٰ:۔ان امور سے آپ ہی ہم کو آگاہ کریں۔

امام جعفرؑ:۔ میرے والد نے آباد واجداد کے ذریعہ سے جناب رسول خدا کی یہ حدیث مجھے بتائی فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ خداوند عالم نے اپنے فضل واحسان سے بنی آدمؑ کے لئے آنکھون میں نمکینی رکھی۔کیونکہ وہ چربی

سے بنی ہیں۔ اگر نمک نہ ہوتا تو دونوں پپوٹے مل جاتے اور خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کانوں میں کڑواہٹ رکھی ہے وہ کیڑوں کے لئے ایک حجاب ہے ورنہ کیڑے دماغ تک پہنچ جاتے لیکن اب کڑواہٹ کی وجہ سے وہ باہر نکل آتے ہیں اور خداوند تعالیٰ نے بنی آدم پر اپنا فضل وکرم کیا کہ نتھنوں میں حرارت رکھی جس کی وجہ سے ہوا اندر جاتی ہے اگری نہ ہوتا تو دماغ کو تکلیف ہوتی اور خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے جو نبی آدم پر ہے ہونٹوں میں شیرینی رکھی ہے جس سے کھانے کا مزا آتا ہے اور لوگوں کو اس کے کلام کی حلاوت معلوم ہوتی ہے۔

ابن ابی لیلیٰ:- اس کلمے سے بھی مطلع فرمایئے اول کفر اور آخر ایمان ہے۔

امامؑ:- جب بندہ لا الہ کہتا ہے تو یہ کفر ہے اور جب الا اللہ کہتا ہے تو یہ ایمان ہے۔ پھر آپ ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

"اے نعمان میرے جد جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ امر دین میں سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس نے فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کر تو ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے نار سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پس جو امور دین میں قیاس کرے گا۔ خداوند تعالیٰ روز قیامت اس کو ابلیس کے ساتھ رکھے گا۔ ابن شبرمہ نے اپنی روایت میں اتنا اور ایزاد کیا ہے پھر امام جعفرؑ نے فرمایا:"

امامؑ:- قتل نفس گناہ اکبر ہے یا زنا؟

ابوحنیفہ:- قتل نفس

امامؑ:- خداوند تعالیٰ نے قتل نفس کے لئے صرف دو شاہد ضروری رکھیں ہیں اور زنا میں چار سے کم کی شہادت قبول نہیں۔

امامؑ:- صلوٰۃ اعظم ہے یا صوم

ابوحنیفہ :- صوم

امامؑ:- پھر یہ کیوں ہے کہ حائضہ روزوں کی قضا ادا کرتی ہے لیکن نماز کی نہیں ادا کرتی۔ اے قوم تم کو کیا ہو گیا ہے کہ امور دین میں قیاس کرتے ہو۔ (حلیۃ الاولیاء مجلد الثالث صفحہ نمبر ۱۹۷)

شیخ ابوجعفر الطوسی نے امالی میں اتنا اور ایزاد کیا ہے کہ امامؑ نے دونوں کی وجوہات بھی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ قتل میں گناہ ایک ہے لہذا صرف گواہان پر اکتفا کیا گیا اور زنا میں دو گناہ ہیں مرد کا گناہ اور عورت کا گناہ لہذا اس کے چار گواہان کی ضرورت ہوئی۔ صلوٰۃ وصوم کے متعلق ارشاد فرمایا کہ صلوٰۃ دائمی ہے لہذا اس کی قضا واجب نہ ہوئی اور روزہ سال میں ایک دفعہ ہوتے ہیں لہذا اس کی قضا واجب ہوئی۔

جامع مسانید ابوحنیفہ تالیف ابوالموید محمد بن محمود خوارزمی میں مندرجہ ذیل روایت پائی جاتی ہے جو حسن بن

زیاد سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوحنیفہ ابی حنفیہ سے سنا جب ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ افقہ تم نے کس کو پایا۔ انھوں نے جواب دیا کہ امام جعفر ابن محمد الباقرؑ کو۔ اور پھر یہ قصہ بیان کیا کہ جب امام جعفر بطلب منصور کوفہ میں تشریف لائے تو حیرہ میں قیام فرمایا۔ منصور نے مجھ سے کہا کہ اے ابوحنیفہ دیکھتے ہو تم یہ لوگ کس طرح اس شخص پر مفتون ہیں تم چند مشکل اور دقیق مسائل تیار کرو تا کہ دربار میں ان کو خجل کرسکو۔ میں نے مختلف مسائل تیار کئے منصور کا آدمی جب مجھے بلانے آیا تو میں دربار میں گیا۔ وہاں امام جعفرؑ منصور کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ کو دیکھ کر میرے اوپر رعب چھا گیا۔ ایسا رعب منصور کا بھی مجھ پر غالب نہ ہوا تھا منصور نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور امام سے کہا یہ ابوحنیفہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں جانتا ہوں پھر مجھ سے کہا کہ اے ابوحنیفہ جعفر سے سوال کرو میں ایک ایک مسئلہ پوچھتا تھا اور وہ ہر ایک کا جواب دیتے تھے اس میں یہ کول تمہارا ہے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ہم یہ کہتے ہیں یہاں تک کی کل چالیس مسئلوں کے جوابات ارشاد فرمائے۔

(منقول از اعیان الشیعہ الجزالرابع قسم الثانی صفحہ نمبر۔ ۱۶۶، کشف الحقائق مولوی مظہر حسین صفحہ نمبر ۳۲۵)

شاہ عبدالعزیز تحفہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب ابوحنیفہ کہا کرتے تھے کہ . لولا السنتان لهلك النعمان۔ یعنی اگر دو سال میں نے جناب امام جعفر صادق کی خدمت میں نہ گزارے ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

جناب امام جعفر صادق کی سوانح میں کئی مولفین نے آپ کے مناظرے ابوحنیفہ کے ساتھ تحریر کئے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ امام کے سوالات کا جواب ابوحنیفہ نہ دے سکتے۔ ہم ان مناظروں کو لکھ کر طوالت نہیں دینا چاہتے۔ ہم فقط تحریرات بالا ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ دراصل تو ہم جناب ابوحنیفہ اور امام جعفر صادق کا مقابلہ کرنا ہی جناب امام جعفر صادقؑ کی توہین اور ان کے خلاف شان سمجھتے ہیں۔ مولوی شبلی کا مقابلہ نے یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے اس تقابل کا دروازہ بند کر دیا کہ ابوحنیفہ کو جناب امام ممدوح سے کیا نسبت ہو سکتی ہے گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے اہل بیت کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

☆

باب ﴿۳۴﴾

وصایائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام
امام جعفر صادقؑ کی وصیت اپنے فرزند جناب موسیٰ کاظمؑ کے لئے۔

اے میرے بیٹے میری وصیت غور سے سنو اور یاد رکھو۔ اگر تم نے میری وصیت پر عمل کیا تو تمہاری زندگی سعید اور تمہاری موت حمید ہوگی اے بیٹے وہ شخص مستغنی ہے جو اس شئے راضی ہوا جو اس کے لئے مقدر ہو چکی ہے اور جس نے اپنی آنکھیں دوسرون کی چیزون پر دوڑائیں وہ فقیر مرے گا اور جو اس سے راضی نہ وہاں جو خدا نے مقدر کر کے اس کو دی ہے تو اس نے خداوند تعالیٰ کی قضا کو اتہام لگایا۔

(ناظرین غور کریں۔ رضا کا لفظ ہے جو خدا تمہیں دے اس سے راضی ہو جاؤ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو ملے اس کو لے کے بیٹھ جاؤ اور آگے ترقی کی کوشش نہ کرو خود قرآن فرماتا ہے کہ تم شکر کرو تو نعمتیں زیادہ ہوں گی۔ خدا کی عطا میں انسان کی سعی کو بہت دخل ہے ایک شخص زید کو اپنے باپ سے ورثہ میں ایک باغ ملا۔ وہ اس سے راضی ہوا۔ اس کو بڑھانے کی کوشش کی۔ دوسری صورت یہ کہ وہ راضی نہ ہوا۔ ناک ماردی۔ کہ مجھے ایک چھوٹا سا باغ دیا ہے۔ اوروں کو تو بہت کچھ دے دیا۔ امام کا مطلب یہ ہے کہ صورت اول اختیار کرو۔ صورت دوم سے احتراز کرو۔ عطا سے راضی ہو جانا بھی ایک قسم کا شکر ہے۔)

جس نے اپنی لغزشوں کو چھوٹا سمجھا وہ دوسروں کی لغزشوں کو بڑا سمجھے گا اور جس نے غیروں کی لغزشوں کو چھوٹا سمجھا وہ اپنی لغزشوں کو بڑا سمجھے گا۔ جس نے دوسرون کی پردہ دری کی خود اس کے گھر کی چھپانے والی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ جس نے نافرمانی کی تلوار اٹھائیں خود اس سے قتل ہو جائے گا جس نے اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودا خود اس میں گرے گا۔ جو کمینوں اور احمقوں سے ملے گا۔ وہ حقیر ہو جائے گا اور جو علماء سے صحبت رکھے گا وہ باعزت ہو جائے گا جو شخص بدیو ل اور برائیوں کی جگہوں میں جائے گا تو ان سے متہم ہو جائے گا۔ اے بیٹے خبردار! عیب جوئی لوگوں کی نہ کرو اور ان کو بدنام نہ کرو ورنہ تمہاری چغلخوری کی جائے گی۔ اور تم کو بدنام کیا جائے۔ دیکھو ایسی جگہ نہ جاؤ جہاں تم کو مدد نہ ملے ورنہ ذلیل ہو گے۔ اے بیٹے حق بات کہو خواہ وہ تمہارے حق میں ہو خواہ تمہارے خلاف ہو اگر ایسا کرو گے تو اپنے ہم عصر لوگوں میں باعزت ہوں گے اور لوگ تم سے مشورہ لیں گے اے بیٹے کتاب اللہ کے ساتھ ملے رہو۔ اسلام کی تبلیغ کرتے رہو معروف کا حکم دیتے رہو، منکر سے لوگوں کو نہی کرتے رہو۔ جو تمہیں چھوڑ دے۔ اس سے ملنے کی کوشش کرو۔ جو تم سے بولنا چھوڑ دے تو تم اس سے گفتگو میں ابتدا کرو جو تم سے سوال کرے اسے عطا کرو۔ دیکھو خبردار کسی کو چغلخوری سے لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے دیکھو خبردار لوگوں کے عیب نہ ظاہر کرو کیونکہ عیب ظاہر کرنے والا مثل تیر لگانے والے کے

ہے۔ یا لوگوں کی عیب جوئی کرنے والا خود ہدف بن جاتا ہے اے بیٹے اگر تم بزرگی چاہتے ہو تو اس کے معدن کو اختیار کرو۔ معادنوں کے لئے جڑیں ہیں۔ جڑوں کے لئے شاخیں ہیں اور شاخوں میں ثمر آتے ہیں اور پھل اچھا نہیں ہوتا لیکن اپنی شاخ سے اور شاخ اچھی نہیں ہوتی لیکن اپنی جڑ سے۔ اور جڑ مضبوط نہیں ہوتی۔ جب تک اس کا معدن (ماخذ) زمین مضبوط اور اچھی نہ ہو۔ اے بیٹے اگر تم ملاقات کرتے ہو تو نیک آدمیوں کی ملاقات کرو۔ فاجر لوگوں سے نہ ملاقات کرو۔ فاجر لوگ مثل سخت پتھر کے ہیں۔ جن سے نہریں جاری نہیں ہوتیں۔ ایسے درخت ہیں۔ جس کے پتے سبز نہیں ہوتے ایسی زمین ہیں جس سے سبزہ نہیں اگتا۔ (منقول از حلیۃ الاولیاء المجلد الثالث صفحہ نمبر ۱۹۵، ۱۹۶)

وصیت برائے سفیان ثوری

اے سفیان کاذب سے کوئی مروت نہیں کرتا۔ حاسد کو راحت نہیں ملتی، جو غمگین ہوتا ہے اس کے بھائی نہیں ہوتے۔ مغرور سے کوئی دوستی نہیں کرتا، بد خلق سے کوئی الفت نہیں کرتا، اے سفیان خدا کی معرفت حاصل کرو تا کہ عارف ہو جاؤ اگر تو راضی جائے گا اس سے جو خدا نے تیری لئے مقدر کیا ہے۔ تو تو غنی ہے تیرے ہمسایہ کے لئے بہترین ہمسائے گی یہ ہے کہ وہ تجھ سے سلامتی دامن میں رہین۔ دوسروں کے ساتھ اس طرح مل جس طرح وہ تجھے سے ملتے ہیں تیرے ایمان میں زیادتی ہوگی۔ فاجر سے صحبت نہ رکھ ورنہ وہ تجھے فجور کی باتیں سکھائے گا اور اپنے امور میں مشورہ ان سے کر جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ اے سفیان جو چاہتا ہے کہ اسے عزت بغیر حکومت کے، کثرت بغیر رشتہ داروں کے اور ہیبت بغیر مال کے ملے تو اسے چاہئے کہ خدا کی نافرمانی سے نکل کر اس کی اطاعت کی طرف آئے آپ بیچ میں خاموش ہو جاتے تھے۔ سفیان ثور مزید نصیحت کی التجا کرتے تھے تو آپ فرماتے تھے۔ اتنا کہکر پھر ساکت ہو گئے سفیان سے کہا کہ کچھ اور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ میرے والد نے تین باتوں کے کرنے کا حکم دیا اور تین باتوں سے اجتناب کرنے کو فرمایا انہوں نے فرمایا کہ جو برے لوگون کی صحبت اختیار کرے گا۔ وہ کبھی سلامتی نہیں پائے گا۔ اور جو اپنی زبان پر قابو نہیں رکھے گا وہ ہمیشہ نادم ہوگا۔ اور جو برائیوں کی جگہوں میں جائے گا وہ ان برائیوں سے متہم ہوگا جن تین باتوں سے منع کیا وہ یہ تھیں۔ لوگوں کی نعمت پر حسد کرنے والے سے نہ ملوں۔ دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونے والے سے نہ محبت رکھوں اور چغلخور سے نہ ملو۔ (ماخوذ از اعیان الشیعہ الجزء الرابع) علی ما نقل من تحف العقول والخصال الصدوق علیہ الرحمۃ

وصیت برائے عبداللہ بن جندب

اے ابن جندب جو شخص ہماری معرفت کا مدعی ہے اسے چاہئے کہ اپنے ہر دن رات کے کاموں کا محاسبہ کرے ان میں سے جو نیک ہوں ان کو زیادہ کرے اور جو برے ہوں ان کے لئے استغفار کرے، خوشی ہے اس بندہ کے لئے جو حسد نہیں کرتا ان گنہگاروں پر جن کو نعیم دنیا ملی ہوئی ہیں۔ خوشی ہے اس بندہ کے لئے جو آخرت کا طالب ہے اور اس کے لئے سعی کرتا ہے خوشی ہے اس بندہ کے لئے کو کاذب امیدیں نہیں رکھتا۔ اے ابن جندب ہلاک ہوا وہ

جس نے اپنے عمل پر بھروسہ کیا اور وہ کبھی نجات نہ پائے گا جو خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے گناہ کرتا ہے۔ ابن جندب نے عرض کی کہ پھر کون نجات پائیں گے آپ نے فرمایا کہ وہ جو امید و خوف کے درمیان ہیں گویا ان کے دل شکاری طائر کے پنجہ میں ہیں۔ ثواب کا شوق ہے عذاب کا ڈر ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ خدا اس کا نکاح حور العین کر دے سے کر دے تو اس کو چاہئے کہ اپنے برادر مومن کے دل کو خود کرے۔ جس نے اپنے مومن بھائی کو حقیر سمجھا اور اس نے دوری اختیار کی۔ خدا اس کا گھر دوزک میں بناتا ہے۔ جو مومن پر حسد کرتا ہے تو اس کے دل میں ایمان اس طرح پگھل جاتا ہے جس طرح پانی میں نمک۔ اے ابن جندب اپنے برادر مومن کی حاجت برلانے کے لئے چلنے والا ایسا ہے کہ جیسے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے والا اور برادر مومن کی حاجت برلانے والا ایسا ہے کہ گویا وہ بدر و احد کی لڑائیوں میں اپنے خون میں فی سبیل اللہ لوٹا۔ خداوند تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ جب وا اپنے غریب و فقیر بھائیوں کی اہانت کرتے ہیں۔ اے ابن جندب ہمارے شیعوں سے کہہ دو کہ دیکھو غلط راستوں پر نہ بھٹکو۔ قسم بخدا ہمارے محبت نہیں حاصل ہوگی لیکن پرہیزگاری اور اجتہاد و دنیا سے، خدا کے واسطے برادران مومن سے مواساۃ کرنے سے، وہ شخص ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے۔ جو ظلم کرتا ہے۔ اے ابن جندب اگر تو چاہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ سے اس کے گھر میں ہمسائیگی تجھے ملے تو دنیا کو اپنے لئے حقیر سمجھ، موت کو اپنا نصب العین گردان، اور کل کے لئے کوئی چیز جمع نہ کر۔ جان لے کہ تیرے لئے تو فقط وہ ہے جو تو نے اپنے آگے عمل خیر میں سے بھیج دیا۔ اور تیرے اوپر بوجھ اس کا ہے جو تو چھوڑ جاتا ہے جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اسنے اپنے دشمن کی اطاعت کی۔ جس نے خدا پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے امور دین و دنیا کے لئے کافی ہے اور حفاظت کرتا ہے اس کی جو اس سے غائب ہے وہ عاجز ہوا جس نے بلاؤں پر صبر نہ کیا۔ نعمتوں پر شکر نہ کیا۔ اور تنگی میں فراخی کو مدنظر نہ رکھا، جو بلا اولاد، مال اور تکلیف میں آئے۔ اس پر صبر کر۔ کیونکہ جو چیز عاریتاً دی گئی تھی وہ لے لی گئی اور جو ہبہ تھا وہ واپس لے لیا گیا تا کہ تمہارے صبر و شکر کی آزمائش ہو خدا سے امید رکھ لیکن یہ امید اس کی معصیت کی طرف نہ لے جائے اور اس سے خوف کر لیکن یہ خود تجھے اس کی رحمت سے مایوس نہ کر دے۔ قناعت کر اس پر جو خدا نے تجھے دیا اس کی امید نہ کر جو تجھ کو نہ ملے گا، دولت مندی میں بے حد خوش ہو کر آپے سے باہر نہ ہو جا اور غربت و مفلسی میں جزع نہ کر، فظ و غلیظ ہو جا کہ لوگ تجھ سے کراہت کریں اور نہ اتنا واہی بن کہ لوگ تیری تحقیر کریں جو تیرے سے اوپر ہیں ان سے جھگڑا نہ کر اور جو تجھ سے کم ہیں ان سے تمسخر نہ کر، احمقوں کی اطاعت نہ کر، کسی کی کفایت پر بھروسہ نہ کر، کام کرنے سے پہلے اس پر غور کر یہاں تک کہ اس مین اندر جانے اور اس سے باہر آنے کے راستے تجھے معلوم ہو جائیں۔ قبل اس کے کہ تو اس میں مشغول ہو جائے اور پھر تجھے ندامت ہو اپنے نفس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے مجاہدہ کر، اور اپنے نفس کو ایک عاریتاً دی ہوئی چیز سمجھ یہ تحقیق کہ تجھ کو تیرے نفس کا طبیب بنایا گیا ہے تجھے صحت کی نشانی بتا دی گئی ہے مرض سے تیری واقفیت کرائی گئی ہے۔ اور دوا بھی بتا دی گئی ہے اور اگر کسی انسان کے ساتھ تو نیکی کرے تو اس کا احسان جتا کر اور بار بار اس کا ذکر کر کے اس کو فاسد

نہ کر، بلکہ کو تو اترے کر، اور پہلی نیکی سے دوسری افضل ہو۔ تیری اخلاق کے لئے بہتر ہے اور موجب ثواب آخرت ہے، خاموشی اختیار کر کیونکہ تو حلیم کہلائے گا، خواہ تو عالم ہے خواہ جاہل، تیری خاموشی علماء کے نزدیک زینت ہے اور جاہلوں کے نزدیک وہ تیرا پردہ ہے۔

اے ابن جندب صلہ رحم کر اس سے جو تجھ سے قطع رحم کرے، عطا کر اس کو جو تجھے محروم رکھے۔ جو تجھ سے بدی کے اس سے نیکی کر، جو تجھے برا کہے تو اس کو سلام کر جو تجھ سے مخاصمت کرے اس سے انصاف کر، جس نے تجھ پر ظلم کیا ہے تو اس کو عفو کر دے عبرت حاصل کر خدا کے عفو سے کہ اس کا سورج ابرار و فجار سب پر چمکتا ہے اور اس کی بارش صالحین و خاطئین پر ہوتی ہے۔

اے ابن جندب۔ لوگوں کو دکھا کر خیرات نہ کر اگر تو نے ایسا کیا وہ تجھے اچھا آدمی سمجھیں گے اور بس یہ تیرا اجر خیرات کا مل گیا۔ ایسا کہ کہ تو داہنے ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو جس کے لئے نیکی کی ہے۔ وہ خود علانیہ تجھے اس کا اجر دے گا۔ (یعنی خداوند تعالیٰ)۔

اے ابن جندب خداوند تعالیٰ نے اپنی وحیوں میں سے ایک وحی میں فرمایا ہے کہ اس کی نماز قبول کی جاتی ہے جو میری عظمت کی وجہ سے لوگوں سے تواضع کرتا ہے اور اپنے نفس کی شہوات سے میری وجہ سے میری عظمت کی وجہ سے لوگوں سے تواضع کرتا ہے اور اپنے نفس کو شہوات سے میری وجہ سے بچاتا ہے اپنا دن میرے ذکر میں گزارتا ہے میری مخلوق پر زبردستی نہیں کرتا، بھوکے کو کھلاتا ہے ننگے کو لباس پہناتا ہے، مصیبت زدون پر رحم کرتا ہے، مسافروں کو پناہ دیتا ہے، یہ باتیں اس کے نور کو سورج کی طرح روشن کرتی ہیں۔ میری عزت سے اس کو رزق ملتا ہے۔ میرے ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مجھکو وہ پکارتا ہے تو میں لبیک کہتا ہوں۔ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں۔ (ماخوذ از اعیان الشیعہ)

ابو جعفر محمد بن النعمان الاحول سے وصیت

اے ابن النعمان۔ دیکھو کبھی ریا نہ کرنا۔ کیونکہ ریا سے عمل باطل ہو جاتے ہیں۔ خبردار جھگڑالو نہ بننا ورنہ ہلاک ہو گے لوگوں سے بہت خصومت نہ کرو ورنہ خدا سے دور ہو جاؤ گے۔

اے ابن نعمان۔ بندہ کبھی مومن نہیں ہوتا جب تک اس میں یہ تین سنتیں نہ ہوں خدا کی سنت، رسول کی سنت اور امام کی سنت، خدا کی سنت یہ ہے کہ اسرار کو چھپائے کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اور وہ اپنے غیبوں سے کسی آگاہ نہیں کرتا، رسول کی سنت یہ ہے کہ لوگوں سے مدارات کر، اخلاق حنیفہ سے ان سے معاملہ کرے اور امام کی سنت یہ ہے کہ سختی و مصیبت میں صبر کرے۔ یہاں تک کہ خدا خوشی دے۔

اے ابن النعمان، زبان کی تیزی بلاغت نہیں ہے اور نہ زیادہ بولنا بلاغت ہے بلکہ بلاغت یہ ہے کہ معنی سمجھے اور حجت کے ساتھ بات کرے۔ (منقول از اعیان الشیعہ الجزالرابع) ☆

باب ﴿۳۵﴾

کیفیت وفات

جب وقت وفات امام وفات امام جعفر صادق نزدیک ہوا اور غش کے بعد آپ نے آنکھ کھولی تو کہا کہ میرے تمام رشتہ داروں کو جمع کرو۔ جن سے ذرا سی بھی قرابت ہے ان کو بلاؤ راویہ کہتی ہیں کہ ہم نے سب رشتہ داروں کو جمع کیا تو آپ نے ان سب کی طرف نظر کی اور فرمایا کہ ہماری شفاعت اس کو نہ پہنچے گی۔ جو نماز کی خفت کرتا ہے اور سالمہ مولاۃ امام جعفر صادق کہتی ہیں کہ میں موجود تھی جب امام جعفر صادقؑ کا انتقال ہوا۔ موت کے وقت آپ پر غشی طاری ہوئی۔ جب غشی سے افاقہ ہوا تو آپ نے کہا کہ ستر دینار حسن الافطس بن علی بن علی بن الحسین کو دینا۔ اتنا فلاں کو اتنا فلاں کو دینا۔ سالمہ کہتی ہے کہ میں نے کہا کہ آپ ایسے آدمی کو دیتے ہیں جس نے آپ پر چاقو سے حملہ کیا تھا اور آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ امام جعفر صادقؑ نے جواب دیا کہ تیرا ارادہ ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کی تعریف خدا ان الفاظ میں کرتا ہے۔ والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب۔ اے سالمہ خدا نے جنت کو پیدا کیا تو ان کو خشبودار نفیس کر دیا، اور اس کی ہوا کو بھی خشبودار کیا۔ اس کی ہوا دو ہزار سالوں کی راہ تک پہنچتی ہے لیکن باوجود اس کے اسکی ہوا اور خشبو قاطع رحم کو نہیں پہنچتی۔ کافی میں امام موسی کاظمؑ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو دو مصری پوشاکوں میں کفن دیا۔ جن میں آپ احرام باندھا کرتے تھے۔ اور اس قمیص میں جس کو آپ پہنتے تھے اور حضرت علی بن الحسین کے عمامہ میں اور اس چادر میں جو میں نے چالیس دینار میں خریدی تھی اور آج تو ان کی قیمت چار سو دینار ہوں گے۔

جب آپ کی وفات ہو گئی تو آپ کو تخت پر لٹا کر بقیع میں لے گئے اور وہاں دفن کیا۔

کافی میں ہے کہ جب امام محمد الباقر علیہ السلام کی رحلت ہوئی تو امام جعفر صادق نے حکم دیا کہ اس مکان میں جس میں امام محمد باقر رہتے تھے چراغ جلایا جائے چنانچہ جناب امام جعفر صادق کی وفات تک وہ چراغ جلتا رہا جب امام جعفر صادقؑ کا انتقال ہوا تو امام موسی الکاظمؑ نے حکم دیا کہ اس مکان میں جس میں امام جعفر صادق رہا کرتے تھے چراغ جلایا جائے۔ چنانچہ وہ چراغ اس وقت تک جلتا رہا کہ جب امام موسیٰ کاظمؑ عراق میں بلائے گئے راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد معلوم نہیں اس چراغ کا کیا ہوا۔

علامہ کلینی وغیرہ مورخین ابوایوب الجوزی کی روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک رات کو منصور نے مجھے بلوایا۔ میں جو گیا تو دیکھا کہ کرسی پر بیٹھا ہوا ایک خط پڑھ رہا ہے وہ خط اس نے مجھے دیا اور رونے لگا اور کہا کہ یہ محمد بن سلیمان والی مدینہ کا خط ہے وہ کہتا ہے کہ جعفر ابن محمد کا انتقال ہوا۔ جعفر کے مثل اب کون آدمی ہوگا۔ پھر مجھ

سے کہا کہ خط لکھ۔ میں لکھنے بیٹھ گیا اس نے لکھوایا کہ جس کے حق میں جعفر نے وصیت کی ہو اس کو بلا کر قتل کر دو۔ اس کا جواب چند دنوں کے بعد آیا کہ جعفر نے پانچ آدمیوں کے حق میں وصیت کی ہے ان میں سے ایک خود منصور ہے وہ پانچ یہ تھے ابو جعفر منصور، محمد بن سلیمان والی مدینہ، عبداللہ و موسیٰ پسران جعفر علیہ السلام اور حمیدہ والدۂ موسیٰ کاظم۔ یہ پڑھ کر منصور نے کہا کہ ان پانچ کا قتل کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ امام کا مطلب عیاں تھا۔ خلیفہ والی مدینہ تو امامت میں آپ کے جانشین نہیں ہو سکتے اور نہ عورت امام ہو، رہے عبداللہ و موسیٰ۔ تو عبداللہ کے پاس علم نہ تھا۔ علاوہ اس کے اگر چہ وہ سب سے بڑی اولاد موجود تھے۔ لیکن ان میں دو عیب تھے۔ ایک تو جہالت کا دوسرے وہ افطح تھے عیب دار شخص امام نہیں ہوتا۔ لے دے کے ایک موسیٰ کاظم ہی رہ گئے۔ وصیت دراصل امام موسیٰ کاظم ہی کے لئے تھی۔

مورخ مسعودی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق کو زہر دیا گیا۔ فصول المہمہ میں ہے کہ ایام منصور میں آپ کو زہر سے قتل کیا گیا۔ تذکرہ خواص الامتہ میں بھی یہی ہے یہ ۱۴۸ ھ کا واقعہ ہے آپ کی عمر ۶۵ سال کی ہوئی۔

......☆......

جن کے حوالے اس کتاب نور المشرقین من حیات الصادقین میں دیئے گئے ہیں یا جن کے مطالعے سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی ہے۔

شمار	نام کتاب	نام مؤلف	زبان	شمار	نام کتاب	نام مؤلف	زبان
۱	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	عربی	۲	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیری	عربی
۳	صحیح ترمذی	محمد بن عیسی ترمذی	عربی	۴	مشکوۃ المصابیح	شیخ ولی الدین محمد	عربی
۵	اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ	شیخ عبدالحق	عربی	۶	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن ماجہ	عربی
۷	فتح الباری شرح بخاری	ابن حجر عسقلانی	عربی	۸	مسند امام علی رضا	حضرت امام علی رضا	عربی
۹	مسند	احمد حنبل	عربی	۱۰	مسند	ابوداؤد الطیاسی	عربی
۱۱	مسند	ابویعلی	عربی	۱۲	مستدرک علی الصحیحین	ابوعبداللہ الحاکم	عربی
۱۳	تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی	عربی	۱۴	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابن عبدالبر	عربی
۱۵	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	عربی	۱۶	تذکرۃ الحفاظ	محمد بن احمد الذہبی	عربی
۱۷	کنز العمال	علی المتقی	عربی	۱۸	سنن ابی داؤد	ابوداؤد السجستانی	عربی
۱۹	سنن نسائی	ابوعبدالرحمن احمد النسائی	عربی	۲۰	اصول کافی	محمد بن یعقوب کلینی	عربی
۲۱	شرح فروغ الکافی	محمد بن یعقوب کلینی	عربی	۲۲	صافی شرح کافی	ملا خلیل	فارسی
۲۳	الاستبصار	ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی	عربی	۲۴	تفسیر کبیر	فخر الدین رازی	عربی
۲۵	الاتقان فی علوم القران	جلال الدین سیوطی	عربی	۲۶	کتاب الدر المنثور	جلال الدین سیوطی	عربی
۲۷	تفسیر کشاف	محمود بن محمد الزمخشری	عربی	۲۸	اسباب النزول	علامہ واحدی	عربی
۲۹	تفسیر لوامع التنزیل	مولوی ابوالقاسم الحائری	فارسی	۳۰	تاریخ الامم والملوک	محمد بن جریر الطبری	عربی
۳۱	تاریخ الکامل	ابن الاثیر		۳۲	تاریخ الخمیس	حسین دیار بکری	
۳۳	البدایہ والنہایہ فی التاریخ	ابن کثیر شامی		۳۴	تاریخ ابن خلدون	ابن خلدون	اردو
۳۵	مقدمہ تاریخ ابن خلدون	ابن خلدون	اردو	۳۶	مقدمہ تاریخ ابن خلدون	ابن خلدون	عربی
۳۷	المختصر فی اخبار البشر	ابوالفداء	عربی	۳۸	مروج الذہب	مسعودی	عربی

۳۹	کتاب الامامۃ والسیاست	ابن قتیبہ	عربی	۴۰	وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ	ابوالحسن علی بن عبداللہ السمہودی	عربی
۴۱	فتوح البلدان	احمد بن جابر البلاذری	عربی	۴۲	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین	عربی
۴۳	وفیات الاعیان	احمد بن خلکان	عربی	۴۴	احکام السلطانیہ	ابوالحسن علی	عربی
۴۵	حبیب السیر	غیاث الدین ہمام	فارسی	۴۶	طبقات الکبریٰ	ابن سعد	عربی
۴۷	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	عربی	۴۸	کتاب الاغانی	ابوالفرج اصفہانی	عربی
۴۹	مقاتل الطالبین	ابوالفرج اصفہانی	عربی	۵۰	مرآۃ الجنان	ابومحمد عبداللہ الیافعی	عربی
۵۱	سیرۃ النبی	مولوی شبلی	اردو	۵۲	الفاروق	مولوی شبلی	اردو
۵۳	المامون	مولوی شبلی	اردو	۵۴	سیرۃ سید احمد شہید	ابوالحسن علی ندوی	اردو
۵۵	تمدن اسلام	جرجی زیدان	اردو	۵۶	علوم عرب	جرجی زیدان	اردو
۵۷	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ	اردو	۵۸	حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم	عربی
۵۹	تذکرہ خواص الامۃ	سبط ابن جوزی	عربی	۶۰	نور الابصار	سید حسن شبلنجی	عربی
۶۱	مجالس المومنین	شہید ثالث رحمۃ اللہ علیہ	فارسی	۶۲	اعیان الشیعہ	سید محسن الامین الحسینی	عربی
۶۳	الدر النادر	مولوی سید مظہر حسن	اردو	۶۴	مآثر الباقریہ	سید اولاد حیدر	اردو
۶۵	احتجاج	احمد بن علی بن ابیطالب الطبرسی		۶۶	کتاب الارشاد	شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ	
۶۷	جلاء العیون	ملا محمد باقر مجلسی	فارسی	۶۸	بحار الانوار	علامہ باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ	عربی
۶۹	کشف الحقائق فی احوال جعفر الصادق	سید مظہر حسین	اردو	۷۰	تاریخ بغداد	خطیب بغدادی	عربی
۷۱	سیرۃ العلویہ	حیدر علی	اردو	۷۲	فوائد الرضویہ فی احوال علماء المذہب الجعفریہ	شیخ عباس قمی (حصہ اول ودوم)	فارسی
۷۳	امام ابوحنیفہ	علامہ عینی	اردو	۷۴	سیرۃ النعمان	شبلی	اردو
۷۵	ینابیع المودۃ	شیخ سلیمان بلخی	عربی	۷۶	مودۃ القربیٰ	سید علی ہمدانی	عربی
۷۷	خصائص سیدنا علی	نسائی	عربی	۷۸	ریاض النضرہ	محب الدین الطبری	عربی
۷۹	نزل الابرار	میرزا محمد بن معتمد خاں	عربی	۸۰	ارجح المطالب	عبیداللہ امرتسری	عربی
۸۱	مفتاح النجاء	میرزا محمد بن معتمد خاں	عربی	۸۲	احیاء المیت	جلال الدین سیوطی	عربی
۸۳	اشرف سوید	شیخ یوسف بن اسماعیل	عربی	۸۴	ناصر العترۃ الطاہرہ	سید ابوالقاسم	فارسی
۸۵	مناقب آل ابی طالب	علامہ ابن شہر آشوب	عربی	۸۶	الکلام	مولوی شبلی	اردو
	عماد الاسلام	مولوی سید دلدار علی رحمۃ اللہ علیہ	عربی		التکمیل	سید مرتضیٰ حسین	اردو

	بوارق الموبقہ	سلطان العلماء سید محمد صاحب	فارسی		طعن الرماح	سلطان العلماء سید محمد صاحب	فارسی
	حدیقہ سلطانیہ	سید العلماء مولوی سید حسین	فارسی		حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ	عربی
	تحفۃ الاشعریہ	مولوی سید محمد صاحب	اردو		انارۃ الابصار و کشف الاسرار	حکیم سید افضل علی خاں	اردو
	البلاغ المبین حصہ اول و دوم	محمد سلطان مرزا	اردو		کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام	محمد سلطان مرزا	اردو
	سیرۃ فاطمۃ الزہرا	محمد سلطان مرزا	اردو		تقلیب المکائد	مولوی سید محمد قلی رحمۃ اللہ علیہ	فارسی
	استقصاء الافحام	مولوی سید حامد حسین رحمۃ اللہ علیہ	فارسی		عبقات الانوار	مولوی سید حامد حسین رحمۃ اللہ علیہ	فارسی
	نزہۃ اثنا عشریہ	سید میرزا احمد	فارسی		نہضۃ الحسین	ہبۃ الدین	فارسی
	صوارم الہیات	غفران مآب مولوی سید دلدار علی	فارسی		جواہر عبقریہ	مفتی میر عباس رحمۃ اللہ علیہ	فارسی
	عقائد اسلام	عبدالحق	اردو		اسلام کا اقتصادی نظام	حفظ الرحمٰن سیوہاروی	اردو
	قصص القرآن	حفظ الرحمٰن سیوہاروی	اردو		اسلام کا نظام حکومت	حامد الانصاری	اردو
	اسلام کے معاشی نظریے	محمد یوسف الدین	اردو		الجہاد	علامہ مودودی	اردو

.......☆.......

پیش نظر کتاب میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے سوانح حیات اور ان کی تعلیم کا بیان ہے۔ سوانح حیات ہر سوانح عمری میں ملیں گے۔ لیکن آغا محمد سلطان مرزا صاحب نے کوشش کی ہے کہ ناظرین کی توجہ ان بزرگواروں کے کارامامت اور مقصد امامت کی طرف خاص طور پر سے منعطف کرائیں۔ تاکہ ان کی امامت کی دلیل ان کے کام میں نظر آئے۔

اس کتاب کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

☆ امامین علیہما السلام کی تعلیم اقوال وروایات کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

☆ اُس زمانہ کے بادشاہان اور خلفائے اسلام کے حالات کا بھی ذکر ہے۔ تاکہ ناظرین کی آنکھوں کے سامنے اُس زمانہ کی دنیا آجائے۔

☆ امامین علیہما السلام کے مقصد امامت کے واضح کرنے کے لئے ہم نے ان تکالیف ومصائب کا ذکر بھی کیا ہے جو حسد امامت وحرص خمس کی وجہ سے بادشاہان وقت نے ان کو پہنچائیں اور جن کے باوجود انہوں ... رس وتدریس میں لگے رہے۔